رضی اللہ عنہ

عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ

خلیفہء سوم کی جامع، مدلل اور مستند سوانح حیات

حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔اے

عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ

خلیفہء سوم کی جامع، مدلل اور مستند سوانح حیات

حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔ اے

مکی دار الکتب

37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

297.9922
ظ 62 ع
91243
۲/

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : عثمان غنی ذوالنورینؓ
مصنف : حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔اے
اشاعت : 2010ء
برائے :
مکی دارالکتب : 37-مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور
قیمت : 500 روپے

اہتمام : محمد عباس شاد
0321-9426395

37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور، پاکستان
فون: 042-37239138-38460196
Email: m_d7868@yahoo.com
www.darulshaour.com

فہرست

- پیش لفظ ____ 15
- نام ونسب ____ 23
  - لقب 24
  - خاندان 25
  - جناب رسول اللہ ﷺ اور بنوامیہ 26
  - سیاسی نظام میں بنوامیہ کا مقام 28
  - بنوامیہ اور عہد صدیقی اور عہد فاروقی 30
- قبول اسلام ____ 32
- دامادیٔ رسول ﷺ ____ 37
  - ایک شبہ اور اس کا جواب 39
  - دامادیٔ رسول ﷺ سے انکار 43
- ہجرت ____ 48
  - پہلی ہجرت 48
  - دوسری ہجرت 52
  - تیسری ہجرت 53
- بئر رومیہ کی خرید ____ 54

- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ بدر 56
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ احد 59
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوات ذات الرقاع 62

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بطور سفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ________ 64

- بیعت کی برکات 68
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ تبوک 71
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد صدیقی 75
- سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کا مشورہ 77

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد فاروقی رضی اللہ عنہ 79

- بیت المال کے بارے میں مشورہ 79
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مفتی کی حیثیت سے 80
- کاروبار خلافت میں معاونت 81

شہادت فاروق رضی اللہ عنہ اور انتخاب عثمان رضی اللہ عنہ ________ 82

- خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بخاری کی روایت 91

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ کی حیثیت سے ________ 98

- خلافت کا پہلا خطبہ 98

گشتی مراسلے ________ 100

- گورنروں کے نام گشتی مراسلہ 100
- فوجی کمانڈروں کے نام گشتی مراسلہ 101
- عاملین خراج کے نام گشتی مراسلہ 101
- عوام الناس کے نام گشتی مراسلہ 102

فتوحات ________ 103

◄ اسکندریہ کی فتح 111
◄ افریقہ کی فتح 121
◄ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی 123
◄ معزولی کی وجوہات 126
◄ سبیطلہ کی فتح 135
◄ اندلس کی فتح 138
◄ جزیرہ قبرص کی فتح 139
◄ بحری جنگ کے بارے میں ایک بشارت 142
◄ وجوب جنت کی خوش خبری 145
◄ فارس کی بغاوت 148
◄ اصطخر کی دوبارہ فتح 150
◄ خراسان اور طبرستان کی فتح 151
◄ طخارستان کی فتح 156
◄ بلخ کی فتح 158
◄ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا حج شکرانہ 159
◄ کرمان کی فتح 161
◄ سجستان کی فتح 163
◄ کابل اور زابلستان کی فتح 166
◄ آرمینیہ کی فتح 168
◄ دیبل اور جرزان کی فتح 170
◄ شمشاط اور ملطیہ کی فتح 170
◄ کسریٰ فارس کی ہلاکت 177
⊙ فتنہ کی لہریں ________ 187
◄ خلافت عثمانی میں فتنہ کے برگ و بار 190

- عبداللہ بن سباء، قائد تحریک 191
- عبداللہ ابن سباء کا حدود اربعہ 192
- بصرہ میں فتنہ کی ابتداء 195
- ابن سباء کا کوفہ میں داخلہ 197
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سبائیوں کو فہمائش 200
- سبائیوں کی تحریک کے اغراض و مقاصد 205
- محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کی تخریبی سرگرمیاں 207
- ① محمد بن ابی بکر 207
- ② محمد بن ابی حذیفہ 209
- خاتم رسول اللہ ﷺ کی گمشدگی 212

کوفہ میں انقلاب کی لہریں ______ 215

- تحقیقاتی کمیشن 219
- ایک گشتی مراسلہ 222
- موسم حج میں گورنروں کا اجتماع 223
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ میں آمد 225
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مشورہ 226
- مدینہ طیبہ پر باغیوں کی پہلی یورش 227
- مدینہ طیبہ پر باغیوں کی دوسری یورش 232
- مدینہ طیبہ پر باغیوں کی تیسری یورش 236
- کیا کوئی خط لکھا گیا تھا؟ 242
- سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر بہتان 248
- معزولی پر اصرار 249
- امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی توہین 250
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار 252

◄ محاصرہ کے دوران سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کردار 260
◄ امامت سے معزولی 263
◄ قصر خلافت کا محاصرہ 266
◄ محاصرہ کی شدت 266
◄ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ساتھ المیہ 270
◄ صحابہ زادوں کے ہاتھوں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت 275
◄ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ...... بطور امیر الحج 278
◄ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم پر نگرانی 281
◄ قصر خلافت کے دروازے پر تیر اندازی اور آگ 281
◄ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ 284
⦿ شہادت کی تیاری ________ 287
⦿ سانحہ کبریٰ ...... شہادت ________ 292
⦿ شہادت کے بعد ________ 296
◄ قاتل کون تھا؟ 297
◄ تاریخ شہادت 301
◄ تدفین 303
◄ جنازہ کی توہین 305
◄ ملائکہ کی نماز جنازہ 307
◄ کیا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہاتھ تھا؟ 308
⦿ شہادت عثمان کے نقصانات ________ 320
◄ پہلا نقصان 320
◄ دوسرا نقصان 322
◄ تیسرا نقصان 324
◄ چوتھا نقصان 325

◉ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تاثرات ____ 326

◄ ① سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ 327

◄ ② سیدنا عبداللہ بن عباس 327

◄ ③ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 328

◄ ④ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ 330

◄ ⑤ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ 331

◄ ⑥ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ 332

◄ ⑦ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا 332

◄ ⑧ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ 333

◄ ⑨ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ 334

◄ ⑩ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ 334

◄ ⑪ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ 334

◄ ⑫ سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ 335

◄ ⑬ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ 335

◄ ⑭ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 336

◄ ⑮ سیدنا ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ 336

◉ آئمہ تابعین کے تاثرات ____ 337

◄ ② امام حسن بصری رحمہ اللہ 337

◄ ③ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ 337

◄ امام محمد باقر رحمہ اللہ 338

◉ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا انجام ____ 339

◄ ① عبداللہ بن سباء 341

◄ ② مالک الاشتر النخعی 341

◄ ③ محمد بن ابی بکر 342

◀ ④ کنانہ بن بشر 346
◀ ⑤ محمد بن ابی حذیفہ 347
◀ ⑥ حکیم بن جبلہ 349
◀ ⑦ عبدالرحمٰن بن عدیس 351
◀ ⑧ عمرو بن الحمق 352
◀ ⑨ ذریح بن عباد اور ابن الحرش 354
◀ ⑩ عمیر بن ضابی 355
◀ ⑪ کمیل بن زیاد 355
◀ ⑫ جہجاہ الغفاری 356

⦿ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر ________ 357

◀ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان گورنر شام 360
◀ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ 372
◀ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر بن کریز الاموی القرشی گورنر بصرہ 377
◀ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ گورنر مصر 380
◀ سیدنا ولید بن عقبہ گورنر کوفہ 386
◀ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ 396
◀ عمال سے احتساب 413
◀ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت 419
◀ جوہر قابل کا انتخاب 420
◀ حج میں گورنروں کی طلبی 422
◀ اصلاحات 423
◀ رفاہ عامہ کے کام 424
◀ روزینوں میں اضافہ 426
◀ کنویں 427

◀ سرائیں اور بند 428
◀ مہزور کا بند 430
◀ بنجر زمین کی زرخیزی 430
◀ جنت البقیع کی توسیع 431
◀ مسجد الحرام کی توسیع 431
◀ مسجد نبوی ﷺ کی توسیع 432
مدینہ طیبہ کے ماحول کی خوشگواری 436
◀ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے باہر آباد ہونے کی اجازت 438
◀ محکمہ افتاد و قضاء 439
◀ گمشدہ اونٹوں کے بارے اصلاح 441
⊙ فوجی اصلاحات ________ 442
◀ فوجی مراکز 442
◀ تنخواہوں میں اضافہ 443
◀ فوجی چراگاہیں 444
◀ بحری بیڑا 445
⊙ دینی خدمات ________ 449
◀ قرآنی تعلیم کا انتظام 453
◀ جمع القرآن 454
◀ ایک الزام اور اس کا جواب 465
◀ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع شدہ قرآن میں فرق 466
◀ تحریف القرآن 469
⊙ فضائل و مناقب ________ 478
⊙ فضل و کمال ________ 496
◀ کتابت وحی 496

◀ کثرت تلاوت.......................... 502
◀ روایت حدیث.......................... 503
◀ اجتہاد.......................... 505
◀ علم الفرائض.......................... 508
◀ علم المناسک.......................... 509
◀ فرامین وخطبات.......................... 509
⊙ شعروشاعری __________ 511
⊙ اخلاق وعادات __________ 513
◀ خوف خدا.......................... 515
◀ محبت رسول ﷺ.......................... 518
◀ اہل بیت نبوت کا احترام.......................... 523
◀ اتباع سنت.......................... 525
◀ شرم وحیاء.......................... 527
◀ تواضع وخاکساری.......................... 530
◀ ایثار.......................... 532
◀ دیانت داری اور امانت.......................... 534
◀ صبر وتحمل.......................... 537
◀ زہد واتقاء.......................... 541
◀ جودوسخا.......................... 545
◀ صلہ رحمی.......................... 552
⊙ ذاتی حالات __________ 556
◀ شکل وصورت.......................... 556
◀ لباس.......................... 557
◀ مکان.......................... 559

- ذرائع معاش 559
- عبادت 562

◉ ازواج واولاد ________ 564

- ازواج 564
- ① رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ 564
- ② سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ 569
- ایک شبہ اور اس کا جواب 572
- ③ فاختہ بنت غزوان 575
- ④ ام عمرو بنت جندب دوسیہ رضی اللہ عنہا 576
- ⑤ فاطمہ بنت ولید المخزومیہ 576
- ⑥ ام البنین بنت عنیبہ فزاریہ 576
- ⑦ رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ 576
- ⑧ نائلہ بنت فراضہ کلبیہ 577
- سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ سے اولاد 577
- اولاد 587
- عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ 588
- ② عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ 588
- ③ عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ 589
- ④ سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ 590
- ⑤ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ 590

پیش لفظ

یہ کتاب خلیفہ راشد، امام مظلوم امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے جس میں ان کی شخصیت اور کردار کے بارے میں قرآن، حدیث اور تاریخ کی صحیح روایات کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ امام مظلوم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ان چودہ سو سال میں صرف اس وجہ سے تاریخ کے دبیز پردوں میں چھپائے رکھا گیا کہ وہ بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود بنوامیہ کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں مختلف غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لیے طرح طرح کی روایات وضع کی گئیں اور اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں ان کے روشن کارناموں کو نا آشنا رکھا گیا حالانکہ اسلام کی سیاسی تاریخ کے اوراق اس بات کی آنکھوں دیکھی شہادت پیش کرتے ہیں کہ اسلام کی جتنی خدمت اس خاندان نے کی اتنی شاید ہی کسی اور خاندان نے کی ہو۔ اور اسلام کی نشرواشاعت جتنی ان کے ایام خلافت میں ہوئی اتنی اور خاندانوں کے عہد میں نہیں ہو سکی۔ لیکن لوگوں کے ذہنوں میں ڈالا یہ گیا کہ یہ لوگ اوپر سے مسلمان تھے اور ان کے قلوب نے اسلام کی آواز پر لبیک نہیں کہا تھا۔

جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار'' کی جلد اول کے مقدمہ میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اسلام کی تاریخ کی تدوین بنوعباس کے دور میں ہوئی اور بنوعباس نے حکومت چونکہ بنوامیہ سے لی تھی اس وجہ سے انہوں نے بنوامیہ کے امیج (IMAGE) کو خراب کرنے کے لیے اور اپنی حکومت کی (JUSTIFICATION) کے لیے ان کے بارے میں ایسی ایسی روایات وضع کیں اور ان کو تاریخ کی کتابوں میں درج کروایا جن کا غلط اور لغو ہونا نہ صرف اہل علم کے نزدیک بلکہ ایک عام انسان کے نزدیک بھی مسلم تھا۔

اگر چہ اکثر اہل علم نے ان روایات کو روایت اور درایت کے اصولوں کی رو سے مسترد کر دیا لیکن پھر بھی بہت سی غلط روایات تاریخ کا جزو بن گئیں اور بہت سے واقعات جو تاریخ اسلام کے آغاز میں سیاسی مقاصد کے تحت تراشے گئے تھے زمانہ مابعد میں تاریخ کا ایک اہم حصہ بن گئے۔ چنانچہ مصر کے موجودہ صدی کے ماہر تاریخ الاستاذ محب الدین الخطیب اس بارے میں لکھتے ہیں:

''بے شک اسلامی تاریخ کی تدوین بنو امیہ کے زوال اور بنو عباس کے قیام کے وقت شروع ہوئی جن کو بنو امیہ کے محاسن و مفاخر اور فضائل و مناقب کا ذکر یک قلم نہیں بھاتا تھا۔ تاریخ اسلام کی تدوین تین گروہوں نے کی۔ ایک گروہ وہ تھا جو بنو امیہ کے دشمنوں کی نگاہ میں تقرب کے پیش نظر کتابیں تالیف کرتا تھا۔

دوسرا گروہ وہ تھا جو اپنے گمان باطل میں یہ سمجھتا تھا کہ اس وقت تک دین کامل نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ رب العزت کا تقرب حاصل ہوتا ہے جب تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور تمام بنو امیہ کے دامن شہرت کو داغدار نہ کیا جائے۔

اور تیسرا گروہ اہل انصاف اور اہل دین کا تھا جیسے ''طبری''، ''ابن عساکر''، ''ابن اثیر'' اور ''ابن کثیر'' وغیرہم۔ ان کی رائے میں انصاف کا تقاضا یہ تھا:

ان یجتمع اخبار الاخباریین من کل المذاهب والمشارب کلوط بن یحیی الشیعی محترق وسیف بن عمر العراقی المعتدل.

''کہ ہر مذہب اور ہر مشرب کے اخباریین مثلاً لوط بن یحییٰ (ابومخنف) جیسے سخت شیعہ اور سیف بن عمر عراقی جیسے معتدل قسم کے لوگوں کی خبروں اور روایتوں کو جمع کر دیا جائے۔''

اور شاید ان میں سے بعض ارباب اقتدار کی رضا جوئی اور تقرب کے لیے اس پر مجبور ہو گئے ہوں۔ ان میں سے اکثر نے اپنی روایات کے راویوں کے نام ذکر کر دیے ہیں تاکہ ہر بحث کرنے والا روایت کے روای پر بحث کر کے اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے پر بصیرت حاصل کر سکے۔

یہ تفصیل بیان کرنے کے بعد علامہ محب الدین الخطیب نے تاریخ کی صحیح حیثیت کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار فرمایا ہے:

وقد وصلت الينا هذا التركه لا على انها ماده غزيره للدرس والبحث يستخرج منها تاريخنا.

''ہمیں اپنے اسلاف سے رطب و یابس اور صحیح و غیر صحیح روایات کا یہی ترکہ ملا ہے لیکن یہ ہماری تاریخ نہیں بلکہ مطالعہ، درس اور بحث کا ایک کثیر مواد ہے جس سے ہماری تاریخ کا استخراج کیا جاسکتا ہے۔'' (العواصم من القواصم، تعلیقہ: ص ۱۷۷)

بتایا یہ گیا کہ تیسرے گروہ نے بھی جو تاریخ مرتب کی وہ دراصل تاریخ نہیں ہے بلکہ تاریخی روایات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں صحیح، ضعیف، منکر، منقطع ہر قسم کی روایات ملی ہوئی ہیں جن کو اہل بصیرت اور ارباب علم و دانش روایت و درایت کے اصولوں پر جانچ پرکھ کر صحیح روایات کا استخراج کر سکتے ہیں اور پھر ان صحیح روایات کی روشنی میں اسلامی تاریخ کو مرتب کرنا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں تاریخ کی پرانی کتابیں دراصل تاریخ نہیں ہیں بلکہ مادہ تاریخ ہیں جن سے تاریخ مرتب کی جاسکتی ہیں، لیکن بعض جاہل حضرات نے انہی کو تاریخ کی کتابیں سمجھ کر ان کی ہر غلط اور صحیح روایت کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے اور اس بات کی بھی پرواہ نہیں کی کہ وہ روایات قرآن واحادیث کی نصوص قطعیہ اور صحیحہ سے مطابقت بھی رکھتی ہیں یا نہیں؟ اور ان غلط روایات سے کون کون سی شخصیتیں مجروح ہوتی ہیں حالانکہ محدثین کا فیصلہ ہے کہ اگر کسی حدیث سے بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو تو اس کی تاویل واجب اور ضروری ہے۔

(نووی شرح مسلم: ۲/۲۷۸)

جب حدیث کی روایات کے بارے میں یہ حکم ہے تو تاریخ کی روایات کا کیا مقام ہے جن کا ۹۰ فیصد حصہ دریا برد کرنے کے قابل ہے۔ (خلافت وملوکیت: ص ۱۰۷، حاشیہ)

غرض اس زمانے میں جن لوگوں نے تاریخ کو مدون کیا ان میں بھی اکثر حضرات نے عام لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی کتابوں میں اکثر روایات ضعیف اور غیر محتاط راویوں سے اخذ کیں جنہوں نے خاص مقاصد کے تحت ایسی باتیں روایت کیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ تاریخ میں اکثر روایات واقدی، ابومخنف لوط بن یحیٰی، ابومعشر، ہشام

الکلبی اور محمد بن ہشام الکلبی وغیرہ سے لی گئیں جن کا ضعیف ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ موجودہ صدی کے سب سے بڑے مؤرخ علامہ شبلی نعمانی، ابن سعد اور طبری کی کتابوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات پر چنداں اثر نہیں ڈالتا۔ یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں، اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں، راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں، لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایت اور غیر مستند ہیں۔'' (سیرت النبی:۱/۴۵)

اس زمانہ میں تاریخ کی سب سے بڑی مشہور اور قدیم کتاب ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی ''تاریخ الامم والملوک'' ہے جو امہات الکتب کا درجہ رکھتی ہے اور بعد والے قریباً سب مؤرخین نے اسی سے استفادہ کیا ہے، لیکن خود اس کی حالت یہ ہے کہ طبری باوجود اپنی جلالت علمی کے ایک تو ذہنی طور پر شیعہ تھا اور دوسرے اس کی کتاب کی اکثر روایات شیعہ اور کذاب راویوں سے مروی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ محدث احمد بن علی سلیمانی کا قول فرماتے ہیں کہ

کان یضع للروافض.

''کہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ شیعوں کے لیے احادیث بنایا کرتا تھا۔''

(لسان المیزان:۵/۱۰۰)

ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے ایک اور بزرگ کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ابو جعفر الطبری وھوا امام من الائمة الامامية .

''ابوجعفر محمد بن جریر الطبری امامیہ (شیعہ) ائمہ میں سے ایک امام تھا۔''

(لسان المیزان:۵/۱۰۰)

اگرچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے سلیمانی وغیرہ کے اس قول کو بدگمانی پر محمول کیا ہے اور ان کو اسلام کے معتمد اماموں میں سے شمار کیا ہے:

ھذا رجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمة الاسلام المعتمدین.

''یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد ائمہ میں سے تھا۔'' (میزان الاعتدال:۳/۳۵)

لیکن ان دونوں حضرات کو بھی متفق ہو کر کہنا پڑا:

فیه تشیع...... لاتضر.

''ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں تھا۔''

(لسان المیزان: ۵/۱۰۰، میزان الاعتدال: ۳/۳۵)

جب مؤرخ شیعہ ہوں اور راوی کاذب، دروغ گو اور جلے بھنے شیعہ تو پھر ابنو امیہ کے کارنامے دنیا میں کیسے اجاگر ہو سکتے تھے۔ کیونکہ شیعہ حضرات کی زندگی کا مقصد وحید ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اچھائیوں کو دنیا سے چھپانا اور برائیوں کا ایک طومار ان کے ذمہ لگانا ہے، لیکن افسوس اپنوں پر ہے جنہوں نے ان روایات کو بنیاد بنا کر نہ صرف بنوامیہ بلکہ خلیفہ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی واہی تباہی اعتراضات کرنے شروع کر دیئے۔

① کبھی کہا کہ ان کی سیاسی پالسیاں اقرباء نوازی پر مبنی تھیں۔

② کبھی ان کے گورنروں کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا۔

③ کبھی ان کے داماد اور پرسنل اسسٹنٹ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے غلط اعتراضات شروع کر دیئے۔

④ کبھی ان کی پالیسیوں کو فتنہ انگیز قرار دیا۔

حالانکہ یہ ساری باتیں تاریخ کی ان روایات سے مستفاد ہیں جن کے راوی از سرتاپا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور تمام خاندان بنوامیہ کے خلاف تھے، بلکہ دشمن تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جو فتنہ انگیز اور غیر مدبرانہ ہو لیکن ایک خاص سازش کے تحت ان کی ہر بات کو غلط رنگ دیا جاتا، اس کا غلط مطلب نکالا جاتا اور پھر اس کو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلایا جاتا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے حلم کی وجہ سے اکثر دفعہ خاموش رہتے۔ حالانکہ ایسے لوگوں کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کا استعمال ضروری تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان شورش پسندوں کے بارے میں نرم واقع ہوئے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے پیش رووں کے نقش قدم پر چلیں۔ نرمی کے وقت نرمی اور سختی کے وقت سختی۔ شورش پسندوں اور شرانگیزوں کے لیے سختی ہی مناسب ہے۔ نرمی صرف ان لوگوں کے لیے چاہیے جن کے قلوب میں عوام کی

خیر خواہی کے جذبات ہوں، لیکن آپ دونوں کے لیے نرم ہیں۔"

(ابن اثیر:۳/۷۸، طبری:۵/۱۰۰)

ایک موقع پر خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ شر پسندوں کو جو اتنی جرأت ہوئی ہے وہ میری نرم اور صلح پسند پالیسی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

"بخدا! تم نے میری بعض ایسی چیزوں اور ایسے اقدامات پر حرف گیری اور تنقید کی ہے جن کو جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تو تم نے ان کو نظر استحسان سے دیکھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے تمہیں اپنے پیروں سے روندا، ہاتھوں سے مارا اور اپنی زبان سے تمہاری خبر لی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسیاں اور ان کے اقدامات تمہیں پسند تھے یا ناپسند، لیکن تمہیں جرأت نہیں تھی کہ تم ان پر اپنی زبان ہلا سکتے۔ میں نے نرمی اور بردباری اختیار کی، تمہارے لیے سراپا شفقت بنا، نہ تمہارے خلاف اپنا ہاتھ استعمال کیا اور نہ زبان، اس نرم پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم مجھ پر دلیر ہو گئے اور مجھ پر چڑھ دوڑے۔" (البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۶۹، ابن اثیر:ج ۳)

ایک موقع پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بہت سے ایسے کاموں کو ہدف تنقید بنایا جاتا جو اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیے ہوتے تو کوئی متنفس بھی زبان نہ کھولتا۔" (استیعاب:۲/۴۷۶)

اسی طرح امیر المومنین عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

"سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت کے خلاف ہو سوائے نرمی اور بردباری کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نرمی اور بردباری اختیار کی تو لوگ ان پر چڑھ دوڑے لیکن اگر وہ اسی طرح سخت گیر اور تشدد سے کام لیتے جس طرح سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لیا تو لوگ ان کے ساتھ کبھی بھی ایسا سلوک نہ کرتے جیسا کہ انہوں نے کیا۔" (طبقات ابن سعد:۵/۲۳۳)

مختصر یہ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ کے بارے میں جو کچھ بھی بیان کیا جاتا ہے، اس میں دروغ، کذب بیانی اور غلو زیادہ ہے اور حقیقت کا شائبہ کم ہے۔ وہ اسی طرح صحابی

رسول اور خلیفہ راشد تھے جس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اگرچہ کیڑے نکالنے والوں نے ان دونوں حضرات کی ذوات میں بھی کیڑے نکالے اور غصب فدک، غصب خلافت وغیرہ کے اتہامات ان دونوں حضرات پر بھی لگائے، لیکن اس کے باوجود اگر بیگانوں نے نہیں تو کم از کم یگانوں نے ہی ان کے بارے میں ضخیم کتابیں لکھیں جن میں ان کی سیرت، کارناموں اور فتوحات پر سیر حاصل بحث کی۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنوں کی زبانیں بھی ساکت اور خاموش اور قلمیں ساکن اور بانجھ رہیں جس کی وجہ سے عوام الناس ان کے کارناموں، فضائل، مناقب، فتوحات اور ان کی سیرت سے کافی حد تک آشنا رہے اور ہیں بلکہ بعض ذہن تو ان کے بارے میں طرح طرح کے شبہات میں بھی مبتلا ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کی ذات زندگی میں بھی مظلوم رہی اور آج تک مظلوم چلی آ رہی ہے۔ لہٰذا اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ ان کی شخصیت اور کردار کے بارے میں ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں ان کی سیرت کے وہ سارے پہلو اجاگر کیے جائیں جو ابھی تک پردہ خفا میں رکھے گئے ہیں اور ان تمام شبہات بلکہ اتہامات کے دلائل اور براہین کی روشنی میں جواب دیئے جائیں جو نہ صرف بیگانوں نے بلکہ بعض اپنوں نے بھی ان کی مقدس ذات پر لگائے۔ چنانچہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار'' کی دونوں جلدوں سے فارغ ہو کر اس امام مظلوم کی سیرت پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا اور قرآن وسنت اور تاریخ کی صحیح اور ثقہ روایات کی روشنی میں اپنی بساط علمی کے مطابق جو کچھ بن پڑا آئندہ صفحات میں اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے۔

یہ میری اپنی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ محض اللہ رب العزت کا فضل ہے جس نے مجھے اس خلیفہ راشد اور امام مظلوم رضی اللہ عنہ کی شخصیت و کردار کے بارے میں یہ سب کچھ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس سے قبل بھی بعض حضرات نے اسی جذبہ کے تحت آپ کی سیرت پر عربی اور اردو کتابیں لکھی ہیں، لیکن اگر میں یہ کہوں کہ میری یہ کتاب ان سب کتابوں سے زیادہ مکمل اور مفصل (COMPREMENSIVE) ہے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ لہٰذا میں یہ کہنے میں بھی حق بجانب ہوں کہ اس کتاب کا مطالعہ قاری کو اس موضوع پر دوسری سب کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دے گا۔ کیونکہ میں نے ان کی شخصیت اور کردار کے قریباً ہر پہلو پر بحث کی ہے بلکہ

کچھ مزید پہلو بھی زیر بحث آ گئے ہیں۔

آخر میں قارئین کرام سے گزارش ہے کہ دوران مطالعہ اگر کوئی غلطی نظر آئے یا کوئی پہلو تشنہ یا تفصیل طلب ہو تو مجھے ضرور اس سے مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ ہو سکے اور اگر کتاب اپنے موضوع پر واقعتاً مکمل اور مفصل محسوس ہو تو میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دشمنان صحابہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) وما توفیقی الا باللہ!

حکیم محمود احمد ظفر، سیالکوٹ

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی: عثمان رضی اللہ عنہ، کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمرو، لقب ذوالنورین (دونوروں والا)، والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی۔

والد کی طرف سے آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے:

عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبدمناف، گویا آپ کا شجرۂ نسب پانچویں پشت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبدمناف سے جاملتا ہے۔

(طبری: ۳/۴۴۴، ابن سعد: ۳/۵۳، تاریخ الخلفاء: ص ۱۴۷، مصر)

والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے:

اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن شمس بن عبدمناف۔

ماں کی طرف سے بھی آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدمناف سے جاملتا ہے۔

(طبقات: ۳/۵۳، التمہید والبیان: ص ۱۹، انساب الاشراف: ۵/۱، تاریخ الخفا: ص ۱۴۹)

آپ کی والدہ کی والدہ یعنی آپ کی نانی ام حکیم البیضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی صاحب زادی اور آپ کے والد محترم عبداللہ کی سگی بہن تھی۔ بعض مؤرخین نے ام حکیم کو حضرت عبداللہ کی جڑواں بہن لکھا ہے۔ اس لحاظ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کے نواسے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی آپ کا یہی رشتہ تھا۔

(تاریخ خلیفہ ابن خیاط: ۱/۱۳۱، اسدالغابہ: ۵/۱۹۱، مستدرک حاکم: ۹۶۳)

آپ کی نانی ام حکیم البیضاء، بنت عبدالمطلب کی صاحب زادی اروی بنت کریز کا

نکاح عفان بن ابی العاص بن امیہ سے ہوا جن سے ایک لڑکا عثمان رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکی آمنہ پیدا ہوئیں۔ سیدہ اروی اسلام لائیں اور ام کلثوم بنت عقبیٰ، جو کہ ان کی اپنی صاحب زادی تھیں، نکاح کے بعد ہجرت فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ منورہ میں ہمیشہ کے لیے قیام پذیر ہو گئیں۔ یہاں تک کہ اپنے صاحب زادے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عفان کے دور خلافت میں مدینہ منورہ ہی میں انتقال فرمایا۔ (طبقات ابن سعد: ۸/۶۶، انساب الاشراف: ۱/۵)

لقب:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ اپنی دو صاحب زادیاں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا آپ کے حبالۂ عقد میں یکے بعد دیگرے دی تھیں۔ اس وجہ سے آپ کا لقب ''ذوالنورین'' ہو گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فلذالک کان یلقب ذو النورین.

''اسی وجہ سے آپ کا لقب ''ذوالنورین'' ہو گیا۔'' (الاصابہ: ۲/۴۵۵)

مصطفیٰ بن محمد الرافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب **"عنوان النجابه فی معرفه من مات بالمدینه المنوره من الصحابه"** میں لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ''ذوالنورین'' اسی لیے کہا جاتا تھا...... **لانه تزوج بنتی رسول الله علیه وسلم احد اهما بعد الاخری** کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یکے بعد دیگرے دو صاحب زادیاں آپ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔

(عمدۃ القاری: ۱۶/۲۰۱، سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۷۳، عنوان النجابہ: ص ۲۳)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ ابن حجر مکی اور دوسرے علماء نے بھی ''ذوالنورین'' کے لقب کی یہی وجہ لکھی ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء: ص ۱۴۹، الصواعق المحرقہ: ص ۱۰۷)

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ آپ کا لقب ''ذوالنورین'' اس وجہ سے ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا:

فیه نور اهل السماء ومصباح اهل الارض.

''اس میں آسمان والوں کا نور اور زمین والوں کی روشنی ہے۔''
ایک اور قول یہ بھی ہے کہ آپ چونکہ رات کو نماز میں پورا قرآن ختم فرماتے تھے۔

القرآن نور و قیام اللیل نور.

''قرآن نور ہے اور قیام اللیل بھی نور ہے۔''
اس وجہ سے آپ کو ''ذوالنورین'' (دونوروں والا) کہا جانے لگا۔

(عثمان بن عفان، عباس محمود العقاد: ص۱۰۲)

ہوسکتا ہے کہ آپ کے لقب ''ذوالنورین'' کی دونوں وجہ ہی ہوں لیکن ترجیح پہلی بات ہی کو ہے۔

آپ کا یہ لقب اہل زمین ہی میں زبان زد خاص و عام نہ تھا بلکہ ملاء اعلیٰ میں بھی آپ کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا، نزال بن سبرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا:

ذاک امرا یدعی فی الملاء الاعلی ذا النورین.

''عثمان وہ شخص ہے جو آسمانوں پر فرشتوں کی جماعت میں ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔'' (الاصابہ: ۲/۵۵)

اسی طرح شیخ علی متقی الہندی نے نقل کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

یسمی فی السماء الرابعة ذا النورین.

''چوتھے آسمان پر ان کو ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔''

(کنزالعمال: ۶/۳۷۹، روایت: ۵۸۷۵)

یہ شہادت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نہ صرف زمین پر بلکہ آسمانوں پر بھی آپ کا لقب ذوالنورین تھا ع

یہ مقام اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خاندان:

آپ واقعہ فیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ (اصابہ: ۲/۴۵۵)

آپ کا خاندان عہد جاہلیت میں بھی غیر معمولی اقتدار کا حامل تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس (جن کی وجہ سے آپ کو اموی کہتے تھے) قریش کے رؤساء میں سے تھے۔ ''عقاب'' جو قریش کا قومی علم تھا، وہ بھی اسی خاندان کے پاس تھا۔ حرب بن امیہ، عقبہ بن معیط، ابوسفیان رضی اللہ عنہ سب اسی اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ غرض کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان شرافت ونجابت اور عزت واقتدار کے لحاظ سے عرب میں ایک نہایت ممتاز خاندان تھا۔ قریش کی سپہ سالاری کا منصب جو پہلے بنو مخزوم میں تھا، عبد شمس کے زمانہ میں یہ منصب بنو امیہ میں منتقل ہو گیا۔ چنانچہ عکاظ، فجار اول اور فجار دوم وغیرہ سب لڑائیوں میں جو زمانہ جاہلیت میں قریش اور دوسرے خاندانوں میں ہوئیں، سپہ سالاری کے فرائض عبد شمس کے پوتے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے والد حرب بن امیہ نے سرانجام دیئے۔ (العقد الفرید: ۳۱/۲)

حرب بن امیہ کی موت کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے تک قریش کی سپہ سالاری انہی کے ہاتھ میں رہی۔ جنگ بدر میں جو کہ اسلام اور کفر کے مابین سب سے پہلا معرکہ تھا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ قریش کے قافلہ کے ساتھ چونکہ شام گئے ہوئے تھے، اس وجہ سے ان کے سسر عتبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس کے بعد ان کے اسلام لانے تک جتنے معرکے بھی اسلام اور کفر کے درمیان ہوئے ان سب میں قریش کی قیادت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔

(تاریخ الاسلام السیاسی: ۳۱۵/۱)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو امیہ:

یہی وجہ تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوں جوں وہ اسلام لاتے رہے انہیں اپنی خاص نوازشات سے نوازتے رہے، کیونکہ آپ ان کے اندرونی مخفی جوہر سے آشنا تھے اور سمجھتے تھے کہ جس طرح ان لوگوں نے حالت کفر میں کفر کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے اسی طرح اب یہ اسلام کے لیے بھی اپنا سب سرمایہ حیات قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ جیسا کہ بنو امیہ کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی چار میں سے تین صاحب زادیوں، سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کا نکاح بنو امیہ میں کیا۔ اپنی سب سے

بڑی صاحب زادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا نکاح ابو العاص بن ربیعہ بن عبدالعزیٰ اموی سے کیا۔(سیرت ابن ہشام:۲/۲۷۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا کو بنایا۔(حیات القلوب، ملا باقر مجلسی:۲/۳۳۰، تاریخ الخلفاء:ص۱۵۲)

اور فرمایا کہ اگر میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے میں انہیں عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیتا۔(مجمع الزوائد:۲/۲۱۷)

ایک روایت میں چالیس بیٹیوں کا ذکر آتا ہے۔(تاریخ الخلفاء:ص۱۵۲)

دوسری طرف بنوامیہ کے سردار سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی سیدہ ام حبیب صلوٰۃ اللہ علیہا سے نکاح کر کے بنوامیہ سے اپنی نہایت قریبی رشتہ داری کے تعلقات قائم فرمائے۔
(زرقانی:۳/۲۴۲، اصابہ:۴/۳۰۵، صفوۃ الصفوۃ:۲/۲۲)

جمادی الاولیٰ ۴ھ میں غزوہ ''ذات الرقاع'' پیش آیا۔اس مہم میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

(طبقات ابن سعد:۳/۳۹)

پھر ۶ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت رضوان منعقد فرمائی اور آخر میں اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔(بخاری)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔(زرقانی:۲/۲۰۶)

اس بیعت میں اللہ جل شانہ نے صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طفیل چودہ سو اور بعض روایات کے مطابق پندرہ سو مسلمانوں کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا جس کا ذکر سورۂ فتح میں کیا گیا ہے۔(زرقانی:ص۱۸۰)

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًاO وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾
(الفتح:۱۹)

''بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا مومنوں سے جبکہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ پس اللہ نے ان کے دلوں کے (اخلاص اور محبت کو) جان لیا۔ چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی (خاص) سکینت اور طمانیت نازل فرمائی اور (انعام میں) ان کو قریبی فتح عطا فرمائی اور (اس کے علاوہ) اور بھی بہت سی غنیمتیں وہ حاصل کریں گے اور اللہ جل شانہ غالب حکمت والا ہے۔''

انہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اموی کو آپ نے کتاب وحی یک ذمہ دارانہ منصب پر مامور فرمایا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رات کے وقت وحی نازل ہوئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ آپ نے انہیں لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے اسی وقت تعمیل ارشاد کی۔ (کنز العمال:۶/۳۷۷)

سیاسی نظام میں بنوامیہ کا مقام:

بنوامیہ کو اسلامی اسٹیٹ کے سیاسی نظام میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص اہمیت دی۔ چنانچہ صوبوں کے گورنر اموی خاندان سے مقرر فرمائے اور اسٹیٹ کی انتظامی مشینری ان کے ہاتھ میں دی۔ فتح مکہ کے بعد مکہ کا گورنر، سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے چچا کے پوتے عتاب بن اسید کو مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال تھی اور روزینہ کے طور پر ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا۔ اس پر عتاب رضی اللہ عنہ نے یہ کہا:

ایھاالناس اجاع اللہ کبد عبد من جاع علٰی درھم.

''اے لوگو! اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے جو ایک درہم میں بھی بھوکا رہے۔''

(اسدالغابہ:۳/۳۵۸)

سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سارے دور خلافت میں مکہ کے گورنر رہے۔ (روض الانف:۲/۲۷۶، تہذیب التہذیب:۷/۸۹)

بعض روایات میں آتا ہے کہ مکہ مکرمہ کی امارت پر سرفراز فرماتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عتاب! تم کو معلوم ہے کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے۔ اہل اللہ پر، اگر مکہ والوں کے لیے تم سے زیادہ کوئی موزوں شخص نظر آتا تو اسے بناتا۔''

(اسد الغابہ: ۳/ ۲۵۸)

فتح مکہ سے دو رات قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قریش کے چار آدمی شرک سے دور اور اسلام سے قریب تر اور اس کی طرف راغب ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ۔''

(مستدرک حاکم: ۳/ ۵۹۵)

پھر ۸ھ میں حج کی امارت کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔

(تہذیب التہذیب: ۷/ ۸۹، اسد الغابہ: ۳/ ۲۵۸)

اس لحاظ سے سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو آپ نے نجران کا گورنر مقرر فرمایا۔

(استیعاب: ۲/ ۷۱۰، تہذیب التہذیب: ۴/ ۴۱۲)

اور منات بت کو توڑنے کے لیے آپ ہی کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ آپ نے وہاں جا کر اس بت کو منہدم کیا۔ (تہذیب التہذیب: ۴/ ۴۱۲)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف اور اس کے ملحقات کا گورنر مقرر فرمایا۔ (زرقانی: ۳/ ۳۶۳، زاد المعاد: ۱/ ۳۱)

آپ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے چچا عاص کے بیٹے تھے۔ جنگ مرج میں شہید ہوئے اور جہاد شام کے لیے سب سے پہلے آپ نے ہی آمادگی کا اظہار کیا تھا۔

(فتوح الشام ازدی: ۱/ ۴)

عثمان بن سعید رضی اللہ عنہ کو آپ نے بحرین کی گورنری عطا فرمائی۔ (استیعاب: ۱/ ۳۵)

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحب زادے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو تیما کا گورنر مقرر فرمایا۔ (زرقانی: ۳/ ۳۶۳، اصابہ: ۶/ ۳۴۱)

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكان بنو امية اكثر القبائل عمالاً للنبي صلى الله عليه وسلم فانه لما فتح مكه استعمل عليها عتاب بن اسيد بن ابى العاص بن امية واخويه ابان و سعيدا على اعمال آخر واستعمل ابا سفيان بن حرب وابنه يزيد ومات وهو عليها وصاهر النبي صلى الله عليهوسلم بناته الثلاثة لبني امية.

"نبی اکرم ﷺ کے گورنروں میں دوسرے خاندانوں کی نسبت بنوامیہ کے لوگ اکثر وبیشتر تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ نے عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا اور خالد بن سعید بن ابی العاص اور ان کے دونوں بھائیوں ابان رضی اللہ عنہ اور سعید رضی اللہ عنہ کو دوسرے علاقوں کا گورنر بنایا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحب زادے یزید رضی اللہ عنہ کو بھی (نجران اور تیما کا) گورنر بنا کر بھیجا۔ حتیٰ کہ آپ کی وفات تک وہ اس منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی تین بیٹیوں (زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کو بھی بنوامیہ ہی میں بیاہا۔"
(منہاج السنۃ: ۲/۱۴۵)

بنوامیہ اور عہد صدیقی اور عہد فاروقی:

جس خاندان کو جناب رسول اللہ ﷺ اپنی نوازشات سے نوازیں اور اسٹیٹ میں ان کو بڑے بڑے عہدوں پر خود سرفراز فرمائیں، بھلا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے عہد راشدہ میں اس خاندان کی قابلیت اور تدبر سے فائدہ نہ اٹھاتے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کے صفحات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ خلفائے راشدین نے اس خاندان کے لوگوں کی قابلیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اسٹیٹ میں گورنروں اور سپہ سالاروں کی آسامیوں کے لیے اس خاندان کی خدمات حاصل کیں، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جنگ ردہ میں اموی سرداروں کی خدمات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ہر موقع پر اموی قائدین نے نہایت قابلیت، محنت اور جانفشانی سے اپنے فرائض سرانجام دے کر خلافت اسلامیہ میں ایک خاص مقام اور اہمیت حاصل کی۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ بن

ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور دیگر اموی عمائدین نے خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں اسلام اور اہل اسلام کی شبانہ روز کوششوں سے حکومت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ یہاں تک کہ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی قابلیت سے متاثر ہو کر انہیں دمشق کا گورنر مقرر فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ۴/۴۷۰، ہسٹری آف عزیز: ص ۱۴۸، فتوح البلدان بلاذری: ص ۴۸، ۱۳۶، وغیرہم)

قبول اسلام

جناب رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ کی سرزمین میں دعوت اسلام کا آغاز کیا تو آپ کی آواز پر جس شخص نے سب سے پہلے لبیک کہا وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے جب اسلام کی روشنی سے اپنے دل کو منور کیا تو اس روشنی کی اشاعت کے لیے آپ نے اپنا سارا اثر و رسوخ استعمال فرمایا اور جو شخص آپ سے ملتا یا جس سے شخص پر آپ کا کچھ اثر تھا، آپ اسے دین اسلام کی دعوت دیتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جب دعویٰ نبوت کیا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ۳۴ سال تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جاہلیت ہی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام دی۔ دوران گفتگو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بارگاہِ نبوت میں حاضر خدمت ہو کر اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن ابھی یہ بزرگ خیال ہی کر رہے تھے کہ خود جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''عثمان! خدا کی جنت کو قبول کر، میں تمہاری اور تمام مخلوق کی ہدایت و راہنمائی کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زبان رسالت کے یہ صاف اور سادہ جملے میرے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں داخل ہو گئے اور میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ (یہ اسلام میں مردوں میں چوتھے مسلمان تھے)۔ (موسوعۃ التاریخ الاسلامی: ۱/ ۶۱۸، طبقات: ۳/ ۵۵)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک دن گھر گیا تو میری خالہ سعدی کو اہل خانہ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میری خالہ علم کہانت سے بھی

آشنا تھیں مجھے دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

ابشر وحییت ثلاثا وترا

اے عثمان! تم کو خوشخبری ہو اور سلامتی ہو

ثم ثلاثا وثلاثا اخری

تین دفعہ، تین دفعہ اور تین دفعہ

ثم باخری کی تستقم عشرا

اور ایک دفعہ تاکہ پورے دس ہو جائیں

لقیت خیرا و وقیت شرا

تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ رہا

نکحت واللہ حصانا زھرا

بخدا تو نے ایک نہایت پاکباز اور حسین عورت سے نکاح کیا

وانت بکر ولقیت بکرا

تو خود بھی کنوارا ہے اور تیری شادی بھی دوشیزہ سے ہوگی

مجھے اپنی خالہ کے ان الفاظ سے بڑا تعجب ہوا اور اسی تعجب کی حالت میں، میں نے اپنی خالہ سے پوچھا کہ خالہ تم نے یہ کیا الفاظ کہے ہیں۔ اس پر میری خالہ نے پھر یہ درج ذیل شعر پڑھے:

عثمان یا عثمان یا عثمان

اے عثمان! اے عثمان! اے عثمان

لک الجمال ولک الشان

تیرے لیے جمال بھی ہے اور شان بھی

ھذا النبی معہ البرھان

یہ نبی ہیں اور ان کے ساتھ براہین بھی ہیں

ارسلہ بحقہ الدیان

رب الجزاء نے ان کو بھیجا ہے حق کے ساتھ

وجـاء ہ التـنـزيل والفـرقـان
ان پر حق تعالیٰ کا کلام اترتا ہے اور فرقان بھی
فـاتـبـعـه لا تغتـابـک الاوثـان
پس تو اس کی تابعداری کر، ایسا نہ ہو کہ بت تجھے گمراہ کر دیں

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: ''اے خالہ! تیری باتیں میری سمجھ سے بالا ہیں کیونکہ تو نامعلوم اشیاء کا نام لے رہی ہے۔'' اس پر میری خالہ نے جواب دیا:

محمد بن عبدالله، رسول من عندالله، يتنزيل الله، يدعوالى الله، قوله صلاح، ودينه فلاح، امره نجاح، ما يشفع الصياح لووقع الرماح، وسلت الصفاح، ومدت الرماح.

''محمد بن عبداللہ، اللہ رب العزت کے رسول اور پیغمبر ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اللہ کا کلام لے کر آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، ان کا قول انسانیت کے لیے سراپا بہتری، ان کا دین فلاح کا ضامن اور ان کا حکم باعث نجات، ان کے سامنے کسی کی چیخ و پکار فائدہ نہیں دیتی اگرچہ کتنے ہی نیزے اور تلواریں اس کے مقابلہ میں چلائی جائیں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنی خالہ کا کلام میرے دل میں اثر کیا گیا اور میں سوچ میں پڑ گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے میرے تعلقات پہلے ہی سے بڑے گہرے تھے میں ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے متفکر دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے خالہ کی ساری باتیں انہیں سنائیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عثمان! تم بڑے ذہین آدمی ہو اور حق و باطل کے فرق کو نہایت اچھے طریقے سے سمجھتے ہو۔ یہ بت جن کی بندگی میں ہماری پوری قوم مبتلا ہے، اندھے اور بہرے ہیں۔ یہ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''بخدا آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔'' اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: عثمان! تمہاری خالہ نے بالکل صحیح کہا۔ محمد بن عبداللہ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ نے اپنا پیغام دے کر ان کو انسانیت کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ تم اگر مناسب سمجھو تو آپ کی خدمت اقدس میں جا کر آپ کا کلام سنو۔'' اتفاق ایسا ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے

گزرے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ اٹھے اور آپ کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا۔ آپ میرے پاس تشریف لائے اور مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''اے عثمان! اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے، اس کو قبول کرو۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے ہی میں ایسا بے اختیار ہو گیا کہ

اسلمت وشهدت ان لا اله الا الله وحده لاشريك له وان محمدا عبده ورسوله.

''میں فوراً اسلام لے آیا اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ وحدہ لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

چند سال گزرے کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا میرے نکاح میں آئیں۔ اس پر بھی میری خالہ نے کچھ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

① اللہ رب العزت نے اپنے بندے عثمان رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ ہی راہ حق کی ہدایت دیتا ہے۔

② عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی پختہ اور صحیح رائے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔ وہ اروی کا بیٹا تھا اور حق سے اعراض نہ کیا۔

③ اس پیغمبر نے اپنی ایک صاحبزادی اس کے نکاح میں دے دی اور یہ اجتماع ایسا تھا جیسے سورج اور چاند افق میں ملتے ہیں۔

④ اے ہاشم کے صاحبزادے! میری جان آپ پر قربان۔ آپ اللہ کے امین ہیں اور مخلوق خدا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۹۸۔۱۹۹، اصابہ: ۱/ ۳۲۷، الریاض النضرۃ: ۱/ ۸۵، عثمان بن عفان، عباس محمود العقاد: ص ۵۷)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كان ابوبكر مولفاً لقومه فجعل يدعوا الى الاسلام من يثق به فاسلم على يديه فيما بلغني الزبير وطلحه و عثمان.

''ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے بہت خیر خواہ تھے، جو شخص بھی آپ پر اعتماد کرتا آپ اسے اسلام کی دعوت دیتے، چنانچہ آپ کے ہاتھ پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔'' (اصابہ: ۴۵۵/۵)

اسلام لانے میں آپ ''السابقون الاولون'' میں سے ہیں۔ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام لانے میں آپ کا نمبر چوتھا ہے۔ ان سے قبل صرف تین شخص اسلام لائے تھے، چنانچہ اپنے ایام محاصرہ میں باغیوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے تھے:

انی لرابع اربعه فی الاسلام.

''میں قبول اسلام کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر ہوں۔'' (تاریخ الخلفاء)

گویا سدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے اعتبار سے آپس میں قریب تر ہیں، اسی وجہ سے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دونون کی یہ مشترکہ خصوصیت بیان فرماتے ہیں:

قرابة من رسول الله صلى الله عليه واله وسلم والقدم في الاسلام.

''رسول اللہ ﷺ سے دونوں کی قرابت ہے (یعنی دونوں داماد رسول ﷺ ہیں) اور اسلام لانے میں دونوں قدامت کے حامل ہیں۔'' (صحیح بخاری)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عثمان بن عفان، صادق عرجون: ص ۵۳، فتنة مقتل عثمان: ۴۷/۱، ذوالنورين عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، رشيد رضا: ص ۱۲، انساب الاشراف: ص ۸۹، دعاء علی قميص عثمان، ابراهيم المنتاوی: ص ۸۴، الامين، ذوالنورين: ص ۳۵۴، جوله تاريخته فی عصر الحلفاء الراشدين: ص ۳۰۲)

دامادیٔ رسول ﷺ

اسلام کے قبول کرنے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ شرف وفضیلت حاصل ہوئی جو ان کی کتاب مناقب وفضائل کا سب سے درخشاں باب ہے اور جس پر وہ جتنا ناز کریں کم ہے اور وہ شرف وفضیلت ہے ''دامادیٔ رسول'' یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی منجھلی صاحبزادی سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی دو صاحب زادیاں آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور یہ وہ شرف ہے جو پوری انسانی تاریخ میں کسی شخص کو حاصل نہیں ہوا۔ گویا یہ آپ کی ایک خاص خصوصیت ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس نکاح کے بارے میں فرماتے ہیں:

''علماء کا قول ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ (پوری تاریخ انسانیت میں) کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس نے کسی نبی کی دو بیٹیوں سے شادی کی ہو۔ اسی وجہ سے آپ کو ''ذوالنورین'' (دونوروں والا) کہا جاتا ہے۔''

بیہقی نے سنن میں عبداللہ بن عمر بن ابان الجعفی سے روایت کی ہے کہ مجھ سے میرے ماموں حسین الجعفی رضی اللہ عنہ نے کہا، تمہیں معلوم ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ''ذوالنورین'' کیوں کہتے ہیں؟ میں نے کہا، نہیں۔ انہوں نے کہا خلقت آدم سے لے کر قیامت تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں جمع نہیں ہوئیں۔ اس لیے انہیں ''ذوالنورین'' کہا جاتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک سوال کے جواب میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

کے بارے میں فرمایا:

ذاک امراء یدعی فی الملاء الاعلی ذوالنورین کان ختن رسول الله صلی الله علیه واله وسلم علی ابنتیه.

''یہ وہ شخص ہے جس کو ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے اور ان کے نکاح میں آپ کی دو صاحب زادیاں آئیں۔'' (تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ)

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ آپ کی اس خاص خصوصیت کا ذکر فرماتے ہوئے یہ بھی ذکر فرماتے ہیں کہ اس نکاح سے آپ جہنم کی آگ سے بھی آزاد ہو گئے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی کہ ''میرے داماد اور سسرال کو جہنم کی آگ سے آزاد فرمانا۔''

چنانچہ لکھتے ہیں:

زوجه رسول الله صلی الله علیه واله وسلم ابنتیه رقیه ثم ام کلثوم واحدة بعد واحدة وقال لو کان عندی غیر هما لزوجتکما وثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال سألت ربی عزوجل ان لایدخل النار احدا صاهر الی او صاهرت الیه.

''جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو صاحب زادیوں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا کو یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں دیا اور فرمایا کہ ان دونوں کے علاوہ بھی اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو وہ بھی میں ان کے نکاح میں دے دیتا۔ اور یہ بات بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ میرے داماد اور میرے سسرال کو ہرگز جہنم میں داخل نہ فرمانا۔'' (استیعاب)

جب آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا وفات پا گئیں تو اسی زمانہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ اپنی بیٹی کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں خود حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لوں اور عثمان رضی اللہ عنہ کو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا میں

دے دوں۔ (استیعاب)

اس نکاح کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجد کے دروازہ پر ملے اور فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ یہ جبریل علیہ السلام ہیں اور مجھے خبر دیتے ہیں کہ

ان اللہ قد زوجک ام کلثوم بمثل صداق رقیہ علی مثل مصاحبتھا۔

''اللہ تعالیٰ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح تجھ سے کر دیا ہے، رقیہ کے برابر حق مہر پر اور اس حسن سلوک پر جو حسن سلوک تم رقیہ سے کرتے تھے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۴)

ایک شبہ اور اس کا جواب:

بعض لوگ سادہ دل مسلمانوں کو ایک مغالطہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے صرف ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کی پچھلے شوہر سے تھیں یا پھر ویسے ہی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب تھیں۔

یہ مغالطہ اور شبہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم خود اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (احزاب: ۵۹)

''اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہ نیچے لٹکائیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں، اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی ان کو نہ ستائے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت میں حق جل وشانہ نے ''بنات'' کا لفظ استعمال فرما کر یہ بتا دیا ہے کہ

جناب رسول اللہ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ کیونکہ لفظ ''بنات'' بنت کی جمع ہے اور عربی زبان میں جمع کا لفظ کم از کم تین افراد پر بولا جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں ''بنات'' سے مراد امت کی عورتیں اور بیٹیاں ہیں تو اس شبہ کا جواب حق تعالیٰ شانہ نے خود ہی اگلے لفظ ﴿نساء المومنین﴾ (مومنوں کی عورتوں) میں دے دیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ''بنات'' سے یہاں مراد امت کی بیٹیاں یا عورتیں ہیں یا تو تعصب کی وجہ سے ہے یا جہالت کی وجہ سے۔ وگرنہ قرآن کریم کی آیت صراحت سے بیان کرتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خود کتابوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ وہ سب بیٹیاں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھیں اور ان کے والد محترم جناب رسول اللہ ﷺ تھے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رقیه بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم امها خدیجه بنت خویلد و قال ابن شهاب فتزوج عثمان بن عفان رضی الله عنه رقیه بمکة وهاجرت معه الی الرض الحبشة.

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے بطن سے جناب رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا تھیں۔ ابن شہاب کا قول ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں شادی کی اور انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔'' (استیعاب: ۴/۲۹۹)

ملا باقر علی مجلسی جو تاریخ و حدیث میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی اولاد کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''در قرب الاسناد، سند معتبر از حضرت صادق رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شد طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ را بحضرت امیر المومنین تزویج نمود و تزویج کرد با بوالعاص بن ربیعہ کہ از بنی امیہ بود زینب را و بہ عثمان بن عفان ام کلثوم را و پیش از آنکہ بخانہ آں برود برحمت الٰہی واصل شد و بعد از و رقیہ را باو تزویج نمود۔''

''قرب الاسناد میں معتبر سند کے ساتھ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اولاد ہوئی، وہ طاہر، رضی اللہ عنہ، قاسم رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ سے بیاہا اور زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیعہ اموی سے کیا اور عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا اور قبل اس کے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے گھر میں جاتیں، انتقال کر گئیں۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔''

(حیات القلوب: ۲/۴۴۶، لکھنؤ)

یہی ملا باقر مجلسی ایک مقام پر اولاد رسول کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ابن بابویہ بسند معتبر از اں حضرت روایت کردہ است کہ از برائے رسول متولد سد از خدیجہ قاسم و طاہر و نام طاہر عبداللہ بود و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ فاطمہ را تزویج نمود و تزویج نمود زینب را ابوالعاص رضی اللہ عنہ ابن ربیعہ داد مردے بود از بنی امیہ و عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ام کلثوم را تزویج نمود و پیش از آنکہ بخانہ آورد و برحمت الٰہی واصل شد پس چوں بجنگ بدر رفتد حضرت رسول رقیہ را باد تزویج نمود۔

''ابن بابویہ نے بسند معتبر حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پیدا ہوئی قاسم رضی اللہ عنہ، طاہر رضی اللہ عنہ اور طاہر کا نام عبداللہ تھا، اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، زینب رضی اللہ عنہا، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ اور زینب رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیعہ کا اور وہ خاندان بنوامیہ سے تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے سیدہ ام کلثوم کا نکاح ہوا۔ اور پیشتر اس کے کہ وہ انہیں اپنے گھر لاتے وہ انتقال کر گئیں۔ پس جب جنگ بدر کو گئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ کی ان سے شادی کر دی۔'' (حیات القلوب: ۲/۵۵۹)

اولاد رسول کے بارے میں سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ

فولدت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولده كلهم الا ابراهيم، القاسم وبه كان يكنى والطاهر الطيب وزينب ورقية و ام كلثوم و فاطمة عليهم السلام.

فاما القاسم، الطيب، الطاهر، فهلوكا فى الجاهلية واما بناته كلهن ادركن الاسلام فاسلمن و هاجرن معه صلى الله عليه وسلم.

"رسول اللہ ﷺ کی ساری اولاد سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے ہوئی سوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے (اور جو اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی وہ یہ ہے) قاسم رضی اللہ عنہ جن کے نام پر اپ نے اپنی کنیت (ابو القاسم) رکھی اور طاہر رضی اللہ عنہ، طیب رضی اللہ عنہ، زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا، اور فاطمہ علیہم السلام۔

قاسم رضی اللہ عنہ، اور طیب رضی اللہ عنہ، طاہر رضی اللہ عنہا تو قبل از نبوت ہی انتقال کر گئے اور آپ کی سب صاحب زادیاں آپ کی بعثت کے بعد تک رہیں، اسلام لائیں اور آپ کے ساتھ ہجرت کی۔" (سیرت ابن ہشام: ۱/۵۰)

ابن سعد نے ہشام بن محمد بن السائب کلبی کا بیان نقل کیا ہے کہ

"مکہ میں نبوت سے قبل جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاں سب سے پہلے قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، پھر زینب رضی اللہ عنہا، پھر رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔"

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۳۳)

علامہ طبری، ابو جعفر محمد بن حبیب، علامہ ابن عبدالبر اور ابن سعد وغیرہ نے مستند حوالوں سے بیان کیا ہے کہ

"نبی اکرم ﷺ سے پہلے سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے دو شوہر انتقال کر چکے تھے۔ ایک ابو ہالہ تمیمی جس سے ان کے ہاں ہند بن ابو ہالہ پیدا ہوئے اور دوسرے عتیق بن عائذ مخزومی جس سے ان کے ہاں ایک لڑکی ہندہ نامی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد ان کا نکاح جناب رسول اللہ ﷺ سے ہوا اور تمام علمائے انساب اس بارے میں متفق ہیں کہ آپ کی صلب سے ان کے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، پیدا ہوئیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۲/۴۱۱، کتاب المحبر: ص ۷۸ـ۷۹، ص ۴۵۲، طبقات ابن سعد: ۸/۱۴ـ۱۶، استیعاب: ۲/۷۱۸)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحب زادیاں پیدا ہوئیں۔ سب سے بڑی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، ان سے چھوٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ان سے چھوٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان سے چھوٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔''

(جوامع السیرۃ: ص ۳۸ـ۳۹)

مشہور شیعی مؤرخ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ

جمعے از علماء خاصہ و عامہ را اعتقاد آنست کہ رقیہ و ام کلثوم و دختران خد... از شوہر دگر کہ پیش از حضرت رسول داشتہ و حضرت ایشا نرا ربیت کردہ بود ... حقیقی آں جناب بودند و بعضے گفتہ اند کہ دختران ہالہ خواہر خدیجہ بودند و برنفی این دو قول روایات معتبرہ دلالت کنند۔

''علمائے عامہ و خاصہ کی ایک جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صاحب زادیاں نہ تھیں بلکہ ان کے دوسرے شوہر سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آنے سے پہلے تھا، اس سے تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت کی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحب زادیاں نہ تھیں بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ کی صاحب زادیاں تھیں، لیکن ان دونوں اقوال کی نفی اور تردید پر معتبر روایات دلالت کرتی ہیں۔''

(حیات القلوب: ۲/۵۲)

دامادیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار:

بعض جاہل لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دامادِ رسول ہونے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی صورت بھی سیدنا عثمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد ماننے کو تیار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایسی بات کہنے والے نہ صرف متعصب اور ہٹ دھرم ہیں بلکہ

جاہل اور غبی بھی ہیں۔ کیونکہ تاریخ کی سب کتابوں میں اور نہ صرف تاریخ کی بلکہ شیعہ اور سنی حدیث کی کتابوں میں بھی صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی دو حقیقی بہنیں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا ان کے حبالۂ عقد میں تھیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحب زادیوں کے نکاح کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

وهاجرت (عثمان) الى الحبشة اول الناس ومعه زوجته رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عاد الى مكه وهاجر الى المدينة فلما كانت وقة بدر اشتغل يتمريض ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم واقام بسببها ف المدينة و ضرب له رسول الله صلى الله عله وسلم بسهمه عنها واجره فيها، فهو معدود فيمن شهدها فلما توفيت زوجه رسول الله صلى الله عليه وسلم باختها ام كلثوم فتوفيت ايضاً فى صحبة وقال رسول الله صلى الله عله وسلم لو كان عندنا اخرى لزوجنا ها بعثمان.

''اور آپ (عثمان رضی اللہ عنہ) نے سب لوگوں سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ پھر وہاں سے آپ مکہ تشریف لائے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ پس جب جنگ بدر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری میں مصروف رہے اور اسی سبب مدینہ طیبہ میں موجود رہے (اور جنگ میں شرکت نہ کر سکے) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کے مال غنیمت میں سے انہیں برابر حصہ دیا اور اجر و ثواب میں بھی انہیں شامل کیا۔ اس سبب سے وہ شرکاء بدر میں سے شمار ہوتے ہیں۔ جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہمشیرہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی کر دی اور وہ بھی آپ کے ہاں ہی فوت ہوئیں (ان کی وفات پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بھی بیٹی موجود ہوتی تو میں اس کو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں دے دیتا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۰۰)

اس بارے میں عصمہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال پر ارشاد فرمایا:

زوجوا عثمان لو كان لي ثالثة لزوجته و ما زوجته الا بالوحي من الله.

''لوگو! تم عثمان رضی اللہ عنہ کو رشتہ دے دو کیونکہ (عثمان رضی اللہ عنہ اس قدر نیک طینت ہیں کہ) اگر میری کوئی تیسری صاحب زادی بھی ہوتی تو میں اس کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہ دیتا اور میں خود (اپنی بیٹیوں کو کسی سے) نہیں بیاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں۔'' (نبراس: ص ۴۸۶، حاشیہ تاریخ الخلفاء)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے داماد رسول ہونے کے بارے میں نہ صرف اہل سنت کی کتب ہی بھری پڑی ہیں بلکہ حضرات شیعہ کی معتبر کتب بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح داماد رسول تھے بلکہ ان کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی دو صاحب زادیاں تھیں جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک صاحب زادی تھی۔

وقد رايت كما راينا وسمعت كما سمعنا، وصحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم كما صاحبنا وما ابن ابى قحافة ولا ابن الخطاب باولى بعمل الحق منك وانت اقرب الى سول الله صلى الله عليه وسلم وشيحه رحم منها وقد نلت من صهره مالم ينالا.

''اور آپ نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی دیکھا جیسا ہم نے دیکھا آپ نے بھی ایسا ہی ان سے سنا جیسا ہم نے سنا اور آپ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی ایسی ہی صحبت اٹھائی جیسی ہم نے اٹھائی اور نہ ہی ابن ابی قحافہ (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور نہ ہی ابن الخطاب (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ تھے بلکہ آپ رحمی قرابت کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے ان دونوں سے زیادہ قریب تھے کہ آپ کو دامادی رسول کا وہ عز و شرف حاصل ہوا جو ان دونوں کو حاصل نہ ہوا تھا۔''

(نہج البلاغہ: ص ۲۹۱، بیروت)

(۲) مشہور شیعہ مجتہد قاضی نور اللہ شوستری جن کو شہید ثالث بھی کہا جاتا ہے، اپنی مشہور

کتاب ''مجالس المومنین'' میں لکھتے ہیں:

اگر نبی دختر بعثمان داد ولی دختر بعمر فرستاد۔

''اگر نبی ﷺ نے اپنی صاحب زادی عثمان رضی اللہ عنہ کو نکاح میں دی تو ولی (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) نے اپنی صاحب زادی عمر رضی اللہ عنہ کو نکاح میں دے دی۔''

(مجالس المومنین، مجلس نمبر۳ ص ۸۷)

③ صاحب مجمع البیان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

فخرج الیھا سراً احد عشر رجلا واربع نسوة وھم عثمان بن عفان وامراته رقیة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

''پس حبشہ کی جانب گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے مخفی طور پر ہجرت کی اور وہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اوران کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔''

(مجمع البیان:۳/۲۳۳)

④ شیعہ فقہ کی کتاب ''مسالک الافہام'' میں اس مسئلہ کے تحت کہ آیا ہاشمیہ عورت کسی غیر ہاشمی مرد سے شادی کر سکتی ہے، دلیل کے طور پر لکھا ہے کہ

وزوج النبی ابنته عثمان و زوج ابنته زینب بابی العاص بن الربیع ولیسامن بنی ھاشم.

''جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحب زادی کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا اور دوسری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن الربیع سے کیا اور یہ دونوں بنی ہاشم میں سے نہ تھے۔'' (مسالک الافہام، الی تنقیح شرائع الاسلام: ص۵۳۲)

⑤ ملا باقر مجلسی جو شیعہ مذہب کے ستون سمجھے جاتے ہیں، لکھتے ہیں:

عیاشی روایت کردہ است کہ از حضرت صادق پرسیدند کہ آیا حضرت رسول دختر خودرا بعثمان داد، حضرت فرمود بلے۔

''عیاشی نے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحب زادی کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا ہاں۔'' (حیات القلوب: ۲/۵۶۳)

⑥ ملا باقر مجلسی اسی کتاب میں ایک اور مقام پر مہاجرین حبشہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پس یازدہ مرد و چہار زن خفیہ از اہل مکہ گریختند و بجانب حبشہ رواں شدند واز جملہ آنہا عثمان بود و رقیہ دختر رسول کہ زن او بود۔

''پس اہل مکہ میں سے گیارہ مرد اور چار عورتوں نے خفیہ حبشہ کی جانب ہجرت کی اور ان میں سے ایک عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں جو ان کی اہلیہ محترمہ تھیں۔'' (حیات القلوب: ۲/۲۹۴۲)

⑦ شیعہ مجتہد آقا شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ

وتزویج نمود فاطمہ را بہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام وزینب را بابی العاص بن ربیع کہ از بنی امیہ وام کلثوم را بہ عثمان بن عفان وپیش از آنکہ بخانہ عثمان بردو برحمت الٰہی واصل شد و بعد از حضرت رقیہ را باو تزویج نمود۔

''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا اور زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو العاص رضی اللہ عنہ بن ربیع سے کیا جو بنی امیہ میں سے تھے اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے حبالۂ عقد میں آئیں اور قبل اس کے کہ وہ سیدنا عثمان کے گھر تشریف لاتیں، آپ انتقال کر گئیں اور اس کے بعد آپ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔''

(منتہی الآمال فی تواریخ النبی والآل: ۱/۱۰۰)

اس سلسلہ میں شیعہ مذہب کی کتابوں سے بہت سے حوالہ جات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہم طوالت کی وجہ سے انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ صاحب علم حضرات اس مسئلہ کے لیے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف مراجعت فرمائیں:

''اصول کافی مع شرح اصافی، کتاب الحجۃ: ۳/۱۴۷، استبصار: ۱/۲۴۵، تہذیب الاحکام: ۱/۱۵۴، تحفۃ العوام: ص ۱۱۲، احسن القصص: ص ۳۹۹، تاریخ آل امجاد: ص ۹، حیات القلوب: ۲/۳۳۰، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۸، نیز ملاحظہ فرمائیں تاریخ الخلفاء: ص ۱۴۷، ۱۴۸، اصابہ: ۴/۴۹۷، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۹، ابن اثیر: ۳/۹۵''

ہجرت

پہلی ہجرت:

جناب رسول اللہ ﷺ کی دعوت اسلام پر جس قدر مسلمان لبیک کہتے جاتے اتنا ہی قریش کے غیظ وغضب میں اضافہ ہوتا جاتا، گویا ان کو اسلام کی روز افزوں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ ہر لحہ اس فکر میں رہتے کہ اسلام کی ترقی کو روکنے کے لیے کون سی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ چنانچہ ان تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ پیروان اسلام کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں اور ان کو اسلام کے راستہ سے روکنے کے لیے ان کو جور وستم کا تختہ مشق بنایا جائے۔ اس طریقے سے ان کا خیال یہ تھا کہ جن لوگوں نے اسلام کو قبول کرلیا ہے وہ اسے چھوڑ دیں گے اور جنہوں نے ابھی اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا وہ اس کی سزاؤں سے ڈر کر اسلام کو قبول کرنے کا حوصلہ نہیں کریں گے۔ اسی طرح انہوں نے سب سے پہلے ان لوگوں کو اپنے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا جو بے سہارا تھے اور ان کا کوئی پشت پناہ نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ٹھیک دوپہر کے وقت ان کا مالک امیہ بن خلف، آگ کی مانند تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا دیتا اور ان کے سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا تاکہ ہل نہ سکیں اور پھر انہیں مجبور کرتا کہ وہ اللہ کی توحید اور جناب رسالت مآب ﷺ کی نبوت کا انکار کردیں، لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔

(اصابہ: ۱/ ۱۶۵، سیرت ابن ہشام: ۱/ ۱۰۹)

کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر ان کو تیز دھوپ میں بٹھلایا جاتا، کبھی ان کے گلے میں رسی ڈال کر لڑکوں سے کہا جاتا کہ ان کو تمام شہر میں گھسیٹتے پھریں، لیکن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان ہر

وقت ''احد احد'' کے نغمے آلاپتی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۶۵، مستدرک حاکم: ۳/۲۸۴)

اسی قسم کا ظلم وستم سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر بھی کیا جاتا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو تپتی ہوئی ریت پر لیٹے ہوئے دیکھتے تو پاس سے گزرتے ہوئے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرماتے:

یانار کونی برداً و سلاماً علیٰ عمار کما کنت علی ابراھیم۔

''اے آگ تو عمار رضی اللہ عنہ پر بردوسلام ہو جا جس طرح ابراہیم پر بردوسلام ہوگئی تھی۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/۱۷۷)

اسی طرح کے ظلم وستم کا نشانہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ، سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ، ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زنیرہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنایا گیا۔

(اصابہ: ۲/۱۹۵، طبقات ابن سعد: ۳/۱۶۱، ۱۱۷، فتح الباری: ۸/۳۲۶، استیعاب: ۴/۱۵۷، اصابہ: ۴/۳۱۱، زرقانی: ۱/۲۶۹)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ مکہ میں ایک معزز اور باوجاہت آدمی تھے، لیکن وہ بھی باوجود اپنی وجاہت اور خاندانی سطوت کے قریش مکہ کے تختہ ظلم و جفا بنے رہے۔ ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے ان کو رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک تو اس نئے دین کو نہیں چھوڑے گا میں تجھے ہرگز نہیں کھولوں گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے چچا! خدا کی قسم! میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔'' حکم نے جب یہ دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس دین پر اس قدر پختہ ہیں تو انہیں چھوڑ دیا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۳۸)

جب چچا اور دوسرے عزاواقارب کی سرمہری، تشدد، جفاکاری اور سخت گیری اس قدر بڑھ گئی جو ان کی برداشت سے باہر تھی تو آپ آخر کار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ ملک حبش کی جانب دس مردوں اور پانچ عورتوں کی معیت میں ہجرت فرما گئے۔ (طبری: ۳/۴۴۴)

کیونکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

تفرقوا فی الارض فان اللہ سیجمعکم۔

''تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو عنقریب جمع کرلے گا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہم کہاں جائیں؟''

قال الیٰ ھنا و اشار بیدہ الیٰ ارض الحبشۃ.

''آپ نے ملک حبش کی طرف اشارہ فرمایا۔''

(زرقانی: ۱/۲۷۰، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۱۵۰)

حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہونے والا یہ پہلا قافلہ ماہ رجب ۵ نبوی کو حبشہ کی جانب روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں مندرجہ ذیل حضرات اور خواتین تھیں:

① سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان

② سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف

③ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام

④ سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ بن ربیعہ

⑤ سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر

⑥ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد

⑦ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون

⑧ سیدنا عامر رضی اللہ عنہ بن ربیعہ

⑨ سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ بن بیضاء

⑩ سیدن اابومبرہ رضی اللہ عنہ بن ابی رہم

⑪ سیدنا حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ

⑫ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ

⑬ سیدہ مہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہ

⑭ سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہ

⑮ سیدہ لیلیٰ بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ

⑯ سیدہ ام کلثوم بنت سہیل رضی اللہ عنہ (عیون الاثر: ۱/۱۱۵، فتح الباری: ۷/۱۴۳)

یہ گیارہ مرد اور پانچ عورتیں اہل مکہ سے چھپ چھپا کر بندرگاہ پر پہنچے، بقول ابن

حجر رحمہ اللہ یہ حضرات جدہ کی بندرگاہ سے روانہ ہوئے۔ (فتح الباری: ۷/۱۸۰)

اتفاق سے دو تجارتی کشتیاں بندرگاہ پر تیار تھیں۔ انہوں نے پانچ درہم لے کر ان کو سوار کر لیا اور حبشہ پہنچا دیا۔ مشرکین مکہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ مکہ چھوڑ کر کہیں جا رہے ہیں تو وہ بندرگاہ پر ان کو پکڑنے کے لیے دوڑے، لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے مسلمان سوار ہو کر جا چکے تھے۔ (عیون الاثر: ۱/۱۱۶)

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرما کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت فرمایا:

والذی نفسی بیدہ انہ اول من ھاجر بعد ابراھیم و لوط.

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے (اللہ رب العزت کی راہ میں) ہجرت کی۔'' (اصابہ: ۴/ ۲۹۸)

امام سیوطی رحمہ اللہ نے اسی قسم کی ایک اور روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

صحبھما اللہ ان عثمان لاول من ھاجر الی اللہ باھلہ بعدلوط.

''اللہ ان دونوں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا) کا حامی و ناصر ہو۔ بے شک عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیدنا لوط علیہ السلام کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ اللہ کے رستے میں ہجرت کی۔'' (تاریک الخلفاء)

ہجرت کے بعد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کی خیریت کی کوئی خبر نہ آئی۔ آپ بہت پریشان تھے اور ہر آتے جاتے سے ان کے متعلق پوچھتے تھے۔ ایک روز ایک عورت نے آپ کو خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو بخیریت دیکھا آپ کو بہت مسرت اور خوشی ہوئی اور فرمایا:

ان عثمان اول من ھاجر باھلہ یعنی من ھذہ الامہ.

''میری اس امت میں عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی۔'' (اصابہ: ۴/ ۲۹۸)

آپ نہ صرف ''اول المہاجرین'' تھے بلکہ ''امام المہاجرین'' بھی تھے کیونکہ حبشہ کی ہجرت اولیٰ میں جتنے لوگوں نے ہجرت کی وہ آپ کی متابعت میں کی، گویا کہ آپ اس ہجرت

کے محرک اول تھے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کان اول خارج الیھا وتابعه سائر المهاجرین الی الارض الحبشة.

''آپ نے سب سے پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور تمام مہاجرین نے اپ کی متابعت اور پیروی میں ہجرت کی۔'' (استیعاب:۳/۷۰)

دوسری ہجرت:

مسلمان ماہ رجت سے لے کر ماہ شوال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ شوال میں بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ تمام اہل مکہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، لہٰذا وہ حبشہ سے واپس مکہ آ گئے، لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے۔ اب یہ لوگ سخت پریشان ہوئے کہ کیا کیا جائے۔ چنانچہ کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوا۔ سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ کی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے باپ ولید بن مغیرہ کی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، سعید بن عاص بن امیہ کی پناہ اور حمایت میں داخل ہوئے۔

اب مشرکین مکہ نے پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور پہلے سے بھی زیادہ اذیتیں دینا شروع کر دیں، کچھ لوگ موقع پا کر دوبارہ حبشہ چلے گئے، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ابن عفان مکہ ہی میں رہ گئے۔ آخر دو اڑھائی سال کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی جانب دوبارہ ہجرت کی اجازت دے دی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کو ساتھ لے کر دوبارہ حبشہ تشریف لے گئے اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی میں بلکہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ (عیون الاثر:۱/۱۱۶، ابن ہشام:۱/۱۱۴۔۱۱۶)

اس دفعہ قریش نے اپنے دو آدمی عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی ربیعہ کو حبشہ بھیجا تاکہ ان کی وساطت سے مسلمانوں کو حبشہ سے واپس مکہ لایا جائے، لیکن سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کی تقریر نے قریش کے نمائندوں کی ہر تدبیر کو الٹ دیا اور مسلمان وہاں نہایت آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے لگے۔ آخر جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے منور فرمایا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فی

الفور حبشہ سے مدینہ طیبہ کی راہ لی حالانکہ ان کے دوسرے رفقاء سیدنا جعفر طیار وغیرہ غزوۂ خیبر تک حبشہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ آپ کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں حصہ لیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

هاجرت الهجرتين الاولين.

''میں نے پہلی دونوں ہجرتیں کی ہیں۔'' (بخاری:۱/۵۲۲)

تیسری ہجرت:

دو ہجرتیں تو آپ نے مکہ سے حبشہ کی طرف فرمائیں، لیکن تیسری ہجرت آپ نے حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف فرمائی اور یہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ مدینہ میں آپ نے مہاجر و انصار کے درمیان جو مواخات کی تھی اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا رابطہ اخوت سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے بڑے بھائی سیدنا اوس رضی اللہ عنہ بن ثابت سے قائم کیا۔ (طبقات:۳/۳۸)

یہ دونوں بھائی بنونجار کے چشم و چراغ تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کئی سال تک سیدنا اوس رضی اللہ عنہ ہی کے مکان میں مقیم رہے۔ اس مواخات کے بعد دونوں خاندانوں میں اس قدر محبت اور یگانگت پیدا ہوگئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ساری عمر سوگوار اور غمزدہ رہے اور ان کا ایک نہایت پُر درد مرثیہ بھی لکھا۔

بئر رومیہ کی خرید

مدینہ طیبہ آ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا کاروبار شروع کر دیا اور جیسا مکہ میں آپ کا کاروبار چمکا ہوا تھا، اب مدینہ میں بھی دولت پھر ان کے قدم چومنے لگی اور زر و مال صبح و شام ان پر نچھاور ہونے لگا۔ آپ ایک بینکر (Banker) قسم کے آدمی تھے لہٰذا انہیں زیادہ جدوجہد اور دوڑ دھوپ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ آپ کے کارندے آپ کی جانب سے کام کرتے اور آپ اپنا زیادہ وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر رہ کر ان کے علوم و معارف اور فیوض و برکات سے مستفید ہوتے۔ آپ کے اہم معاملات میں شریک ہوتے۔ بدر کے علاوہ آپ نے سارے غزوات میں شرکت فرمائی۔ گویا آپ اس آیہ کریمہ

﴿رجال لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله﴾

''وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔''

کے عملی مصداق تھے۔

آپ اپنے کاروبار سے جو کچھ بھی کماتے وہ اپنے لیے کم اور اسلام اور اہل اسلام کے لیے زیادہ ہوتا۔ جب کبھی وقت آتا آپ اپنا مال اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے صرف کرنے سے ذرہ برابر دریغ نہ کرتے۔ آڑے وقت میں جو چند لوگ اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔ چنانچہ مکہ سے ہجرت فرما کر جب بلا کشان محبت مدینہ طیبہ آئے تو انہیں وہاں کا پانی پسند نہ آیا، کیونکہ وہ کھاری تھا اور سارے شہر میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں ''بئر رومہ'' نامی تھا، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور اس نے اپنی یہودیانہ ذہنیت کے تحت اس کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ وہ اس میٹھے پانی کی منہ مانگی قیمت وصول کرتا جو مالدار لوگ تو دے دیتے، لیکن نادار اور قلاش لوگ وہ قیمت ادا نہیں کر

سکتے تھے۔ لہٰذا وہ کھاری پانی استعمال کرتے جوان کے لیے ایک تکلیف اور پریشانی کا باعث ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے جانثاروں کی اس تکلیف سے پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی متمول آدمی اس کنویں کو خرید کر وقف کر دے تا کہ سب مسلمان اس کے پانی کو آسانی سے استعمال کر سکیں، لیکن سوال یہ تھا کہ یہ خریدے کون؟ یا اس کی قیمت کہاں سے آئے؟ کیونکہ مہاجرین تو اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ آئے تھے اور انصار مدینہ کی حالت اتنی اچھی نہ تھی۔ آخر ایک روز آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو ''بئر رومہ'' کو خرید کر رفاہ عامہ کے لیے وقف کر دے اور کل قیامت کے روز حق تعالیٰ کے ہاں سے اس کا بہترین معاوضہ اور بدلہ حاصل کرے۔ یہ سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس کنویں کی فروخت کے لیے بات شروع کی۔ یہودی اس کو بیچنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر بڑی جدوجہد کے بعد یہودی نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہو گیا، جو آپ نے بارہ ہزار درہم میں خرید لیا اور طے یہ پایا کہ ایک روز یہودی کی باری ہو گی اور دوسرے روز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی باری تھی اس دن لوگ چاروں طرف سے امنڈ آئے اور ہر شخص اتنا پانی نکال لے گیا جو اس کے لیے دو دن کی ضروریات کے لیے کافی تھا۔ دوسرے روز جب یہودی کی باری آئی تو کوئی شخص اس سے پانی خریدنے کے لیے نہ آیا۔ یہودی نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں کا یہ معمول ہوا ہے کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے روز دو دن کا پانی لے جاتے ہیں تو اس نے اب کنویں کی آدھی ملکیت بھی اپنے پاس رکھنی باعث نقصان سمجھی، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہودی سے بقیہ نصف حصہ بھی مزید آٹھ ہزار درہم دے کر خرید لیا اور عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

(انساب الاشراف: ۱/۵۳۶، سنن کبریٰ بیہقی: ۶/۱۶۸، استیعاب: ۲/۴۷۵، کتاب المعارف: ص۸۳، معجم البلدان: ۲/۴)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ صدقہ جاریہ آج تک مدینہ طیبہ میں جاری ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو انہیں بشارت دی تھی کہ

من یحضر بئر رومه فله الجنة.

''کہ جو بئر رومہ کو خرید کر وقف کر دے، اس کے لیے جنت ہے۔''

(بخاری: ۱/۳۸۹، ۵۲۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جن لڑائیوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت فرمائی ہے، اسلام کی اصلاح میں ان کو غزوہ کہتے ہیں اور جس جنگ میں آپ نے شرکت نہیں فرمائی اس کو سریہ یا بعث کہتے ہیں۔ (زرقانی:۱/ ۳۸۷)

غزوات نبوی کی تعداد مؤرخین اور اصحاب سیر نے مختلف بیان فرمائی ہے، بعض نے ۲۷ بعض نے ۲۴ اور بعض نے ۲۱۔ (فتح الباری: ۷/ ۲۱۸، زرقانی:۱/ ۳۸۸)

اسی طرح سرایہ کی تعداد میں بھی اختلاف ہے بعض کے نزدیک ۴۸ بعض کے نزدیک ۴۰ بعض کے نزدیک ۳۸ اور بعض کے نزدیک ۳۵ ہے۔ (زرقانی:۱/ ۳۸۸)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ بدر:

اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر ہے جس کو قرآن حکیم نے ''یوم الفرقان'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی حق و باطل میں فرق اور امتیاز کا دن۔ یہ غزوہ ۲ ہجری میں رمضان المبارک میں ہوا۔ اس غزوہ کے شروع ہونے سے پہلے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بہت جوش و خروش کا اظہار فرمایا اور کہا:

نقاتل عن یمینک وعن شمالک وبین یدیک و خلفک.

''ہم آپ کے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے لڑیں گے۔''

اور بقول راوی حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چہرۂ اقدس فرط مسرت وانبساط سے چمک رہا تھا۔ (بخاری: ج۱)

اس غزوہ کے دوران مسلمانوں نے ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ بن خلف جیسے

اساطین کفر کو قتل کر کے اپنے جوش ایمانی کا ثبوت دیا اور یہ وہی غزوہ ہے جس میں شمولیت کرنے والوں کے فضائل ومناقب رسول اللہ ﷺ نے اس قدر بیان فرمائے ہیں جو شاید کسی اور غزوہ کے بیان نہیں فرمائے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لن يدخل النار احد شهد بدرا.

''جس شخص نے بدر میں شمولیت کی وہ جہنم میں کبھی نہیں جائے گا۔''

(فتح الباری: ۷/ ۲۳۷)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات کے بارے میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اعملوا ماشئتم فقد وجبت لكم الجنة.

''جو چاہو کرو اللہ نے جنت تم پر واجب کر دی ہے۔'' (بخاری)

اس مبارک غزوہ میں اگرچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی علالت کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ آپ نے جب اس غزوہ میں جانے کا ارادہ فرمایا تو اس وقت سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا چیچک کے عارضہ میں مبتلا تھیں۔ ان کی بیماری کو دیکھ کر آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری اور عیادت کے لیے مدینہ طیبہ میں چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تم دونوں کو شرکت جہاد کا اجر وثواب اور مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا، جیسا ان لوگوں کو ملے گا جو اس جہاد میں شرکت کر رہے ہیں۔ غمگسار شوہر نے اپنی زوجہ محترمہ کی تیمارداری اور علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا، لیکن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں اور ہجرت نبوی سے ۱۷۔ ماہ بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اس وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اپنی اہلیہ محترمہ سے محبت اور ان کی خاطر مدارت ہی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے بعد میں اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی ان سے کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر میری ۱۰۰ لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو عثمان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں دے دیتا اور آپ کی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں سے محبت والفت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے ایک بار بنوامیہ سے اپنی مصاہرت کی تعریف فرمائی اور وہ موقع بھی وہ تھا

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ یہ موقع ایسا تھا جب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو شدید قلبی اذیت پہنچنے کا خدشہ تھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ میں نے بنوامیہ میں اپنی بیٹیوں کو بیاہا اور انہوں نے میری بیٹیوں کو کوئی ایسی اذیت نہیں دی اور بنو ہاشم تو میرا اپنا خاندان تھا اس کو تو میری بیٹی کے جذبات کا زیادہ لحاظ رکھنا چاہیے۔ (بخاری:۱/ ۴۳۸)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا انتظار کیے بغیر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین کر دینی چاہی۔ چنانچہ جب یہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر رہے تھے تو زور سے تکبیر کی آواز سنائی دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اٹھ کر معلوم کرو کہ یہ تکبیر کی آواز کیسی ہے؟ اسامہ رضی اللہ عنہ نے جو اٹھ کر دیکھا تو ان کے والد ماجد سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ ''جدعاء'' پر سوار آ رہے تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو فتح کی خوشخبری سنائی۔ (اصابہ:۴/ ۲۹۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس بیٹی کے انتقال کے بہت صدمہ تھا۔ آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی معیت میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ کر کافی دیر تک اشکبار رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے۔ (الاصابہ:۴/۳۰۴)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں آپ کی عدم شرکت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''غزوۂ بدر سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے حبالۂ عقد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی (سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا) تھیں اور وہ (ان دنوں) بیمار تھیں (لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیدہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا) اور فرمایا، تمہارے لیے اس آدمی کا اجر و ثواب اور مال غنیمت میں حصہ ہے جس نے اس غزوہ میں شرکت کی ہے۔'' (بخاری:۱/۵۲۲)

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی بدر میں آپ کی عدم شرکت کی یہی وجہ بیان فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ اس بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ وہ صرف اس وجہ سے اس غزوہ میں شرکت نہ فرما سکے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری

میں مشغول تھے، لیکن

وانه ضرب له بسهمه واجزه.

''اور آپ ﷺ نے انہیں مال غنیمت میں حصہ بھی عطا فرمایا اور اس غزوہ میں شرکت کرنے والوں کے ثواب کی بشارت بھی دی۔'' (استیعاب: ۳/۷۰)

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فهو معدود فی البدرين لذالک.

''لہٰذا اس وجہ سے (باوجود عدم شرکت کے) آپ اصحاب بدر میں شمار ہوتے ہیں۔'' (اسد الغابہ: ۳/۳۷۷)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الخلفاء الراشدون، عبدالوہاب نجار: ص ۲۶۹، نساء اہل البیت احمد خلیل جمعہ: ص ۴۹۱، دماء علیٰ قمیص عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ص ۲۰، عثمان بن عفان، صادق عرجون: ص ۴۷، کتاب الامامۃ والرد علیٰ الرافضۃ، الاصبہانی: ص ۳۰۲، بخاری، رقم: ۳۶۹۸)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ احد:

قریش مکہ جنگ بدر میں شکست فاش کھانے کے بعد جب واپس مکہ گئے تو انہیں اپنی اس شکست پر سخت پشیمانی اور افسوس تھا۔ پشیمانی اور ندامت اس بات کی کہ انہیں ایک ایسے لشکر سے شکست ہوئی جو ان کی فوج سے ایک تہائی تھا اور افسوس اس بات کا کہ ان کے سارے سردار اور اساطین بدر کے میدان میں نہایت ذلت کی موت مارے گئے۔ ان کا خون انتقام کے لیے جوش مار رہا تھا۔

اس جنگ کے بارے میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ عورتوں کو بھی میدان جنگ میں ساتھ لے جایا جائے تاکہ ایک تو وہ رجزیہ اشعار پڑھ کر سپاہیوں کا حوصلہ بڑھائیں اور اگر کبھی ان کو میدان سے بھاگنے کی نوبت آئے تو ان کو غیرت دلائیں اور ہر ممکن طریق سے ان کو بھاگنے سے روکیں۔ چنانچہ اس طرح باہمی مشورہ سے تین ہزار آدمیوں کا ایک لشکر اکٹھا ہوا، جس میں سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑ سوار، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، زرقانی: ۲/۲۰، طبقات ابن سعد: ۲/۲۵، سیرت ابن ہشام: ۲/۶۱۱)

سیدنا عباس چونکہ مکہ ہی میں مقیم تھے، انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش کی یہ انتقامی سازش بالکل پسند نہ آئی، لہٰذا انہوں نے ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ خط کے ذریعہ آپ کو قریش کی ان سب تیاریوں کی اطلاع دے دی۔ اس اطلاع پر آپ بھی ایک لشکر لے کر میدان احد میں آ گئے۔ (زرقانی:۲/۲۱)

آپ نے اطلاع ملنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سب نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سیدنا نعمان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے عجیب وغریب جذبات کا اظہار فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۲/۲۶، زرقانی: ۲/۲۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۲، سیرت ابن ہشام: ۱/۳۱۲)

آپ نے میدان احد کو پشت پر رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا اور پچاس تیر اندازوں کا دستہ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت احد پہاڑ پر بٹھا دیا تاکہ قریش پیچھے سے حملہ نہ کر سکیں اور انہیں تاکید کی کہ اگر ہم میدان جنگ میں دشمن پر غالب آ کر فتح یاب بھی ہو جائیں تو پھر بھی تم نے اپنی جگہ سے نہیں ہلنا جب تک میں تمہیں نہ کہوں۔

ابتداء جنگ میں تمام مبارزین قریش ایک ایک کر کے مارے گئے جن کی تعداد گیارہ تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۲۸)

اور ابن ہشام کی روایت کے مطابق ۲۲ تھی۔ (ابن ہشام: ۲/۱۰۳)

آخر کار زور کا رن پڑا اور مسلمان دشمن پر غالب آئے۔ مسلمانوں کے لوگ جو جبل احد پر متعین تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمان فتح یاب ہو گئے ہیں اور دشمن بھاگ گیا ہے تو انہوں نے اپنے امیر کی مرضی کے خلاف اس درہ کو چھوڑ دیا۔ اب وہاں سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے صرف دس ساتھی رہ گئے۔ بھاگتے دشمن نے خالد بن ولید کی زیر قیادت درہ کو خالی دیکھ کر مسلمانوں کی پشت پر ناگہانی حملہ کر دیا۔ یہ ناگہانی حملہ اتنا زبردست تھا کہ بڑے بڑے دلیر اور بہادر لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن جناب رسول اللہ ﷺ کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ (زرقانی: ۲/۳۴)

اس حملہ سے مسلمانوں کی صف بندی انتشار کا شکار ہو گئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ

ایک مقام پر تھے اور چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں سات مہاجر اور سات انصاری آپ کے ساتھ تھے جن کے نام یہ ہیں:

مہاجرین میں سے ابو صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے اور انصار میں سے سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ، سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ، سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا حارث بن ضمہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے۔ (فتح الباری: ۷/ ۲۷۷)

اس افراتفری کے عالم میں ایک بے ایمان نے یہ خبر اڑا دی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ بعض مسلمان بشریت کے تقاضے کے تحت یہ پریشان کن خبر سن کر سخت کبیدہ خاطر ہو گئے اور اسی حیرانی اور پریشانی کی حالت میں کچھ دیر کے لیے ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے۔ بعض روایات میں ان لوگوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا جاتا ہے، لیکن محققین کے نزدیک یہ روایات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

اصل بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میدان جنگ سے بھاگے نہیں تھے اور ان کی نیت میں کوئی فتور تھا اور نہ انہوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے لڑنا بند کر دیا تھا بعد میں اپنے اس فعل پر سخت پشیمان رہے۔ چنانچہ رب غفور و رحیم نے ان کی اس معمولی سی خطا کو بھی اپنے دامن عفو و رحمت سے ڈھانپ دیا اور ان کو معافی کا پروانہ دے دیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ (آل عمران: ۱۵۵)

"بے شک جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے جس دن (غزوۂ احد میں اہل ایمان اور اہل کفر کی) دو جماعتیں (ایک دوسری سے) برسر پیکار ہو گئیں۔ ان کا یہ بھاگنا کسی سوء اعتقاد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کی ایک غلطی کی وجہ سے شیطان نے ان کے پاؤں میں لغزش پیدا کر دی۔ اس

میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کے اس قصور کو معاف کر دیا اور حق تعالیٰ یقیناً بخشنے والا اور بردبار ہے۔''

اسی وجہ سے جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا تو آپ نے معترض کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

فاشهد ان الله عفا عنه وغفر له.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اور ان کی مغفرت فرما دی۔'' (بخاری: ۵۲۳/۱)

معلوم ہوا کہ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ روایات صحیح سمجھی جائیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ میدان احد میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے تھے تو بھی آپ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کی اس لغزش کو معاف فرما دیا ہے اب کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الامین ذوالنورین: ص ۴۹، ذوالنورین مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عاطف لماضہ: ۳۲)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوات ذات الرقاع:

ذی قعدہ ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا۔ یہ ارادہ ایک خواب پر مبنی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اصحاب مکہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کیا۔ عمرہ کے بعد بعض نے حلق (سر منڈھانا) کیا اور بعض نے قصر (سر کترانا)۔ (زرقانی: ۱۷۹/۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خواب صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان کیا تو ان کے قلوب میں زیارت بیت اللہ کی آگ بھڑکی اور وہ بے تاب ہو گئے۔ یکم ذی قعدہ ۶ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ کا قصد فرمایا۔ قریباً پندرہ سو مہاجرین اور انصار آپ کے ساتھ تھے۔ چونکہ آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا لہٰذا صرف اتنے ہتھیار ساتھ لیے جتنے ایک مسافر کو راستہ میں اپنی حفاظت کے لیے ضروری ہوتے ہیں اور وہ بھی نیام میں۔ (فتح الباری: ۲۴۲/۵)

آپ کے جاسوس سیدنا بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی کہ قریش آپ کے مقابلہ

پر کمر بستہ ہو گئے ہیں اور خالد بن ولید مقدمہ الجش کے طور پر دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقام غمیم پر پہنچ گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطلاع ملتے ہی وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے مقام حدیبیہ پر پہنچ گئے۔

حدیبیہ میں قیام کرنے کے بعد آپ نے سیدنا خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کو خبر کر دیں کہ ہم کسی ہنگامہ کے لیے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ اور بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو مار ڈالا اور ان کو بھی مار ڈالنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ جان بچا کر واپس آ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا واقعہ بیان کیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بطور سفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے سفیر کے طور پر ابوسفیان اور دوسرے رؤسائے مکہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں اس بات کا یقین دلائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں کسی جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے۔ دوسرے ان کمزور مسلمان کو مژدہ اور خوشخبری سنا دیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتے کہ عنقریب حق تعالیٰ اہل اسلام اور اسلام کو فتح و کامرانی نصیب فرمائے گا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور رؤسائے مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا اور کمزور مسلمانوں کو مژدہ جانفزا سنایا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب سوار ہو کر مکہ پہنچے تو دشمنان دین میں سے جو انہیں دیکھتا ان پر آوازے کستا اور دریدہ دہنی کرتا۔ آپ کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا لہٰذا آپ نے اپنے ایک چچا زاد بھائی ابان بن سعید کو آواز دی۔ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سواری کے پیچھے سوار ہو گئے۔ اور ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جب یہ دونوں بیت اللہ کے پاس پہنچے تو ابان بن سعید نے کہا کہ بھائی! طواف بیت اللہ کر لو۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کس طرح طواف کر سکتا ہوں۔ ہم ہر بات میں ان کی پیروی اور تابعداری کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے۔ بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تمام بے کس، بے سہارا اور کمزور مسلمانوں کے پاس فرداً فرداً پہنچے جو قریش مکہ کے جور و ستم برداشت کر رہے تھے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا اور صبر کی تلقی کی۔

قریش مکہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں۔

جب کئی روز گزر گئے تو اس دوران میں لشکر اسلام میں بعض حضرات آپس میں یہ کہنے لگے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت امن وسکون سے طواف بیت اللہ کر رہے ہوں گے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو فرمایا:

''عثمان رضی اللہ عنہ اگر ایک لمبے عرصہ تک بھی وہاں رہیں تو بھی وہ اس وقت تک طواف نہیں کریں گے جب تک میں پہلے طواف نہ کرلوں۔''

(ریاض النضرہ: ص۳، ازالۃ الخفاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اتنے روز تک رکے رہنے کی وجہ سے کچھ تردد ہوا۔ آخر ایک روز اچانک یہ خبر مشہور ہوگئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں۔ چونکہ اس افواہ کے بارے میں کوئی وحی الٰہی بھی نازل نہ ہوئی تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک تشویش لاحق ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ ''اب مجھے ان سے لڑنا حلال ہو گیا ہے کیونکہ پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے اور جب تک میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام نہ لےلوں گا یہاں سے حرکت نہ کروں گا۔ چنانچہ آپ نے وہیں کیکر کے درخت کے نیچے جہاں آپ فروکش تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لینی شروع کر دی کہ جب تک بدن میں جان ہے، کافروں سے جنگ وقتال کریں گے۔ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیں گے۔ لیکن میدان سے بھاگیں گے نہیں۔

معجم طبرانی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو سب سے پہلے ابو سنان اسدی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یارسول اللہ! ہاتھ بڑھایئے۔ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرتے ہو؟ عرض کی اس چیز پر جو میرے دل میں ہے۔ فرمایا تیرے دل میں کیا ہے؟ ابو سنان رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرے دل میں یہ ہے کہ میں اس وقت تک تلوار چلاتا رہوں جب تک حق تعالیٰ آپ کو غلبہ نصیب نہ فرما دیں یا پھر اس راہ میں مارا جاؤں۔ آپ نے اس کو بیعت فرما لیا اور اس کے بعد اسی چیز پر بقیہ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم بیعت کر چکے تو آخر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر یہ فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے۔ (بخاری، رقم: ۴۱۶۹، مسلم، رقم: ۱۸۵۶)

یہ بات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تاجِ فخر کا وہ طرۂ فخر و مباحات ہے جو ان کے علاوہ اور کسی شخص کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خود اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ

''میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔'' (زرقانی:۲/۲۰۸)

ایک دفعہ کسی شخص نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ صحیح ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان نہیں کی۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت اللہ اور اس کے کام پر گئے ہوئے تھے اس لیے ان کی طرف سے اس ہاتھ نے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں۔ (سیرت ابن ہشام: ج۲)

چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں تم سے تین وجہ سے افضل ہوں۔ جس میں پہلی وجہ یہ بیان فرمائی کہ

انی کنت یوم البیعة هاضرا وانت غائب.

''میں بیعت رضوان کے دن حاضر تھا اور آپ غائب تھے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وجہ کا نہایت اچھا جواب دیا۔ کہا:

فان رسول الله بعثنی فی حاجة ومدیده عنی وقال هذه یدعثمان بن عفان و کانت یده الشریفة خیرا من یدی.

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ضرورت کی وجہ سے (مکہ) بھیجا ہوا تھا اور آپ نے میری طرف سے (اس بیعت کے لیے) اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور فرمایا کہ یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور آپ کا دست بارک میرے ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔''

(عثمان بن عفان، عباس محمود: ص ۶۸)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو:

کان عثمان رسول الله صلی الله علیه وسلم الی مکة فبایع الناس، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان عثمان فی حاجة الله وحاجة الرسول فضرب باحدی یدیه علی الاخری فکانت ید رسول الله صلی الله علیه وسلم لعثمان خیرا من ایدیهم لا نفسهم.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے رسول (سفیر) کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (ان کی غیر موجودگی میں) بیعت کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کے کام پر گئے ہوئے ہیں۔ پس آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔ سو رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، ان لوگوں کے ہاتھوں سے جنہوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، بہتر تھا۔'' (مشکوٰۃ)

اس بارے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کتنی اچھی بات کہی۔ فرمایا:

''اگر عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سرزمین مکہ میں کوئی اور شخص زیادہ عزت واحترام والا ہوتا تو حضور ﷺ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بجائے اس کو مکہ میں اپنا سفیر بنا کر بھیجتے، لیکن آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں بھیجا اور بیعت رضوان عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد لی گئی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے بارے میں فرمایا یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور اس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا اور یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے۔'' (بخاری:۱/۲)

اصحاب رسول جب آپ کے ہاتھ پر اس ببول کے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو حق تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا مومنین سے جب وہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے (ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کے لیے جو محبت واخلاص بھرا ہوا ہے) ان کو اللہ خوب جانتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی سکینت اور طمانیت نازل کی اور انعام میں ان کو قریبی فتح عطا فرمائی اور وہ بہت سی غنیمتوں کو بھی حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔''

قریش مکہ کو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بیعت کا علم ہوا تو وہ نہایت خوفزدہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ چنانچہ وہ صلح کے لیے آمادہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصالحت کا پیام بھیجا۔ (فتح الباری: ۷/۳۴۵)

قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے آئے۔ شرائط طے ہو گئیں تو ایک صلح نامہ لکھا گیا جو تاریخ کی کتابوں میں صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے لکھا اور فریقین کے بڑے بڑے آدمیوں نے اس پر دستخط کیے۔ مسلمانوں میں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح اور محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے دستخط کیے۔

(طبقات ابن سعد: ۲/۷۱، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۴۳)

اس معاہدہ کے بعد جب آپ واپس مدینہ تشریف لے جا رہے تھے تو مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سورہ فتح نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے اس معاہدہ کو ''فتح مبین'' کے نام سے یاد کیا اور واقعی یہ معاہدہ ''فتح مبین'' تھا کیونکہ اس معاہدہ سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے جو ابتدائے بعثت سے لے کر اب تک نہیں ہوئے تھے۔

(زرقانی: ۲/۲۱۰، فتح الباری: ۵/۲۵۶)

بیعت کی برکات:

موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جو بیعت فرمائی، اس کی بہت سی برکات ہوئیں۔ بیعت دراصل بیع سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں فروخت کرنا۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ جنت کے بدلہ میں فروخت کر دیں۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ہے کہ

﴿ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لیا مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے

مالوں کو جنت کے بدلے میں۔"

نفس مبیع ہے اور جنت اس کا ثمن (قیمت) انسان بائع ہے اور اللہ رب العزت مشتری۔ تمام عقلاء کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ بیع ہو جانے کے بعد مبیع ملک بائع سے نکل کر ملک مشتری میں داخل ہو جاتی ہے اور مشتری ہی تمام تصرفات کا مالک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن بیعت کر لینے کے بعد اپنے نفس کا مالک نہیں رہتا مگر یہ معاملہ حق تعالیٰ سے براہ راست نہیں ہوتا بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین کے توسط سے ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر جب بیعت کی تو اصل بیعت اللہ عزوجل سے تھی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں وکیل اور کفیل تھے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ﴾ (فتح:۱۰)

"بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔"

بیع اور شراء میں مبیع میں اگر کوئی عیب نکلے تو مشتری کو خیار عیب کی وجہ سے اس کے رد کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن مشتری اگر مبیع کے عیب کو دیکھ کر یہ کہہ دے کہ "رضیت" میں راضی ہو گیا تو خیار عیب ساقط ہو جاتا ہے اور بیع بالکل مکمل ہو جاتی ہے۔ مشتری کی طرف سے رد اور فسخ کا احتمال باقی رہتا ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب درخت کے نیچے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تو حق تعالیٰ شانہ نے یہ آیت:

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:۱۸)

"اللہ یقیناً راضی ہو گیا ان مومنین سے جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

نازل فرما کر اپنا خیار عیب ساقط کر دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ ان حضرات نے اللہ عزوجل

سے جو معاملہ بیع کیا ہے، وہ کبھی فسخ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی رضا ظاہر فرما کر اپنا خیال ساقط فرما ہی دیا ہے، لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی "رضینا باللہ" کہہ کر اپنا خیار ساقط کر چکے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ﴾

"اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔"

اگر چہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عیب کا امکان نہیں، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے "رضینا" کہہ کر فسخ اور اقالہ کے امکان کو بھی ختم کر دیا۔ غرض یہ کہ طرفین اپنی رضا اور خوشنودی ظاہر کر کے اپنا اپنا خیار ساقط کر چکے ہیں۔ بیع بالکل مکمل ہو چکی ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے نفوس قدسیہ اللہ رب العزت کے سپرد کر چکے اور اللہ کے وعدہ کے مطابق ان کے نفوس کا ثمن (یعنی جنت) اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہو چکا ہے۔ یہ معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کے علاوہ اور سب حضرات کا معاملہ یقینی نہیں ہے۔

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر خود بیعت کی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی۔ لہٰذا ان حضرات کا قطعاً جنتی ہونا ثابت ہے۔ دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان حضرات کی شان میں یاوہ گوئی کرنا جہالت اور دشمنی کی بنا پر ہے۔ پھر ان حضرات کا قلبی طور پر مخلص اور پسندیدہ ہونا بھی یقینی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ

فعلم مافی قلوبھم

"لہٰذا ان کا ہر فعل اخلاص اور صدق نیت کی وجہ سے ہے نہ کہ اسلام کی دشمنی کی وجہ سے۔ اس وجہ سے ان پر غصب خلافت کا الزام بھی ایک اتہام ہے۔

(ماخوذ از سیرت المصطفیٰ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی: ۲/۲۵۷-۲۶۱)

وہ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے اس درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہمیشہ ہمیشہ تک حق تعالیٰ کی رضا کے مستحق ہیں۔ کیونکہ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ ایک دفعہ حق تعالیٰ جس سے راضی ہو جائیں پھر اس سے کبھی ناراض بھی ہو جائیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا علم ہمارے علم کی طرح محدود نہیں بلکہ وسیع اور محیط ہے۔ حق تعالیٰ اپنی رضا کا اعلان ہی اس کے بارے میں

کرتے ہیں جس سے تا اختتام زندگی عمل صالح سرزد ہوتے ہوں وگرنہ حق تعالیٰ کا جاہل ہونا لازم آتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من رضی الله عنه لم يسخط عليه ابدا ان شاء تعالى[1]

''جس سے حق تعالیٰ راضی ہو گئے پھر ان شاء اللہ اس سے کبھی ناراض نہیں ہوں گے۔'' (استیعاب:۱/۳)

گویا اس بیعت کی وجہ سے چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا پروانہ مل گیا اور یہ بیعت چونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے لی گئی تھی اس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ان سب انعامات کا سبب بنے یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی فضیلت اور آپ کی کتاب مناقب کا ایک بہترین باب ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو غزوۃ الحدیبیہ لابی فارس: ص۸۳، المغازی: ۲/۶۰۰، زادالمعاد: ۳/۲۹۱، سیرت ابن ہشام: ۳/۳۴۴، السیرۃ النبویہ فی طوء اعصا در الاصلیہ: ص ۴۸۶، فتح الباری: ۷/۴۴۳، ذوالنورین مع النبی: ص ۳۲، سیر السلف الصالحین: ۱/۱۸۱، ترمذی: ۲/۳۷، بخاری، رقم: ۴۱۶۹، مسلم، رقم: ۱۸۵۶ وغیرہ)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوۂ تبوک:

غزوۂ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے سب سے آخری غزوہ ہے۔ یہ ۹ھ میں رجب کے مہینے میں پیش آیا۔ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل شاہ روم کو یہ لکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ فاقہ مستی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس وقت اگر عرب پر حملہ کیا جائے تو کامیابی بہت جلدی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہرقل روم چالیس ہزار کا ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ (فتح الباری: ۸/۸۵، مجمع الزوائد: ۶/۱۹۱)

شام کے کچھ سوداگر زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آئے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ہرقل نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے اور اس کا ہراول دستہ بلقاء تک پہنچ گیا ہے اور ساری فوج کو ہرقل نے سال بھر کی تنخواہیں بھی دے دی ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۱۱۹)

اور قبائل بنو لخم، جذام، غسان اور عاملہ وغیرہ فوج کے ساتھ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ

خود ہرقل حمص میں قیام کر کے افواج کے نام احکام جاری کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ سب کچھ معلوم ہوا تو آپ نے بھی مجاہدین اسلام کو تیاری کا حکم دیا۔

اس غزوہ کا دوسرا نام ''جیش العسرت'' بھی ہے کیونکہ اس وقت مسلمانوں پر سخت بے سروسامانی کا عالم تھا۔ موسم سخت گرم، قحط اور گرانی، سفر بہت لمبا اور دشمن نہایت طاقتور۔

سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس غزوہ کی تیاری کا اس وقت حکم دیا جب مدینہ طیبہ میں باغات پکے ہوئے تھے اور لوگوں کو یہ امید تھی کہ عنقریب ان کو فروخت کر کے سال بھر کا سامان معیشت فراہم کر لیں گے اور اگر قوت ایمانی کی چشم عتاب مجبور نہ کرتی تو اپنے پکے ہوئے باغات اور ٹھنڈے سائے چھوڑ کر کڑاکے کی دھوپ اور بے سروسامانی کے عالم میں اتنا طویل اور پرخطر سفر اختیار نہ کرتے۔ لیکن جن لوگوں نے اپنی جانیں اور اپنے مال اللہ رب العزت کی راہ میں وقف کر رکھے تھے اور جو نگاہ رسالت کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے، ان کو یہ پکے ہوئے باغات اور ٹھنڈے سائے بھلا اپنے مقصد سے کب روک سکتے تھے؟ لہٰذا تیس ہزار کا لشکر جرار تیار ہو گیا اور اتنا بڑا لشکر اس سے قبل اسلام کی تاریخ میں کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوا تھا۔

فصل چونکہ کٹنے کے قریب تھی، اس وجہ سے مدینے کا ہر مسلمان نہایت عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ لہٰذا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس لشکر جرار کا سامان سفر کہاں سے مہیا کیا جائے۔ چنانچہ چندہ کی اپیل کی گئی۔ سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنا سارے کا سارا مال لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال دربار رسالت میں پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوسو اوقیہ چاندی لا کر پیش کی اور سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔

(زرقانی: ۳/۶۴)

اب نگاہِ رسالت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اٹھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا برداشت کرنے کا ذمہ لیا۔ گویا دس ہزار مجاہدین کے خورد ونوش اور دیگر تمام اخراجات کا ذمہ لیا۔ یہاں تک کہ ایک تہائی فوج کا ایک ایک تسمہ تک اس کے روپوں سے خریدا گیا اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار آپ کی خدمت میں

پیش کیا۔ (مستدرک حاکم:۳/۱۰۲)

سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ایک ہزار دینار آپ نے رسول اللہ ﷺ کی جھولی میں لا کر ڈالے تو آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ بار بار ان دیناروں کو اپنے دست مبارک سے اچھالتے تھے اور خوشی وانبساط سے فرماتے تھے:

ماضر عثمان ماعمل بعد هذا اليوم.

''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی کام نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

پھر فرمایا: ''اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گیا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

(فتح الباری: ۷/۴۴، مستدرک حاکم: ۳/۱۰۲، زرقانی: ۳/۶۴)

بعض روایات میں ایک ہزار دینار کے بجائے دس ہزار دینار آتے ہیں جو کہ آج کل کے حساب سے تین لاکھ پچاس ہزار روپے بنتے ہیں۔

(ترمذی: ۳۷۸۵، تاریخ الخمیس ۲/۱۲۳، کنز العمال: ۵/۱۰۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مجاہدین اسلام کی یہ امداد کوئی معمولی کام نہ تھا۔ خصوصی طور پر اس تنگی کے وقت میں جب کہ اسلامی لشکر ایک ایک کوڑی امداد کو اپنے لیے ایک بہت بڑی امداد سمجھتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو اس تنگی کے وقت میں جیش اسلامی کے لیے ساز وسامان تیار کرے اس کے لیے جنت ہے۔ یہ ایک بہت بڑا انعام اور ایک بہت بڑی ترغیب تھی جو لسان نبوت سے جاری ہوئی۔ چنانچہ جس زمانہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا ہے، آپ نے اس زمانے میں باغیوں سے فرمایا تھا:

الستم تعلمون انه قال من جهز جيش العسرة فله الجنة فجهزتهم.

''کیا تمہیں علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص جیش عسرت کے لیے ساز وسامان تیار کرے گا اس کے لیے وعدۂ جنت ہے اور میں نے وہ ساز وسامان انہیں مہیا کیا تھا۔'' (بخاری: ج ۱)

تاریخ وحدیث کے اوراق اس بات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جس قدر مال ودولت تھا، وہ اسے اللہ کی امانت سمجھتے تھے اور دین اسلام کو جب کبھی ان کے مال کی ضرورت پڑی انہوں نے فوراً بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا اور پیش کرتے ہوئے کبھی

انہوں نے ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ آپ کے پاس اتنا مال تھا کہ کسی صحابی رسول کے پاس اس قدر مال نہ تھا لیکن اس کے ساتھ سخاوت اور دریا دلی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ چنانچہ اپنی شہادت کے بعد آپ نے بے شمار وقف چھوڑے۔ خود جنت البقیع کا قبرستان بھی آپ کی وقف شدہ زمین تھی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۳/۴۴۳، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۹۲)

اپنی خلافت کے آخری دور میں ایک مرتبہ فرمایا کہ

انی قد ولیت وانی اکثر العرب بعیرا وشات فما لی الیوم شاۃ ولا بعیر غیر بعیرین لحجی.

''میں جب خلیفہ ہوا تھا تو پورے خطۂ عرب میں میرے پاس سب سے زیادہ اونٹ اور بکریاں تھیں لیکن آج میرے پاس نہ تو کوئی بکری ہے اور نہ اونٹ سوائے ان دو اونٹوں کے جن کو میں نے اپنے حج کے لیے رکھا ہوا ہے۔'' (طبری: ۳/۳۸۴)

لشکر کی تیاری کے بعد آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر فرمایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اہل وعیال اور مدینہ کی عورتوں اور بچوں کی حفاظت اور خبر گیری پر متعین فرمایا اور خود تیس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ تبوک کی جانب کوچ فرمایا۔ (عیون الاثر: ۲/۲۱۶)

تبوک پہنچنے سے ایک روز پیشتر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تم لوگ تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے۔ کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے۔ جب لشکر اس چشمہ پر پہنچا تو دیکھا تو اس میں سے صرف پانی کا ایک قطرہ ٹپک رہا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی مشکل سے وہاں سے ایک برتن پانی کا بھرا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپ نے اپنا منہ ہاتھ دھو کر وہ پانی پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ پانی کا چشمہ میں ڈالنا تھا کہ وہاں سے فوارہ کی طرح پانی ابلنے لگا، جس سے تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا اے معاذ! اگر تو زندہ رہا تو اس سرزمین کو باغات سے سرسبز وشاداب دیکھے گا۔ (مسلم شریف)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آج تک وہ چشمہ جاری وساری ہے اور دور دور سے اس کی آواز کانوں کو سنائی دیتی ہے۔ (خصائص کبریٰ: ۱/۲۷۳)

قیصر روم کو جب اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے آپ سے رزم آراء ہونا

مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہ دل میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتا تھا۔ آپ نے بیس روز وہاں قیام فرمایا اور آس پاس کے قبائل نے خدمت رسالت پناہ میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کی اور اہل جرباء، اذرح اور اہلیہ کے فرمانروا یوحنا نامی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تین سو دینار سالانہ جزیہ دینے کا اقرار کیا اور آپ سے صلح کر لی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد صدیقی:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلافت نبوی کی مسند پر بیٹھے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان بیعت کرنے والوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے آپ کو بطور سفیر اور نمائندہ کے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور متروکات نبوی میں اپنے حصہ کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

ان ازواج النبی صلی اللہ علہ وسلم حین توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اردن ان یبعثن عثمان الیٰ ابی بکر یسالنہ میراثھن فقالت عائشة رضی اللہ عنھا الیس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ماترکنا صدقة.

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رسول نے ارادہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجیں اور ان کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات میں سے اپنی میراث مانگیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ''ہماری وراثت نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔'' (بخاری: ۲/۹۹۶)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ایک اور مقام پر اس روایت کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ

ارسل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عثمان الی ابی بکر یسالہ ثمنھن مما افاء اللہ علی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فکنت انا اردہ

هـن فقلت لهن الا تتقين الله الم تعلمن ان النبی صلی الله علیه وسلم كـان يـقول لا نورث ماتركنا صدقة...... فانتهیٰ ازواج النبی صلی الله عليه وسلم الی ما اخبرتهن.

''ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، اس مال فئے میں سے اپنا حصہ طلب کرنے کے لیے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ کی ازواج سے ان کے اس مطالبہ کی تردید کی اور کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں اور کیا تمہیں علم نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے انہیں یہ بتایا تو وہ اپنے مطالبہ سے رک گئیں۔'' (بخاری:۲/۵۷۶)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ خیبر اور فدک کے متروکات سے ہمیں حصہ دیا جائے۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں اور کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ ہم انبیاء کی وراثت جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ عام مسلمانوں کے لیے وقف ہوتا ہے۔ یہ مال آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے مہمانوں اور ان کے متعلقین کے لیے ہے اور جب میں انتقال کر جاؤں تو یہ مال میرے بعد آنے والے اولی الامر کی تولیت میں ہے۔ پس وہ رک گئیں۔ یعنی انہوں نے وراثت کا مطالبہ نہ کیا۔''

(فتوح البلدان: ص ۳۷)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں فتح الباری: ۷/۶۷، خلفاء الرسول: ص ۲۵۰، السیرۃ النبویہ فی ضوء المصادر الاصلیہ: ص ۶۱۵، العشرۃ المبشرون بالجنۃ، محمد صالح عوض: ص ۵۳)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی۔ لوگ اکٹھے ہو کر آپ کے پاس آئے اور اپنی قحط سالی کی روئیداد بیان کی۔ آپ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور یقین دلایا کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی اس مشکل کا ازالہ فرمائیں گے۔ چند روز کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سو اونٹوں پر مشتمل گندم کا ایک قافلہ آیا۔ لوگوں کو جب اس قافلے کا پتہ چلا تو انہوں نے سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے باہر نکل کر پوچھا کہ کیسے آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کی گندم آئی ہے لہٰذا آپ کو ساری گندم ہمارے ہاتھ فروخت کر دیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا منافع دو گے تاجروں نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ پندرہ فی صد۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرے وارہ میں نہیں ہے۔ لوگ نا امید ہو کر واپس آ گئے لیکن ابھی وہ لوگ گھروں میں نہیں پہنچے تھے کہ انہوں نے سن لیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ سارا غلہ اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک درہم پر دس درہم منافع دے رہا تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رات کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور کا حلہ اوڑھے اور نور کی نعلین پہنے ہوئے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی جلدی میں تھے۔ میں نے عرض کی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ بہت جلدی میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابن عباس! عثمان رضی اللہ عنہ نے آج گندم سے بھرے ہوئے سو اونٹ اللہ کے راستہ میں صدقہ کیے ہیں۔ اللہ نے اس کے اس صدقہ کو قبول فرما لیا ہے اور جنت میں ایک حور سے اس کی شادی کر دی میں اس شادی میں شرکت کے لیے جا رہا ہوں۔

(الرقۃ والبکاء: ص ۱۹۰، الخلفاء الراشدون، حسن ایوب: ص ۱۹۱، شہید الدار، احمد الخروف: ص ۲۱)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کا مشورہ:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے ایام خلافت میں اکابر صحابہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہر کام میں برابر مشورہ کرتے رہے۔ آخری ایام میں جب آپ کا مرض روز بروز بڑھ رہا تھا اور افاقہ سے مایوسی ہو گئی تو آپ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنی جانشینی کے بارے میں ان سے مشورہ کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانشین بننے کے حق میں نہ تھی حتیٰ کہ جلیل القدر صحابہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کی وجہ سے آپ کے حق میں رائے نہ دی۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بصیرت یہ سمجھتی تھی کہ وہ شخص دنیا کے معاملات میں سخت ہے وہ دین کے بارے میں بھی یقیناً سخت ہوگا جو امت کے لیے مفید ہوگا۔ چنانچہ جب سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ امیر المومنین آپ عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں حالانکہ وہ بہت سخت ہیں۔ آپ نے جواب میں

فرمایا کہ جب ان پر خلافت کا بوجھ پڑے گا تو ان کو خود بخود نرم ہونا پڑے گا۔ اسی طرح کا جواب آپ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اعتراض کے بارے میں بھی دیا کہ ''عمر رضی اللہ عنہ اس لیے سخت ہے کہ میں نرم تھا۔ جب خلافت کا بار ان کے کاندھوں پر پڑے گا تو وہ خود بخود نرم اور حلیم ہو جائیں گے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنا جانشین مقرر کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہت اچھا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین منتخب کرنے کے لیے قطعی فیصلہ کر لیا لیکن کسی پر اپنے اس نظریے کو ظاہر نہ فرمایا۔

جب بیماری نے اور زیادہ شدت اختیار کر لی تو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا تا کہ وصیت نامہ انہی سے لکھوایا جائے۔ چنانچہ قلم اور دوات منگوا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میری طرف سے وصیت لکھو:

هذا ما عهد ابوبكر ابن ابى قحافة الى المسلمين اما بعد فانى قد استخلفت عليكم

''ابھی اتنا ہی املا کروایا تھا کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ سیدنا عثمان نے اس وصیت نامہ میں اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیئے:

عمر بن الخطاب.

''یعنی میں تم پر عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔''

تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا لکھا ہے؟ آپ نے جو کچھ لکھا تھا وہ پڑھ کر سنایا۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کا نام پڑھا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے منہ سے نکلا: ''اللہ اکبر'' اور فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ! حق تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔''

(الامامتہ والسیاسۃ: ۱/۱۹، العواصم من القواصم: ص ۵۱، عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، للعقاد: ص ۱۵۰)

گویا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انتخاب میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی ہاتھ ہے اور تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ شاہکار رسالت جس کو صدیقی اور عثمانی نگاہ نے منتخب فرمایا تھا، دین اسلام اور امت مسلمہ کے لیے کس قدر مفید ثابت ہوا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد فاروقی رضی اللہ عنہ:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی آپ کی ایک امتیازی حیثیت رہی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہر معاملہ میں آپ سے صلاح و مشورہ لیتے رہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے مجلس شوریٰ (Advisory Council) قائم کی۔ آپ نے اس مجلس میں مہاجرین و انصار کے صاحب علم و فہم اور پختہ کار حضرات کو اس کا رکن مقرر فرمایا۔ ان چند ارکان میں ایک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے علاوہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وغیرہم بھی اس مجلس شوریٰ کے اراکین تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی باوجود نوجوان ہونے کے اس مجلس کے رکن تھے۔

بیت المال کے بارے میں مشورہ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قبل مسلمانوں میں بیت المال (خزانہ) کا وجود نہ تھا۔ بلکہ جو مال آتا وہ اسی وقت مسلمانوں کے مابین تقسیم ہو جاتا۔ بعض کتابوں میں آتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک مکان بیت المال کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند رہتا اور اس میں کچھ جمع نہ ہوا اور آپ کی وفات کے بعد جب اسے کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سے صرف ایک درہم نکلا۔

(طبقات ابن سعد)

خلافت فاروقی میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین کے گورنر ہوئے۔ وہ وہاں سے پانچ لاکھ کی خطیر رقم لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کے اراکین سے مشورہ پوچھا کہ اس رقم کا کیا کیا جائے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی:

تقسم کل سنة ما اجتمع الیک من مال فلاتمسک منه شیئا.

''جو مال آپ کے پاس جمع ہو اس کو ہر سال تقسیم کر دیں اور اس میں سے کچھ بچا کر نہ رکھیں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ ایک بیت المال تیار کیا جانا چاہیے جس میں فالتو مال جمع ہو اور وہ

حاجت مندوں میں تقسیم کیا جائے اور مختلف منصوبوں میں بھی اسے بوقت ضرورت صرف کیا جائے۔''

ولید رضی اللہ عنہ بن ہشام بن مغیرہ نے بھی آپ کی اس رائے کی تائید کی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ آپ نے مدینہ میں بیت المال قائم فرمایا اور پھر مختلف صوبوں اور ان کے صدر مقامات پر اس کی شاخیں قائم کیں اور ہر جگہ مختلف لوگوں کو ''مہتمم خزانہ'' مقرر فرمایا جیسے کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اور اصفہان میں خالد بن حارث رضی اللہ عنہ کو۔ گویا مملکت اسلامیہ میں بیت المال کا قیام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کا رہین منت ہے۔

(طبری: ۳/۲۷۸)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مفتی کی حیثیت سے:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کے سخت خلاف تھے کہ دین کے معامل میں ہر کس و ناکس اپنی رائے پیش کرتا پھرے۔ اس کے لیے آپ نے کئی ذرائع اختیار فرمائے۔ چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا کہ فتویٰ صرف وہی حضرات دے سکتے ہیں جنہیں حکومت نے فتویٰ دینے کی اجازت دی ہے اور آپ نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مفتی قرار دیا اور ایک دارالافتاء قائم فرمایا۔ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ نے فتویٰ دینے کی اجازت دی، ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

گویا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک مفتی کی حیثیت سے سلطنت اسلامیہ میں اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس سے آپ کی علمی حیثیت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ علمی لحاظ سے کس قدر بلند تھے۔ کتابوں میں ایک واقعہ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مرقوم ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مکہ تشریف لے گئے اور اپنی چادر ایک شخص پر جو بیت اللہ میں کھڑا تھا، ڈال دی۔ اتفاقاً ایک کبوتر اس پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ کبوتر اپنی بیٹ سے کہیں اس چادر کو خراب اور گندہ نہ کرے اس کو اڑا دیا۔ کبوتر وہاں سے اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا۔ وہاں اس کو ایک سانپ نے کاٹ لیا اور کبوتر اسی وقت مر گیا۔ سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا۔ آپ نے کفارہ کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ وہ کبوتر کو ایک محفوظ و مصئون مقام سے غیر محفوظ مقام پر پہنچانے کا سبب ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۴۱)

کاروبار خلافت میں معاونت:

خلافت فاروقی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کاروبار خلافت میں آپ کی معاونت کرتے رہتے۔ مفید مشوروں سے اعانت کرتے۔ اگر کہیں جانا ہوتا تو آپ کے ساتھ جاتے بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود بھی کئی دفعہ مختلف مقامات پر ان کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اس مقام پر لے گئے جہاں زکوٰۃ اور صدقات کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔

فجلس عثمان فی الظل یکتب وقام علی راسه یملی علیه مایقول عمرو عمر فی الشمس قائم، فی یوم حار شدید الحر علیه بردان اسودان متزرا بواحد وقد لف آخر یعده ابل الصدقة یکتب الوانها واسنانها.

''عثمان رضی اللہ عنہ سایہ میں بیٹھ کر لکھ رہے تھے اور علی رضی اللہ عنہ ان کے سر پر کھڑے لکھوا رہے تھے جو کچھ عمر رضی اللہ عنہ بولتے جاتے تھے اور آپ پر دو کالی چادریں تھیں۔ ایک کو آپ نے بطور تہبند باندھا ہوا تھا اور دوسری کو اپنے اوپر لپیٹا ہوا تھا اور آپ زکوٰۃ کے اونٹوں کو گن گن کر ان کے رنگ اور ان کے دانت لکھوا رہے تھے۔''

یہ دیکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحب زادی کا قول (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں) قرآن حکیم میں پڑھا ہے:

﴿یاابت استاجره ان خیر من استاجرت القوی الامین﴾

''ابا جان! اس کو ملازم رکھ لیجیے کیونکہ بہتر سے بہتر شخص جس کو آپ ملازم رکھنا چاہیں وہ ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔''

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

هذا القوی الامین.

''یہ مضبوط اور قوی بھی ہیں اور امانت دار بھی۔'' (طبری: ۳/۲۷۱)

شہادت فاروق رضی اللہ عنہ اور انتخاب عثمان رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے جہاں مصر، شام، عراق اور دوسرے کئی ایک ممالک کو فتح کیا وہاں سلطنت ایران کی بھی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سب سے زیادہ نقصان سلطنت ایران کو پہنچا۔ مسلمان دراصل اللہ کے سپاہی تھے۔ وہ جس طرف بھی بڑھتے، فتح ونصرت ان کے قدم چومتی اور بقول علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

''قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اسلام کو دوسری قوموں کی طرف منتقل نہیں کیا تھا بلکہ ان قوموں کو اسلام کی طرف منتقل کیا تھا۔''

جنگ قادسیہ، جنگ یرموک اور مدائن کی فتح مسلمانوں کی جرأت ایمانی، اخلاقی بلندی اور روحانی ارتقاء کی زندہ مثالیں ہیں کہ اللہ کے ان سپاہیوں نے کفروشرک کے ہر اندھیرے کو نور ہدایت کی روشنی سے منور کردیا اور اس کا پیغام مساوات سرزمین عرب سے نکل کر روم اور سلطنت کسریٰ کے ایوانوں میں جا پہنچا۔

ایران کی فتح کے دوران تستر (ایران) کا ایک گورنر ہرمزان گرفتار ہوکر مدینہ طیبہ دربار فاروقی میں لایا گیا۔

''جب وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو اس نے دیبا کی زرق برق پوشاک زیب تن کی اور جواہرات سے مرصع تاج سر پر کھا۔ خالص سونے کا عصائے شاہی جس میں موتی اور یاقوت مرصع تھے ہاتھ میں لیے امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے روانہ ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زرق برق لباس پہنے، سکیورٹی گارڈ کی زیر حفاظت ایوان شاہی میں رونق افروز ہوں گے اور ایوان کے دروازے پر حاجب اور دربار متعین ہوں گے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے جو ہرمزان کے ساتھ

تھے، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما ہیں۔ ہرمزان جب مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ بیٹھے چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں اور ایک جانب ایک شخص ایک چغہ سرہانے رکھے سو رہا ہے۔ ہرمزان نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ ''شہنشاہ عمر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں'' انہوں نے اس سونے والے شخص کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ ہیں۔ ہرمزان یہ سن کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا اور وہ اس بات کو باور کرنے کے لیے تیار ہی نہ تھا کہ اتنی بڑی سلطنت کا فرمانروا اور یوں فرش خاک پر محو استراحت ہو۔ اس کو ہر طریقے سے یقین دلایا گیا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ واقعی یہ ہیں۔ ہرمزان نے بے ساختہ کہا ''اس شخص کو پیغمبر ہونا چاہیے اور اگر یہ پیغمبر نہیں تو اس کا عمل ضرور پیغمبروں جیسا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بیدار ہوئے تو آپ نے ہرمزان کو اپنے پاس باجولاں دیکھ کر فرمایا کہ اس سے قبل تم ایرانی لوگ ہم لوگوں کو کبھی خاطر میں نہیں لایا کرتے تھے اور نفرت و حقارت کی نگاہ سے ہم کو دیکھتے تھے۔ اب کیا ہوا جو تم لوگوں نے ہمارے ہاتھوں اس قسم کی ذلت آمیز شکست کھائی۔ اس نے بڑا عجیب وغریب جواب دیا۔ اس نے کہا ''اے عمر رضی اللہ عنہ اصل بات یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم اور تم اکیلے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔ لہٰذا ہم ہمیشہ لوگوں پر غالب آتے تھے لیکن اب صورت مختلف ہے کہ ''مقابلہ کے وقت ہم اکیلے ہوتے ہیں اور تمہارے ساتھ خدا ہوتا ہے لہٰذا ہمارے لیے ممکن ہی نہیں کہ ہم دونوں کا مقابلہ کر سکیں۔''

(عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، ہیکل: ص ۳۷۳-۳۷۵)

ہرمزان نے بات بالکل صحیح کہی کیونکہ بقول قرآن حکیم:

﴿ان الله مع المومنين﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو درمیان سے ہٹانے کے لیے شہید کر دیا گیا۔ ابولؤلؤ فیروز مجوسی نے ایک سازش کے تحت نماز فجر میں آپ کو شدید زخمی کیا اور خود ''خودکشی'' کر لی جس کی وجہ سے یہ سازش منکشف نہ ہو سکی، لیکن پتہ چلتا ہے کہ اس میں ایرانیوں کا ہاتھ تھا۔

زخم چونکہ کاری تھے لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مایوسی ہو گئی اور آپ سے درخواست کی کہ امیر المومنین کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اپنا کوئی جانشین مقرر فرما جائیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اگر آج ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہوتے تو میں ان کو اپنا

جانشین نامزد کر جاتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر آج سالم رضی اللہ عنہ مولی (آزاد کردہ غلام) ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں انہیں اپنا جانشین مقرر کر جاتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سالم رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں قوی اور مضبوط ہیں۔ پاس بیٹھے کسی شخص نے کہا کہ آپ اپنے فرزند ارجمند سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کر جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر یہ کوئی بہتر شے تھی تو ہم نے اس میں سے اپنا حصہ لے لیا اور اگر یہ کوئی بری شے تھی تو اب وہ ہم سے پھر گئی ہے۔ خطاب کی اولاد کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے صرف ایک آدمی ہی سے امر خلافت کے بارے میں محاسبہ اور امت محمد ﷺ کے بارے میں سوال ہو۔ میں نے اپنی اہل کو خلافت کے فوائد سے محروم کر رکھا ہے پھر بھی اگر برابر سرا سر چھوٹ جاؤں تو بہت کامیاب ہوں۔''

(عثمان بن عفان، عباس محمود عقاد: ص ۱۵۱، طبری: ۲۹۲/۳)

دوسری بار پھر آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنا کوئی جانشین مقرر فرما جائیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں اور وہ علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی کو منتخب کر لو۔ جب وہ آپس میں سے ایک کو والی (خلیفہ) بنا لیں تو اس کی اعانت کرو۔'' (طبری: ۲۹۳/۳، عثمان بن عفان: ص ۱۵۲)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر ان چھ حضرات کو بلایا۔ ان میں سے پانچ حضرات تو آ گئے لیکن سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نہ آئے۔ کیونکہ وہ اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلہ میں مدینہ طیبہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پانچوں حضرات سے کہا کہ آپ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے پاس جا کر باہمی مشورہ سے اپنے میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں یہ پانچوں حضرات سیدہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ میں بیٹھے اور خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد آوازیں بلند ہوئیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ اذیت محسوس ہوئی۔ کیونکہ وہ آپ پر حملے کا چوتھا دن تھا اور بکثرت خون بہہ جانے کی وجہ سے آپ بے حد کمزور اور مضمحل ہو چکے تھے۔ لہٰذا آپ نے

انہیں کہلا بھیجا کہ میرے انتقال تک خلافت کے بارے میں اس گفتگو کو ملتوی رکھا جائے اور میرے انتقال کے بعد آپ لوگ پھر اسی طرح جمع ہوں اور تین دن کے اندر اندر کسی کو اپنے میں سے خلیفہ منتخب کر لیں۔ نیز فرمایا:

ولا یاتین الیوم الرابع الا وعلیکم امیر منکم.

''اور چوتھا دن ایسا نہ آنا چاہیے جس میں تمہارے اوپر تم میں سے کوئی خلیفہ نہ ہو۔''

(طبری: ۳/۲۹۳، عثمان بن عفان، للعقاد: ص ۱۵۲)

''اور ہاں طلحہ رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنا کیونکہ وہ اس وقت مدینہ طیبہ سے باہر شام میں ہیں۔ اگر وہ تین دن تک واپس آ جائیں تو ٹھیک، وگرنہ تین دن سے زیادہ ان کا انتظار نہ کرنا اور اگر وہ نہ آئیں تو ان کی جگہ میرے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ میں شامل کر لینا اور یہ تاکید کی کہ ان کو صرف خلافت کے لیے مشیر بنایا جائے۔ امیدوار نہ بنایا جائے۔''

(طبری: ۳/۲۹۳، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان: ص ۱۳)

پھر آپ نے فرمایا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کی کون ہامی بھرتا ہے کہ ان کو تمہارا فیصلہ منظور ہوگا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بولے:

انا لک به ولا یخالف ان شاء الله تعالی.

''میں ہامی بھرتا ہوں کہ ان شاء اللہ وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔''

(طبری: ۳/۲۹۳، عثمان بن عفان، عقاد: ص ۱۵۳)

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ان پانچوں حضرات کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں نے بہت غور وخوض کیا اور تم لوگ مسلمانوں کے سردار اور ان کے قائد ہو۔ امر خلافت تم ہی سے وابستہ ہے کیونکہ اپنی وفات کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے راضی تھے۔ اگر تم درست اور متحد رہے تو مجھے مسلمانوں کے بارے میں کوئی خوف اور ڈر نہیں لیکن اگر تم میں اختلاف واقع ہو گیا تو مسلمانوں میں بھی اختلاف کی خلیج پیدا ہو جائے گی۔'' (عثمان بن عفان: ص ۱۵۲، طبری: ۳/۲۹۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ابتداء ہی سے یہ تمنا تھی کہ میری وفات ایک تو مدینہ طیبہ میں ہو اور دوسرے مجھے شہادت کی موت نصیب ہو۔ چنانچہ آپ اکثر اللہ رب العزت کے حضور دعا فرمایا کرتے تھے:

اللھم ارزقنی شھادہ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک.

''اے اللہ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت کی موت دینا اور آپ اپنے رسول ﷺ کے شہر میں موت دینا۔'' (بخاری، البدایہ والنہایہ: ۱۳۷/۷)

سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے منہ سے نکلی ہوئی یہ دعا بارگاہ حدیث میں قبول ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو شہادت فی سبیل اللہ بھی نصیب ہوئی اور مدینہ طیبہ ہی میں آپ کی وفات ہوئی اور جوار رسول ﷺ میں بلکہ ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' میں آخری استراحت سے نوازے گئے۔ ایسی خواہش کے پیش نظر آپ نے دم واپسیں اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ سیدہ عائشہ ام المومنین سلام اللہ علیہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو:

''کہ عمر رضی اللہ عنہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور مجھے امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ آج میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں اور ان سے کہو کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پیغام دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں اور فرمایا:

کنت ارید لنفسی، لاؤثرن بہ الیوم علی نفسی.

''یہ جگہ میں اپنے لیے چاہتی تھی، لیکن آج عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر سیدنا عائشہ سلام اللہ علیہا کا جواب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا۔ جواب سنتے ہی آپ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور فرمایا:

الحمدللہ ماکان می شئی اھم الی من ذالک.

''اللہ کا شکر ہے (کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی) کیونکہ اس سے اہم اور کوئی چیز میرے نزدیک نہیں تھی۔'' (التمہید والبیان: ص۹)

آپ نے پینل کے متعدد ارکان کی کچھ صفات کا ذکر فرمایا تا کہ خلیفہ کے انتخاب میں کچھ اشارے مل جائیں۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مجلس مشاورت کا اجلاس منعقد ہوا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک مدینہ طیبہ واپس تشریف نہیں لائے تھے۔ اس لیے ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مجلس میں مشورہ کے لیے بٹھایا گیا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ امور زیر بحث آئے جن کی وجہ سے خدشہ تھا کہ معاملہ طول نہ پکڑ جائے۔ لہٰذا سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ کی اس وصیت پر عمل پیرا ہونے کے لیے کہ

ولا یاتین یوم الرابع الا وعلیکم امیر منکم.

''اور چوتھا دن ایسا نہ آنا چاہیے کہ تمہارے اوپر تم میں سے کوئی امیر نہ ہو۔''

(طبری: ۲۹۳/۳)

سب کی رائے یہ تھی کہ معاملہ کو مختصر کیا جائے۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فتح کردہ اتنی طویل وعریض سلطنت کو کسی خلیفہ کے بغیر زیادہ دن نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ لہٰذا معاملہ کو جلد نمٹانے کے لیے اہل مجلس نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اس بات کا اختیار دے دیا کہ وہ خلیفہ کے انتخاب کو تحقیق وتفتیش کے بعد جس مناسب طریقے سے بھی چاہیں حل کریں۔

اسی بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک اور روایت نقل فرمائی ہے کہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ سفر سے واپس تشریف لے آئے اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اہل مجلس کے سامنے یہ تحریک پیش کی کہ چھ میں سے تین حضرات دوسرے تین افراد کے حق میں دست بردار ہو جائیں۔ تاکہ اس معاملہ کو جلدی نمٹایا جا سکے۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو گئے بعد میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ اب صرف دو رکن باقی تھے۔ ایک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے یہ عہد لیا کہ

لئن ولاہ لیعد لن ولئن ولی ...... لیسمعن ولیطیعن.

''اگر اسے خلیفہ بنایا گیا تو وہ عدل کرے گا اور اگر دوسرے کو اس پر خلیفہ بنایا گیا تو وہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے گا'' (البدایہ والنہایہ: ۱۴۵/۷)

اب سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ جاننے کے لیے کہ ان دونوں میں افضل کون ہے اور لوگوں کے دل کس کی طرف زیادہ مائل ہیں مختلف لوگوں سے صلاح ومشورہ شروع کیا اور رائے عامہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں وہ مختلف لوگوں کے پاس گئے اور جلوت وخلوت میں ان سے ملے۔ عورتوں سے بھی ان کے گھروں میں پردہ کی اوٹ میں پوچھا۔ بچوں کے پاس ان کے مدارس میں گئے۔ یہاں تک کہ دیہات وغیرہ سے جو لوگ مدینہ طیبہ آئے ہوئے تھے، ان سے بھی ان دونوں حضرات کے بارے میں رائے لی۔ تین دن شب وروز آپ نے

اس معاملہ میں زندگی کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ان دونوں حضرات کے بارے میں پوچھا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ

فلم يجد اثنين يختلفين فى تقدم عثمان بن عفان.

''آپ کو دو آدمی بھی ایسے نہ ملے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دوسروں پر فضیلت اور ترجیح دینے میں مختلف ہوں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۶)

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ اہل شوریٰ نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ افضل ترین شخص کو مسلمانوں کا خلیفہ بنائیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ

انه سال من يمكنه سواله من اهل الشوره وغيرهم فلا يشير الا بعثمان بن عفان.

''انہوں نے اہل شوریٰ اور ان کے ماسوا جس کسی سے سوال ممکن تھا، پوچھا تو ہر ایک نے عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا۔''

یہاں تک کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو آپ کس کے خلیفہ بنانے کا مشورہ دیتے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عثمان بن عفان. (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۵-۱۴۶)

ان تین رات دن میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لینے کی از حد کوشش کی اور ان دنوں میں انہوں نے نیند کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ صرف نماز، دعا، استخارہ اور صاحب رائے لوگوں کی رائے معلوم کرتے رہے لیکن تین دن کی شبانہ روز کوشش سے انہیں یہ پتہ چلا کہ کوئی شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پایہ کا اور کسی کو نہیں سمجھتا۔ آخر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے چوتھے روز صبح آپ اپنے بھانجے سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور فرمایا مسور رضی اللہ عنہ! تم سو رہے ہو، بخدا میں تین روز سے نہیں سویا۔ فرمایا جاؤ علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ سیدنا مسور رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پہلے کس کے پاس جاؤں۔ فرمایا جس کے پاس تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ مسور رضی اللہ عنہ پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ میرے ماموں آپ کو بلا رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری طرح کسی اور کو بھی بلا بھیجا ہے۔ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو۔ پوچھا کس سے ابتداء کی۔ کہا کہ مجھے اول و آخر کا ان کی طرف سے کوئی حکم نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا تھا کہ دونوں کو بلا لاؤ۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسور رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لیے۔ جب ہم

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس سے گزرے تو میں اندر گیا اور انہیں بھی وہی کچھ کہا جو علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اور انہوں نے بھی وہی کچھ پوچھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا۔ میں ان دونوں کو لے کر اپنے ماموں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ نماز سے فارغ ہوکر ان دونوں حضرات کو دیکھ کر فرمایا میں نے آپ دونوں حضرات کے بارے میں لوگوں کی رائے معلوم کی تو:

فلم اجد احدا یعدل بکما احدا.

''میں نے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو آپ دونوں کے برابر کسی کو سمجھتا ہو۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۶)

لیکن اب دونوں میں سے افضل ترین کا انتخاب کرنا تھا۔ لہٰذا اس کے لیے جب آپ نے اراکین شوریٰ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ لیکن سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس پر بس نہ کی بلکہ طبری کے الفاظ کے مطابق:

''سیدنا عبدالرحمٰن راتوں کو پھر پھر کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور مدینہ طیبہ میں موجود امراء لشکر اور معززین شہر سے ملاقات کرتے رہے اور آپ جس شخص کو بھی ملتے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا۔'' (طبری: ۳/۲۹۶)

پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین اور انصار میں سے افضل اور اسبق لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع کیا۔ یہاں تک کہ مسجد بھر گئی اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت یہ کہہ کر کی:

انی قد نظرت وشاورت الناس فاذاھم لا یعدلون بعثمان.

''میں نے خود بھی غور وخوض کیا اور لوگوں سے بھی مشورہ کیا (تو معلوم ہوا) کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔'' (طبری: ۳/۲۹۵)

طبری نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل فرمائے ہیں کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کروں تو پھر آپ کے نزدیک خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ انہوں نے کہا عثمان رضی اللہ عنہ۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو پھر آپ کی رائے میں منصب خلافت کے لیے سب سے زیادہ موزوں کون

ہے؟ انہوں نے کہا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ پھر ان دونوں کو رخصت کر دیا اور سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھ کہ اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو پھر کون خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ انہوں نے کہا عثمان رضی اللہ عنہ۔ پھر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اور میں خلافت کے خواہش مند ہی نہیں۔ لیکن آپ سب سے زیادہ خلافت کا کس کو اہل سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا عثمان رضی اللہ عنہ۔ آپ نے ان کو بھی رخصت فرما دیا۔ (طبری: ۵/۲۹۴)

اس کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے وہ عمامہ باندھا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنایا تھا اور تلوار حائل کی اور مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ منبر نبوی پر تشریف فرما ہوئے اور کافی دیر تک چپ چاپ کھڑے رہے اور دعا مانگتے رہے۔ مسجد نبوی مہاجرین وانصار سے بھری ہوئی تھی۔ ہجوم اس قدر تھا کہ مسجد اپنی وسعت کے باوجود تنگ تھی۔ کیونکہ لوگ خلافت کے بارے میں فیصلہ سننے کے لیے جوق در جوق آئے ہوئے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کافی دیر دعا مانگنے کے بعد یوں ارشاد فرمایا:

''حضرات! میں نے آپ لوگوں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر تمہارے امیر کی بابت دریافت کیا۔ مجھے پتہ چلا کہ تم میں سے کوئی بھی علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی کو نہیں سمجھتا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۶)

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس وقت منبر کی سیڑھی پر تھے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتے تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس سے نچلے درجے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر لوگوں کے ایک اژدھام نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا اور باری باری ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے اور سب سے پہلے جس شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھے۔ چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وجاء اله الناس يبايعونه وبايعه علی بن ابی طالب اولا.

''اور لوگ آپ کی طرف بیعت کے لیے بڑھنے لگے اور سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۷)

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خلوص نیت تھا کیونکہ ان کا مقصد صرف اور صرف خدمت اسلام تھا وہ خواہ حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر ہو یا بغیر حکومت کی کرسی کے ہو۔ وہ ہر حال میں خوش تھے بلکہ اس وقت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ کسی ذمہ داری کو اپنے سر لینا ایک بار گراں سمجھتے تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں فرمایا کہ

انا لکم وزیرا خیر لکم منی امیرا.

''میں تمہارا امیر بننے کے بجائے وزیر بننا اپنے لیے بہتر سمجھتا ہوں۔''

(نہج البلاغہ، الجزء الاول: ص ۱۷۹)

خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بخاری کی روایت:

بخاری کی روایات اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح ہیں اور مؤرخین کی بیان کردہ روایات سے ان کی تائید بھی ہوتی ہے۔ پھر جو مقام اہل علم اور محدثین کے نزدیک بخاری کا ہے۔ وہ کسی مؤرخ کی کسی کتاب کا نہیں ہے۔ لہٰذا ہم بخاری کی وہ روایات نقل کرتے ہیں جن سے ان اعتراضات کے پیدا ہونے کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک روایت جو اپنی کتاب کی جلد اول میں نقل کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے حجرہ مطہرہ میں تدفین کے بعد اس مجلس مشاورت کا اجتماع ہوا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کے جلد از جلد نمٹانے کے لیے فرمایا:

اجعلوا امر کم الی ثلاثة منکم.

''اپنی یہ بات اپنے میں سے تین حضرات کے سپرد کردو۔''

مقصد یہ تھا کہ اختلاف کم سے کم پیدا ہو کیونکہ خطرہ تھا کہ کوئی سازش ان میں اختلاف پیدا نہ کردے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اس تجویز پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اپنا حق خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کرتا ہوں۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنا حق خلافت سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اب صرف تین آدمی باقی رہ گئے۔ ایک سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ دوسرے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور تیسرے سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں میں سے کون حق خلافت سے دست بردار ہوتا ہے تاکہ ہم خلافت کے انتخاب کا مسئلہ اس کے سپرد کردیں تاکہ وہ اللہ رب العزت کی حفاظت اور دین اسلام کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر اپنے میں سے بہترین شخص کا

انتخاب کرے۔ یہ سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں خاموش رہے۔ یہ دیکھ کر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بولے اگر آپ میں سے کوئی شخص یہ اختیار نہیں لینا چاہتا تو پھر آپ دونوں یہ اختیار مجھے دے دیں اور خدا گواہ ہے کہ میں تم میں سے افضل شخص کے انتخاب میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ یہ دونوں حضرات اس بات پر متفق ہو گئے اور دونوں نے یہ اختیار سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو تفویض کر دیا۔ یہ اختیار حاصل کر کے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کو کہا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کو اللہ کی قسم اگر میں آپ کو مسلمانوں کا امیر بناؤں تو آپ عدل کریں گے اور اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر بناؤں تو آپ ان کی اطاعت کریں گے۔ پھر یہی باتیں آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہیں۔ پھر جب آپ نے ان دونوں سے پختہ عہد لے لیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا:

ارفع یدک یا عثمان! فبایعه فبایع له علی وولج اهل الدار فبایعوه.

''عثمان رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ پس سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی پھر مدینہ طیبہ کے لوگ اندر داخل ہوئے اور باری باری سب نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔'' (بخاری:۱/۵۲۴۔۵۲۵)

اسی سلسلہ میں دوسری روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے اور مجلس مشاورت کی میٹنگ بھی ایک روایت کے مطابق انہی کے مکان پر منعقد ہوئی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ مختلف حضرات کو بلانے کے بارے میں انہی کو بطور قاصد استعمال کرتے رہے۔ اسی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ مجلس مشاورت کی کارروائی کو مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں جانتا۔ (فتح الباری:۱۳/۱۶۸)

یہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''چھ صحابہ کی جس جماعت کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کا اختیار دیا تھا آپ کی تدفین کے بعد وہ باہم مل کر مشورہ کرنے لگی۔ ان چھ حضرات میں سے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس امر خلافت کے بارے میں تم سے کوئی جھگڑا نہیں کروں گا لیکن اگر تم چاہو تو میں تم میں سے ایک شخص کا انتخاب کر دوں۔ ان سب نے اس بارے میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اختیار دے دیا۔ جب انتخاب خلیفہ کا

اختیار سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو مل گیا تو اب لوگوں کی نگاہیں عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف تھیں اور ان لوگوں کے پیچھے اب ایک شخص بھی نظر نہیں آتا تھا۔ لوگ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو برابر مشورے دیتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ رات آئی جس رات کی اگلی صبح ہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ میرے مکان پر تشریف لائے۔ دروازہ کھٹکھٹایا، جب میں بیدار ہوا تو مجھے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تم سوئے ہوئے تھے۔ بخدا! میں تین راتیں پوری نیند نہیں سویا۔ پھر فرمایا جاؤ زبیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ میں نے تعمیل حکم کی۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خلوت میں ان سے کچھ مشورہ کیا۔ پھر مجھے بلایا اور فرمایا جاؤ علی رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا لایا۔ انہوں نے آدھی رات تک آہستہ آواز سے ان سے کچھ باتیں کیں۔ (یہ باتیں سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ شاید نہیں سن سکے اس وجہ سے بیان نہیں کیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کیا باتیں ہوئیں) پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے گئے (سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ ان کے دل میں) خلافت کی کچھ طمع تھی (کہ شاید انہیں مل جائے) اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ خوف تھا پھر مجھے فرمایا کہ اب عثمان رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔ میں ان کو بلا لایا۔ ان سے بھی سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کافی دیر تک آہستہ آہستہ کچھ باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان دینے والے نے ان دونوں کے درمیان تفریق کی۔ یعنی صبح کی اذان تک باتیں کرتے رہے۔ جب لوگ صبح کی نماز سے فارغ ہو گئے تو یہ جماعت منبر کے پاس جمع ہو گئی۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین و انصار کو بلا بھیجا اور ان سرداران لشکر کو بھی بلا بھیجا جنہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تھا۔ جب یہ سب حضرات جمع ہو گئے تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھا اور فرمایا:

''اے علی رضی اللہ عنہ! میں نے لوگوں کے امر میں کافی غور وخوض کیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ لہٰذا تم اپنے نفس پر مخالفت یا ملامت کا کوئی راستہ نہ نکالنا۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا میں سنت اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی سنت پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

پس عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے بعد دوسرے لوگوں نے، مہاجرین اور انصار نے اور لشکروں کے امراء (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ امیر شام، سیدنا عمر بن سعد رضی اللہ عنہ امیر حمص، سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ امیر کوفہ، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ امیر بصرہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر مصر) اور دوسرے مسلمانوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔'' (بخاری:۲/۱۰۶۹۔۱۰۷۰)

بخاری کی ان دونوں روایات سے کئی ایک شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

① امر خلافت کے طے کرنے میں آپس میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں کئی ایک روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو صرف حکم اس لیے بنایا گیا تاکہ معاملہ جلدی نمٹایا جاسکے۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بصیرت کی بنا پر یہ تاکید فرمائی تھی کہ امر خلافت کو جلد از جلد نمٹانا اور اس معاملہ کے طے کرنے میں تین دن سے زیادہ وقت صرف نہ کرنا۔ کیونکہ اس قدر وسیع وعریض مملکت کو تین دن سے زائد عرصے تک بغیر کسی خلیفہ کے رکھ چھوڑنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ملک میں مختلف قسم کی شورشیں اٹھنے کا خطرہ تھا اور یہ بھی خطرہ لاحق تھا کہ اندرون ملک سازشی گروہ مملکت اسلامیہ کو بے یارومددگار سمجھ کر کہیں سازشوں کا جال نہ بچھا دے۔ لہٰذا یہ نہایت ضروری تھا کہ اس معاملہ کو جلد از جلد طے کیا جائے جس کے لیے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اپنا نام واپس لیتا ہوں اور دوسرے حضرات بھی جو اپنا نام واپس لینا چاہیں وہ اپنے حقوق خلافت دوسرے حضرات کو دے دیں۔ اس طریق سے صرف دو امیدوار خلافت باقی رہ گئے۔ ایک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ ان دونوں امیدواروں کے بارے میں جب استصواب رائے لی گئی تو مدینہ کے مردوں، عورتوں، بچوں اور امراء، خواص یہاں تک کہ باہر سے آنے والے وفود نے بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی اور یوں یہ معاملہ تین روز کے اندر اندر نمٹ گیا۔

② سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بات پر کوئی اصرار نہ تھا کہ خلافت ان کو ضرور ملے۔ وہ صرف خلافت کے امیدوار تھے۔ جب استصواب رائے سے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر دیا تو بغیر کسی پس وپیش کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمالی۔ بلکہ بخاری، ابن کثیر اور دوسرے کئی ایک مؤرخین کی روایات کے مطابق سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تو دوسرے نمبر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔

بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

قال ارفع یدک یا عثمان فبایعه فبایع له علی وولج اهل الدار فبایعوه.

''عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا، عثمان رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ پس انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اہل مدینہ اندر داخل ہوئے اور انہوں نے باری باری ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔''

(بخاری: ۱/ ۵۲۵)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

وجاء الیه الناس یبایعونه وبایعه علی ابن ابی طالب اولا.

''لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آئے اور سب سے پہلے سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۴۷)

یہ بیعت خوشی و مسرت کے ساتھ تھی جبر واکراہ سے نہ تھی۔ تبھی تو انہوں نے سب سے پہلے بیعت کی۔ جو آدمی بادل نخواستہ بیعت کرتا ہے، وہ سب سے پہلے بیعت نہیں کرتا۔ کیونکہ جب اس کو کسی بات پر دلی صدمہ ہوتا ہے تو نفسیاتی طور پر وہ کام سے ہچکچاتا ہے۔ لہٰذا وہ سب روایات اس روایت کے سامنے یک قلم غلط ثابت ہو جاتی ہیں جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا اس خلافت پر رنجیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رنجیدہ ہوتے تو وہ ان کے ہاتھ پر کبھی بھی بیعت نہ کرتے۔ لیکن وہ زمانہ ان تمام تعصبات اور دلی رنجشوں سے پاک اور مبرا تھا بلکہ خلافت راشدہ کے دور میں تنقید کو جس قدر سراہا گیا اتنا دنیا میں کبھی نہیں سراہا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ادوار میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ خلیفہ وقت کو برسرعام ایک عام آدمی ٹوکتا لیکن بجائے اس بات کے کہ اس کو سزا دیتے الٹا اس کی تحسین کرتے اور اس کے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ۲۲ لاکھ مربع میل کی سلطنت کے خلیفہ ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے نام سے ڈرتی ہیں۔ ایک مرتبہ حر بن قیس اور عینیہ بن حصن نے خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ''آپ انصاف نہیں کرتے۔'' آپ انہیں کچھ بھی نہیں کہتے۔'' (کنز العمال: ۳۵۲/۶)

ایک مرتبہ ایک شخص نے کئی بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا:

اتق الله یا عمر.

''اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ سے ڈرو۔'' (کتاب الخراج: ص ۷)

حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور اگر ہم نہ مانیں تو ہم بے مصرف ہیں۔

خلافت راشدہ کی پوری تاریخ اس قسم کے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے کہ خلیفہ وقت پر تنقید کرنے والوں کی ستائش و تحسین کی گئی۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو جائز اور اچھا نہیں سمجھتے تھے تو آخر بیعت کرنے کی کیا وجہ تھی؟ اور ڈر کس بات کا تھا؟ صرف کہہ دیتے کہ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ آخر ''اسد اللہ'' تھے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔ وہ اخلاص وللّٰہیت کے مجسمہ تھے۔ وہ امیر کی بجائے وزیر رہنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ کیونکہ امارت و خلافت کا بار بہت گراں ہے۔ جس کو بار دوش بنانا وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر وہ بار گراں ان کے دوش ہو بھی جاتا تو وہ اس سے سبکدوش ہونے کی مکمل صلاحیت بھی رکھتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی سب روایات رنگ صداقت سے خالی اور لباس حقیقت سے عاری ہیں اور یہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں لوگوں کو بدعقیدہ بنانے کے لیے گھڑی گئی ہیں۔

③ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہونے سے یہ بھی پتہ چلا کہ وہ شیخین (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) کے بعد پوری امت میں افضل ہیں کیونکہ مجلس مشاورت کے حکم سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ

والله علی ان لا الواعن افضلکم.

''خدا گواہ ہے کہ میں افضل شخص کے انتخاب میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔''

(بخاری: ۵۲۴/۱)

اس وعدہ کو ایفا کرنے کے لیے انہوں نے مسلسل تین دن رات جدو جہد کی اور آرام و سکون کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ مدینہ کے کوچہ و بازار میں گئے، ہر چھوٹے بڑے کو پوچھا، ہر

آنے جانے والے سے دریافت کیا۔ گھروں میں جا جا کر مخدرات و مستورات سے پس پردہ رائے معلوم کی۔ مجلس مشاورت کے اراکین سے حقیقت حال کا پتہ چلایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے رائے لی۔ باہر سے آنے والے وفود سے تبادلہ خیال کیا۔ حق تعالیٰ کے حضور دعا و استخارہ کیا۔ جب اس مقدس انسان کی اس ساری جدوجہد کا نتیجہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تقرری پر منتج ہوا تو پتہ چلا کہ اس سارے معاشرہ اور ماحول میں شیخین کے بعد افضل ترین شخصیت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی تھے جن کو منصب خلافت پر متمکن کیا گیا اور مدینہ طیبہ کے پاک بازوں اور نبوت کے زیر اثر تربیت پانے والوں نے بالاتفاق ان کے دست حق پرست پر بیعت خلافت کی اور اس شبیہ ابراہیم علیہ السلام و محمد (تاریخ الخلفاء) کو اجماعی طور پر وہ خلافت نبوت سونپی گئی جو ایک مرتبہ غزوہ ذات الرقاع اور غطفان کے موقع پر خود دست نبوت نے ان کو سونپی تھی۔ صرف فرق یہ تھا کہ پہلے صرف مدینۂ رسول کی خلافت تھی، لیکن اب پوری امت رسول کی خلافت نائبین رسول کی جانب سے سونپی جارہی تھی اور وہ اپنے افضل ہونے کے لحاظ سے اس کے مستحق بھی تھے۔ آخر وہ افضل ہوں کیوں نہ "جس کو لسان نبوت نے فرمایا ہو:

انت ولی فی الدنیا وولی فی الآخرۃ.

"تو دنیا میں بھی میرا دوست اور آخرت میں بھی میرا دوست ہے۔"

(البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۲)

جس کے نکاح میں نبوت کی دو صاحب زادیاں یکے بعد دیگرے آئی ہوں۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۹۹، نہج البلاغہ: ۲/۷۵، حاشیہ)

جس کے بارے میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہو:

"ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ حق میں آپ سے زیادہ نہ تھے اور آپ دامادی کی قرابت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں سے زیادہ قریب ہیں اور آپ نے دامادئ رسول کا وہ شرف حاصل کیا ہے جو ان دونوں کو حاصل نہیں ہوا۔"

(نہج البلاغہ: ۲/۸۵، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۶۸)

جو صاحب ہجرتین ہو۔ (بخاری)

جس کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے افضل قرار دیا ہو۔ (بخاری: ۲/۱۰۶۹، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۶)

اس کی فضیلت میں کون شک کر سکتا ہے؟

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ کی حیثیت سے

صحیح روایات کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کے دن فجر کی نماز میں ابولولو فیروز نے حملہ کیا، جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔ ۳ روز تک آپ اس دنیائے فانی میں زخمی حالت میں رہے اور ۳۰ ذی الحجہ ۲۳ھ ہفتہ کے روز آپ عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئے۔ یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو آپ کی تدفین ہوئی۔ تدفین سے فراغت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس مشاورت منعقد ہوئی اور ۳ محرم الحرام ۲۴ھ کو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بالاتفاق سریر آرائے خلافت ہوئے اور زمام اقتدار سنبھالی۔ اس روز عیسوی تاریخ ۱۰ نومبر ۶۴۴ء بیان کی جاتی ہے اور قمری سن کے لحاظ سے آپ کی عمر ۷۰ سال اور عیسوی سن کے لحاظ سے ۶۸ سال تھی۔ آپ مجلس مشاورت کے تمام اراکین سے زیادہ عمر والے تھے۔

خلافت کا پہلا خطبہ:

خلافت کی بیعت کے بعد امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلی نماز جو عام مسلمانوں کے ساتھ بحیثیت خلیفۃ المسلمین ادا فرمائی وہ عصر کی نماز تھی۔ اس کے بعد آپ منبر نبوی پر تشریف لے گئے اور موجود مسلمانوں کو خطاب فرمایا۔ اللہ کی حمد وثنا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! تم اپنی باقی زندگیاں دار قلعہ (مدینہ منورہ جو شیطانی دسترس سے محفوظ و مصئون ہے) میں گزار رہے ہو۔ چونکہ ساز ہستی کا تار ٹوٹنے والا ہے لہٰذا جس نیکی کرنے پر تمہیں قدرت حاصل ہے اس کو اسی عالم رنگ و بو میں جس میں تم اپنے شب و روز گزار رہے ہو جلد از جلد کرلو۔ کیونکہ دنیا ایک فریب کدہ ہے اور اس دنیا

کی زیب و زینت کہیں تمہیں اس کے خم و پیچ میں الجھا نہ دے اور شیطان کے پنجۂ اغوا میں گرفتار نہ کر دے۔ تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں ان کے حالاتِ بد سے عبرت حاصل کرو اور سرمایۂ آخرت کی فراہمی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھو اور غفلت کو اپنا شعار نہ بناؤ۔ ذرا اس کرۂ ارض پر نظر تو دوڑاؤ کہ ابنائے دنیا اور دنیا کی محبت میں منہمک ہو کر اللہ کو بھولنے والے لوگ کہاں گئے جنہوں نے اس دنیا کی تعمیر و ترقی میں کافی حصہ لیا۔ بلاد و امصار کو بسایا پھر (اپنے خیال میں) کافی مدت تک اس سے بہرہ یاب اور لطف اندوز بھی ہوتے رہے۔ کیا دنیا نے ان کو اپنے سے دور نہیں پھینک دیا؟ تم بھی دنیا کو اسی طرح پھینکو جیسا اللہ رب العزت نے اس کو پھینکا ہے۔ اور ہمیشہ آخرت کی تلاش جاری رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین مثال سے سمجھایا ہے کہ:

اے رسول عربی ﷺ! آپ ان لوگوں سے ایک مثال بیان فرما دیں کہ اس دنیوی زندگی کی مثال پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے بارش کی شکل میں آسمان سے اتارا۔ پس زمین کی روئیدگی پانی سے مل گئی۔ پھر آخر کار بھوسہ ہو کر رہ گئی جس کو ہوائیں لیے پھرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ مال اور اولاد اس دنیوی زندگی کی چندروزہ ٹھاٹھ باٹھ ہے اور اعمالِ صالحہ آپ کے رب کے نزدیک بلحاظ ثواب اور جزاء کے بہتر اور اچھے ہیں۔" (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۴۷۔۱۸۴، طبری: ۳/ ۳۰۵)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب اپنا پہلا خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے منبر پر تشریف لے گئے تو آپ پر خوف و ڈر کی وجہ سے ایک رعشہ کی سی کیفیت طاری تھی (یعنی فن خطابت سے بالکل ناآشنا تھے) اور زبان سے بات نہیں نکلتی تھی لہٰذا آپ نے صرف اتنا ہی فرمایا: "اے لوگو! پہلی سواری مشکل ہوتی ہے، اگر میں زندہ رہا تو اچھے خطبے دیا کروں گا۔" یہ بات "صاحب العقد الفرید" نے کہی ہے، لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولکن لم أر باسنا و تسکن النفس الیه.

"میں نے اس واقعہ کی کوئی تسلی بخش سند نہیں دیکھی۔" (ایضاً)

گویا یہ واقعہ غلط اور بے ہودہ ہے یا لوگوں نے ویسے ہی افسانے کے طور پر اس کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سر منڈھ دیا ہے۔

گشتی مراسلے

جیسا کہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص برسر اقتدار آتا ہے تو وہ اپنے گورنروں، سرحدی کمانڈروں اور عوام الناس کو اپنی حکومت کی حکمت عملی کے بارے میں کچھ ہدایات جاری کرتا ہے اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنے گورنروں، خراج افسروں، سرحدی کمانڈروں اور عوام الناس کے نام مکاتیب اور فرامین جاری فرمائے جس میں اپنی حکومت کی حکمت عملی اور سیاسی پالیسی کے بارے میں ہدایات جاری فرمائیں۔

گورنروں کے نام گشتی مراسلہ:

مختلف صوبوں کے گورنروں کو آپ نے جو ہدایات ارسال کیں وہ حسب ذیل ہیں:

''حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حکام اعلیٰ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ رعایا کے محافظ و نگران ہوں اور اس بات کا حکم نہیں دیا کہ وہ رعایا سے صرف ٹیکس وصول کریں۔ مسلمانوں کے اس سے پہلے حکام اعلیٰ نے ہمیشہ اپنے آپ کو رعایا کا نگران و محافظ ہی سمجھا اور کبھی بھی اپنے آپ کو صرف ٹیکس وصول کرنے والا تصور نہ کیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہونے والا ہے کہ آپ کے حکام اعلیٰ صرف محصل ٹیکس ہو جائیں گے اور نگران و محافظ نہ رہیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو حیاء، امانت اور وفا ناپید ہو جائیں گے۔ سب سے زیادہ صحیح طرز عمل اور حسن سیرت یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات ان کے نفع ونقصان اور ان کے مواددات سے دلچسپی لی جائے، ان کے حقوق انہیں دیئے جائیں اور اسلام کے جو حقوق ان کے ذمہ ہیں وہ ان سے وصول کیے جائیں۔ مسلمانوں کے بعد اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا) کے معاملات میں دلچسپی لی

جائے، ان کے جو حقوق آپ کے ذمہ ہیں وہ دیئے جائیں اور ان سے عدل و انصاف سے پیش آیا جائے اور ان کے ذمہ جو حقوق ہیں وہ وصول کیے جائیں۔ ذمیوں کے بعد تمہارے ان دشمنوں کے معاملات ہیں جن پر تم نے چڑھائی کی ہوئی ہے۔ پس ان پر عدل ووفا سے فتح حاصل کرو۔'' (طبری:۳/۳۰۶)

فوجی کمانڈروں کے نام گشتی مراسلہ:

ایک اور سرکلر آپ نے فوجی کمانڈروں اور سرداران لشکر کے نام جاری کیا جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واضح ہو کہ تم مسلمانوں کے حامی و ناصر اور محافظ و نگران ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ حضرات کے لیے جو ضابطہ عمل مقرر فرمایا تھا وہ ہم سے مخفی نہیں بلکہ وہ ہمارے ہی مشورہ سے مقرر ہوا تھا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ حضرات کی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہ ہو۔ اگر آپ لوگوں نے اس میں کوئی تبدیلی کی تو اللہ تعالیٰ تمہاری دلی کیفیت میں تبدیلی پیدا فرمادے گا اور تمہاری جگہ تم سے بہتر لوگ لے آئے گا۔ غور فرمائیے کہ تم لوگ اپنی ذمہ داریوں کے بار دوش سے کس طرح سبکدوش ہوتے ہو اور بحیثیت خلیفۃ المسلمین حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، میں ان کو ضرور سرانجام دوں گا۔'' (طبری:۳/۳۰۶)

عاملین خراج کے نام گشتی مراسلہ:

پھر زمام خلافت سنبھالنے کے بعد آپ نے جو پہلا خط عاملین خراج کے نام جاری کیا، تاریخ نے اس کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں:

''واضح رہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنی مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا کیا لہٰذا حق و صدق کے سوا کوئی شے اس کی بارگاہ عالی میں مقبول نہیں۔ اپنے واجبی حق وصول کرو اور دوسروں کے ہر قسم کے حقوق انہیں ادا کرو۔ امانت کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ امانت کا دامن سب سے پہلے آپ کے ہاتھ سے چھوٹے اور آئندہ نسلوں کے بد دیانتوں میں تم لوگوں کو بھی شریک کیا جائے۔ عہد و پیمان پر بھی

مضبوطی سے قائم رہو، اور یتیم اور معاہد پر دست تطاول دراز نہ کرو کیونکہ جو ان پر ظلم کرتا ہے اس کے لیے حق تعالیٰ خود ان کی طرف سے مدعی بن جاتا ہے۔"

(طبری:۳/۳۰۶-۳۰۷)

عوام الناس کے نام گشتی مراسلہ:

ایک سرکلر آپ نے عوام الناس کے نام جاری کیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"واضح ہو کہ اللہ رب العزت نے آپ کو جو عزت و عروج عطا فرمایا اس کا واحد ذریعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اقتداء ہے۔ اب اس بات کا خیال رکھیں کہ کہیں آپ لوگ دنیا کی محبت میں منہمک ہو کر اپنے حقیقی مقصد سے غافل نہ ہو جائیں۔ مجھے اس بات کے پورے آثار نظر آ رہے ہیں کہ کہیں دنیا ان تینوں چیزوں کے بعد جو آپ لوگوں کے اندر جمع ہو چکی ہیں، آپ کو اتباع سنت اور اقتدائے سلف کی نعمت سے محروم کر کے بدعت و احداث کے راستہ پر نہ چلا دے۔"

فتوحات

فتوحات کے لحاظ سے عہد ثانی تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اگر چہ سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی سلطنت ۲۲ لاکھ مربع میل کی پہنائیوں تک پہنچ چکی تھی، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وسعتوں میں اس قدر اضافہ کیا کہ دنیا کے مؤرخین اس پر انگشت بدنداں ہیں۔ سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں دنیا کے جس قدر علاقے کو اسلامی قلمرو میں داخل کیا اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس میں مزید کوئی اضافہ نہ کرتے بلکہ اسی کا انتظام و انصرام ہی صحیح طریقے سے کرتے تو یہ بھی آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہوتا لیکن آپ نے فاروقی سلطنت کا انتظام و انصرام بھی نہایت احسن طریقے سے کیا اور اس کے ساتھ سلطنت کی پہنائیوں میں مزید اضافہ بھی کیا۔ یہ دونوں باتیں آپ کی عظمت اور جلالت شان میں ایک گونہ اضافہ کرتی ہیں۔ آپ اپنے عہد خلافت میں تین براعظموں، ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں مختلف محاذوں پر نبرد آزما ہوئے اور ہر محاذ پر اپنی قابلیت اور اپنی افواج کی بھرپور صلاحیتوں کا دنیا سے لوہا منوایا اور آنے والے مؤرخین آپ کا اسم گرامی دنیا کے عظیم فاتحین میں شامل کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس جانشینِ فاروق رضی اللہ عنہ نے ممالک مفتوحہ سے مختلف بغاوتوں اور شورشوں کو فرو کیا اور اپنے حسن تدبیر، حسن عمل اور اخلاص وللّٰہیت سے وہاں کی رعایا کو ایسا رام کیا کہ انہیں پھر سر اٹھانے کا مواقع نہ ملا۔ یہ بھی آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کیونکہ شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد سلطنت اسلامی میں بے شمار بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ کہیں اہل آرمینیہ اور آذربائیجان نے خراج دینا بند کر دیا، کہیں اہل خراسان نے بغاوت کے لیے سر اٹھایا۔ لیکن جراح ورگ زن کی طرح تشدد و تلطف کی پالیسی اختیار کر کے آپ نے ان کو اطاعت وانقیاد پر مجبور کر دیا۔

ایران کی فتح کا آغاز اگرچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا اور قادسیہ، یرموک اور مدائن وغیرہ کی جنگوں نے دشمن کی کمر توڑ کر رکھ دی، لیکن سانپ ابھی پوری طرح مرا نہیں تھا۔ شاہ یزدگرد مختلف ممالک میں اعوان وانصار تلاش کرنے کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا اور خطرہ تھا کہ راکھ کا یہ ڈھیر کہیں شعلہ جوالہ نہ بن جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سلگتی ہوئی چنگاری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا اور نہ صرف ایران کی فتح کی تکمیل کی بلکہ اس کے متصلہ ملکوں خراسان، افغانستان اور آذربائیجان کا ایک معتدبہ حصہ سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا۔ براعظم افریقہ میں طرابلس، مراکش اور برقعہ کو فتح کیا اور پھر ایشیائے کوچک کا ایک طویل و عریض حصہ فتح کر کے اس کو ملک شام میں شامل کر لیا۔

عہد صدیقی اور فاروقی میں مسلمانوں نے صرف زمینی جنگیں لڑی تھیں۔ انہیں آج تک بحری جنگ کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ مؤرخین بتاتے ہیں کہ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں آپ سے بحری جنگوں کے لیے اجازت طلب کی گئی، کیونکہ قیصر روم روز بروز اپنی بحری طاقت میں اضافہ کر رہا تھا اور اندیشہ تھا کہ کہیں اس کی بحری طاقت ناقابل تسخیر بن کر اہل اسلام کے لیے خطرہ کا سبب نہ بن جائے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کرنے والوں کی کسی دلیل کی طرف توجہ نہ فرمائی اور مسلمانوں کو بحری جنگ لڑنے سے سختی سے روکا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جانشین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خطرات سے بے پرواہ ہو کر ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا اور اس کے ذریعہ قبرص (CYPRUS) اور دوسرے کئی ایک جزیروں کو فتح کیا جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

آپ نے اپنے عہد خلافت میں جو فتوحات کیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

① ان علاقوں کی فتوحات جو اگرچہ عہد فاروقی میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکے تھے، لیکن باغی ہو گئے تھے۔

② وہ علاقے جو پہلے اہل کفر کے پاس تھے اور اسلامی فوجوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں انہیں از سر نو فتح کیا۔

① مال ودولت کی کثرت جو انتہا کو پہنچ چکی ہے۔

② لونڈیوں سے بالغ اولاد کی کثرت۔

③ عربیوں اور عجمیوں کا قرآن پڑھنا (لیکن فہم قرآن سے ناآشنا رہنا)

اور جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

الکفر فی العجمہ.

''کفر عجمیت میں ہے۔''

کیونکہ جب وہ کسی شے کے سمجھنے سے قاصر ہوں تو خواہ مخواہ تکلف کر کے بدعت (نئی نئی باتیں گھڑ لینے) میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (طبری: ۳/۳۰۷)

آذربائیجان کی فتح:

آذربائیجان دو فارسی الفاظ سے مرکب ہے۔ ایک آذر اور دوسرا بائیجان۔ ''آذر'' آگ کو کہتے ہیں اور ''بائیگان'' کے معنی نگاہ دارندہ یعنی حفاظت کرنے والا۔ اس صوبہ میں چونکہ آتش کدوں کی کثرت تھی اس وجہ سے اس کو آذربائیگان کے نام سے پکارتے تھے جس کو بعد میں عربوں نے معرب کر کے ''آذربائیجان'' کہنا شروع کر دیا۔ یہ ایران کا ایک صوبہ تھا جس کا صدر مقام پہلے ''مراغہ'' تھا پھر کچھ سالوں تک ''اردبیل'' رہا اور آج کل ''تبریز'' ہے۔ اسلامی علمداری میں آنے سے پیشتر یہ صوبہ ۱۶۔ اضلاع پر مشتمل تھا اور ہر ضلع ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے اضلاع کے نام حسب ذیل ہیں:

''اصفہان، طبرستان، رے، زنجان، قزوین، قم، نہاوند، ہمدان، حلوان، مہرجان، ماسندان، صامغان، دینور، قذق، شہرزور اور آذربائیجان۔''

۲۲ھ میں جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط دیا جس میں انہیں آذربائیجان پر حملہ کرنے کی ہدایات دیں۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ خط ملتے ہی اس کے دارالسلطنت اردبیل پہنچے۔ وہاں کے حاکم نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی۔ بالآخر آٹھ لاکھ درہم سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدہ پر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی جس میں مندرجہ ذیل شرائط رکھیں:

① وہاں کے کسی باشندے کو قتل یا قید نہیں کیا جائے گا۔

② ان کا کوئی آتش کدہ منہدم نہیں کیا جائے گا۔

③ ان کی عیدوں اور ان کے تہواروں پر انہیں رقص وغیرہ کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سب شرائط کو قبول کر لیا اور صلح نامہ لکھا گیا، اس کے بعد

انہوں نے موقان اور جیلان پر حملہ کیا اور انہیں بھی فتح کیا۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو گورنری کے عہدے سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ سیدنا عتبہ بن فرقد السلمی رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔ وہ جب موصل سے اپنے عہدے کا چارج لینے کے لیے آذربائیجان پہنچے تو دیکھا کہ اہل شہر اس صلح نامے کو توڑ کر برسر پیکار ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان پر فوج کشی کی اور اسے دوبارہ فتح کیا۔ (فتوح البلدان: ص ۳۳۷)

علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعثمان الہندی کا ایک بیان نقل کیا ہے:

''وہ فرماتے ہیں کہ میں عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کے ساتھ آذربائیجان کی فتح کے موقع پر حاضر تھا۔ آذربائیجان کی فتح کے بعد انہوں نے حلوے کے دو ڈبے اپنے آزاد کردہ غلام سحیم کے ہاتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجے۔ جب مدینہ طیبہ میں یہ دونوں ڈبے ان کی خدمت میں پیش کیے گئے تو آپ نے پوچھا ان میں سونا ہے یا چاندی؟ چنانچہ آپ نے ان دونوں ڈبوں کے کھولنے کا حکم دیا۔ جب ڈبے کھولے گئے تو ان میں حلوہ تھا، آپ نے چکھا تو فرمایا مزا تو اچھا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تمام مہاجرین نے یہ چیز پیٹ بھر کر کھالی ہے؟ غلام نے عرض کی حضرت! صرف آپ کے لیے بھیجا گیا ہے۔ آپ نے وہ مٹھائی نہ کھائی اور عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

من عبدالله عمر امير المومنين الى عتبة بن فرقد اما بعد! فليس من كدك ولا كدامك ولا كدابيك لا ناكل الا مايشبع منه المسلمون في رحالهم.

''اللہ کے بندے عمر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے عتبہ بن فرقد کے نام خط، واضح ہو کہ تو حلوے کھاتا ہے جو نہ تیری اپنی کوشش کا پھل ہیں نہ تیری ماں کی محنت و مشقت کا ثمرہ اور نہ تیرے باپ کی جدوجہد کا نتیجہ، ہم ایسی کوئی شے نہیں کھاتے جسے تمام مسلمان اپنے گھروں میں پیٹ بھر کر نہ کھا سکیں۔''

(فتوح البلدان: ص ۳۳۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آذربائیجان کے لوگوں نے پھر بغاوت کر دی اور اپنے اس معاہدے کو توڑ دیا جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلامی لشکر سے ان کا ہوا

تھا۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کو لشکر کشی کا حکم دیا۔ انہوں نے عبداللہ بن شبیل بن عوف الاحمسی رضی اللہ عنہ کو چار ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔ انہوں نے سب سے پہلے موقان، بیرا اور طیلسان کے باشندوں پر لشکر کشی کی اور انہیں تاخت وتاراج کر کے بہت سامال غنیمت حاصل کیا اور بے شمار لوگوں کو قیدی بنالیا۔ خود گورنر کوفہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان پر حملہ کیا اور انہیں اپنے لشکر سے پامال کر دیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا اور بہت سامال غنیمت ہاتھ لگا۔ (البدایہ النہایہ: ۷/۱۵۰، طبری: ۳/۳۰۸)

جب آذربائیجان فتح ہو گیا تو ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو آذربائیجان کا والی بنا کر خود کوفہ واپس آ گئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد آذربائیجان کے لوگوں نے پھر سرکشی کی اور اپنے سابقہ معاہدے سے پھر گئے۔ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے پھر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کمک بھیجنے کے لیے لکھا۔ انہوں نے کوفہ سے ایک لشکر جرار بھیجا۔ اس لشکر کی مدد سے اشعث رضی اللہ عنہ نے آذبائیجان کے چپے چپے سے باغیوں کو ڈھونڈ ھ نکالا اور انہیں بغاوت کی پوری پوری سزا دی۔ اس پر وہاں کے باشندوں نے پھر ویسا ہی صلح کا معاہدہ کر لیا جیسا انہوں نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ اب اشعث رضی اللہ عنہ نے وہاں عربوں کے اہل عطاء اور اہل دیوان کو آباد کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں۔

(فتوح البلدان: ص ۳۳۶)

آذربائیجان کی اس تسخیر کے بعد اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ہی وہاں کے گورنر رہے اور پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سارے دور میں انہیں بغاوت کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

رے کی فتح:

رے کا علاقہ ایک مشہور علاقہ ہے اس علاقے نے اسلامی دور میں امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اور امام ابوبکر الجصاص رازی رحمہ اللہ جیسے مفسرین پیدا کیے ہیں۔ دور جاہلیت میں بھی یہ علاقہ نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ یہ شہر بخارا کے سامنے دریائے جیحون کے کنارے اس طرح واقع ہے کہ دریائے جیحون، بخارا اور رے کے درمیان تفریق کرتا ہے۔ اس شہر پر لشکر کشی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کی گئی۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ وہاں کے گورنر تھے۔ نہاوند کی فتح کے صرف دو ماہ بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ عروہ بن زید طائی رضی اللہ عنہ کو آٹھ

ہزار کے لشکر کے ساتھ رے بھیجو اور اس کو فتح کرو۔ جب عروہ بن زید رضی اللہ عنہ فوج لے کر وہاں پہنچے تو وہاں دیلم ان کے مقابلے پر اکٹھے ہوئے اور رے کے لوگوں نے ان کی امداد کی گھمسان کا رن پڑا لیکن حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور اہل رے کی طاقت پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ عروہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حنظلہ کو اپنا جانشین مقرر کر کے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے اور کہا کہ میں خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر جسر اور رے کی فتح کی خبریں لے جانا چاہتا ہوں۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے جانے کی اجازت دے دی۔ جب عروہ بن زید الخیل الطائی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ طیبہ پہنچے تو انہیں دیکھتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا بشیر ''یعنی خوشخبری لانے والے ہو'' انہوں نے کہا ''نہیں، عروہ رضی اللہ عنہ'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ سن کر عروہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا مطلب سمجھ گئے اور عرض کی ''خدا کا شکر بجا لایئے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتحیاب کیا ہے، اور وہاں کے سارے حالات سنائے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم خود وہیں ٹھہرتے اور کسی کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے بھیج دیتے۔ عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی، ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ!'' میں اپنے بھائی کو اپنا نائب اور جانشین مقرر کر آیا ہوں، میری خواہش تھی کہ میں یہ خوشخبری خود لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، اس روز سے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے عروہ کا نام ''بشیر'' رکھ دیا۔
(فتوح البلدان: ص ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ عروہ بن زید رضی اللہ عنہ ہمدان کی فتح کی خبر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے تھے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں خط دیا تھا جس میں نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ ''ہمدان میں اپنا نائب مقرر کر کے خود فوراً رے کی طرف کوچ کرو، دشمن سے لڑو اور پھر وہیں قیام کرو، اس لیے کہ یہ شہر دوسرے شہروں کے درمیان میں واقع ہے اور جنگی لحاظ سے تمہارے لیے دوسرے تمام شہروں سے زیادہ مفید ثابت ہوگا۔'' امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ خط پڑھتے ہی نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ یزید بن قیس رضی اللہ عنہ کو ہمدان میں اپنا نائب مقرر کر کے خود ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ رے کی جانب بڑھے۔ انہیں پورا پورا یقین تھا کہ اللہ جل شانہ اہل ایمان کو ضرور مظفر و منصور فرمائیں گے اور اس میں شک ہوتا بھی کیوں جب حق تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

﴿كان حقاً علينا نصر المومنين﴾

''ہم پر مومنین کو فتح و نصرت عطا کرنا ضروری ہے۔''

پھر وہ ان فوجوں کو اس سے قبل مختلف محاذوں پر شکست فاش دے چکے تھے۔ اس

زمانہ میں رے کا بادشاہ بہرام چوبیں کا پوتا ''سیاوخش بن مہران'' تھا۔ ورج روز کی جنگ کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان اب رے پر ضرور حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ طبرستان، قومس جرجان اور دوسرے کئی ایک علاقوں سے امداد طلب کی اور انہیں کہا کہ اگر مسلمانوں نے رے پر قبضہ کر لیا تو پھر تمہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی، لہٰذا ان سب نے سیاوخش کی حد سے زیادہ مدد کی اور سیاوخش کے پاس اس قدر فوج جمع ہو گئی کہ نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کی فوج اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھی۔ یہ ساری فوجیں رے میں قلعہ بند ہو گئیں جسے سیاوخش نے بہت مضبوط کر رکھا تھا۔ اس فوجی طاقت اور مضبوط قلعہ کی وجہ سے سیاوخش کو پورا یقین ہو گیا کہ مسلمان فوجیں اسے کبھی بھی نیچا نہیں دکھا سکتیں۔

رے اس زمانے زرتشتی تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ اس میں آتش کدوں کے اردگرد بڑی بڑی عبادت گاہیں تھیں جو ان کے سالانہ میلوں اور تقریبات کے موقع پر زیارت گاہ خاص و عام ہوتی تھیں۔ اس لحاظ سے اس شہر پر حملہ ایرانی تقدس اور زرتشتی دین پر حملہ تھا اور ایرانی تقدس اور دین کی حفاظت اس قوم کا مذہبی فریضہ تھا لہٰذا انہوں نے تہیہ کر لیا کہ مسلمانوں کو کسی صورت میں اس شہر پر قابض نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے علاوہ یہ شہر ایک وسیع تجارتی مرکز بھی تھا جہاں دور دور سے مختلف قسم کا مال آ کر فروخت ہوتا جو اہل شہر کو اپنے منافع سے دولت مند بنا دیتا۔ اس وجہ سے بھی اہل رے چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے، اسلامی فوج شہر میں داخل نہ ہو۔ لہٰذا ہر طرف سے فوجیں جمع ہو کر اپنے اس آخری مورچے کو سر ہونے سے بچانا چاہتی تھیں۔ (طبری: ۳/۲۳۱)

مسلمانوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایرانیوں کی فوج ہم سے کئی گنا زیادہ ہے اور وہ اس شہر کی مدافعت میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں گی، شہر پر حملہ کر دیا۔ ہو سکتا تھا کہ مدافعین کا جوش و خروش اہل اسلام سے اس شہر کی فتح میں زیادہ قربانیاں طلب کرتا لیکن قدرت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ ہوا یہ کہ درج روز کی جنگ کے بعد رے کا بادشاہ سیاوخش زینبی ابوالفرحان سے جو کہ وہاں کا ایک رئیس اور جرنیل قسم کا آدمی تھا، اہل اسلام کے مقابلے میں راہ فرار اختیار کرنے پر درشت کلامی سے پیش آیا تھا اور اس کو برا بھلا کہا تھا۔ یہاں تک کہ اس سے اس کا عہدہ بھی چھین لیا تھا۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور وہ سیاوخش سے اس کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے شہر کے باہر نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کو پیش کش کی کہ وہ سیاوخش کے خلاف اس کا ساتھ دے گا۔

مسلمانوں نے جبل رے کے دامن میں اپنا پڑاؤ ڈالا۔ شہر کے مدافعین نے مقابلہ کیا لیکن غروب شمس تک اس مٹھ بھیڑ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب رات ہوئی تو زینبی نے نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور آپ کی کم'' آپ میرے ساتھ ایک سوار دستہ بھیجئے میں ان کو شہر میں ایسے راستے سے داخل کروں گا کہ شہر والوں کو پتہ نہ چل سکے گا۔ آپ ادھر سے ان پر حملہ کر دیجیے جب وہ آپ سے مقابلہ کرنے نکلیں گے تو ان کے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔ نعیم کو زینبی کی یہ تجویز پسند آئی۔ انہوں نے اپنے چچازاد بھائی منذر بن عمر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک سوار دستہ اس کے ساتھ کر دیا جسے زینبی شہر میں ایک خاص راستے سے لے گیا کہ اہل شہر کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ادھر نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے شہر کے محافظوں کو رات بھر تیروں اور نیزوں میں الجھائے رکھا اور انہیں یہ بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کا وہ دستہ جو ایک خاص راستے سے شہر میں داخل ہوا تھا نمایاں ہو گیا اور شہر میں نعرہ تکبیر بلند کیا جسے سن کر ایرانیوں کو یقین ہو گیا کہ ان کی پشت پر سے حملہ ہو گیا ہے۔ اس حملے سے ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ گھبراہٹ کی حالت میں بھاگ نکلے۔ مسلمانوں کے سوار دستے نے انہیں تلوار کی باڑ پر رکھ لیا۔ ادھر سے نعیم رضی اللہ عنہ شہر میں داخل ہو گئے۔ سیاوخش شکست کھا کر بھاگ گیا اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گیا ہے۔

اہل رے کی شکست کے بعد وہاں ایسا کوئی شخص نہ تھا جس سے مسلمان صلح کرتے، چنانچہ نعیم نے زینبی کو شہر کا نمائندہ قرار دے کر اس سے صلح کر لی اور اسے وہاں کا حاکم بنا دیا۔ بعد میں نعیم نے شہر کی برجیاں اور مورچے مسمار کر دیئے تا کہ اہل رے ان سے پھر اپنی پناہ گاہوں کا کام نہ لے سکیں۔ نیز پرانے شہر کے ساتھ ایک نیا شہر آباد کرنے کا حکم دے دیا۔ اس طریقے سے بہرام چوبیں کی اولاد کا دور اس شہر سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

رے کی فتح سے مسلمانوں کو اس قدر مال غنیمت ہاتھ لگا جو قدر و قیمت میں کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن کے مال غنیمت کے برابر تھا۔ نعیم نے فتح کی خوشخبری کا صحیفہ اور مال غنیمت دربار فاروقی میں بھیج دیا۔ رے کی فتح سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت خوشی اور مسرت ہوئی کیونکہ اس شہر کی فتح سے مسلمانوں کے لیے اور کئی شہروں کی فتح کے دروازے کھل گئے۔

اہل رے سے جو صلح نامہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا اس میں اہل رے نے پانچ لاکھ درہم صرف اس غرض کے لیے پیش کیے کہ:

① اہل شہر میں سے کسی کو قتل نہ کیا جائے۔
② کسی کو گرفتار نہ کیا جائے۔
③ اور ان کا کوئی آتش کدہ منہدم نہ کیا جائے۔
④ وہ ہر سال خراج اور جزیہ باقاعدگی سے ادا کرتے رہیں گے۔

(فتوح البلدان: ص ۳۲۵_۳۲۶)

پھر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے عہد گورنری میں رے کے باشندوں نے بغاوت کر دی۔ لیکن انہیں ذلیل و مقہور ہو کر اطاعت پر مائل ہونا پڑا اور وہ جزیہ اور خراج دینے پر رضا مند ہو گئے۔

۲۴ھ میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب دوسری مرتبہ کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے تو اہل رے نے پھر علم بغاوت بلند کر دیا، لیکن انہوں نے اس بار پھر مطیع و منقاد ہونے پر مجبور کر دیا۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو اہل رے نے پھر علم بغاوت و سرکشی بلند کیا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے عامل کوفہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ قرظہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے شائد ان کا انتخاب اس لیے کیا کہ وہ رے کی ایک جنگ میں شرکت کر چکے تھے۔ اس وجہ سے وہاں کے نشیب و فراز سے بخوبی آشنا تھے۔ مسلمان ان کی آئے روز کی بغاوتوں سے تنگ آ چکے تھے، لہٰذا ان کی باغی ذہنیت کو ہمیشہ کے لیے دبانا چاہتے تھے۔ اس وجہ سے سیدنا قرظہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ نے جو ایک جلیل القدر صحابی اور جنگ احد کے شرکاء میں سے تھے، ان کے سرکشوں پر ذرا سختی کی اور سرغنوں اور قائدین کو تو ہمیشہ کے نیند سلا دیا جس سے ان کی بغاوت اور سرکشی کا جذبہ ہمیشہ کے لیے ان کے دلوں اور ذہنوں سے نکل گیا۔

(فتوح البلدان: ص ۳۲۶_۳۲۷، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۵۰)

اسکندریہ کی فتح:

اسکندریہ مصر کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے۔ ۳۳۲ قبل مسیح میں اسکندر اعظم نے اس شہر کو آباد کیا تھا۔ اسکندر اعظم ۳۲۳ قبل مسیح میں مرا اور اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ہرقولس تخت

نشین ہوا اور ۱۳۱ قبل مسیح میں وہ بھی اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کی موت کے بعد اسکندری حکومت کا نظام اندرونی خلفشار کی وجہ سے نہایت کمزور ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے اس علاقہ پر بطالسہ نے قبضہ کر لیا۔ اس خاندان کی حکومت ۳۰۵ قبل مسیح سے ۳۰ قبل مسیح تک رہی اور گیارہ بادشاہ یکے بعد دیگرے برسر اقتدار آئے۔ ان سب کا لقب ''بطلیموس'' تھا۔ بطلیموس یازدھم کا عہد ۵۱ قبل مسیح سے ۴۷ قبل مسیح تک تھا، یہ بادشاہ بہت کم سن تھا۔ اس وجہ سے اس کی سلطنت کے اختیارات اس کی شہرہ آفاق بہن ''قلوپطرہ'' کے ہاتھ میں تھے۔ بطلیموس یازدھم کے بعد یہاں رومی برسر اقتدار آ گئے جو عہد فاروقی تک اقتدار پر چھائے رہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہاں کا رومی حاکم ''مقوقش'' تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کو ایک خط کے ذریعے دعوت اسلام دی۔ اس نے اسلام کی دعوت کو قبول تو نہ کیا، لیکن ازراہ عقیدت جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بہت سے تحائف بھیجے جو آپ ﷺ نے قبول فرما لیے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی یہاں کا حکمران مقوقش ہی تھا، لیکن قیصر روم ہرقل کے عہد میں شاہی محل کے کارندوں اور جاہ پسندوں نے اندرون ملک سازشوں کا جال بچھا کر حکومت کی بنیادوں کو نہایت کمزور کر دیا ہوا تھا اور ہرقل کے مرنے کے بعد حکومت کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں نہ آئی جو ان سازشوں کا مداوا کرتا اور حکومت کی کھوکھلی بنیادوں کو استوار کرتا۔ غرض رومی سلطنت کی بھی وہی حالت تھی جو یزدگرد کے تخت نشین ہونے سے قبل سلطنت ایران کی تھی اور انہی ریشہ دوانیوں اور افراتفری کے عالم نے انہیں دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں خائب و خاسر کیا۔

فتح شام کے بعد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خلافت مآب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی کہ ہمیں مصر پر حملہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ روایات میں ہے کہ جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں استخارہ کیا اور جب انہیں فتح و نصرت کی غیبی بشارت ملی تو انہوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر پر حملہ کی اجازت دے دی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اجازت ملتے ہی ۱۹ھ میں یا بقول بعض مورخین ۲۰ھ میں چار ہزار مجاہدین کے ساتھ مصر کی جانب پیش قدمی کی اور اس کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حدود مصر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے یعریش، فرما خسطاط اور کریون کو فتح کر لیا۔ کریون کا شہر اسکندریہ سے بالکل قریب تھا۔ لہٰذا رومیوں نے کریون میں اپنی کافی فوج مسلمانوں کے مقابلے کے لیے جمع

کی تا کہ یہاں ان کو شکست دی جائے اور اسکندریہ کی جانب مسلمانوں کی پیش قدمی رک جائے۔ دس روز تک شدید جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور رومی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور اسکندریہ میں جا کر پناہ لی۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ چند روز کریون میں ٹھہرے تا کہ فوج تازہ دم ہو جائے۔ اس کے بعد وہ اس شجاعت پناہ لشکر کو لے کر روانہ ہوئے اور بغیر کسی مزاحمت کے اسکندریہ کی فصیلوں تک پہنچ گئے۔ فصیلوں کے قریب آ کر اللہ کے یہ سپاہی رک گئے۔ اسکندریہ اس زمانے میں ایک خوبصورت ترین شہر تھا اور دمشق، انطاکیہ، بیت المقدس اور مدائن اس کی خوبصورتی اور حسن کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ عرب کے صحرازادوں نے اس نظر نواز منظر کو اپنی آغوش میں لے لیا جس کی طلسم کاریاں اور سحر آفرینیاں دلوں اور عقلوں پر چھاپے مار رہی تھیں ان کی نگاہیں دائیں بائیں جس چیز پر رکتی تھیں، حیرت واستعجاب کی تصویر بن کر رہ جاتی تھیں گویا ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

اس عظیم الشان شہر کے مشرق و مغرب میں حد نگاہ تک پھیلا ہوا بحیرہ روم اور اس کی بلند بانگ اور بلند آہنگ موجیں انہیں دعوت نظارہ دے رہی تھیں۔ اس کا صاف و شفاف پانی شاہد قدرت کے لیے آئینہ بنا ہوا تھا، اس کی پہاڑ آسا موجوں نے سمندر میں ایک ہلچل سی مچا رکھی تھی۔ ایک موج دوسری موج سے گلے ملتی ہوئی ساحل تک آتی اور چمکدار نرم و نازک ریت سے ٹکرا کر دم توڑ دیتی۔ نگاہیں سمندر کی پہنائیوں سے ہٹ کر جب اس عظیم الشان اور جنت نظارہ شہر کی طرف پلٹتیں تو اس کی خوبصورتیوں اور حیرت زائیوں میں گم ہو کر سمندر اور اس کی دیو قامت موجوں کو گلدستہ طاق نسیان بنا دیتیں۔ شہر کے کوچہ و بازار میں ہر جانب باغ بکھرے پڑے تھے جن کے بلند و بالا درختوں کی چلمن میں سے خوبصورت شاہی محل اور عالی شان کلیسا دیکھنے والوں سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ شہر کے بعض حصوں میں ایسے ایسے بلند قلعے اور فصیلیں تھیں کہ ان کے سامنے باقی تمام قلعے اور فصیلیں بے حقیقت نظر آتی تھیں۔ قلعہ بابلیون بھی جس نے ایک بار اہل اسلام کے لشکر کے بڑھتے ہوئے قدم روک لیے تھے، ان عظیم قلعوں میں سے ایک قلعہ معلوم ہوتا تھا جو شہر کی استحکام اور دفاع کی زندہ مثال تھے۔ ان عظیم قلعوں اور فصیلوں اور اپنی بلند قامتی کی وجہ سے شہر کی خوبصورت عمارتوں کو چھپا رکھا تھا اور آنکھیں ان کے صرف بالائی حصوں ہی کو دیکھ سکتی تھیں جو منقش گنبدوں اور خوش وضع ستونوں سے آراستہ و

پیراستہ تھے۔ ان گنبدوں کے درمیان کچھ ایسے مینار بھی فضا میں نڈر اور بہادر سپاہی کی طرح سینہ تانے کھڑے تھے جن کی بلندیوں میں عین شمس کے میناروں کو شرماتی تھیں۔ ان میناروں کے جھرمٹ میں ''کلیسائے سان مارک'' تھا جسے منقش طلمسان نے چاروں طرف سے اپنی حفاظت میں لے رکھا تھا۔ یہ کلیسا فن تعمیر کا ایک شاہکار تھا جس پر ماہر انجینئر نے حسن و جمال کے تمام رنگ بھر دیئے تھے۔ شہر کے دوسرے حصے میں 'سراپیوم'' کا معبد اور اس کی طلائی چھت اور دقلایانوس کا بلند قامت مینار جھانکتا دکھائی دیتا تھا جو معبد اور اس کے نواح کی حفاظت کے لیے ایک عسکری کام دے رہا تھا۔

اسلامی لشکر کی نگاہیں ان عجائبات، عمارتوں، مورتیوں، معبدوں، کلیسائیو، قلعوں اور فصیلوں پر تیر رہی تھیں اور وہ حیرت و استعجاب سے اسے دیکھ رہے تھے کیونکہ اتنا خوبصورت شہر انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، لیکن کیا اس شہر کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اللہ والوں کی یہ فوج اس کو مسخر اور مفتوح کیے بغیر ویسے ہی چھوڑ دے گی؟ نہیں ہرگز نہیں، فصیلیں اور قلعے خواہ کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہوں اسلامی لشکر کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو وہ ہرگز نہیں روک سکتے تھے اور نہ یہ فوج کسی شہر کے باغات، روشوں، میناروں، کلیسائیوں، گنبدوں اور عمارتوں سے متاثر ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کے فریضہ سے غافل ہو سکتی تھی۔

سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے شہر کی فصیلوں اور برجیوں پر فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا، لیکن رومیوں نے نہایت ڈٹ کر مقابلہ کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان اسکندریہ میں فتح یاب ہو گئے تو پھر رومیوں کا کہیں ٹھکانہ نہیں اور اسکندریہ سے بڑے کلیسا بھی ان کے پاس اور کہیں نہیں ہیں۔ اسکندریہ کے پچاس ہزار محافظ اسکندریہ کے دفاع کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے پر تلے ہوئے تھے۔ ادھر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی سمجھ رہے تھے کہ رومیوں کو شکست دینا کوئی معمولی کام نہیں کیونکہ اسکندریہ کا حدود اربعہ فوجی لحاظ سے رومیوں کے لیے بہت مفید تھا۔ شمال میں سمندر ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ جنوب میں بحیرہ مربوط اور مغربی سمت کو ثعبان نالے نے گھیر رکھا تھا۔ صرف مشرقی راستہ تھا جو کریون اور اسکندریہ کے مابین چلتا تھا، لیکن یہ سمت بھی فصیلوں اور قلعوں سے مستحکم تھی۔ سمندر کے راستہ سے رومیوں نے بڑی بڑی منجنیقیں نصب کی ہوئی تھیں۔ لہٰذا خطرہ ہر جانب سے منڈلا رہا تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی ایک ذہین جرنیل تھے۔ انہوں نے دشمن کی سب دفاعی تدابیر کا جائزہ لیا اور لڑائی بند کر کے شہر کا

محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ دو ماہ تک جاری رہا، لیکن دشمن کھلے میدان میں نہ نکلا۔

کچھ دنوں کے بعد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اگر وہ اس خیال سے محاصرہ طویل کرتے رہے کہ رومی کھلے میدان میں آ کر ان سے لڑیں تو یہ بات ان کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ کیونکہ اس سے ان کی اپنی فوجوں کے ارادے اور عزم و ہمت کمزور پڑ جائے گی اور ان کی خود اعتمادی مجروح ہو جائے گی۔ چنانچہ حق تعالیٰ کی تائید اور ان کی فکری ذہانت نے انہیں ایک تدبیر سمجھائی۔ انہوں نے ڈیلٹا کے شہروں کی طرف فوجی دستے روانہ کیے جنہوں نے رومیوں کو وہاں سے مار بھگانا شروع کیا اور خود فوج کی اکثریت کے ساتھ اسکندریہ کا محاصرہ کیے پانچ ماہ ہو گئے تھے کہ ہرقل مر گیا۔ ہرقل کے مرنے کے بعد بازنطینی اپنے داخلی انتشار میں الجھ گئے، لہٰذا اسکندریہ کے رومی امداد سے محروم ہو گئے۔ مدد کا سلسلہ رک جانے سے محافظین اسکندریہ کمزور پڑ گئے اور اب انہیں ہر وقت یہ فکر ستانے لگی کہ اگر اسکندریہ رسد سے محروم ہو گیا تو کہیں شہر میں قحط نہ پھوٹ پڑے۔ غرض کہ چو طرفہ فصیلوں اور مستحکم و مضبوط قلعوں کے باوجود اسکندریہ کی دفاعی فوج کی روح کمزور اور مضمحل ہوگئی۔

ادھر محاصرہ طویل ہو رہا تھا، ادھر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں سقوط اسکندریہ کی خبر کے منتظر تھے، لیکن کئی مہینے اس بارے میں کوئی خبر نہ آئی۔ وہ سوچنے لگے کہ جب مصر کی فوج ناقابل تسخیر قلعے فتح کر چکی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اسکندریہ ابھی تک فتح نہیں ہوا؟ شاید لشکر اسلام کو یہ جگہ پسند آ گئی ہے اور وہ آگے بڑھنے سے بے نیاز ہو کر اسی کو اپنی منزل سمجھ بیٹھے ہیں۔ آخر شدید انتظار کے بعد انہوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا کہ:

> ''میں حیران ہوں کہ تم دو سال سے لڑ رہے ہو لیکن مصر ابھی تک فتح نہیں ہوا۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں تو یہ آتی ہے کہ تم میں وہ پہلی گھن گرج نہیں رہی اور شاید تم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو گئے ہو۔ میرا یہ خط پا کر لوگوں میں تقریر کرو اور انہیں ترغیب دو کہ وہ سچی لگن اور پامردی سے لڑیں اور تن واحد کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔''

ایک روایت میں ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا خط پہنچنے سے پہلے ہی جب اسکندریہ کی فتح میں دیر ہوگئی تو ایک روز سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پیٹھ کے بل لیٹ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ ''میں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا، اس کا انجام وہی سنوارے گا جس نے اس کے آغاز کو سنوارا ہے۔'' ان کی مراد ''انصار'' سے تھی۔ چنانچہ سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

کو بلا کر علم دیا اور ان کے ہاتھوں اسی روز اسکندریہ فتح ہو گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا خط لشکر کو پڑھ کر سنایا گیا اور اس کے بعد لوگوں کو وضو کا حکم دیا گیا۔ پھر سب نے دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ رب العزت سے فتح و نصرت کی دعا مانگی پھر حملہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے کامیاب و فتح یاب کر دیا۔

علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محاصرہ کے دوران اسکندریہ کے محافظوں نے دو مرتبہ عارضی صلح کی درخواست کی تھی، لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وہ مسترد کر دی۔

روایات میں ہے کہ اسکندریہ کا حکمران مقوقش ہر موقع پر صلح کا پہلو ڈھونڈتا تھا اور وہ مسلمانوں سے ہرگز جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر جب اسکندریہ کی فوجوں نے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ ہمارے پاس بہت فوج ہے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شہر کی فصیل پر لا کھڑا کیا، تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہلا بھیجا کہ یاد رکھو ہم نے فوج کی کثرت کے بل پر میدان فتح نہیں کیے۔ دیکھو، تمہارے بادشاہ ہرقل کا جو زور وقوت میں تم سے کہیں بڑھ کر ہے کیا انجام ہوا۔ مقوقش نے اسکندریہ والوں کو کہا کہ واقعی شہنشاہ ہرقل کو ان لوگوں نے اس کی سلطنت سے بھگا کر قسطنطنیہ پہنچا دیا تھا تو ہم لوگ کس شمار و قطار میں ہیں، لیکن اسکندریہ والے نہ مانے۔ (فتوح البلدان: ص ۲۲۸)

مقوقش چونکہ ہرقل روزم کا باجگزار تھا اس وجہ سے وہ رومی فوج کی مرضی کے خلاف صلح نہیں کر سکتا تھا اور نہ وہ لڑائی سے کنارہ کش ہو سکتا تھا، لیکن اسکندریہ کی فتح سے قبل ہی مقوقش نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ایک خفیہ معاہدہ کر لیا تھا کہ جنگ ہماری مرضی کے خلاف ہو رہی ہے اور ہم بدرجہ مجبوری اس میں شریک ہیں اس لیے قبطیوں (مصر کے اصلی باشندوں) اور رومیوں میں امتیاز رکھنا اور قبطیوں کے ساتھ رومیوں والا سلوک نہ کرنا اس معاہدے کے بعد قبطی ہر طرح سے مسلمانوں کے مددگار اور معاون رہے اور اسلامی فوج کے لیے وہ راستہ صاف کرتے اور گزرگاہوں کے پلوں کی مرمت کرتے رہے۔ (مقریزی: ۲۶۳/۱)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اگرچہ اسکندریہ کو کئی ماہ کے محاصرے کے بعد لشکر اسلام نے فتح کیا، لیکن نہ وہاں کے باشندوں کو قتل کیا اور نہ کسی کو لونڈی یا غلام بنایا بلکہ جزیہ قبول کر کے سب کو ذمی بنا لیا اور سب کو امان دے دی۔ بعض روایات میں جزیہ کی مقدار ۱۳ ہزار دینار ہے اور بعض مین ہر بالغ پر دو دو دینار ہے۔

اس فتح کی خوشخبری کے لیے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ دربار فاروقی میں بھیجا۔ فتح کی خوشخبری سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوراً بارگاہ رب العزت میں سجدہ بجالائے اور بہت مسرور ہوئے۔ سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں دوپہر کو پہنچے تھے انہیں خیال تھا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ اس وقت قیلولہ فرما رہے ہوں گے۔ چنانچہ خود کہا کہ ''مسجد میں پہنچنے پر میرا خیال تھا کہ آپ قیلولہ فرما رہے ہوں گے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ! تم نے غلط سمجھا اگر میں دن کو سوؤں تو رعیت کا نقصان ہے اور اگر رات کو سوؤں تو میرا اپنا نقصان ہے۔ ان دونوں صورتوں میں نیند کیسے آسکتی ہے۔''

(تفصیل کے لیے دیکھیں، طبری: ۳/ ۱۹۵، ۲۰۲، فتوح البلدان: ص ۲۲۷، ۲۳۱)

خلافت فاروقی کا پورا دور اہل اسکندریہ نے امن و امان سے گزارا اور کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہ ہوئی، اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ برابر وہاں کے گورنر رہے۔ لیکن جب زمام خلافت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مصریوں کے دلوں پر دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور ان کی موجودگی میں وہ وہاں کچھ نہیں کر سکتے تھے، لیکن جب ان کو وہاں سے ہٹا کر ان کی جگہ سے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا گیا تو مصریوں نے ان کے آتے ہی نقص عہد کیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ مصر اور اسکندریہ میں جو رومی عیسائی رہتے تھے وہ مسلمانوں کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان سے جو حکومت چھینی تھی اس کا انہیں بہت دکھ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح اپنی قوت کو مجتمع کر کے مسلمانوں سے حکومت واپس لی جائے وہ ابھی تک اپنے آپ کو ہرقل کے ماتحت ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے در پردہ ہرقل سے خط و کتابت کی اور اس سے امداد طلب کی اور یہ بھی بتایا کہ زیادہ امداد کی بھی ضرورت نہیں، اس وجہ سے کہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور ہم ان پر جلد ہی قابو پالیں گے اور ساتھ ہی اپنی ذلت کا تذکرہ بھی کیا اور بتایا کہ ایک زمانہ میں ہماری حکومت تھی اور اب ہم غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور ہمیں جزیہ اور خراج دینا پڑتا ہے۔

ہرقل نے جب یہ ساری باتیں پڑھیں تو وہ جذبات میں آگیا اور مصمم ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کو سرزمین مصر سے نکال کر دم لے گا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے

ایک بااعتماد، تجربہ کار اور نامور سپہ سالار منویل کو تین سو جہازوں کے ساتھ بھیجا۔ اس لشکر میں اس نے چیدہ چیدہ اور تجربہ کار قسم کے سپاہی بھیجے تاکہ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کی ذلت نہ اٹھانی پڑے۔

رومی فوجوں سے بھرے ہوئے تین سو بحری جہاز منویل کی سرکردگی میں جب اسکندریہ کے ساحل پر پہنچے تو آتے ہی انہوں نے محافظ فوجی چوکی پر حملہ کر دیا اور جو جو مسلمان سپاہی ان کے ہاتھ لگا اس کو اپنی تلواروں سے شہید کر دیا صرف وہی سپاہی بچے جنہوں نے بھاگ کر یا چھپ کر اپنے کو ان کی تیغ ستم کی دست برد سے محفوظ کر لیا۔ محافظ فوجی چوکی کے سپاہیوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد انہوں نے اسکندریہ پر قبضہ کر لیا اور اسکندریہ کے اردگرد کے دیہات اور مضافات میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور نہ صرف مسلمانوں کو اپنی تیغ ستم کا نشانہ بنایا بلکہ اسکندریہ اور اس کے مضافات کا شاید ہی کوئی باشندہ ان کی ظلم رانی سے بچا ہو۔ اسکندریہ میں اسلامی فوج چونکہ بہت ہی کم تھی اس وجہ سے کوئی ان کے ظلم و تعدی کو نہ روک سکا اور وہ چند روز تک اپنی من مانی کارروائیاں کرتے رہے۔

رومیوں کی ان ظلم رانیوں کی اطلاع گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو ملی تو انہوں نے نہایت عجلت سے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور اسکندریہ جانے کا ارادہ کیا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کی گورنری سے ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ معزول ہوئے تھے اور ابھی مصر ہی میں موجود تھے۔ اس لیے اہل مصر نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو عرض داشت بھیجی کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سابق گورنر مصر کو تھوڑی مدت کے لیے اپنے عہدہ پر بحال کیا جائے تاکہ وہ رومیوں کی سرکوبی کر کے اسکندریہ کی بغاوت کو فرو کر سکیں، کیونکہ وہ یہاں کی جن کے طریقوں سے بخوبی واقف اور یہاں کے ہر شہر کے نشیب و فراز سے اچھی طرح آشنا ہیں، اور دشمنان دین خصوصی طور پر رومیوں کے دلوں پر ان کا رعب اور ہیبت چھائی ہوئی ہے۔

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی اس عرض داشت کو قبول فرماتے ہوئے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ وہ عارضی طور پر مصر ہی میں رہیں اور باغی رومیوں کی اچھے طریقے سے سرکوبی کریں۔ سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا تھا ناموری اور دنیاوی وجاہت کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کیا تھا۔ وہ گورنر مصر ہوں یا معمولی سپاہی ہر حال میں وہ اس کی خدمت کا داعیہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب

سپہ سالار تھے تب بھی وہ اسلام کی خدمت میں مشغول تھے اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس منصب جلیلہ سے ہٹا دیا پھر بھی وہ اشاعت اسلام اور جہاد دینی میں مصروف رہے۔ ایسے ہی سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو جب امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچا، بغیر کچھ پس و پیش کیے فوراً ۱۵ ہزار کا لشکر لے کر اسکندریہ روانہ ہو گئے۔

اسکندریہ پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ رومی فوج نے اسکندریہ اور مضافات میں دھاچوکڑی مچا رکھی ہے اور شہریوں کی جان، مال اور عزت بالکل محفوظ نہیں بلکہ ہر طرف انارکی کا دور دورہ ہے۔ شہریوں پر ظلم و تشدد کی بارش ہو رہی ہے اور لوگوں کے گھروں کو نذر آتش کیا جا رہا ہے۔ آپ نے مضافات اسکندریہ میں رومیوں کا مقابلہ کیا۔ رومیوں نے بھی جوابی کارروائی کی، لیکن منہ کی کھانی پڑی آخر مضافات میں سے دم دبا کر بھاگے اور اسکندریہ میں آ کر قلعہ بند ہو گئے۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رومیوں کا تعاقب کیا اور جب وہ اسکندریہ میں قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ رومیوں نے اسکندریہ میں ہر جگہ عرادے نصب کر لیے (عرادہ منجنیق کی طرح کا ایک ہتھیار ہوتا ہے جس سے دشمن پر سنگباری کی جاتی ہے لیکن یہ منجنیق سے چھوٹا ہوتا ہے) شہر کے رومی باشندے بھی رومی فوج کے ساتھ مل گئے اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے لگے۔

سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے اس سے قبل بھی اسکندریہ کا چودہ مہینے تک محاصرہ کیا تھا۔ اس وجہ سے وہ یہاں کے ہر جنگی نشیب و فراز سے آشنا تھے۔ اس دفعہ انہوں نے محاصرے کو طول نہ دیا۔ رومیوں نے فصیل سے عرادوں کے ذریعہ سنگباری شروع کر دی۔ مسلمانوں نے جواب میں منجنیق لگا کر شہر اور قلعہ کی فصیل پر اس زور سے سنگ اندازی کی کہ وہ جگہ جگہ سے ٹوٹ کر پھاٹک بن گئی۔ شہر اور قلعہ کی فصیل کا ٹوٹنا تھا کہ لشکر اسلام شہر میں داخل ہو گیا اب قلعہ اور شہر کے گلی کوچوں میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ لیکن جو قوم اللہ کے راستے میں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر نکلی ہو اس کو دنیا میں کون شکست دے سکتا ہے۔ مسلمان فتح مند اور کامیاب ہوئے اور سپہ سالار منویل مارا گیا اور اس کے سپاہی کھیت رہے اور شہر پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ اس شہر کا محاصرہ کیا تھا اس وقت بھی

اس فصیل نے لشکر اسلام کو کافی نقصان پہنچایا اور اب کی دفع بھی مسلمانوں کو شہر پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے اس فصیل کی وجہ سے کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اب مصمم ارادہ کرلیا کہ اس دفعہ وہ شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب و کامران ہو گئے تو شہر کی اس فصیل کو مکمل طور پر منہدم کردیں گے۔ چنانچہ شہر پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد انہوں نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ شہر کی اس فصیل کو جو ہر مرتبہ دشمنان اسلام کی پناہ گاہ بنتی تھی منہدم کر کے اس کو زمین کے ساتھ ہموار کردیا اور دشمنان اسلام کی اس پناہ گاہ سے فرزندان اسلام کو قیامت تک کے لیے نجات دلادی۔

شہر کی دوبارہ فتح کے بعد شہر کے باشندوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ عرض داشت دی کہ چونکہ ہم لوگ ذمی تھے اور ہماری ہر چیز کی حفاظت اور نگہداشت آپ کے ذمہ تھی۔ رومیوں نے ہمارا مال واسباب اور ہماری سب قیمتی چیزیں چھین لی ہیں لہٰذا وہ ہمیں واپس دلائی جائیں۔ ان کا یہ مطالبہ بالکل جائز تھا اور اسلام ذمیوں کے حقوق اور مال واسباب کی پوری ذمہ داری لیتا ہے اس وجہ سے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کے باشندوں کی اس عرض داشت کو قبول کرلیا اور دشمن سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا آپ نے حکم فرمایا کہ اس میں سے اپنا مال واسباب پہچان کر لے جائیں، اور اگر کسی پر شک پڑتا تو اس سے باقاعدہ شہادت لی جاتی کہ جو کچھ وہ لے جا رہا ہے وہ واقعی اس کا ہے جن لوگوں کا مال واسباب نہ ملا انہیں حکومت کے بیت المال سے پورا کیا گیا۔

علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کی دوبارہ فتح کے بعد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ مصر کے دفاع کا محکمہ اپنے پاس رکھیں اور عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مالیات پر مقرر فرمادیں اور اس طرح وہ مصر ہی میں اقامت پذیر رہیں لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو منظور نہ کیا اور واپس مدینہ طیبہ آگئے۔

(الخلافۃ والخلفاء الراشدون: ص ۲۲۱، جولۃ تاریخیۃ فی عصر الخلفا الراشدین: ص ۳۲۴، عثمان بن عفان، صادق عرجون: ص ۱۹۹، مقریزی: ۱/ ۲۶۳۔۲۶۷، ابن خلدون: ۲/ ۵۲۶، فتوح البلدان: ص ۲۳۱)

افریقہ کی فتح:

افریقہ ویسے تو ایک بہت بڑا براعظم ہے جس میں کئی ممالک شامل ہیں، لیکن عربی تواریخ میں جہاں کہیں بھی افریقہ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ علاقہ ہے جس میں تیونس، الجزائر اور مراکش آباد ہیں اور بقول ابوعبید بکر اندلسی افریقہ کا طول شرقاً غرباً برقہ سے طنجہ تک اور عرض سمندر سے کوہ ہائے سوڈان تک ہے۔ (معجم البلدان: ۱/ ۲۲۸)

مصر اور اسکندریہ کی فتح سے رومیوں کی قوت پاش پاش ہوگئی اور اب ان میں اتنی سکت اور قوت باقی نہ رہی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرسکیں۔ تاہم منتشر طور پر جگہ جگہ ان کی کچھ آبادیاں باقی رہ گئیں جن سے ہر لحہ بغاوت کا خطرہ تھا۔ اس خطرہ کو ختم کرنے کے لیے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کر دیں۔ چنانچہ سیدنا خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فیوم، اشمونین، بشرہ اور صعید وغیرہ اور عمر بن وہب رضی اللہ عنہ نے تینس، دمیاط تونہ، دمیرہ، شطابہ بوصیر اور دیگر تمام مواضعات کی تمام آبادی سے فسطاط کی شرائط پر صلح کر لی۔

(فتوح البلدان: ص ۲۲۸)

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی فتوحات کا سیلاب مصر و اسکندریہ پر بھی نہ رکا بلکہ انہوں نے آگے بڑھ کر برقہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق برقہ کا علاقہ فسطاط سے بیس پچیس منزل کی مسافت پر اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان واقع ہے۔ یہ ایک نہایت زرخیز اور آباد رقبہ زمین تھا۔ زمین کی زرخیزی اور پیداوار کی کثرت کی وجہ سے برقہ کی آبادی نہایت مرفہ حال تھی۔ برقہ کا علاقہ متعدد شہروں پر مشتمل تھا، انطابلس یہاں کا سب سے بڑا شہر تھا۔ (معجم البلدان: ۱/ ۳۸۸)

برقہ کے لوگ حکومت مصر کے باجگزار تھے۔ ۲۱ھ میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے برقہ کے علاقہ کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے لوگ مرفہ حال ہونے کی وجہ سے بزدل اور بزدل ہونے کی وجہ سے نہایت نرم خو اور اطاعت شعار تھے۔ بدیں وجہ کسی مزاحمت کے بغیر انہوں نے جزیہ قبول کرلیا اور تیرہ ہزار دینار سالانہ پر انہوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

(فتوح البلدان: ص ۲۳۱، ابن خلدون المجلد ثانی: ص ۱۰۰۲)

برقہ کو فتح کرنے کے بعد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عقبہ بن نافع

الفہری رضی اللہ عنہ کو زویلہ روانہ کیا۔ زویلہ کا علاقہ سوڈان کی ابتدائی سرحد پر ایک آباد شہر کی شکل میں واقع تھا۔ برقہ اور زویلہ کے درمیان جس قدر آبادیاں تھیں انہوں نے بلا کسی مزاحمت کے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر کے ان کی باجگزار ہو گئیں۔

زویلہ اور برقہ کی فتوحات کے بعد بھی سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا اشہب فتوحات نہ رکا اور آپ نے ''طرابلس الغرب'' پر چڑھائی کر دی۔ یہ علاقہ بھی ہرقل روم کے زیر نگین تھا۔ طرابلس الغرب بحر روم کے ساحل پر آباد ہے اور اس زمانہ میں افریقہ کے ممتاز ترین مقامات میں شمار ہوتا تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کے مشرقی سمت میں اپنی فوجیں اتاریں اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ دو ماہ تک جاری رہا لیکن شہر کے فتح کرنے میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ شہر پناہ تین جانب سے پختہ بنی ہوئی تھی اور سمندر کی جانب سے کھلی تھی، لیکن مسلمانوں کو اس کا علم نہ تھا۔ ایک روز چند مسلمان شکار کو نکلے، واپسی میں تمازت آفتاب کی وجہ سے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ ہو لیے، جب شہر کے قریب آئے تو دیکھا کہ شہر اور سمندر کے درمیان کوئی فصیل نہیں ہے اور سمندر کے کٹاؤ کی وجہ سے سمندر اور شہر کے درمیان ایک چھوٹا سا راستہ بھی بنا ہوا ہے جس کے ذریعہ شہر پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فوج کے کمانڈر کو اس بات کی اطلاع دی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فوج کے ساتھ اسی طرف سے شہر پر حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملے نے دشمن کے اوسان خطا کر دیئے اور اس نے بدحواس ہو کر سمندر کے راستے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس طرف سے بھاگنا آسان نہ تھا کیونکہ درمیان میں اسلامی لشکر حائل تھا لہٰذا دشمن کی کافی تعداد شہر کے گلی کوچوں میں دست بدست لڑائی میں ماری گئی، لیکن چند لوگ طرابلس سے بھاگ کر ایک شہر سبرہ میں جا پہنچے۔ بعض روایات میں ہے کہ بعض لوگ کشتیوں کے ذریعے دوسرے علاقوں میں بھی بھاگ گئے۔ اس طریقے سے بغیر کسی زیادہ نقصان کے ایک بندرگاہ اور ایک اہم شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

(ابن اثیر: ۳/ ۱۹، ابن خلدون: ۲/ ۱۰۰۲، معجم البلدان: ۶/ ۳۵)

طرابلس سے کچھ سپاہی سبرہ کی طرف بھاگ گئے تھے، لہٰذا اس شہر کو بھی فتح کرنا ضرور تھا لیکن بھاگنے والے ابھی وہاں پہنچے نہیں تھے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خود طرابلس ہی میں رہے اور اپنے ایک جرنیل کی زیر قیادت تھوڑی سی فوج سبرہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دی۔ یہ لوگ صبح سویرے ہی سبرہ پہنچ گئے۔ سبرہ والے طرابلس کے اس سقوط سے شاید ابھی تک ناآشنا

تھے اس وجہ سے وہ علی الصبح ہی شہر کا پھاٹک کھول کر اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں اسلامی فوج نے شہر پر یلغار کر دی اور بغیر کسی مزاحمت اور کشت وخون کے شہر فتح ہو گیا۔

(ابن اثیر: ۳/۲۰)

اس شہر کے فتح ہونے سے مصر کی مغربی سرحدیں مکمل طور پر محفوظ ہو گئیں اور مسلمان اس طرف سے اسلامی قلمرو پر حملے سے بالکل مطمئن ہو گئے۔

سبرہ کو فتح کرنے کے بعد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا اور آپ کو طرابلس کے فتح ہونے کی اطلاع دی اور مزید پیش قدمی کی اجازت چاہی۔ نیز لکھا کہ اب یہاں سے افریقہ صرف نو دن کی مسافت پر رہ گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس کی طرف پیش قدمی کی جائے، لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مزید آگے بڑھنے سے روک دیا اور لکھا:

ماھی افریقة ولکنھا مفرقة غادرة مغدور بھا.

''وہ افریقہ نہیں ہے بلکہ مفرقہ (تفریق کرنے والا) ہے، وہ دوسروں سے بے وفائی کرتا ہے اور دوسرے اس سے بے وفائی کرتے ہیں۔''

یہ آپ نے اس وجہ سے لکھا کہ افریقہ کے باشندے قسطنطنیہ کے بادشاہ کے باج گزار تھے، لیکن ہمیشہ اس سے بے وفائی کرتے رہتے تھے۔ ان لوگوں نے اندلس کے بادشاہ سے بھی صلح کر کے بعد میں بے وفائی اور غداری کی تھی، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ سب باتیں معلوم تھیں۔ (فتوح البلدان: ص ۲۳۱)

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جب مزید پیش قدمی سے روک دیا گیا تو وہ واپس مصر آ کر اقامت گزین ہو گئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت بلکہ اس کے بعد بھی دو سال تک وہاں کے گورنر رہے۔ بعد میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں معزول کر کے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی:

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری سے کیوں معزول کیا گیا؟ اس کے بارے میں مؤرخین نے بڑی بے بنیاد روایات نقل کی ہیں جنہیں عقل سلیم باور کرنے سے قاصر

ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ دراصل سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے تعلقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی سے مرکز سے کشیدہ ہو گئے تھے جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ تم نے خود ہی مجھے یہ لکھا تھا کہ:

''مصر ایک زرخیز اور سرسبز وشاداب علاقہ ہے، اس کا طول ایک مہینے اور عرض دس مہینے کی مسافت ہے اس کے وسط میں دریائے نیل بہتا ہے جس کا خرام سحری مبارک اور روانی شب مسعود، اس کا بہاؤ کبھی تیز ہوتا ہے اور کبھی ست جیسے آفتاب و ماہتاب کی رفتار۔ مخصوص اوقات میں اس کی لہریں اتنی سفید اور شیریں ہو جاتی ہیں کہ دودھ کی دھاریں معلوم ہونے لگتی ہیں اور مکھیاں ان پر بھنبھناتی ہیں۔ زمین کے چشمے اور تیز رونالے جب اس میں طغیانی پیدا کرتے ہیں تو وہ چنگھاڑنے لگتا ہے اور جب اس کی موجیں بلند ہو کر کنارے کو پھاند جاتی ہیں تو چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے سوا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ناممکن ہو جاتا ہے، اور وہ کشتیاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بادلوں میں، جنہیں ڈھلتے دن کی چاندی کہیے، تیر رہی ہیں۔ جب اس کی طغیانی شباب کو پہنچ جاتی ہے تو وہ جس شان سے چڑھا تھا اسی شان سے الٹے پاؤں اتر جاتا ہے۔ اس وقت لوگ نکلتے ہیں اور زمین گود کر اس کے منہ میں دانہ ڈالتے ہیں اور پروردگار سے اس کے پھلنے پھولنے کے امیدوار ہوتے ہیں۔ جو لوگ محنت نہیں کرتے وہ بھی بغیر کسی جدوجہد کے اس سے پھل پاتے ہیں۔ جب دانہ پھوٹتا ہے تو نمی اسے پانی پلاتی اور زمین اسے غذا بہم پہنچاتی ہے۔ اس وقت امیر المومنین رضی اللہ عنہ مصر کی زمین رنگ برنگ کے چولے بدلتی ہے۔ ابھی چمکتا موتی ہے تو ابھی عنبر اشہب، ابھی زمرد سبز ہے تو ابھی گندمی چہرہ۔ پاک ہے وہ خالق کائنات جس نے مصر کو ان نعمتوں سے نوازا اور رونق آبادی سے امتیاز بخشا۔ یہاں کا خراج وقت معینہ سے پہلے وصول نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہاں کی آمدنی کا تہائی حصہ نہروں اور پلوں کے کام میں صرف ہوتا ہے۔ جب یہاں کے حالات استحکام پذیر ہو جائیں گے تو آمدنی مزید بڑھ جائے گی۔ ابتداء اور انتہا میں حق سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والے ہیں۔ اگر مصر کا واقعی یہی حال ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو تم مرکز کو جو اس کا خراج اور جزیہ بھیجتے ہو وہ بہت کم ہے یہاں تک

کہ رومیوں اور فراعنہ کے زمانہ سے بھی کم ہے۔ (یہ ذہن میں رہے کہ رومی عہد میں ۳ کروڑ، عہد فراعنہ میں ۹ کروڑ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں ۷ کروڑ ۳۰ لاکھ دینار خراج وصول کیا جاتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتنا خراج مدینہ طیبہ بھیجا جاتا تھا۔ اس میں مختلف روایات ہیں۔ علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ ۲۰ لاکھ دینار اور مقریزی ایک کروڑ ۲۰ لاکھ دینار بتاتے ہیں)''

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جواب میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مطمئن نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کی آپس میں بڑی ترش و تند خط و کتابت ہوئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس دوران میں ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ اس لیے وہ اپنے اس عزم کو بروئے کار نہ لا سکے۔ بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں ان سے یہی مطالبہ کیا کہ مصر کا خراج بڑھایا جائے، لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''گائے اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔'' اس جواب پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مالیات کا عہدہ ان سے نکال کر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو دے دیا جس کو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پسند نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو شکایتیں بھیجنے لگے۔ کبھی عبداللہ رضی اللہ عنہ شکایت کرتے کہ عمرو رضی اللہ عنہ مالیات میں رخنہ اندازی کرتے ہیں اور کبھی عمرو رضی اللہ عنہ لکھتے کہ عبداللہ جنگی تدابیر میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

(ابن اثیر: ۳/۳۵۳)

طبری نے اپنی تاریخ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

كان لايعزل احدا الا عن شكاة او استغاثة.

''وہ کسی کو بغیر شکایت یا استغاثہ کے معزول نہیں کرتے تھے۔'' (طبری: ۳/۳۱۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں کسی کو کوئی گلہ یا شکایت تھی یا مرکز خلافت کے پیش نظر کوئی مصلحت تھی جس کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کو وہاں کی گورنری سے معزول فرما دیا اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔ اپنی اس معزولی پر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کوئی شکوہ بھی نہیں کیا اور نہ ہی برا منایا۔ چنانچہ اس کے بعد بھی اسٹیٹ کو جب کبھی ان کی خدمات کی ضرورت پڑی، انہوں نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں۔

اسکندریہ کی بغاوت کے وقت جو ۲۵ھ میں ہوئی اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں کے گورنر نہیں تھے اور مصر ہی میں مقیم تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ اس بغاوت کو فرو کریں۔ انہوں نے بغیر کسی پس و پیش کے اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور دل میں کوئی ملال اور رنجش لائے بغیر اس بغاوت کو بڑی کامیابی کے ساتھ فرو کیا اور پھر واپس آ گئے۔ اپنے محاصرے کے ایام میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کئی بار مشورہ کیا اور انہوں نے ہمیشہ خیر خواہی سے مشورہ دیا اور کبھی یہ نہیں کہا کہ آپ نے تو مجھے مصر کی گورنری سے معزول کر دیا تھا۔ اب اس آڑے وقت میں مجھ سے کیوں مشورہ لیتے ہیں؟ مزید برآں وہ آپ کی مجلس شوریٰ کے بھی ممبر تھے۔

معزولی کی وجوہات:

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جن وجوہات کی بناء پر گورنری کے عہدہ سے معزول کیا گیا، تاریخ کے رپورٹر اس کو بھی بیان کرتے ہیں اور وہ وہ وجوہات نہیں ہیں جن کو آج کل کے مؤرخ اور مفکرین اسلام زیب داستان کے لیے بیان کرتے ہیں وہ وجوہات کیا تھیں ان کو سمجھنے کے لیے درج ذیل مقدمات ذہن میں رکھے جانے ضروری ہیں۔

① سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر کو فتح کیا تو اس فوج میں میمنہ کے افسر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے۔ (الاستیعاب: ۲/ ۳۷۶، الاصابہ: ۲/ ۳۱۷)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب منصب خلافت پر متمکن ہوئے اس وقت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے۔ آپ نے ان کو اپنے منصب پر بحال رکھا اور سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو فوج کا امیر مقرر فرمایا، کیونکہ مصر کی فتح اور وہاں کئی ایک جنگوں میں انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔ (طبر: ۳/ ۳۱۲)

② سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو افریقہ کی فتح کے لیے روانہ فرمایا جہاں انہوں نے غیر معمولی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

افریقہ کی فتح کے بعد انہوں نے سیدنا عبداللہ بن نافع بن عبد قیس رضی اللہ عنہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود مصر واپس تشریف لے آئے۔

③ افریقہ کی فتح بازنطینی سلطنت کے لیے ایک تازیانہ تھی اور ہر وقت مسلمانوں کو اس

بات کا خطرہ تھا کہ کہیں قیصر بحری بیڑہ حرکت میں لا کر مسلمانوں کی سلطنت پر حملہ نہ کر دے اور بحری جنگ کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کا ایک بحری بیڑہ وہاں موجود ہو جو ہر وقت دشمن کے مقابلہ کے لیے تیار ہو۔

④ اب سوال یہ تھا کہ اس بیڑے کے مصارف مرکز برداشت کرے یا حکومت مصر۔ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ حکومت مصر کو یہ مصارف برداشت کرنا چاہئیں، لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ مرکز اس کے مصارف برداشت کرے۔ یہ تھا ان دونوں صحابہ کا نقطۂ اختلاف۔ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے پاس دلائل تھے کہ یہ اخراجات جائز طور پر اور نہایت سہولت کے ساتھ مصر سے وصول ہو سکتے ہیں۔ لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر سے یہ مصارف وصول کرنے کے خلاف تھے۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے دربار خلافت میں ایک دوسرے کی شکایت کی، ایک نے لکھا کہ میری جنگی ضرورتوں کو صحیح طور پر پورا نہیں کیا جا رہا لہٰذا میں مزید اقدام نہیں کر سکتا اور دوسرے نے شکایت کی کہ میرے مالی نظام میں رخنہ اندازی کی جا رہی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی شکایات، دلائل اور حالات کا بغور جائزہ لیا اور وہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی رائے کے ساتھ متفق ہو گئے کہ مصر کی آمدنی میں بسہولت اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے استعفیٰ طلب کر لیا اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو گورنر مصر مقرر فرما دیا۔

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے گورنر بنتے ہی اپنی تجاویز کو عملی جامہ پہنایا۔ چنانچہ مصر کی آمدنی چوبیس لاکھ سالانہ تھی اگلے ہی سال ۴۰ لاکھ ہو گئی۔

علماء سیر نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کی ایک وجہ اور بھی لکھی ہے، ۲۵ھ میں اسکندریہ کے لوگوں کی ایک حرکت کو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عہد شکنی قرار دیتے ہوئے ان پر چڑھائی کر دی۔ فتح کے بعد آپ نے وہاں کے بالغ مردوں کو قتل کرا دیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جب ان کا معاملہ پہنچا تو آپ نے حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو رہا کر دیا جائے کیونکہ:

لم يصحح عنده نقضهم.

''ان کے نزدیک یہ عہد شکنی صحیح نہیں تھی۔''

چنانچہ آپ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو گورنری کے عہد سے معزول کر کے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو گورنر مصر مقرر فرما دیا۔ (الاستیعاب: ۲/۳۷۷)

بہرحال وجوہات کچھ بھی ہوں جن کی وجہ سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو گورنری کے عہدہ سے معزول کر دیا، ان سے ہمیں کوئی خاص بحث نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ وجوہات نہیں تھیں جن کو آج کل کے مؤرخین نے ایک دوسرے کی تقلید میں لکھ دیا ہے۔ اس بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بہتر سمجھتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو معزول کرنے کے بعد انہوں نے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں افریقہ فتح کروایا۔ یہ ان کی قابلیت کی روشن دلیل ہے۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو گورنر مصر بنانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے زیادہ موزوں سمجھتے تھے اور ان کا گمان بلکہ یقین تھا کہ وہ افریقہ کو ان سے زیادہ اچھے اور آسان طریقے سے فتح کریں گے۔ (ازالۃ الخفاء: ۱/۱۵۴)

ادھر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو فتح افریقہ کا حکم دیا گیا، ادھر ان کی امداد کے لیے ایک لشکر جرار بھیجا گیا جس میں معبد بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حارث بن الحکم رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھتیجے) سیدنا عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سیدنا عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا بشر بن ارطا رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ذویب خویلد بن خالد رضی اللہ عنہ وغیرہم بھی شامل تھے۔

علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''اس جنگ میں مدینہ طیبہ کے اردگرد کے عربوں کی ایک کثیر تعداد نکلی۔''

(فتوح البلدان: ص ۲۳۴، ابن خلدون: ۲/۱۰۰۳)

طبری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو جہاد افریقہ پر جانے کی ترغیب دی تو اس جنگ میں جانے کے لیے قریش، انصار اور مہاجرین کے دس ہزار

افراد نکلے۔(طبری:۳/۳۱۴)

غرضیکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فتح افریقہ کے لیے خاص اہتمام فرمایا اور جلیل القدر لوگوں کو اس میں شریک ہونے کو کہا اور وہ شریک بھی ہوئے جن میں سابق گورنر مصر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے۔(فتوح البلدان:ص۲۳۴)

اس زمانے میں افریقہ کا فرمانروا جرجیر نامی ایک شخص تھا اس کی حکومت کی حدود طرابلس سے طنجہ تک تھیں۔ یہ مصر کے بادشاہ مقوقس کی طرح رومی شہنشاہ ہرقل کا باجگزار تھا۔ مسلمانوں نے جب مصر پر قبضہ کرلیا اور افریقہ کا کچھ حصہ بھی انہوں نے فتح کرلیا تو وہ صبح وشام یہی منصوبے سوچتا رہتا کہ کس طرح مسلمانوں کو مصر سے نکالا جاسکے۔

یہ منصوبے دراصل اس کے اپنے نہ تھے بلکہ ہرقل رومی کے تھے کیونکہ وہ خود تو ہر محاذ پر مسلمانوں سے شکست کھا چکا تھا، اب وہ اپنے باجگزاروں کی معرفت مسلمانوں کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔اسکندریہ کی بغاوت بھی اسی وجہ سے ہوئی تھی اور یہاں جرجیر بھی اس کے کہنے پر مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔گویا یہ کٹھ پتلی (PUPPET) تھا اور پیچھے ہاتھ ہرقل کا کام کررہا تھا۔چنانچہ اس مقصد کے لیے اس نے ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار بھی تیار کرلیا جس میں زیادہ تعداد رومیوں اور بربروں کی تھی۔

ادھر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حکم سے افریقہ کو زیرنگین کرنے کے لیے کوچ فرمایا۔ادھر جرجیر نے اپنی جنگی تیاریوں میں ہرقل کی امداد سے مزید اضافہ شروع کردیا۔فوج کو جدید قسم کا اسلحہ مہیا کیا گیا۔انہیں صلیب کی قسم دی گئی کہ وہ میدان جنگ سے کسی صورت میں نہیں بھاگیں گے اور اپنی مادر وطن کا ہر ممکن دفاع کریں گے۔ انہیں اشتعال اور ترغیب سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ ساری دنیا میں اگر ان کا کوئی دشمن ہے تو وہ صرف اور صرف مسلمان ہیں جن کا قلع قمع کرنا ان کا اولین فرض ہے۔ یہ لوگ نہ صرف تمہارے وطن کے دشمن ہیں بلکہ تمہارے دین کے بھی تباہ کنندہ ہیں۔لہٰذا اپنے خداوند یسوع مسیح اور والدہ مریم کی عزت و ناموس کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے اور اس وقت دین مسیحی کو تمہاری اشد ضرورت ہے۔صلیب ٹوٹ رہی ہے اور تثلیث مٹ رہی ہے اور تمہارا شہنشاہ ہرقل اعظم ان کی تخریب کاریوں سے تنگ آکر قسطنطنیہ میں بیٹھا ہوا ہے۔تمام مسیحی دنیا کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں بلکہ خود خداوند خدا تمہاری فتح و نصرت کے لیے دست بدعا ہے۔غرضیکہ ہر طریق سے

انہیں مسلمانوں کے خلاف مشتعل اور برانگیختہ کیا گیا اور وہی سماں پیدا کیا گیا جو یرموک میں رومیوں نے اور قادسیہ میں ایرانیوں نے پیدا کیا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر افریقہ کی طرف روانہ ہوئے جب یہ لشکر افریقہ کے دارالحکومت سبیطہ کے قریب پہنچا تو جرجیر بھی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ سبیطہ سے باہر نکلا اور سبیطہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر اسلامی لشکر کے انتظار میں ٹھہر گیا۔ جب اسلامی لشکر بھی وہاں پہنچ گیا تو مسلمانوں نے اپنے دستور کے مطابق پہلے جرجیر کو دعوت اسلام دی لیکن جرجیر نے قبول اسلام سے صاف انکار کر دیا۔

پھر یہ کہا گیا کہ اگر تم اسلام کو قبول نہیں کرتے تو ہماری حکومت الٰہیہ کو جزیہ دو لیکن۔ جرجیر جس نے ہرقل کا باجگزار بننا پسند کیا ہوا تھا، مسلمانوں کا خراج دہندہ بننا پسند نہ کیا اور صاف انکار کر دیا کہ میں کسی صورت بھی تم لوگوں کو جزیہ نہیں دوں گا۔

اب اہل اسلام کے پاس صرف تیسری صورت رہ گئی اور وہ جنگ تھی۔ لہٰذا سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم نہ اسلام قبول کرنا چاہتے ہو اور نہ جزیہ دینے پر رضا مند ہوتے ہو تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جرجیر نے کہا ”میں تیار ہوں“ چنانچہ دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی اور جنگ شروع ہو گئی۔

چالیس دن تک دونوں طرف سے زور کا رن پڑا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یرموک اور قادسیہ کے بعد یہ سب سے زبردست جنگ تھی جو مسلمانوں نے خلافت راشدہ کے دور میں لڑی بلکہ میرے خیال میں اتنے دنوں تک کھلے میدان میں کبھی کوئی جنگ نہیں لڑی گئی تھی۔ صبح سے ظہر تک ہر روز زور کی لڑائی ہوتی لیکن ظہر تک کوئی فیصلہ نہ ہوتا۔ کفر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہ تھا اور اسلام بھی باطل کے سامنے دبنے والا نہیں تھا۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو افریقہ کو فتح کرنے کی بڑی خواہش تھی۔ چنانچہ اس کے لیے انہوں نے جب سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو مہاجرین و انصار کے جلیل القدر حضرات پر مشتمل ایک لشکر جس کی تعداد دس ہزار تھی، اس مہم کے لیے بطور کمک بھیجا۔ جب یہ لشکر گورنر مصر کی قیادت میں افریقہ کی سرحد پر پہنچا تو سرحد کے ساتھ ساتھ جتنے چھوٹے چھوٹے گاؤں اور شہر تھے ان کے باشندوں نے جزیہ دے کر اسلامی

لشکر سے صلح کر لی۔ سرحد پر پہنچ کر گورنر مصر نے از سر نو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ کی سرحد کے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور اصحاب حل وعقد کے مشورہ سے پھر ایک لشکر اس مہم کے لیے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی مدد کو روانہ فرمایا جس میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ (ابن خلدون:۲/۱۰۰۳)

اب جب سبیطہ میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور چالیس روز تک آپس میں گھمسان کی جنگ ہوئی تو اس عرصہ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی آنکھیں محاذ سے قاصد کے لیے چشم براہ رہیں تاکہ افریقہ کے حالات کا کچھ پتہ چلے۔ آپ کو ایک قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی تھی، کیونکہ انہیں دشمن کے لشکر کی تعداد کا بھی علم تھا اور اس کے سامان حرب وضرب سے بھی آشنا تھے۔ لہٰذا دل میں طرح طرح کے خیالات آتے۔ جب کافی دنوں تک اس لشکر کی کوئی اطلاع نہ آئی تو آپ نے ایک تیسرا لشکر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بطور کمک روانہ فرمایا اور انہیں تاکید کی کہ نہایت عجلت اور سرعت سے محاذ جنگ پر پہنچیں۔ چنانچہ یہ لشکر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا محاذ جنگ پر پہنچا۔ ادھر محاذ پر جس قدر فوج تھی وہ اس طویل جنگ سے کچھ تھک چکی تھی۔ لہٰذ جب انہیں اس تازہ دم لشکر کی آمد کی اطلاع ملی تو لشکر اسلام کے سپاہیوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور نہایت خوشی ومسرت کا اظہار کیا اور ان کی تھکاوٹ یکم قلم دور ہو گئی اور حوصلے بلند ہو گئے۔ اسلامی لشکر سے جب نعرہ ہائے تکبیر کی آواز جرجیر کے کانوں میں پہنچی تو اس نے مسلمانوں کے ان نعروں اور مسرت وانبساط کا سبب دریافت کیا۔ اسے جب بتایا گیا کہ مسلمانوں کے دار الخلافہ مدینہ طیبہ سے تازہ دم فوج ان کی مدد کے لیے آئی ہے تو جرجیر اور اس کے فوج کے سپاہی اپنے حوصلے کھو بیٹھے۔

اگلے روز جب جنگ شروع ہوئی تو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی تازہ دم فوج کے ساتھ میدان جنگ میں گئے تو انہوں نے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو میدان جنگ میں نہ پایا۔ آپ نے ان کی غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ جرجیر نے ان کے بارے میں لشکر میں یہ اعلان کر رکھا ہے کہ جو کوئی امیر لشکر عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ کر لائے اس کو ایک لاکھ دینار بطور انعام دوں گا اور اپنی بیٹی اس کے حبالۂ عقد میں دے دوں گا۔ اس وجہ سے وہ بجائے لشکر میں رہ کر لڑنے کے پیچھے رہ کر اپنی فوج کو لڑا رہے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

نے جب یہ سنا تو فوراً عبداللہ سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اپنے لشکر میں یہ منادی کرا دیں کہ جو کوئی جرجیر کا سر کاٹ کر لائے اسے مال غنیمت میں سے ایک لاکھ دینار اور جرجیر کی لڑکی حوالے کر دی جائے گی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے لشکر میں یہ منادی کروا دی اور خود فوراً عقب لشکر سے قلب لشکر میں پہنچ کر بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ جرجیر نے جب اس منادی کی بابت سنا تو سخت گھبرایا اور اب اس نے لشکر کے پیچھے رہنے میں اپنی عافیت سمجھی۔

(ابن اثیر: ۳/۴۵)

اب تک جنگ کا یہ معمول چلا آ رہا تھا کہ دونوں فوجیں صبح سے ظہر تک لڑائی میں مشغول رہتیں۔ جب ظہر کی نماز ہوتی تو دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپوں میں جا کر آرام و استراحت کرتیں اور اگلے روز صبح پھر مشغول کارزار ہو جاتیں۔ گویا لڑائی صرف ظہر تک ہوتی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر کو یہ مشورہ دیا کہ جنگ بہت طویل ہوگئی ہے، اگر ہم اسی طرح لڑتے رہے تو ہوسکتا ہے کہ ہم کامیاب نہ ہوں کیونکہ دشمن کثرت میں ہے اور ہم قلت میں۔ اس کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے اور بعض روایات میں دو لاکھ آیا ہے۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۲)

اور ہماری صرف بیس ہزار اور یہ بھی ممکن ہے کہ لڑائی اور زیادہ طویل ہو جائے جس میں ہمارا زیادہ نقصان ہوگا۔ لہٰذا آج آپ ساری فوج کو میدان جنگ میں نہ لے جائیں بلکہ تجربہ کار سپاہیوں کی ایک بہت بڑی جمعیت کیمپوں میں رہنے دیں۔ صبح سے ظہر تک دشمن کا اس شدت سے مقابلہ کریں کہ وہ تھک کر چور ہو جائے۔ جب ظہر کے وقت لڑائی بند ہو اور دشمن تھکا ماندہ اپنے کیمپوں میں واپس جانے لگے تو ہماری وہ آزمودہ کار سپاہیوں کی بٹالین اس پر شمشیر بکف ٹوٹ پڑے اور اس دشمن کا اس وقت تک ڈٹ کر مقابلہ کرے جب تک وہ یا تو مطیع و منقاد ہو جائے یا میدان کارزار سے بھاگ جائے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اللہ قادر مطلق اس تدبیر سے ہمیں دشمن کے مقابلہ میں ضرور کامیاب و کامران کرے گا۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز پسند آئی اور اس پر انہوں نے عمل کرنے کا عزم کر لیا۔

اگلے روز سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے آزمودہ کار سپاہیوں کی اچھی خاصی جمعیت کو میدان جنگ میں لانے کی بجائے کیمپوں ہی میں رہنے دیا۔ صبح سے ظہر تک

گھسان کی جنگ ہوئی اور اسلامی فوج پہلے دنوں سے زیادہ شدت کے ساتھ غنیم پر حملہ کرتی رہی یہاں تک کہ دونوں فوجیں تھک کر چور ہو گئیں۔ ظہر کی اذان کے بعد جب دونوں فوجیں تھک کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئیں اور دونوں لشکر اپنے اپنے کیمپ میں ہتھیار اتار کر ستانے لگے تو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس تازہ دم فوج کے ساتھ جو پہلے ہی کیمپوں میں اس مقصد کے لیے بیٹھی ہوئی تھی، دشمن کے کیمپوں پر ہلہ بول دیا۔ دشمن کی فوج کو افراتفری کے عالم میں ہتھیار اٹھانے کا موقع بھی نہ ملا اور اسلامی فوج کے ہاتھوں اس کے سر حنظل کی طرح کٹنے لگے، کافی لوگ مارے گئے اور کئی ہزار گرفتار کر لیے گئے اور مسلمان دشمن پر کامیاب و فتح یاب ہو گئے۔ (ابن اثیر: ۳/۴۵۔۴۶)

ایک طرف رومی اور بربر اسلامی لشکر کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے اور دوسری طرف سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نگاہیں جرجیر کو ڈھونڈنے لگیں۔ دیکھا کہ وہ اپنی فوج کے عقب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہے اور لڑکیاں اسے مورچھل سے سایہ کیے ہوئے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فوراً امیر لشکر ابن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ جلدی سے مجھے چند جنگجو سپاہی دیں، میں جرجیر کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے جھٹ چند تجربہ کار شہسوار ان کے حوالے کر دیئے اور وہ انہیں ساتھ لے کر ہوا کی طرح جرجیر کے سر پر جا پہنچے۔ دشمن کے کیمپ میں ایک بھگدڑ کا سماں تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ چند مسلمان سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر جرجیر سمجھا کہ شاید وہ صلح کا پیغام لا رہے ہیں، لیکن جونہی وہ بالکل قریب آ گئے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ میرے لیے موت کا پیغام لے کر آ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بھاگا، لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ان کا تعاقب کیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے سر پر اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ اس کے زخم کی تاب نہ لا کر زمین پر گرنے لگا لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی اور سرعت کے ساتھ اس کو اپنی تلوار پر لے لیا اور ایک ہی وار سے اس کا سر کاٹ کر اپنے نیزے پر چڑھا لیا۔

جرجیر کا سر نیزے پر دیکھ کر اس کی فوج کے وہ بربر سپاہی جو ابھی مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے دل ہار بیٹھے اور ان کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ انہوں نے اب بھاگنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ لیکن مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور کچھ کو تہ تیغ کیا اور کافی تعداد کو گرفتار کر لیا۔

ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک روایت کے مطابق ۲ لاکھ فوج کے پاس جس قدر سامان حرب و ضرب

تھا وہ سارے کا سارا اسلامی لشکر کے ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

فغنموا غنائم جمة واموالا كثيرة وسبيا عظيما.

''مسلمانوں کے ہاتھ بہت غنیمتیں آئیں اور بہت سا مال اور کافی قیدی ہاتھ لگے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۲)

جیسا کہ اس لڑائی کے دوران امیر لشکر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ جو شخص جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا، اسے ایک لاکھ دینار بطور انعام اور جرجیر کی بیٹی اس کے حوالے کی جائے گی۔ چنانچہ جنگ کے اختتام پر سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ دینار بطور انعام دیئے گئے اور جرجیر کی لڑکی جو گرفتار ہو کر آئی تھی وہ بھی حسب اعلان انہیں دی گئی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس جنگ کی فتح یابی میں سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ چنانچہ ان کی بہادری اور شجاعت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا اور ہر طرف ان کی بہادری کے تذکرے ہونے لگے۔

اسلامی لشکر کی یہ کامیابی کوئی معمولی کامیابی نہ تھی۔ ایک طرف بیس ہزار کا لشکر اور دوسری جانب ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک روایت کے مطابق ۲ لاکھ یعنی ایک اور دس کا مقابلہ۔ دوسری بات یہ کہ لشکر اسلام گھیرے میں تھا۔ ہر طرف رومی اور بربر تھے۔ مقابلہ نہایت سخت تھا لیکن سپہ سالار سے لے کر ایک معمولی سپاہی تک نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جنگ کی بابت لکھا ہے:

فوقف المسلمون في موقف لم ير اشنع منه ول اخوف عليهم منه.

''اہل اسلام ایسے حالات میں گھر چکے تھے کہ ایسے خوفناک اور برے حالات اس سے پہلے کبھی انہیں پیش نہ آئے تھے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۲)

لیکن جو قوم اللہ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ تیاگ دیتی ہے، حق تعالیٰ اپنی خاص نصرت اس پر نچھاور فرماتے ہیں۔ یرموک اور قادسیہ کی جنگوں کی طرح یہاں بھی نصرت خداوندی مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ لہٰذا میدان اہل اسلام کے ہاتھ رہا اور اہل کفر باوجود اپنی مادی قوت اور سامان حرب وضرب کی کثرت کے خائب وخاسر ہوئے۔

افریقہ کی اس مشہور جنگ کو تاریخ میں ''حرب العبادلہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ

اس کے قلب پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ''میمنہ پر'' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، میسرہ پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مقدمہ پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متعین تھے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ چنانچہ ہر سوار کو تین تین ہزار دینار اور ہر پیدل سپاہی کو ایک ایک ہزار دینار حصہ ملا۔

جنگ کے شروع ہونے سے قبل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے ان کی ہمت افزائی کے لیے فرمایا تھا کہ اگر تم افریقہ کی مہم میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں مال غنیمت کے خمس کا خمس (یعنی ۲۵ واں حصہ) بطور انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ جب اس جنگ میں مال غنیمت حاصل ہوا تو امیر لشکر نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے وعدہ کے مطابق مال غنیمت کا ۲۵ واں حصہ خود لے لیا اور خمس کا باقی حصہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور جو بچا وہ لشکر میں تقسیم کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۵۲/۷، جولتہ التاریخیہ: ص ۳۴۱، الخلافۃ والخلفاء الراشدون: ص ۲۲۹، قادۃ الفتح لبلاد العرب: ۱/ ۱۶۔۱۷، ۶۴، اشرف والتسامی بحرکتہ الفتح الاسلامی: ص ۱۹۱، التاریخ الاسلامی: ۱۲/ ۳۸۸)

سبیطلہ کی فتح:

جرجیر نے اپنے دارالسلطنت سے باہر نکل کر مسلمانوں سے یہ جنگ لڑی تھی اور شکست فاش کھائی تھی لہٰذا اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کر کے جرجیر کے دارالسلطنت سبیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہر قیروان سے دو دن کی مسافت پر ہے اور بقول یاقوت حموی صاحب معجم البلدان ۷۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس شہر کی فتح میں مسلمانوں کو کوئی خاص تگ و دو نہ کرنا پڑی بلکہ صرف چند روز کے محاصرہ کے بعد ہی اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمان مظفر و منصور ہو گئے۔

اس شہر کے قریب ہی قفصہ کے شہر پر قلعہ اجم واقع ہے۔ جنگی لحاظ سے اس شہر کو فتح کرنا بھی نہایت ضروری تھا کیونکہ افریقہ کے بربروں نے یہاں مختلف قسم کے آلات حرب و ضرب جمع کیے ہوئے تھے اور ہر وقت خطرہ تھا کہ کہیں یہ لوگ اسلامی قلعہ پر یورش نہ کر دیں۔ لہٰذا مسلمانوں نے اس کا محاصرہ بھی کر لیا۔

چند ہی روز میں اہل قلعہ نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہوئے

ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت کر لی۔ مسلمانوں کی اس فتح مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل افریقہ نے ۲۰ لاکھ ۵۰۰ دینار سالانہ جزیہ دے کر اہل اسلام سے مصالحت کر لی۔ (تاریخ ابن خلدون: ۲/۳۵۶)

افریقہ اور قفصہ کی جنگوں میں مشغولیت اور خصوصی طور پر افریقہ کے محاصرہ کی طوالت کی وجہ سے دارالخلافت مدینہ طیبہ میں ان جنگوں کی بابت عرصہ سے کوئی خبر نہ آئی تھی جس کی وجہ سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور مدینہ طیبہ کا ہر خاندان پریشان حال تھا، کیونکہ ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد اس جنگ میں شامل تھا۔ مدینہ اور افریقہ تک کا راستہ بڑا دشوار گزار اور سفر اور فاصلہ طویل تھا۔ اس وجہ سے بھی کسی خبر کے پہنچنے میں دیر ہونے کا امکان تھا۔ مہاجرین و انصار اور اہل بیت کے جگر پارے اس جنگ میں شامل تھے، کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے غازیان افریقہ کی امداد کے لیے یہاں سے تین لشکر بھیجے تھے جن میں جوانان مدینہ نے شرکت کی تھی۔ پھر اجمالی طور پر انہیں یہ خبریں ملی تھیں کہ محاذ جنگ پر مقابلہ نہایت سخت ہے اور لشکر اسلام سے کافی لوگ جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ لہٰذا اہل مدینہ کو ان جنگوں کے نتائج کے بارے میں سخت فکر دامن گیر تھی۔ چنانچہ اس فتح کی خوشخبری لے کر سیدنا مروان ابن الحکم رضی اللہ عنہ وارد مدینہ ہوئے اور انہوں نے ہر گھر میں خود جا کر اس فتح کی خوش خبری دی، اور مجاہدین اسلام کے خطوط ان کے عزیز و اقارب کو پہنچائے۔ اس خوش خبری اور بشارت کا سننا تھا کہ ہر گھر میں خوشی اور شادمانی کے شادیانے بجنے لگے، اور بچوں سے لے کر بوڑھوں تک ہر فرد خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ مجاہدین اسلام کے لیے دعائیں کی گئیں اور سیدنا مروان ابن الحکم رضی اللہ عنہ کے لیے بھی لوگوں نے دعائیں کیں جو خوشی کا یہ سندیسہ لے کر آئے تھے۔ ہر شخص گلی کوچوں میں ان کی تعریف کرتا پھرتا تھا اور ان کی درازی عمر کے لیے دست بدعا تھا۔ پھر اہل مدینہ کی خوشی و مسرت میں اور اضافہ اس وقت ہوا جب انہوں نے لاکھوں دینار کی رقم جو ان جنگوں میں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوئی تھی، امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں پیش کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس کثیر رقم کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ امیر لشکر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو نقد رقم کے ساتھ کپڑوں، مویشیوں اور مختلف قسم کے سامان کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ملی تھی جو وہ دربار خدمت میں پہنچانا چاہتے تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ راستہ دشوار گزار اور فاصلہ نہایت طویل تھا۔ اس وجہ سے نقد مال تو بآسانی آ سکتا تھا لیکن مویشی، کپڑے اور دوسرے سامان لانا کارے دارد تھا۔

پھر اگر اس کو صعوبتوں اور دشواریوں کے ساتھ مدینہ طیبہ لایا بھی جاتا تو اس پر اتنے مصارف آتے تھے جو اندیشہ تھا کہ مال کی اصل قیمت سے بڑھ نہ جائیں یا اگر نہ بھی بڑھتے تو پھر بھی بار برداری کے مصارف زیادہ ہونے کے ساتھ ان کا لانا نہایت دقت طلب اور تکلیف دہ تھا۔ لہٰذا سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص اس سب سامان کو خرید کر ہمیں اس کی جائز قیمت نقد دے دیں تو اس کا امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس لے جانا آسان رہے گا۔ سیدنا مروان ابن الحکم رضی اللہ عنہ نے وہ سارا سامان خرید لیا۔ سارے سامان کی کل قیمت ایک لاکھ درہم پڑی اور سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے سوائے تھوڑی سی رقم کے باقی ساری رقم امیر لشکر کو نقد ادا کر دی اور بقیہ رقم کے بارے میں وعدہ کیا کہ وہ مدینہ طیبہ پہنچ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو ادا کر دوں گا۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر انہوں نے لاکھوں دینار کا مال غنیمت جب دربار عثمانی میں پیش کیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے خوش ہوئے۔ ساتھ ہی سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے مویشیوں، کپڑوں اور دیگر سامان کی فروخت کا ذکر بھی کیا اور بتایا کہ اور رقم تو میں نے وہیں ادا کر دی تھی لیکن ایک قلیل رقم ابھی بھی میرے ذمہ باقی ہے وہ میں ایک دو روز میں آپ کو ادا کر دوں گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس فتح کی خوشی اور ان کے اس کارنامہ پر کہ انہوں نے مال غنیمت کی اتنی کثیر رقم راستہ کی بے شمار صعوبتیں اور دقتیں برداشت کرنے کے بعد امانت و دیانت کے ساتھ صحیح سالم یہاں پہنچا دی ہے۔ باقی ماندہ تھوڑی سی رقم جو ان کے ذمہ باقی تھی، انہیں معاف کر دی۔

اگرچہ شرعی طور پر یہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مختلف لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لیے بیت المال سے بطور انعام یا ان کی تالیف قلوب کے لیے مال دے سکتا ہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو یہ رقم سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو معاف کی تھی وہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کی اور کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ تمام اہل مدینہ نے بھی آپ کے اس فعل پر اتفاق کیا۔

لیکن سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو آپ نے جو مال غنیمت کا پچیسواں حصہ (خمس کا خمس) دیا تھا اور روایات میں آتا ہے کہ اس پر بعد میں بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے وہ ساری رقم عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے واپس کروا دی۔

اس روایت پر تحقیقی بحث آئندہ صفحات میں ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات'' کے تحت آ رہی ہے۔

اندلس کی فتح:

اندلس جس کو ہسپانیہ بھی کہتے ہیں اور آج کل اس کو اسپین کہا جاتا ہے یہ بھی سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا۔ اسپین براعظم یورپ میں واقع ہے، گویا سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے صرف ۱۷ سال بعد مسلمان یورپ کے براعظم تک پہنچ گئے۔ چنانچہ جب سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے افریقہ کو فتح کیا اور ابھی وہ وہاں سے مصر واپس تشریف نہیں لائے تھے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ عبداللہ بن نافع بن حصین فہری اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس فہری کو فوری طور پر اندلس (اسپین) بھیجیں اور اسے جلد از جلد فتح کریں۔ وہ دونوں حضرات سمندر کے راستے اندلس پہنچے اور مجاہدین اسلام ان کے ساتھ اندلس گئے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا:

اما بعد: فان القسطنطنيه انما تفتح من قبل الاندلس وانتم اذا فتحتم الاندلس فانتم شركاء لمن يفتتح قسطنطنية في الاجر آخر الزمان والسلام. (البدایہ والنہایہ: ۱۵۲/۷، ابن اثیر: ۴۷/۳)

یہ دونوں حضرات سمندر کے راستہ اندلس میں داخل ہوئے۔ اس فوج میں افریقہ کے نومسلم بربروں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد تھی۔ اس زمانہ میں اندلس میں عیسائی حکومت قائم تھی۔ مسلمانوں کا لشکر جب اندلس کے ساحل پر اترا تو عیسائی حکومت نے اسلامی لشکر کی سخت مزاحمت کی، لیکن عیسائی فوجیں اسلامی لشکر کے سامنے ٹک نہ سکیں اور جلد ہی اندلس کا ایک ساحلی علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، اور انہیں سرزمین اندلس میں قدم جمانے کا ایک ٹھکانہ مل گیا۔ گویا اندلس اور براعظم یورپ پر لشکر اسلام کا یہ پہلا حملہ تھا جو خلافت عثمانی میں کیا گیا۔

طبری نے جناب کعب احبار کا قول اس لشکر کے بارے میں نقل کیا ہے جو سرزمین اندلس میں اس کی فتح کے لیے وارد ہوا کہ

اقوام يفتحونها يعرفون بنور الله يوم القيامه.

''جو لوگ اندلس کو فتح کریں گے وہ قیامت کے روز اپنے نور سے پہچانے جائیں گے۔'' (طبری: ۳۱۴/۳)

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ جولوگ اندلس کو فتح کریں گے وہ اجر وثواب میں اس لشکر کے برابر ہوں گے جو قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اتنی عظیم الشان شخصیت اور خلیفہ راشد کے قول کی موجودگی میں کعب احبار جن کی شخصیت ہی مؤرخین اسلام کی نظر میں اسلامی نقطہ نگاہ سے مشکوک ہے کے قول کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔ شاید طبری نے کعب احبار کی شخصیت کو وزن دار بنانے کے لیے ان کا یہ قول نقل کر دیا ہے۔

افریقہ اور اندلس کی فتح کے بعد امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں پر سیدنا عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس رضی اللہ عنہ الفہری کو گورنر مقرر فرما دیا۔ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ گورنر مصر قریباً سوا سال کے بعد افریقہ سے مصر واپس تشریف لائے۔ ان کی غیر موجودگی میں مصر میں بہت سا مال جمع ہو گیا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے واپس آتے ہی وہ سارا مال امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اندلس کا ایک چھوٹا سا حصہ فتح ہوا کیونکہ افریقہ اور اسپین کے درمیان سمندر واقع تھا اور اس زمانے میں مسلمانوں کے پاس سمندر پار کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے کوئی بحری بیڑا نہ تھا۔ لیکن ۹۲ھ میں اموی خلیفہ جناب عبدالمالک بن مروان رضی اللہ عنہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے مشہور مجاہد اور جرنیل طارق بن زیاد رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اسپین کا سارا علاقہ اسلامی مملکت بن گیا بلکہ مسلمانوں کے گھوڑے سرزمین فرانس میں بھی ہنہنانے لگے۔

اسی سال یعنی ۲۷ھ میں امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گورنر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں نہایت [illegible] سانی کے ساتھ اصطخر فتح ہوا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تفسرین اسلامی عمل داری میں داخل ہوگیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۵۲/۷)

جزیرہ قبرص کی فتح:

قبرص (CYPRUS) ایک جزیرہ ہے جو بحیرہ روم میں واقع ہے۔ مسلمانوں نے آج تک جتنی فتوحات کیں وہ صرف خشکی کے راستے سے کیں۔ بحری راستہ سے ایک بھی ملک انہوں نے فتح نہیں کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی مملکت کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل تھا، لیکن یہ سارا علاقہ مسلمانوں نے خشکی کے راستے فتح کیا تھا۔ اس وجہ سے انہیں

طاقت کی اتنی اہمیت نہ تھی۔ حالانکہ اس زمانہ میں بھی آج کل کی طرح بحری طاقت کی وہی اہمیت تھی جو بری کی تھی۔ یہ بحری طاقت ہی تھی جس کی وجہ سے ہرقل روم نے ۵۰ فوجی جہاز بحیرہ روم کے راستے بھیج کر اہل اسلام سے اسکندریہ چھین لیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے فتح اسکندریہ کے عنوان کے تحت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی مملکت کو آپ کے زمانے میں ہر وقت رومیوں کے بحری حملے کا کھٹکا اور اندیشہ رہتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں مملکت روم کا بحری بیڑہ بہت مضبوط تھا اور وہ مسلمانوں کے ساحلی علاقے پر کبھی کبھار رہزنوں کی طرح حملے کرتا رہتا تھا جس کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ساحلی علاقوں پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دی تھیں اور بندرگاہوں پر فوج متعین کر کے ان کو مستحکم کر دیا تھا کہ رومیوں کے اچانک حملے کا جواب دیا جا سکے۔ لیکن یہ اس مشکل کا صحیح حل اور اس مرض کا حقیقی علاج نہیں تھا۔ اس کا صحیح حل یہی تھا کہ مسلمان اپنا بحری بیڑا تیار کرتے اور دشمن کا سمندر ہی میں مقابلہ کرتے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ شام جیسے ساحلی علاقے کے گورنر تھے۔ اس وجہ سے انہیں بحری طاقت کا صحیح اندازہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ درخواست کی کہ رومی سلطنت کی سرحد شام کے علاقے حمص سے اس قدر قریب ہے کہ انہیں رومیوں کے کتوں کے بھونکنے کی آواز اور ان کی مرغیوں کے بولنے کی آواز تک سنائی دیتی ہے۔ لہٰذا ہمیں بحری بیڑا تیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو جنہیں بحری سفر کا تجربہ تھا، لکھ بھیجا کہ مجھے سمندر اور اس میں سفر کرنے کے بارے تفصیلات لکھ کر بھیجیں کیونکہ میرا دل اس پر مطمئن نہیں ہے۔ سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں لکھا:

''میری رائے میں ایک عظیم مخلوق (سمندر) پر ایک ننھی سی مخلوق (کشتی) اس طرح سوار ہوتی ہے کہ سوائے پانی اور آسمان کے وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی اور وہ لوگ جو سمندر میں کشتی پر سوار ہوتے ہیں۔ ان کی مثال اس طرح ہوتی ہے جس طرح لکڑی پر کیڑا سوار ہوتا ہے۔ اگر لکڑی ذرا ایک طرف پلٹ جائے تو کیڑا ڈوب جائے اور اگر بخیر و عافیت ساحل پر پہنچ جائے تو وہ حیران و پریشان ہو۔'' (طبری: ۳/۳۱۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں یہ لکھا:

''مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ شام کا سمندر دنیا میں سب سے زیادہ طویل ہے اور وہ ہر شام و پگاہ اللہ تعالیٰ سے زمین کو غرق کرنے کا اذن مانگتا ہے۔ لہٰذا میں اس کافر سمندر پر اپنے لشکر کو کس طرح سوار کروں اور بخدا! ایک مسلمان مجھے رومی مچھلی سے بہت زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا آئندہ اس بات کا مجھ سے مطالبہ نہ کرنا۔ میں اس سے قبل بھی تمہیں کہہ چکا ہوں کہ اس بات کا ارادہ ترک کر دو اور میں کسی حالت میں بھی اس متلاطم سمندر پر سوار ہونے کا حکم نہیں دے سکتا۔''

(طبری: ۳/۳۱۶، ابن اثیر: ۳/۴۸)

اس خط کے موصول ہونے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر کبھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس بات میں اجازت نہ مانگی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قلب میں شفقت علی الخلق کا جذبہ بھرا ہوا ہے لیکن دل ہی دل میں آپ ہر وقت ایک عزم کیے ہوئے تھے کہ جب کبھی موقع ملا تو میں دشمنان اسلام کی ہلاکت کے لیے بحری بیڑہ ضرور بناؤں گا۔

اسی اثناء میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ان کی خلافت کے دوران بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بدستور شام کی گورنری کے عہدہ پر متمکن رہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ساحل سمندر پر جو علاقے واقع ہیں وہاں قلعہ بندی اور ذخیرہ اندوزی کی جائے اور جن مسلمانوں کو ان ساحلی علاقوں میں آباد کرو ان کو جاگیریں دو، امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نخل آرزو پھر ہرا ہو گیا جس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قطعی انکار نے خشک کر دیا تھا۔

دراصل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انکار کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو کسی جوکھم میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک ایک انسانی جان کی بہت قدر و قیمت تھی، وہ کسی صورت بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ایک مسلمان کی جان سمندر میں غرق ہو کر ضائع ہو اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت ایرانی طاقت کا تو قادسیہ، نہاوند اور مدائن کی فتوحات میں تیاپانچہ ہو چکا ہے۔ لیکن یہ رومی ہر وقت ہمارے دین، ملک، تہذیب و تمدن اور معاشرہ کے لیے باعث خطرہ بنے رہتے ہیں اور ان کی ہمارے خلاف جس قدر سرگرمیاں ہیں ان میں سب سے بڑی چیز ان کی بحری طاقت کا نشہ ہے۔ لہٰذا جب تک ان کے اس نشہ کو ہرن کیا جائے گا اور

سمندر میں آگے بڑھ کر ان کے اس غرور کو پامال نہیں کیا جائے گا۔ یہ ہمارے لیے ہر وقت درد سر بنے رہیں گے۔ دوسرے وہ علاقے جن تک پہنچنے میں سمندر راستے میں حائل ہے ان تک بھی ہم نے اسلامی دعوت اور تہذیب و معاشرت کو پہنچانا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بحری بیڑا ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ مستقل اس کی اجازت حاصل کرنے میں لگے رہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ کے دل کی یہ دبی ہوئی چنگاری ایک بار پھر شعلہ بار ہوئی اور آپ نے بیم و رجاء کی حالت میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے جزیرہ قبرص پر حملہ آور ہونے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حالات کی نزاکت اور وقت کے تقاضے کو بخوبی سمجھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اجازت دے دی، اور فرمایا:

① تمہارے ساتھ تمہاری اہلیہ بھی شریک سفر ہو۔

② اس بحری لڑائی کے لیے لوگوں کو خود منتخب نہ کرو اور نہ ہی قرعہ اندازی کرو بلکہ اختیار دو کہ وہ خود اپنی مرضی سے اس جنگ میں شریک ہوں، اور جو کوئی اپنی خوشی سے اس جنگ میں شریک ہونا چاہے، اسے لے جاؤ۔

چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ بحری بیڑہ عکا سے شروع کیا جو شام کی ایک بندرگاہ ہے۔ اور دمشق کے جنوب مغرب میں واقع ہے اور ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف بھی اس کے ساتھ تھیں۔ (فتوح البلدان: ص ۱۵۹)

دربار خلافت سے اجازت ملتے ہی آپ نے اپنی پوری توجہ بحریہ کی تشکیل کی جانب مرتکز کر دی، اور جلد ہی ایک بحری بیڑا مرتب کیا جو پانچ سو بحری جہازوں پر مشتمل تھا اور قبرص پر فتح حاصل کرنے کے لیے پوری پوری جدوجہد کی کیونکہ مقابلہ ہرقل روم کی فوجوں سے تھا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا بحری جنگ کا یہ پہلا تجربہ تھا جس کا کامیاب ہونا ضروری تھا۔

بحری جنگ کے بارے میں ایک بشارت:

اسلامی بحریہ کی یہ جنگ جس کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس قدر تیاری کر رہے تھے۔ دراصل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیش گوئی کی عملی شکل تھی جو اللہ رب العزت کے فضل سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پوری ہو رہی تھی، وہ پیش گوئی یہ تھی کہ

''حجۃ الوداع کے بعد ایک روز جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات سیدہ ام حرام زوجہ سیدنا عبادہ بن الصامت انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانا تناول فرما کر استراحت کی غرض سے لیٹ گئے۔ سیدہ ام حرام (جو آپ کی رشتہ میں خالہ لگتی تھیں) نے آپ کے سرہانے بیٹھ کر آپ کا سر دیکھنا شروع کیا۔ آپ کو نیند آ گئی، تھوڑی دیر بعد سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور پھر آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی طرح کے خواب کا اعادہ فرمایا۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی شرکت کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔''

(ترمذی: ۱/۲۳۴، ابوداؤد مع عون المعبود: ۲/۳۱۵، نسائی: ۲/۵۳، زرقانی: ۲/۷۶، اصابہ: ۸/۲۲۲۔۲۲۳، بخاری: ۱/۳۹۱۔۴۰۳۔۴۰۵۔۴۰۹۔۴۱۰، ۲/۹۲۹، ۹۳۰، صحیح مسلم: ۲/۱۴۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

اول جیش من امتی یغزون البحر قدا وجبوا.

''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا، اس پر جنت واجب ہو گئی۔''

قد واجبوا کا معنی علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا کہ ''جنت ان پر واجب ہو گئی۔'' (فتح الباری: ۶/۷۸، عمدۃ القاری: ۴/۱۹۸)

''وجوب جنت'' کے اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق ہونے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس بحری فوج میں جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ شرکت کی۔

ان میں سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، سیدنا شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ، واثلہ بن اسق رضی اللہ عنہ، ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن بشر مازی رضی اللہ عنہ، فضائل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، فضالہ بن

عبید انصاری رضی اللہ عنہ، ابوایوب خالد بن زید بن کلیب انصاری رضی اللہ عنہ، عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ، شداد بن اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ، کعب الحبر بن مانع رضی اللہ عنہ، جبیر بن نفیر الحضرمی رضی اللہ عنہ، عبادہ بن الصامت انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس بحری لشکر کے امیر البحر سیدنا عبداللہ بن قیس الحاثی رضی اللہ عنہ مقرر کیے گئے۔ ۲۸ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص کی فتح کے لیے اپنے اس بیڑے کو بحر روم میں داخل کیا، ادھر سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ لشکر لے کر چلے، ادھر سے گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر سے ان کی مدد کے لیے چلے اور دونوں فوجیں آپس میں مل گئیں اور ایک لشکر جرار بن گیا۔ اہل قبرص اس بھاری لشکر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے اور سات ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ صلح مندرجہ ذیل شرائط پر ہوئی:

① اہل قبرص ۷ ہزار دینار سالانہ جزیہ ادا کریں گے۔

② مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

③ بحری جنگوں میں اہل قبرص اہل اسلام کے دشمن کی نقل و حرکت سے ان کو مطلع کرتے رہا کریں گے۔ (فتح الباری: ۶/ ۶۷، ابن اثیر: ۳/ ۴۸، فتوح البلدان: ص ۱۶۰)

اہل قبرص چار سال تک اس معاہدے پر قائم رہے۔ چار سال کے بعد سنہ ۳۲ھ میں انہوں نے رومیوں کے کہنے پر اس معاہدہ کو توڑ دیا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان پر پھر لشکر کشی کر دی اور دوسری طرف سے عبداللہ بن سعد کو حملہ کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس کو دوبارہ فتح کر لیا۔ اس فتح میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور کفار کے بہت سے آدمی قتل ہوئے اور ایک اچھی خاصی تعداد قیدی بنائی گئی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

فقتلوا خلقاً کثیراً وسبوا سبایا کثیرة وغنموا مالاً جزیلاً جیداً.

"پس مسلمانوں نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا اور بہت سا مال غنیمت کے طور پر ان کے ہاتھ لگا۔" (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۳)

اہل اہل قبرص نے بھی صلح کرنا چاہی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یہ اعلان کر دیا کہ مستقبل میں یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں گے۔ اس کے علاوہ اہل دیوان میں سے آپ نے بارہ ہزار جنگ آزما افراد یہاں متعین فرمائے۔ انہوں نے یہاں آ کر مساجد تعمیر کرائیں۔ بعلبک (شام کا ایک شہر) کے مسلمانوں کی بھی ایک جماعت یہاں بسائی

گئی، اور جو لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے انہیں گراں قدر عطیات دیئے گئے۔ (فتوح البلدان: ص ۱۶۰) اس طریقہ سے یہاں کے مسلمان قبرصیوں کے حملوں سے محفوظ ہو گئے۔ باقی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چند شرائط پر ان سے صلح کر لی اور مستقبل میں ان کے شر اور شورش سے محفوظ رہنے کے لیے اپنی بارہ ہزار کی فوج متعین فرما دی۔ (التاریخ الاسلامی: ۱۲/ ۳۹۶، جولۃ تاریخیۃ: ص ۳۶۱)

جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ جب اہل قبرص کو قیدی بنا کر لایا گیا تو سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر اشکبار ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ ''جس دن اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور اہل اسلام کو عزت وتمکنت عطا فرمائی ہے اور کفر اور اہل کفر کو خائب وخاسر کیا ہے، آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے میرے کاندھوں پر ہاتھ مارا اور فرمایا، اجبیر رضی اللہ عنہ!

ان هـذه كانت امة قاصرة لهم ملك، فلما ضيعوا امر الله صيرهم الى مـاترى، سلط الله عليهم السبى، واذا سلط على قوم السبى فليس الله فيهم حاجة وقال ما اهون العباد على الله تعالىٰ اذا تركوا امره.

''یہ لوگ دوسرے لوگوں پر غالب اور قاصر تھے۔ ان کی حکومت تھی جب یہ لوگ سرکش اور حق تعالیٰ کے نافرمان ہو گئے تو پھر ان کا یہ حال ہو گیا جو تو دیکھ رہا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر گرفتاری کا عذاب مسلط کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔ نیز فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمابرداری چھوڑ دیتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ترین مخلوق ہو جاتے ہیں۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۳، ابن اثیر: ۳/ ۴۸، طبری: ۳/ ۳۱۸)

اور واقعی اہل قبرص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دین حنیف سے سرکشی پر وہ ذلت اور رسوائی اٹھانی پڑی کہ مسلمانوں کی صلح میں سے ایک شرط یہ بھی تھی:

الا يتزوجوا في عدونا من الروم الاباذننا.

''کہ وہ ہمارے دشمن رومیوں سے ہماری اجازت کے بغیر شادی بھی نہیں کر سکیں گے۔'' (طبری: ۳/ ۳۱۹)

وجوب جنت کی خوش خبری:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے کہ قبرص کی یہ جنگ

نہایت اہمیت کی حامل تھی، کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دولشکروں کے بارے میں وجوب جنت اور مغفرت کی خوش خبری سنائی تھی۔ پہلے لشکر کے بارے میں فرمایا:

اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا.

''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا، اس پر جنت واجب ہوگئی۔''

(بخاری:۱/۴۰۹)

اور دوسرے لشکر کے بارے میں فرمایا:

اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم.

''میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، اس کے لیے حق تعالیٰ کے ہاں سے مغفرت کا پروانہ ہے۔'' (بخاری:۱/۴۱۰)

اسی وجہ سے ان دونوں لشکروں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کافی تعداد نے شرکت فرمائی۔

چنانچہ پیش گوئی کا پہلا حصہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ کے دور خلافت میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ پہلے لشکر کی قیادت آپ نے بہ نفس نفیس کی اور دوسرے لشکر کی قیادت ۵۲ھ میں آپ کے فرزند ارجمند یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی۔ اسی وجہ سے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے مشہور محدث مہلب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول فرمایا کہ:

فی ھذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده یزید لانه اول من غزا مدینة قیصر.

''اس حدیث میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔'' (فتح الباری:۶/۷۸)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں لشکروں کو نبوت کی ایک عظیم دلیل قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ حدیث بالا پیش کر کے فرماتے ہیں:

''یعنی لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ جب اس نے ۲۸ھ میں قبرص پر چڑھائی کی اور اسے فتح کیا۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا اور اس لشکر میں سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سیدنا عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ کی معیت میں شریک تھیں اور سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا وہاں اللہ

کے راستہ میں شہید ہوگئیں اور ان کی قبر آج تک قبرص میں موجود ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دوسرے لشکر کو قائد اور امیر قسطنطنیہ کی جنگ میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۲۹/۸)

اس بارے میں کسی مؤرخ کا اختلاف نہیں کہ مسلمانوں میں سے بحری حملہ سب سے پہلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر کیا اور وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی پیش گوئی کے اولین مصداق تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اسد الغابہ: ۵۷۵/۵، الاعلام لخیر الدین زرکلی: ۱۷۳/۸)

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا جن کے گھر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں لشکروں کے بارے میں جو خوشخبری سنائی۔ ان کی ان دونوں لشکروں میں شرکت کے بارے میں دعا کی درخواست پر آپ نے فرمایا کہ تو پہلے لشکر میں شامل ہو گی اور دوسرے میں نہیں۔ چنانچہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جزیرہ قبرص پر لشکر کشی کی تو سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سیدنا عبادہ بن الصامت انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لشکر میں شامل تھیں۔ جب یہ لشکر فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا ہوا واپس آرہا تھا تو سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا خچر سے گر پڑیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔

(صحیح بخاری: ۳۹۱/۱، اسد الغابہ: ۵۷۵/۵، البدایہ والنہایہ: ۱۵۳/۷، ۲۲۹/۸، ابن اثیر: ۴۷/۳، ۴۸، عمدۃ القاری: ۱۹۸/۱۴، ارشاد الساری: ۱۰۴/۵)

چنانچہ ہشام بن الغاز کہتے ہیں کہ

قبر ام حرام بنت ملحان بقبرص وهم يقولون هذا قبر المراة الصالحة.

''ام حرام رضی اللہ عنہا بنت ملحان کی قبر قبرص میں ہے اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک نیک اور پاکباز عورت کی قبر ہے۔'' (صفۃ الصفوۃ: ۳۸/۲، اسد الغابہ: ۵۷۵/۵)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے:

وماتت ام حرام فی سبيل الله وقبرها بقبرص الى اليوم.

''سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا اللہ کے راستہ میں شہید ہوئیں اور ان کی قبر آج تک قبرص میں ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۲۲۹/۸)

فتح قبرص ایک تو دینی لحاظ سے مسلمانوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی کہ اس کے تمام شرکاء کو دخول جنت کا پروانہ مل گیا اور دوسرے دنیوی لحاظ سے نہایت فائدہ مند ہوئی کہ

مسلمانوں کا بحری بیڑا اور بحریہ قائم ہوگئی جس کی وجہ سے بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا اور ان کے لیے آئندہ بحری مہموں کا راستہ کھل گیا اور ساتھ ہی اسلامی حکومت کے دفاع کو بہت فائدہ پہنچا۔ (فتوح البلدان: ص ۱۶۰)

اسی زمانہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں بحر روم کے ساحل پر اور انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں قائم کیں۔ (ابن اثیر: ۳/۴۴)

جس سے دفاعی تقویت کے ساتھ ساتھ مسلمان دور دراز علاقوں تک پھیل گئے اور بحر و بر میں اسلام کا پھریرا لہرانے لگا۔

اس جنگ کے سن کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے ۲۷ ہجری بتایا ہے اور واقدی رحمہ اللہ نے ۲۸ ہجری نقل کیا ہے اور ابو معشر رحمہ اللہ نے ۳۳ ہجری بیان کیا ہے۔
(عمدۃ القاری: ۱۴/ ۱۹۸)

لیکن صحیح ۲۸ ہجری ہے۔ ابو معشر رحمہ اللہ سے شاید سہو ہو گیا ہے کیونکہ ۳۳ ہجری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسری بار قبرص پر حملہ کیا تھا اور انہوں نے شاید اسی کو پہلا حملہ سمجھ لیا ہے۔

واقدی کا بیان ہے کہ اسی سال یعنی ۲۸ھ میں حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سرزمین روم پر حملہ کیا اور رومیوں کو ایک کاری ضرب لگائی۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۳، طبری: ۳/ ۳۱۹، ابن اثیر: ۳/ ۴۹)

فارس کی بغاوت:

ایران کے جنوب میں جو علاقہ واقع ہے اس کو اس زمانے میں فارس کہتے تھے۔ اس علاقے میں چار بڑے شہر واقع تھے، شیراز، اصفہان، کرمان اور یزد۔ ۲۹ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی گورنری سے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے وہاں عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر فرما دیا۔ اس وقت تک قلعہ اصطخر اور جور کے سوا سارا فارس مسلمانوں کے زیر نگین ہو چکا تھا۔

یہ ذہن میں رہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایران کا بہت سا حصہ فتح ہو چکا تھا اور جو علاقے فتح ہونے سے رہ گئے تھے وہ سارے کے سارے سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہو گئے۔ گویا ان دو خلافتوں میں پورا ایران مسلمانوں کے

گھوڑوں کے پاؤں کے نیچے پامال ہو گیا تھا اور اس کی ہزار ہا سالہ ثقافت، تہذیب وتمدن اور ٹھاٹھ باٹھ مسمار ہو گیا تھا اور درفش کاویانی کی جگہ سبز ہلالی پرچم نے لے لی تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جب بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا اس کے ساتھ ہی سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن معمر رضی اللہ عنہ کو خراسان سے فارس کی گورنری پر تبدیل کیا۔ فارس کے لوگ اس نئے گورنر کے آنے سے پہلے سرکشی پر آمادہ ہو گئے اور بغاوت کر دی۔ چنانچہ انہوں نے اکٹھے ہو کر اصطخر کے دروازے پر عبیداللہ بن معمر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کیا۔ سیدنا عبیداللہ اس میں شہید ہو گئے اور ان کے لشکر کو شکست ہو گئی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس افسوس ناک واقعہ کی خبر پہنچی کہ اہل فارس نے بغاوت کر دی ہے اور عبیداللہ بن معمر رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے لشکر کو شکست دے دی ہے اور دشمن نے ہر طرف سے جمع ہو کر اصطخر کو اپنا مرکز اور پناہ گاہ بنا لیا ہے تو انہیں نہایت صدمہ ہوا۔ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور اپنے ماموں زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ فوراً بصرہ اور عمان کی افواج کے ساتھ فارس پر حملہ کرو اور باغیوں کو عبرت آموز سبق سکھاؤ۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی رگوں میں حرارت دینی اور شجاعت ملی کا خون دوڑ رہا تھا۔ لہٰذا انہوں نے نہایت عجلت سے اہل فارس رضی اللہ عنہ کو بغاوت کا مزہ چکھانے کے لیے ایک لشکر مرتب کیا اور اصطخر کی جانب پیش قدمی فرمائی۔ اصطخر کے قریب پہنچ کر اپنا لشکر اس ترتیب سے مرتب کیا کہ میسرہ پر سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، میمنہ پر سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور سواروں کا قائد سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھا۔ لشکر کے مقدمہ پر سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو رکھا۔ ادھر اہل فارس بھی مقابلے کے لیے نکل آئے۔ دونوں طرف سے گھمسان کا رن پڑا اور دشمن کے ہزاروں آدمی کھیت رہے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

وقتل منهم مقتلة عظيمة لم يزالوا منها في ذل.

''ان سے بہت بڑا قتال ہوا اور انہیں ذلت آمیز شکست اٹھانی پڑی۔''

(طبری:۳/۳۲۰،ابن اثیر:۳/۵۰)

اصطخر کی فتح کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے دارابجرد کا رخ کیا کیونکہ وہاں کے لوگوں نے بھی نقض عہد کر کے بغاوت کر دی تھی۔ آپ نے وہاں کی بغاوت کو بھی جلد ہی فرو

کر دیا اور پھر وہاں سے جور (جسے بعض نے شیراز کہا ہے اور بعض کے نزدیک اسے شیر یا کرمان کہتے ہیں) کا رخ کیا۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی اپنے ایک جرنیل ہرم بن حیان کو جور کی فتح کے لیے بھیج دیا تھا اور انہوں نے شہر کا محاصرہ بھی کیا ہوا تھا کہ اتنے میں خود عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فوج کے ساتھ ان کی مدد کے لیے آ پہنچے اور انہوں نے بھی آتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔
(ابن اثیر: ۳/۵۰)

محاصرہ کئی روز تک جاری رہا لیکن ایک روز ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس نے مسلمانوں کے لیے اس شہر کی فتح کو نہایت آسان بنا دیا۔ ہوا یہ کہ محاصرہ کے دنوں میں لشکر اسلام کا ایک سپاہی نماز میں مصروف تھا، اس کے قریب ایک تھیلا پڑا ہوا تھا جس میں گوشت اور روٹی تھی۔ اتنے میں ایک کتا آیا اور اس نے روٹی اور گوشت والے تھیلے کو اپنے منہ میں اٹھایا اور شہر کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ سپاہی بھی اس کتے کے پیچھے پیچھے چل پڑا تاکہ دیکھے کہ وہ کہاں جاتا ہے، کتا شہر کے قریب پہنچا:

حتى دخل المدينة من مدخل لها خفي.

"ایک خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہو گیا۔"

سپاہی یہ دیکھ کر اپنے لشکر میں واپس آ گیا اور اپنے کمانڈر کو اس خفیہ راستے کی بابت اطلاع دی۔ مسلمانوں نے اس راستے کو اللہ رب العزت کی طرف سے ایک غیبی امداد سمجھا اور دوسرے روز دشمن پر زبردست حملہ کر دیا۔ حملہ کے دوران ہی مسلمان سپاہی اس خفیہ راستے کے ذریعے شہر میں داخل ہو گئے اور دشمن پر ہلہ بول دیا۔ حریف کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسلامی لشکر اس طرح شہر میں داخل ہو جائے گا۔ کچھ عرصہ تک انہوں نے لشکر اسلام کا مقابلہ کیا، لیکن پھر اپنے میں مقابلہ کی سکت اور طاقت نہ پا کر ہتھیار ڈال دیئے اور اسلامی لشکر شہر پر قابض ہو گیا۔ اس طرح سے جور کا شہر مسلمانوں نے فتح کیا۔ (ابن اثیر: ۳/۵۰)

اصطخر کی دوبارہ فتح:

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ دارابجرد اور جور کی فتح میں مصروف تھے کہ اہل اصطخر نے پھر نقض عہد کر کے بغاوت کر دی۔ اس لیے جور کی فتح کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ پھر اصطخر کی جانب لوٹے اہل اصطخر قلعہ بند ہو گئے۔ اس لیے سیدنا عبداللہ

بن عامر رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کرلیا، لیکن اہل اصطخر قلعہ سے باہر نہ نکلے۔ اہل اصطخر نے بہت بڑی فوج فراہم کی ہوئی تھی اور انہیں اپنی اس قوت اور طاقت پر ناز تھا لیکن جب محاصرے کے طویل ہونے کی صورت نظر آئی تو سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے منجنیقوں کے ذریعہ سے شہر پر سخت سنگ باری کی۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:

''اصطخر میں نہایت شدید مقابلہ ہوا اور منجنیقوں سے سنگ باری کی گئی جس سے فارسیوں کے بہت سے آدمی مر گئے اور گھر میں بیٹھے ہوئے لوگ کافی تعداد میں موت کی نیند سو گئے۔'' (ابن اثیر: ۳/۵۰)

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس مقابلہ میں اہل فارس کے چالیس ہزار آدمی کام آئے۔ (فتوح بلدان: ص ۳۹۷)

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ فتح مدائن کے بعد ایرانی بادشاہ یزدجرد اور اس کے امراء، وزراء مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور انہوں نے قریباً ہر شہر میں لوگوں کو انگیخت دے کر بغاوت پر ابھارنا چاہا جس کی وجہ سے بعض شہروں میں بغاوت ہوگئی۔ اصطخر بھی ان شہروں میں سے ایک تھا۔ یہاں بھی بغاوت انہی امراء کی سازشوں اور اندرونی اشتعال انگیزیوں کے باعث ہوئی۔ لہٰذا سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اصطخر کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد ایسے تمام امراء، وزراء افراد کا قلع قمع کر دیا اور انہیں اس طرح پامال کیا کہ پھر انہیں کبھی اٹھنے اور بغاوت کے جراثیم پھیلانے کا موقع نہ ملا۔ (فتوح البلدان: ص ۳۹۷، ابن اثیر: ۳/۵۰، ابن خلدون: ج ۲)

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس فتح کے بارے میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ جواب میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ وہ فارس کے شہروں پر ہرم ابن حیان الشکری، ہرم بن حیان العبدی، خریت بن راشد، منجاب بن راشد کو والی مقرر کر دیں اور یہ بھی حکم دیا کہ احنف مروین پر اور حبیب بن قرہ الیربوعی کو بلخ پر اور خالد بن عبداللہ کو زہیر کو ہرات پر اور امیر بن احمر کو طوس پر اور قیس بن ھبیرہ اسلمی کو نیشاپور پر عامل مقرر کر دیں۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ، شریک بن اعور الحارثی کو اصطخر پر والی مقرر کر کے خود بصرہ واپس لوٹ آئے۔ (ابن اثیر: ۳/۵۰۔۵۱)

خراسان اور طبرستان کی فتح:

۳۰ھ میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے دو مختلف راستوں سے

خراسان اور طبرستان پر چڑھائی کی۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں اس وقت کے بڑے بڑے جلیل القدر حضرات نے شرکت کی جن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۴، طبری: ۳/۳۲۳، ابن اثیر: ۳/۴۵، فتوح البلدان: ص ۳۴۲)

سعید بن عاص رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے پہلے خراسان پہنچ گئے اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے ابن عاص رضی اللہ عنہ نے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔ (طبری: ۳/۳۲۳، ابن اثیر: ۳/۵۴)

بعض روایات میں ہے کہ چونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خراسان کی طرف مختلف علاقوں میں بغاوت پھوٹ پڑی تھی اس وجہ سے عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے فارس کی مہم سے فارغ ہو کر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ان علاقوں کی طرف پیش قدمی کی اجازت طلب کی۔ جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی تو آپ زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور ابن خلدون کے بیان کے مطابق زیاد بن عامر کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے عازم خراسان ہو گئے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے بہت سے شہروں پر چڑھائی کی، وہاں کے حکمرانوں نے بہت سا مال دے کر ان سے صلح کر لی۔ یہاں تک کہ وہ جرجان تک پہنچ گئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۴)

اہل کرمان نے بھی چونکہ غداری کی تھی۔ اس لیے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی رسول سیدنا مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ کو کرمان پر لشکر کشی کے لیے روانہ کیا اور ربیع بن زیاد الحارثی رضی اللہ عنہ کو سیستان پر چڑھائی کے لیے بھیجا کیونکہ انہوں نے اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔

ان دونوں حضرات کو رخصت کرنے کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ خود نیشاپور کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ ان کے مقدمۃ الجیش پر تھے یہ سب سے پہلے طبسین پہنچے جو دو مشہور قلعے اور خراسان کے دروازے تھے۔ یہ دونوں قلعے نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔ اس کے بعد قوہستان پہنچے۔ اہل شہر قلعہ بند ہو گئے، احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے ان پر منجنیقوں کے ذریعہ سے سنگ باری کی۔ اتنے میں سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ

بھی اپنی افواج کے ساتھ آ گئے۔ اہل قوہستان نے جب دیکھا کہ وہ لشکر اسلام کی سنگ باری اور حملہ کی شدت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو انہوں نے پہاڑوں کی سمت جان بچانے کے لیے بھاگنا شروع کر دیا۔ جب دیکھا کہ وہاں بھی کوئی جائے پناہ نہیں ہے تو ۶ لاکھ سالانہ درہم جزیہ پر لشکر اسلام سے صلح کر لی اور اسلامی حکومت کے باجگزار ہو گئے۔ (فتوح البلدان: ص ۴۱۰)

روایات میں ہے کہ جب عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ بصرہ سے خراسان کی فتح کے ارادے سے نکلے تو وہ سعید رضی اللہ عنہ سے پہلے نیشاپور پہنچ گئے اور سعید رضی اللہ عنہ قومس میں ٹھہر گئے پھر جرجان پہنچے اور اہل جرجان نے دو لاکھ پر صلح کر لی۔ پھر طمیسہ آئے، یہ ساحل سمندر پر طبرستان کا ایک شہر ہے۔ اہل شہر نے جم کر مقابلہ کیا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جب مقابلہ زیادہ سخت ہوا تو سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطابق نماز خوف ادا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے دشمنوں کے دلوں پر اہل اسلام کا رعب ڈال دیا اور وہاں کے لوگوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے سوائے ایک آدمی کے باقی سب کو قتل کر دیا۔

فقتلوا اجمعین الا رجلاً واحدًا.

''پس مسلمانوں نے سب اہل قلعہ کو قتل کر دیا، سوائے ایک آدمی ہے۔''

(ابن اثیر: ۳/۵۴، طبری: ۳/۳۲۴)

اس کے بعد سعید رضی اللہ عنہ نے نامیہ نامی شہر کو فتح کیا۔ (بعض روایات میں ہے کہ نامیہ شہر نہیں ہے بلکہ صحرا ہے) اور یہاں سعید رضی اللہ عنہ کے لشکر میں محمد بن الحکم کا انتقال ہو گیا۔ پھر سعید رضی اللہ عنہ کوفہ واپس تشریف لے گئے۔

نیشاپور کے سقوط نے آس پاس کے چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں رہنے والوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ ادھر سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے مختلف فوجی افسروں کی ماتحتی میں تھوڑی تھوڑی فوج دے کر انہیں نیشاپور کے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کر دیا۔ چنانچہ اسی سلسلے میں ابوسالم یزید بن یزید الجرشی رضی اللہ عنہ کو رستاق زام کی طرف روانہ کیا۔ ابوسالم یزید رضی اللہ عنہ جب رستاق زام پہنچے تو اہل شہر نے مزاحمت کی، لیکن اسلامی لشکر کے حملے کی تاب نہ لا کر جلد ہی صلح کر لی اور باجگزار بن گئے۔ اس کے بعد ابوسالم یزید نے باخرز پر حملہ کیا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس کو بھی فتح کر لیا، پھر جوین پر لشکر کشی کی اور اس کو بھی جلد ہی مسخر کر لیا۔

(فتوح البدان: ص ۴۱۰)

سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ نے الاسود بن کلثوم العدوی کو نیشاپور کی ایک تحصیل بیہق کی طرف روانہ کیا۔ اہل شہر نے شہر کے دروازے بند کر لیے۔ اتفاق سے بیہق کی شہر پناہ میں ایک بہت بڑا سوراخ تھا۔ اسود اسی سوراخ کے راستے فوج کا ایک دستہ لے کر شہر میں داخل ہو گئے۔ دشمن نے شہر پناہ میں ان کے دستے کو گھیر لیا۔ اسود نہایت دلیری اور جانبازی سے لڑے۔ خوب رن پڑا حتیٰ کہ اسود نے اپنے ساتھیوں سمیت جام شہادت نوش کیا۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی ادہم بن کلثوم نے علم سنبھالا اور بہت جوش وخروش اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح ونصرت عطا فرمائی اور ان کے ہاتھوں بیہق فتح ہو گیا۔ روایات میں ہے کہ اسود اپنی زندگی میں حق تعالیٰ کے حضور اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ!

ان يحشره من بطون السباع والطير.

''مجھے قیامت کے دن درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں سے اٹھانا۔''

(فتوح البلدان: ص ۴۱۱)

اس وجہ سے ان کے بھائی ادہم نے ان کے تمام شہداء ساتھیوں کو تجہیز وتکفین کے بعد دفن کر دیا۔ لیکن ان کی لاش کو درندوں اور پرندوں کی خوراک کے لیے ان کی حسب خواہش ویسا ہی چھوڑ دیا۔

اسی دوران سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے نیشاپور کے علاقے میں بشت اشبند، رخ، زادہ، خواف، اسفرائن، ارغیان کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے ابر شہر جو کہ نیشاپور کا ایک شہر ہے، کا رخ کیا۔ اہل شہر قلعہ بند ہو گئے۔ چنانچہ ان کا کئی ماہ تک محاصرہ کیا گیا۔ شہر کے چار حصے تھے اور ہر حصے پر ایک حکمران تھا جس کو مرزبان کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک مرزبان نے اس شرط پر رات کو دروازہ کھولنے کا وعدہ کیا کہ اگر اس کو امان دی جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس کی اس شرط کو منظور کر لیا۔ چنانچہ اس نے رات کو شہر پناہ کا دروازہ لشکر اسلام کے لیے کھول دیا۔ اسلامی لشکر شہر میں داخل ہو گیا لیکن ان چاروں میں جو بڑا مرزبان تھا وہ اسلامی لشکر کو دیکھ کر گھبرا گیا اور اسی حواس باختگی کے عالم میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ اسلامی سپاہ نے قلعہ پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے اس نے مجبور ہو کر دس لاکھ سالانہ درہم خراج قبول کر کے صلح کر لی۔ (بعض روایات میں ۷ لاکھ سالانہ آیا ہے) نیشاپور کی فتح کے بعد عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن خازم السلمی رضی اللہ عنہ کو حمراندز جو کہ نس کی ایک تحصیل ہے،

کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اس پر حملہ کر کے نہایت آسانی سے اسے فتح کرلیا اور انہوں نے تین لاکھ درہم سالانہ پر اس سے صلح کر لی۔ (فتوح البلدان: ص ۴۱۱)

اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن حازم رضی اللہ عنہ کو ابی درد کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے باشندوں نے چار لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی پھر عبداللہ ابن خازم رضی اللہ عنہ سرخس کی طرف روانہ ہوئے۔ حاکم سرخس نے دو چار لڑائیوں کے بعد سو آدمیوں کی امان پر شہر اہل اسلام کے سپرد کردیا۔ حاکم طوس نے چھ لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر مصالحت کر لی۔

طوس کو فتح کرنے کے بعد عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر وس بن ثعلبہ کی سرکردگی میں (اور بعض روایات میں خلیہ بن عبداللہ الحنفی آیا ہے) ہرات روانہ کیا۔ یہ سن کر ہرات کے حکمران نے اپنے ایلچی مصالحت کے لیے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ نے ہرات، بادغیس اور بوشنج کے لیے دس لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی اور یہ معاہدہ لکھا:

> ''یہ معاہدہ عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ اور ہرات، بادغیس اور بوشنج کے حکمرانوں کے مابین طے پایا کہ اس کو اللہ کے خوف، مسلمانوں کی خیر خواہی اور رعایا کی اصلاح و بہبود کے لیے حکم دیا جاتا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہرات کی وادیوں اور پہاڑوں کی طرف سے معاہدہ مذکور کے مطابق جزیہ ادا کرے گا اور رعایا سے عدل و انصاف سے پیش آئے گا اور اگر اس نے ان باتوں سے اجتناب کیا تو معاہدہ منسوخ اور باطل ہو جائے گا اور ہماری طرف سے اس کے لیے کوئی تحفظ نہیں ہوگا۔''

(فتوح البلدان: ص ۴۱۲)

اس معاہدہ کو ربیع بن نہشل نے لکھا ہے اور عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اس پر مہر لگائی۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ خود لشکر لے کر ہرات کی جانب گئے۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر صلح کر لی اور دس ہزار درہم سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔

پھر سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے حاتم بن النعمان الباہلی کو مرو کی جانب روانہ کیا، لیکن انہوں نے بیس لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ ان کی صلح میں یہ شرائط تھیں کہ:

① وہ اہل اسلام کو اپنی منازل میں کافی اور وسیع جگہ دیں۔

(۲) اور مال کی تقسیم اہل مرو کے ذمہ ہے۔
(۳) اور مسلمانوں کے ذمہ صرف اس مال کا لینا ہے۔

اس صلح نامہ کے تحت سوائے سنج کے علاقہ کے باقی تمام مرو نے صلح کر لی، اس علاقہ پر بعد میں بزور شمشیر قبضہ کر لیا گیا۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اہل مرو نے صلح کے بعد جزیہ کے طور پر غلام، کنیزیں، چوپائے اور دوسری قسم کا مال و متاع دیا کیونکہ ان کے پاس روپیہ پیسہ نہ تھا۔ (فتوح البلدان: ص ۴۱۲)

طخارستان کی فتح:

مرو اور ہرات کی فتح کے بعد سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ نے سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ صحابی رسول کو ایک لشکر کا قائد بنا کر طخارستان کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ احنف رضی اللہ عنہ لشکر کو لے کر ''قصر الاحنف'' تک پہنچے جو مرو الروز کا ایک قلعہ ہے۔ انہوں نے اہل شہر کا محاصرہ کر لیا اور تین لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح ہوئی۔ احنف رضی اللہ عنہ نے اس صلح کو اس شرط پر منظور کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص ''قصر الاحنف'' جا کر بلند آواز سے اذان دے اور وہاں نماز پڑھ کر واپس آئے۔ حاکم شہر نے اس شرط کو قبول کر لیا اور آپس میں صلح ہو گئی۔

اس کے بعد احنف بن قیس رضی اللہ عنہ مرو الروز پہنچے اور اہل شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دونوں طرف سے سخت مقابلہ ہوا لیکن نتیجہ میں مسلمانوں نے دشمن کو شکست دی اور وہ مجبوراً قلعہ بند ہو گیا۔ مرو الروز کا حاکم باذام والیٔ یمن کی (جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غیبی اطلاع کے صحیح ثابت ہونے پر مشرف باسلام ہو گیا تھا) اولاد میں سے تھا۔ اس نے سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ میرے جد امجد باذام کا آپ لوگوں کے دین کو قبول کرنا مجھے اس بات کی طرف مائل کرتا ہے کہ تم لوگوں سے صلح کر لوں، چنانچہ اس نے ۶ لاکھ درہم سالانہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

یہ روایت ابو عبیدہ کی ہے لیکن ابو عبیدہ کے ماسواء دوسرے راوی یوں روایت کرتے ہیں کہ مرو الروز کی فتح کے بعد طخارستان کے لوگوں نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں اور اہل جرجان، اہل طالقان اور اہل فاریاب کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جمع کیا۔ ان کی تعداد تیس ہزار کے قریب تھی۔ پھر ان کے ساتھ اہل صغانیان بھی آ ملے اور تعداد میں مزید

اضافہ ہو گیا۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کو دشمن کی تعداد کی اس کثرت پر کچھ فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ وہ اس صورت حال پر سوچ بچار کرنے کے لیے اپنے خیمے میں تشریف لائے اور کافی دیر تک سوچتے رہے لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر اسی تشویش کے عالم میں خیمے سے باہر نکلے اور سپاہیوں کے کیمپ کی طرف نکل گئے۔ دیکھا کہ ان کی فوج کے سپاہی آپس میں اس معاملہ کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ ایک بولا کہ دشمن کو شکست دینے کی صرف ایک صورت ہے کہ ہمارا کمانڈر فوراً دشمن کی طرف پیش قدمی کر دے اور جس جگہ مٹھ بھیڑ ہو، وہیں دشمن سے الجھ جائے۔ دوسرا سپاہی جو ہنڈیا کے نیچے آگ دہکا رہا تھا یا آٹا گوندھ رہا تھا، بولا میں تمہاری رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔ صحیح اور صائب رائے یہ ہے کہ ہمارا کمانڈر پہاڑ کی گھاٹی میں داخل ہو کر مرغاب (ایک نہر تھی جو مروالروز کی طرف جاتی تھی) اور پہاڑ کے درمیان اس طرح اترے کہ مرغاب دائیں جانب اور پہاڑ بائیں جانب ہو۔ اس طریقے سے جنگ کرنے میں دشمن کی کثرت تعداد اس کے کسی کام نہ آئے گی کیونکہ وادی میں جتنی تعداد ہماری فوج کی آئے گی۔ اتنی ہی دشمن کی آئے گی۔ لہٰذا مقابلہ برابر کا ہوگا۔ اس سپاہی کی یہ رائے سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آئی اور انہوں نے تہیہ فرما لیا کہ اس رائے پر عمل کروں گا۔

سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت صرف ۵ ہزار فوج تھی۔ چار ہزار عربی سپاہی اور ایک ہزار عجمی سپاہی اور دشمن کے لشکر کی تعداد ۴۰۔۴۵ ہزار کے قریب تھی۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے اسی قلیل فوج کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ دوسرے ہی روز وہ اسلامی پھریرا ہوا میں لہراتے ہوئے دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن نے بھی جوابی حملہ کیا، بڑے زور کا رن پڑا۔ صغانیاں کا بادشاہ مسلمانوں کی فوج کے کمانڈر سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کی تلاش میں تھا۔ اچانک دونوں کی مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ صغانیاں کے بادشاہ نے سیدنا احنف رضی اللہ عنہ پر اپنے نیزے سے حملہ کیا۔ احنف رضی اللہ عنہ طرح دے گئے اور وار خالی گیا۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے نہایت پھرتی سے اس کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا۔ اب وہ خالی ہاتھ تھا۔ احنف رضی اللہ عنہ نے بادشاہ کو فوراً قتل کر دیا اور اس کے ساتھ تین طبل داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں کفار کو مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست دلوائی اور ان کے سب کمانڈر ذلیل ہو کر مارے گئے۔ سرداروں کا مرنا تھا کہ لشکر اعداء سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور تمام اسلحہ میدان جنگ میں چھوڑ گیا جو اہل اسلام کے قبضے میں آ گیا۔ دشمن کی شکست کے بعد احنف رضی اللہ عنہ مروالروز واپس آ گئے، لیکن

دشمن کی ہزیمت خوردہ فوج کے کچھ دستے جوزجان پہنچ گئے۔ ان کی سرکوبی کے لیے احنف رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس التمیمی رضی اللہ عنہ کو ایک سوار دستے کے ساتھ جوزجان بھیجا۔ سیدنا اقرع رضی اللہ عنہ نے بنوتمیم کے لوگوں کو جوان کے ساتھ تھے، مخاطب کر کے فرمایا:

یابنی تمیم! احابوا وتباذلوا تعتدل امورکم وبدوا بجهاد بطونکم وفروجکم یصلح لکم دینکم ولا تغلوا یسلم لکم جهادکم.

''اے بنی تمیم! آپس میں محبت کرو اور ایک دوسرے پر مال خرچ کرو۔ اپنے معاملات کو درست رکھو اور اپنے پیٹوں اور شرمگاہوں سے جہاد کو شروع کرو۔ حق تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے دین کو بہتر بنا دے گا۔ غلو نہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے جہاد کو امن وسلامتی والا بنا دے گا۔'' (فتوح البلدان: ص ۴۱۴)

سیدنا اقرع رضی اللہ عنہ نے دشمن کا تعاقب کیا اور جوزجان میں دشمن سے سخت مقابلہ ہوا۔ پہلے تو لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن دشمن پر ایسا زبردست حملہ کیا گیا کہ کافر منہزم ہو گئے اور جوزجان فتح ہو گیا۔

سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے طالقان اور فاریاب کو بھی فتح کیا اور وہاں کے باشندوں نے ان سے صلح کر لی۔ ایک روایت میں ہے کہ احنف رضی اللہ عنہ نے فاریاب کو فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس کو فتح کرنے کا سہرا امیر بن احمر کے سر ہے۔

بلخ کی فتح:

طالقان اور فاریاب کو فتح کرنے کے بعد سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے بلخ کی جانب لشکر کشی کی۔ بلخ طخارستان کا ایک شہر ہے۔ جب اہل شہر کو مسلمانوں کی پیش قدمی کا پتہ چلا تو انہوں نے فوراً چار لاکھ درہم سالانہ اور دوسری روایت کے مطابق ۷ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے بلخ کا علاقہ اسید بن المتشمس کی تحویل میں دے کر فوراً خوارزم کی جانب پیش قدمی کی۔ خوارزم کا پورا علاقہ دریائے جیحون کے پانی سے سیراب ہوتا ہے اور اس کا مشرقی شہر ہے۔ اہل خوارزم کو جب مسلمانوں کی پیش قدمی کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے دریا کے پل توڑ دیئے اور تمام کشتیاں اور دریا عبور کرنے کی دوسری اشیاء کو وہاں سے ہٹا دیا تاکہ مسلمان دریا کو عبور کر کے خوارزم پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ چنانچہ واقعی اسید اور ان کا لشکر دریا

عبور کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ لہٰذا وہ واپس بلخ آ گئے۔ بعد میں اہل بلخ نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے مادون النہر کا سارا علاقہ فتح کرلیا۔ جب اہل ماوراء النہر کو ان کی اس فتح کی اطلاع ملی تو انہوں نے صلح کی پیش کش کر کے سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دریائے جیحون کو عبور کر لیا اور ایک ایک قصبے اور قریہ میں جا کر اس کو فتح کیا۔ خراج اور جزیے کے طور پر مختلف علاقوں نے چوپائے، غلام، کنیزیں، کپڑے، ریشم اور بہت سامال ان کی خدمت میں پیش کیا۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا حج شکرانہ:

سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ اموی کو ۲۹ھ میں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔ عنفوان شباب اور ناتجربہ کاری، لیکن اس کے باوجود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نگاہ بصیرت اور مومنانہ ذہانت ان کی اندرونی تمام قابلیتوں اور صلاحیتوں سے وقف و آشنا تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ الذہن، تجربہ کار اور پختہ کار بزرگ کو ہٹا کر ان کی جگہ بصرہ کی گورنری پر ان کو مقرر فرمایا اور تاریخ کے اوراق اس بات کی بیّن شہادت دیتے ہیں کہ جو امیدیں اور توقعات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے وابستہ کی تھیں آپ نے ان سب کو صحیح ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ انہوں نے چار پانچ سال کے قلیل عرصہ میں اتنے شہروں کو فتح کیا کہ دنیا کے عظیم فاتح اور بڑے بڑے حکمران ان کی اس فتح یابی پر انگشت بدنداں ہیں۔ ان فتوحات سے ایک طرف تو اسلامی مملکت کے طول وعرض میں اضافہ ہوا اور دوسری طرف کروڑہا روپیہ مال غنیمت اور خراج و جزیہ کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مال و دولت کی کثرت اور فراوانی اس قدر ہوئی کہ دارالخلافت میں ایک خزانہ (EXCHEQUER) بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ روایات میں آتا ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو دل کھول کر مال و دولت سے نوازا اور اتنا زرنقد تقسیم کیا کہ مدینہ طیبہ کے ہر مسلمان کو ہزار ہزار بدرے ملے جن میں چار چار ہزار اوقیہ تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ان فتوحات نے محاذ کا ہر سپاہی اور مدینہ طیبہ کا ہر فرد متاثر تھا اور ان کی قابلیت اور ذہانت کی توصیف و تحسین میں رطب اللسان تھا۔ اکثر لوگ تو ان

کے سامنے بھی یہ کہتے کہ جس قدر فتوحات آپ کے زور بازو سے ہوئی ہیں۔ اس قدر کسی اور سے نہیں ہوئیں لیکن ایک مسلمان ہر کار خیر اور دست و بازو کے ثمرات کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ مالک حقیقی اللہ رب العزت کے فضل وکرم کا نتیجہ شمار کرتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں کو یہ جواب دیتے جو ان کی اس قدر فتوحات پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتے، کہ ''اس خالق حقیقی اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ جیسے ضعیف و ناتواں کے ہاتھوں سے اس قدر بلاد و امصار کو مفتوح کروایا۔ لہٰذا میں شکرانے کے طور پر اپنی جائے اقامت سے احرام باندھ کر حج بیت اللہ (اور ایک روایت میں عمرہ کا ذکر ہے) کروں گا۔'' (فتوح البلدان: ص ۴۱۵)

چنانچہ انہوں نے ان فتوحات کے بعد خراسان پر قیس بن ہشیم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور نیشاپور سے حج بیت اللہ کا احرام باندھا۔ احرام باندھ کر سب سے پہلے وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ آئے۔ اور پھر حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور حج شکرانہ بجالائے۔

علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ احرام باندھ کر وہ پہلے مکہ مکرمہ گئے اور وہاں سے حج کر کے مدینہ طیبہ آئے اور مال غنیمت کا معتد بہ حصہ مہاجرین و انصار میں تقسیم کیا جس سے اہل مدینہ بہت متاثر ہوئے۔ یہ سب فرائض انجام دے کر وہ پھر واپس بصرہ تشریف لے گئے۔ (اسد الغابہ: ۳/۱۳۱)

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی غیر حاضری کے زمانہ میں سیدنا قیس بن ہشیم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب اور جانشین مقرر فرمایا تھا۔ لہٰذا ان کے جانے کے بعد اس خیال سے کہ فتوحات کا سلسلہ رکے نہ، انہوں نے طخارستان کی سرزمین کا رخ کیا۔ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

فلم یات بلدا منها الا صالحة اهله فاذعنو اله.

''اس سرزمین میں کوئی شہر ان کے راستے میں ایسا نہ آیا کہ وہاں کے باشندوں نے ان سے مصالحت نہ کر لی ہو۔''

ان سب شہروں کا دست مصالحت و اطاعت دراز کرنا بغیر کسی مزاحمت کے تھا، لیکن جب آپ سمنجان (اور بقول ابن خلدون سنجار) پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے ان کی مزاحمت کی، لیکن قیس بن ہشیم رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور بزور شمشیر شہر کو فتح کر لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی غیوبت کے دوران خراسان پر تین حضرات کو والی مقرر فرمایا۔

① احنف ابن قیس رضی اللہ عنہ

② حاتم بن النعمان رضی اللہ عنہ

③ قیس بن الہشیم رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام میں سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ فاتحین عالم کے لیے ہمیشہ حیرت و استعجاب کا باعث بنا رہے گا کہ انہوں نے تین چار سال کے قلیل عرصہ میں عجم میں فتوحات کا دروازہ کس طرح کھول دیا، اور اصطخر، کاربان، قیشجان، قستان، جوین، بہق، بشت، اشبند، رخ، زادہ، خواف، اسبرائن، ارغیان، سرخس، طوس، ہرات، باوغیس، لوشج، مرو، طخارستان، مروالروز، جوزجان، طالقان، فاریاب، نیشاپور، بلخ وغیرہ گویا ایران کے غیر مفتوحہ علاقوں سے لے کر خراسان اور ماوراالنہر تک کا سارا علاقہ کس جنگی مہارت، بہادری اور حوصلہ مندی سے فتح کیا۔

یہ تھی ان علاقوں کی فتوحات کی مختصر داستان جس کو ہم نے زیادہ علامہ احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری کی مشہور و معروف تصنیف سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ فتوحات کے سلسلہ میں یہ کتاب کئی لحاظ سے ثقہ بھی ہے۔ دوسرے علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے مختلف رواۃ اور مؤرخین کی کتابوں سے فتوحات کے بارے میں ہر قسم کی روایات جمع کر دی ہیں۔

کرمان کی فتح:

عہد فاروقی میں اسلامی لشکر نے کرمان پر حملہ کیا تھا اور اسلامی فوجوں نے جیرفت اور شیرجان کی طرف پیش قدمی بھی کی لیکن یہ علاقہ باقاعدہ طور پر اسلامی مملکت میں داخل نہ ہو سکا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جب زمام خلافت آئی تو بصرہ کے گورنر سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک جرنیل ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ کرمان پر فوج کشی کے لیے بھیجا۔ ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے شیرجان کے گردونواح کا علاقہ اور بم اور اندغار کو فتح کر لیا لیکن مؤخر الذکر دونوں علاقوں کے لوگوں نے جزیہ دے کر صلح کر لی۔ (فتوح البلدان: ص ۳۹۹)

کرمان ایک اچھا خاصہ وسیع علاقہ ہے۔ اس کے مغرب میں فارس، مشرق میں

سیتان، جسے عرب سجستان کہتے ہیں۔ شمال میں کوہستان اور جنوب میں مکران اور بحر عمان ہے۔
اس کا دارالسلطنت جیرفت ہے۔ دوسرے مشہور شہر حسب ذیل ہیں:

شیرجان، ہرموز، ماہان، کوغون، بم، فہرخ، قفص، بافت، جتر وغیرہ۔

شیرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر ہے اور اس کا تجارتی مرکز یا تجارتی شہر بھی ہے،
اس کا دارالحکومت جیرفت ہے۔

سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ جب خراسان گئے تو انہوں نے مجاشع بن مسعود السلمی کو کرمان کی مہم سر کرنے کے لیے متعین فرمایا کیونکہ کرمان کا جس قدر علاقہ خلافت فاروقی میں فتح ہوا تھا وہاں کے لوگوں نے نقض عہد کر کے بغاوت کر دی تھی۔ انہوں نے کرمان میں اپنے داخلے کے ساتھ ہی حمید کو بزور شمشیر فتح کیا اور اہل شہر کو امان دی اور وہاں ''قصر مجاشع'' کے نام سے ایک گورنمنٹ ہاؤس تعمیر کیا۔ (ابن اثیر: ۳/۶۴)

اس کے بعد مجاشع رضی اللہ عنہ نے بروخروہ فتح کیا۔ پھر شیرجان جو کہ کرمان کا ایک بہت بڑا شہر ہے پہنچے اور چند روز قیام فرمایا۔ اہل شہر اسلامی لشکر کو دیکھ کر قلعہ بند ہو گئے۔ مجاشع رضی اللہ عنہ نے اس سے باقاعدہ جنگ کی اور شکست فاش دی اور ان لوگوں کو جنہوں نے جزیہ دینے سے انکار کیا جلاوطن کر دیا اور جنہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا اور ان کو شہر میں بودوباش اور قیام کی اجازت دے دی۔ پھر اپنے ساتھیوں میں سے ایک کے سپرد وہاں کا انتظام کر کے بم کا رخ کیا۔ بم اور اندغار کے لوگوں نے خلافت فاروقی میں اہل اسلام سے خراج کے وعدہ پر صلح کر لی تھی لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ اپنے وعدے سے منحرف ہو گئے اور حکومت اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ لہٰذا مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان دونوں شہروں کو دوبارہ بزور شمشیر فتح کیا پھر کرمان کا دارالحکومت جیرفت فتح کیا اور اس کے اطراف کو فتح کرتے ہوئے قفصہ پہنچے۔ یہاں جلاوطن لوگوں اور مقامی لوگوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر اہل اسلام کے مقابلے کے لیے جمع ہو گیا لیکن اسلامی لشکر نے ان پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے لشکر نے مسلمانوں کے اس زبردست حملے کو بڑی قوت اور طاقت سے روکا اور بڑی شجاعت اور بسالت کے کارنامے دکھائے۔ لیکن ہزیمت اور شکست ان کے مقدر میں تھی۔ لہٰذا بری طرح شکست کھائی اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان جنگ سے بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن اکثر ایرانی کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے راستے مکران اور سجستان بھاگ گئے اور بہت سے آدمی اسی

دار و گیر میں مارے گئے۔

جو لوگ کرمان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، لشکر اسلام نے ان کے مکانات اور اراضی پر قبضہ کر لیا اور ان کی اراضی کو خوب آباد کیا۔ خود کرمان میں بھی زراعت کو ترقی دینے کے لیے جگہ جگہ نہریں کھدوائیں اور اس بنجر اور غیر آباد خطے کو سرسبز و شاداب کر کے جنت نظیر بنا دیا۔

(ابن اثیر: ۶۴/۳، فتوح البلدان: ص ۳۹۹)

سجستان کی فتح:

سجستان جس کو سیستان بھی کہا جاتا ہے، کرمان کے مغرب میں واقع ہے اور اس کا حدود اربعہ یہ ہے:

شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کرمان، کوہستان،، آمل، فرہ وغیرہ شہر ہیں۔

۲۳ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سجستان کی فتح کی مہم عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ چنانچہ عاصم رضی اللہ عنہ جب اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے تو عبداللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ان سے مل گئے۔ جب اسلامی لشکر سجستان کی سرحد پر پہنچا تو اہل سجستان اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر لشکر اسلام کے مقابلہ میں صف آراء ہو گئے۔ میدان جنگ میں سخت مقابلہ ہوا۔ مسلمان بھوکے بازوں کی طرح ان پر جھپٹتے اور شیر نیستان کی طرح ان پر حملہ آور ہوتے۔ اہل سجستان مقابلہ کی تاب نہ لا کر سجستان کے دارالحکومت زرنج میں قلعہ بند ہو گئے۔ لشکر اسلام نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اپنے فوجی دستوں کو گرد و نواح کی بستیوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔ بستیوں والے مسلمانوں کے لشکر سے اس کی مسلسل کامیابیوں کے باعث پہلے ہی خوفزدہ تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کے دستے جس بستی میں بھی جاتے، بستی کے باشندے فوراً دست مصالحت ان کی طرف بڑھا دیتے اور جزیہ دینا قبول کر لیتے جو لوگ لشکر اسلام کا مقابلہ کرتے وہ نہایت بری طرح پامال ہوتے۔ زرنج کے مدافعین کو یہ سب خبریں برابر مل رہی تھیں۔ لہٰذا انہیں پورا یقین ہو گیا کہ اگر محاصرے نے طول کھینچا تو ان کا ملک بالکل تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ مسلمان ان کے کھیتوں اور باغات کو پامال اور برباد نہیں کریں گے۔ صلح کی اس شرط کے طے ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ وہ ان کے کھیتوں سے بچ بچ کر چلتے تاکہ

کہیں نقصان نہ پہنچ جائے اور ہم پر نقض شرط کا الزام عائد نہ ہو جائے۔ چنانچہ دونوں فریق (اہل اسلام اور اہل سجستان) اپنی اپنی شرائط کا برابر احترام کرتے رہے۔

جب سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ خراسان تشریف لے گئے اور وہاں کرمان کے شہر شیر جان گئے تو وہاں سے انہوں نے ربیع بن زیاد الحارثی کو سجستان فتح کرنے پر مامور فرمایا۔ ربیع سب سے پہلے فہرج آ گئے اور پھر وہاں سے نہایت سرعت کے ساتھ منزلیں طے کرتے ہوئے قلعہ زالق گئے۔ زالق اور سجستان کے درمیان صرف پانچ فرسخ کا فاصلہ ہے۔ آپ نے ان کے نوروز کے دن ان پر حملہ کیا اور ان کے حکمران کو گرفتار کر لیا۔ حاکم زالق نے اپنی جان بچانے کی خاطر ایک نیزہ زمین کے برابر سونا اور چاندی پیش کیا۔ یعنی نیزے کو زمین میں گاڑ دیا گیا اور اس پر اتنا سونا اور چاندی رکھا کہ وہ زمین میں چھپ گیا۔ سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ نے اس کی پیشکش کو منظور کر کے ان کا خون معاف کر دیا اور صلح کر لی۔

(ابن اثیر: ۳/۶۴، فتوح البلدان: ص ۴۰۰)

پھر سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ نے کرکویہ پر حملہ کیا اور وہاں کے باشندوں نے صلح کر لی، پھر وہ زرنج کی طرف بڑھے اور زرنج کے قریب روشت نامی شہر میں قیام کیا۔ اہل زرنج نے کھلے میدان میں اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ کچھ مسلمان سپاہی کام آئے اور کچھ زخمی ہوئے اور دشمن کے بھی بہت سے آدمی کھیت رہے۔ مسلمان نے دوبارہ اتنا شدید حملہ کیا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر ناشروز اور شرواز پر حملہ کیا اور ان دونوں شہروں کو فتح کرنے کے بعد اسلامی لشکر نے زرنج کا محاصرہ کیا۔ اہل شہر نے خوب مقابلہ کیا، لیکن مسلمانوں کی فوج کے سامنے ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر انہوں نے اپنے حاکم کی معرفت سپہ سالار لشکر اسلامی کو صلح کی درخواست کی اور حاکم شہر صلح کی شرائط پر بات جیت کے لیے اپنی جان کی امان لے کر لشکر اسلامی میں حاضر ہوا۔ اس سے گفتگو کرنے کے لیے سیدنا ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ اس طرح بیٹھے کہ ایک مقتول پر وہ بیٹھے ہوئے تھے اور دوسرے مقتول پر تکیہ لگایا ہوا تھا۔ انہوں نے دوسرے مسلمان افسروں کو بھی اسی طرح بیٹھنے کے لیے کہا۔ چنانچہ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس بیٹھک کا حاکم زرنج پر اس قدر اثر ہوا اور وہ اتنا مرعوب ہو گیا کہ ربیع رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھے ہوئے کانپ رہا تھا اور اس نے مسلمانوں سے ایک ہزار غلام اور ہر غلام کے ساتھ ایک سونے کا پیالہ دے کر صلح کر لی۔ صلح کے

بعد اسلامی فوجیں فاتحانہ انداز میں شہر میں داخل ہو گئیں۔

(ابن اثیر: ۵۶/۳، فتوح البلدان: ص ۴۰۱)

پھر سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ سناروز کی وادی کو عبور کر کے القریہ میں پہنچے، جہاں پہلوان رستم (ایران کا وزیر جنگ) کے گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ (مربط) تھی۔ یہاں کے لوگوں نے اسلامی لشکر کی مزاحمت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہوئی، لیکن اسلامی لشکر مظفر و منصور رہا۔ القریہ (فتوح البلدان نے شہر کا نام القریتین لکھا ہے) کو فتح کرنے کے بعد سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ زرنج واپس آ گئے اور وہاں ایک سال کے قریب قیام فرمایا۔ ایک سال کے قیام کے بعد وہاں ایک شخص کو اپنا جانشین مقرر کر کے سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ سیدنا ربیع رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ ڈیڑھ سال ہے اور جب یہ واپس لوٹے تو چالیس ہزار افراد ان کی قید میں تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ربیع رضی اللہ عنہ اتنی جلیل القدر شخصیت تھے کہ سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ عنہ ان کے کاتب تھے۔ (ابن اثیر: ۱۶۵/۳، فتوح البلدان: ص ۴۰۱)

سیدنا ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کے سیدنا ابن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ جانے کے بعد اہل زرنج نے سرکشی اور بغاوت کا علم بلند کر دیا اور مقررہ خراج مسلمانوں کو دینا بند کر دیا اور مسلمان عامل جن کو ربیع رضی اللہ عنہ زرنج میں اپنا نائب مقرر کر آئے تھے، نکال باہر کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو سجستان کا حاکم مقرر کر کے زرنج کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے آتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ آخر اہل شہر نے طویل محاصرہ سے تنگ آ کر ۲۰ لاکھ درہم سالانہ اور دو ہزار غلاموں کے بدل میں صلح کر لی۔ (ابن اثیر: ۶۵/۳)

اس کے بعد صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کر کے زرنج اور کش (یہ شہر جرجان سے تیس فرسخ کے فاصلہ پر ہے) جو ہندوستان کے ایک کونے میں واقع ہے۔ (آج کل بلوچستان کے صوبے مین شامل ہے) قبضہ کر لیا۔

(فتوح البلدان: ص ۴۰۱، ابن اثیر: ۶۵/۳)

پھر کابل کے قریب ایک شہر ناختہ الرخج پر قبضہ کیا، پھر آگے بڑھ کر جبل الزور جو بت پرستوں اور مشرکوں کا ایک شہر تھا کا محاصرہ کر لیا۔ مشرکین نے محاصرہ کی تاب نہ لا کر صلح کی درخواست کی۔ مسلمانوں نے اگرچہ ان سے صلح کر لی۔ لیکن ان کے بت کو جن کا نام زور تھا، توڑ

دیا۔ یہ بت سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں کی جگہ دو یاقوت لگے ہوئے تھے۔ آپ نے اس بت کا ہاتھ کاٹ کر اس کی آنکھوں کے دونوں یاقوت لے لیے۔ پھر حاکم شہر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ شاید میں نے سونا اور جواہرات حاصل کرنے کے لیے اس کو توڑا ہے بلکہ:

''ان زر و جواہر کی مجھے کوئی حاجت نہیں۔ یہ سب آپ کو مبارک، میں نے اس کو توڑ کر آپ لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ زر و جواہر کا یہ بت آپ کو نہ تو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی فائدہ۔'' (لہٰذا اس کی عبادت اور اس کے آگے سجدہ ریز ہونا سراسر حماقت اور شرف انسانیت کی توہین اور تذلیل ہے)۔

(فتوح البلدان: ص۴۰۲، ابن اثیر: ۳/ ۶۵، ابن خلدون: ج ۳)

کابل اور زابلستان کی فتح:

سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نہایت قابل اور لائق جرنیل بھی تھے۔ سیدنا عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو سیستان کا والی بنا کر بھیجا اور انہوں نے زرنج کی بغاوت کو فرو کر کے جبل الزور تک پیش قدمی کی تو اہل کفر کا کوئی لشکر ان کی اس پیش قدمی کو روک نہ سکا۔ چنانچہ جبل الزور کی فتح کے بعد انہوں نے کابل (افغانستان) کا رخ کیا۔ یہ شہر پر شہر فتح کرتے ہوئے کابل پہنچے۔ اہل شہر مقابلہ کی ہمت نہ پاتے ہوئے محصور ہو گئے، لیکن سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا دل ایمان سے لبریز تھا اور شہر کی مضبوط فصیل ان کی پیش قدمی کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ طویل محاصرہ کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن کھلے میدان میں آ کر ان کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار نہیں ہے تو انہوں نے شہر کی فصیل کے اردگرد منجنیقیں نصب کر کے شہر پر سنگ اندازی شروع کر دی جس کے نتیجے میں فصیل جگہ جگہ سے منہدم ہو گئی۔ بلکہ ایک جگہ تو بہت بڑا شگاف پڑ گیا۔ جس سے شہر میں اسلامی فوج کا داخلہ آسان ہو گیا۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں لشکر اسلام اس پھاٹک نما شگاف کے راستے شہر میں داخل ہو گیا۔

لشکر اسلام کا شہر میں داخل ہونا مشرکین کابل کے لیے نہایت روح فرسا تھا۔ لہٰذا انہوں نے ان کو شہر سے نکال باہر کرنے کے لیے اپنی پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ سورج افق مشرق سے جھانکنے لگا، لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش کے جرنیل سیدنا عباد بن حصین رضی اللہ عنہ نے بہادری اور شجاعت

سے وہ جوہر دکھائے اور بسالت و جانبازی کی وہ مثال پیش کی کہ خود مشرکین انگشت بدنداں تھے۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا تو تھا لیکن کبھی یقین نہیں کیا تھا کہ کیا کوئی شخص ایک ہزار آدمی کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ لیکن عباد بن حصین رضی اللہ عنہ کی بہادری اور جانبازی نے مجھے اس کا یقین دلا دیا۔

سپیدہ صبح نمودار ہونے کے ساتھ شہر کے لوگ ہاتھیوں پر سوار ہو کر مقابلہ کے لیے نکلے۔ خدشہ تھا کہ ہاتھی لشکر اسلام کو اپنے پاؤں تلے روند کر نقصان نہ پہنچا دیں کہ فوراً ایک فوجی افسر سیدنا عبداللہ بن حازم سلمی رضی اللہ عنہ نے مردانہ وار آگے بڑھ کر ایک ہاتھی پر حملہ کیا۔ ہاتھی نے فوراً انہیں اپنی سونڈ میں پکڑ لیا، لیکن انہوں نے مستعدی اور بہادری سے ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ اس کی سونڈ کٹ کر زمین پر جا گری۔ ہاتھی چنگھاڑ لیکن اس کے سوار نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ پر نیزے سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے وار خالی دیا اور ہاتھی سوار اپنے نیزے کے زور سے ہی دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ معاً سیدنا عبداللہ نے اس خوشی و مسرت میں نعرہ تکبیر بلند کیا جس کو سارے لشکر نے دہرایا۔ اللہ کی تکبیر نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے افراتفری کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ لشکر اسلام نے ان کا تعاقب کیا اور لاشوں کے پشتے لگا دیے اور شہر فتح ہو گیا۔

کابل کی فتح کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن زابلستان کی جانب بڑھے اور اس کو بھی بزور شمشیر فتح کر لیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن ابھی زابلستان کی مہم کو سر کر رہے تھے کہ اہل کابل نے نقض عہد کر کے بغاوت کر دی۔ لہٰذا سیدنا عبدالرحمٰن کو زابلستان فتح کرنے کے بعد پھر کابل کی طرف آنا پڑا تا کہ اس کی بغاوت کو فرو کیا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے بغاوت کو فرو کر کے سرغنوں کو قرار واقعی سزا دی۔ (ابن خلدون: ۳/۲۲۶)

سیدنا عبدالرحمٰن کابل اور زابلستان کو فتح کر کے زرنجان واپس آ گئے۔ یہاں قیام کے دوران انہیں پتہ چلا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف مملکت کے بعض گوشوں میں اضطراب کی کچھ لہریں اٹھنی شروع ہو گئی ہیں۔ لہٰذا انہوں نے وہاں اپنا قیام مناسب نہ سمجھا اور وہ امیر بن احمر کو زرنج میں اپنا قائم مقام بنا کر فوراً مدینۃ الرسول چلے آئے۔

(ابن اثیر: ۳/۶۵، فتوح البلدان: ص ۴۰۲)

آرمینیہ کی فتح:

آرمینیہ جس کے شمال مغرب میں بحر اسود، مشرق میں جار جیا یا گرجستھان اور جنوب مغرب میں ایشیائے کوچک ہے، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی سلطنت میں داخل ہوا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب سریر خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے شام کے گورنر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ حبیب بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو لوگوں میں اسلام کو روشناس کرانے کے لیے آرمینیہ بھیجیں کیونکہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا فتوحات شام اور روم کی جنگ میں اچھا خاصا اثر تھا۔ چنانچہ وہ چھ ہزار اور بقول بعض آٹھ ہزار کا لشکر لے کر آرمینیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب وہ قالیقلا کے شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی اور جلاوطن ہونے یا جزیہ ادا کرنے کی شرط پر امان مانگی۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو جلاوطن کیا گیا جو بعد میں رومیوں سے جا ملے اور کچھ لوگوں کو جزیہ کی شرط پر امان دی گئی۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ چند ماہ یہاں مقیم رہے۔

حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ابھی یہاں مقیم تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ بطریق ارمیناقس نے اہل اسلام سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر جرار اکٹھا کیا ہے اور لان، افخار اور سمندر کے باشندوں کی امداد بھی انہیں حاصل ہو گئی ہے۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور امداد طلب کی۔ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ شام اور الجزیرہ کے ان مسلمانوں کو جو جہاد فی سبیل اللہ کا ولولہ رکھتے ہوں، حبیب رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں دو ہزار سپاہی بھیجے جن کو حبیب رضی اللہ عنہ نے قالیقلا میں بسایا، انہیں جاگیریں دیں اور انہیں وہاں مرابطین بنایا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا خط بارگاہ خلافت میں پہنچا تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کو لکھا کہ وہ سلمان بن ربیعہ الباہلی رضی اللہ عنہ جو "سلمان الخیل" کے نام سے مشہور تھے کہ زیر قیادت ایک لشکر حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجیں۔ سلمان رضی اللہ عنہ چھ ہزار کا لشکر لے کر کوفہ سے حبیب رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے روانہ ہوئے۔

اس زمانے میں مواصلاتی ذرائع اتنے تیز نہ تھے۔ اس وجہ سے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس امداد پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ اس عرصہ میں رومی اور ان کے اتحادی اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر کے فرات پر خیمہ زن ہو گئے۔ ادھر حبیب کی فوج بھی بالکل تیار تھی۔ انہوں نے کمک کا انتظار کیے بغیر دشمن پر شب خون مارا اور ان کو خوب پامال کیا، لیکن چونکہ ان کا سپہ سالار مارا گیا تھا۔ اس لیے باقی ماندہ فوج کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور وہ فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رات کو حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سیدہ ام عبداللہ بنت یزید الکلبیہ نے حبیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

این موعدک؟

''تم کہاں ملو گے؟''

حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

سرادق الموریان او الجنة.

چنانچہ جب حبیب رضی اللہ عنہ سراپردہ موریان پر پہنچے تو اپنی اہلیہ کو وہاں موجود پایا، کیونکہ وہ ان سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھیں۔ (فتوح البلدان: ۲۰۵۔۲۰۶، ابن اثیر: ۳/۴۳)

حبیب رضی اللہ عنہ جب رومیوں کو شکست فاش دے چکے تو اس کے بعد وہ کمک ان کے پاس پہنچی جو کوفہ کے گورنر نے انہیں بھیجی تھی۔ کوفہ کی فوج جو سلمان رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت حبیب رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے آئی تھی یہ چاہتی تھی کہ مال غنیمت میں انہیں بھی شریک کیا جائے۔ لیکن حبیب رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ کچھ آپس میں سخت باتیں بھی ہوئیں لیکن کوفی فوج مال غنیمت میں حصہ لینے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ چنانچہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں لکھا گیا، امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

ان الغنيمة باروة لاهل الشام.

''غنیمت صرف اہل شام کا حق ہے۔'' (فتوح البلدان: ص۲۰۶)

ابن اثیر رحمہ اللہ اور ابن خلدون رحمہ اللہ نے ایک اور روایت بھی اس بارے میں نقل کی ہے کہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اہل قالیقلا کو عبرت ناک شکست دینے کے بعد کئی ماہ تک قالیقلا ہی میں اقامت گزین رہے۔ اس اثناء میں انہیں معلوم ہوا کہ بطریق آرمیناقس بلاد ملطیہ، سیواس،

وفرینہ اوران کے گردونواح سے اسی ہزار کا لشکر جرار جمع کر کے خلیج قسطنطنیہ جس کو ''موایان'' کہتے ہیں، کے راستے چڑھائی کرنا چاہتا ہے۔ حبیب رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور امداد کی درخواست کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کو حکم دیا کہ وہ سلمان بن ربیعہ کی سرکردگی میں چھ ہزار کا لشکر حبیب رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجیں۔ لیکن اس لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی حبیب رضی اللہ عنہ دشمن کو عبرت ناک شکست دے چکے تھے۔ رومیوں کو شکست دینے کے بعد حبیب رضی اللہ عنہ واپس قالیقلا چلے گئے۔ (ابن اثیر:۳/۴۳)

دیبل اور جرزان کی فتح:

دیبل اور جرزان ابھی تک قلمرو اسلامی میں داخل نہیں ہوئے تھے، لہٰذا حبیب رضی اللہ عنہ نے اب ادھر کا رخ کیا۔ چنانچہ وہ مربالا پہنچے۔ یہاں بطریق خلاط سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کا ایک خط امان کے بارے لے کر آیا، جس کو آپ نے قبول کرلیا اور ایک امان نامہ انہیں لکھ دیا۔

اس کے بعد آپ نے جرزان کا رخ کیا، وہاں کے بطریق نے بھی صلح کی درخواست کی اور انہیں بھی ایک امان نامہ لکھ دیا گیا۔ پھر تغلیس کا رخ یا۔ انہوں نے بھی امان چاہی اور انہیں بھی امان نامہ لکھ کر دے دیا گیا، جن کو بلاذری نے فتوح البلدان میں نقل کیا۔

اس کے بعد حبیب رضی اللہ عنہ نے اس علاقے کے اور بہت بڑے شہروں کو فتح کیا اور ان کے باشندوں کا خون معاف کیا لیکن ان کی زمینوں پر خراج اور ان کے افراد پر جزیہ لگا دیا۔

شمشاط اور ملطیہ کی فتح:

شمشاط آرمینیہ کی جنوبی سرحد کے قریب ایک مقام ہے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے گورنر شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شمشاط کو اسلامی مملکت میں داخل کیا جائے۔ اس سلسلہ میں یا تو تم خود اس پر چڑھائی کرو یا کسی اور قابل جرنیل کو اس مہم کے سر کرنے پر متعین کرو۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچتے ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اور صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے مامور کیا۔ یہ دونوں حضرات تعمیل حکم کے لیے شمشاط پہنچے اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اہل شہر محاصرہ کی تاب نہ لا سکے اور انہوں نے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کی

پیشکش کی، جو منظور کر لی گئی:

① اہل شمشاط کا ہیکل اور اس کے اردگرد کا علاقہ انہی کے پاس رہے گا۔
② جو کلیسا اس وقت شمشاط میں موجود ہیں، ان کے علاوہ اہل شمشاط اور کوئی کلیسا تعمیر نہیں کر سکیں گے۔
③ اسلام کے دشمنوں میں سے اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے تو اہل شمشاط مسلمانوں کی مدد کریں گے۔
④ ان شرائط میں سے اگر کسی ایک شرط کو بھی اہل شمشاط توڑ دیں گے تو مسلمان ان کی جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ (فتوح البدان: ص ۱۹۲)

شمشاط سے ۸۰ میل دور جنوب مغرب میں ایک شہر ملطیہ واقع ہے۔ یہ اگرچہ آرمینیہ سے باہر ہے لیکن الجزیرہ کا ایک نہایت اہم شہر ہے۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ ملطیہ پر بھی لشکر کشی کر کے انہیں قلمرو اسلامی میں داخل کریں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے لیے بھی حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور ایک لشکر دے کر انہیں اس پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بزور شمشیر اس کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں داخل کر لیا۔ (فتوح البلدان: ص ۱۹۳)

اسی سال یعنی ۲۵ ھ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیدنا سلمان بن ربیعہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے اران پر لشکر کسی کی، جو آرمینیہ کا مشرقی صوبہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ بیلقان، ثرثور رسانیق، شفین، مسقوان، اوذ، مصریان، شمکور، قبلہ، شکن، قمیران، خیزان، شروان، جبال، شابران کو فتح کر لیا۔ اہل کفر کے دلوں پر مسلمانوں کا اس قدر رعب تھا کہ انہوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اپنے اپنے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیے اور خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ البتہ بلاسجان کے باشندوں نے، جو کرد قوم سے تعلق رکھتے تھے، اسلامی لشکر کی مزاحمت کی، لیکن منہ کی کھانی پڑی اور جزیہ دے کر صلح کی۔ (ابن اثیر: ۴۴/۳)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں اسلامی فوج کا کارواں جس جانب رخ کرتا فتح و نصرت اس کے قدم چومتے۔ ان دونوں خلفاء کے جرنیل شہر پر شہر فتح کرتے جاتے اور ہر شہر پر اسلامی پھریرا لہراتے ہوئے آگے گزر جا

ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی ساری عظمتیں اور سارا شکوہ وجلال خاک میں مل گیا۔ جہاں کسریٰ ایران کو قادسیہ، نہاوند اور مدائن کے میدانوں میں شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا، وہاں قیصر روم کو بھی شام اور یرموک کے میدانوں میں خائب وخاصر ہونا پڑا۔ خلافت فاروقی میں جہاں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تستر، نہاوند، قادسیہ اور مدائن میں شکست فاش دے کر ایران کے بادشاہ یزدجرد کو ملک سے بھگا دیا تھا۔ وہاں امین الامت سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شام میں شہر پر شہر فتح کر کے آگے بڑھتے جا رہے تھے اور یرموک میں تذارق کو شکست دے چکے تھے، دمشق فتح کر چکے تھے اور فحل میں ہرقل روم کی فوجوں کے پرخچے اڑا چکے تھے اور طبریہ اور بیسان پر اسلامی پرچم لہرا چکے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ یرموک، دمشق، طبریہ اور فحل یہ سب کے سب شام کی سرحدوں کے قریب صحرا کی جانب واقع تھے۔

مسلمانوں کی ان فتوحات سے بھاگ کر جیسے کسریٰ مارا مارا پھر رہا تھا، ویسے ہی قیصر روم بھی دمشق کے فتح ہونے کے بعد حمص بھاگ گیا تھا اور جب حمص پر بھی لشکر اسلام نے قبضہ کر لیا تو وہ انطاکیہ اور قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ وہاں بھی اسے ہر وقت مسلمانوں کے لشکر کا خطرہ اور اندیشہ رہتا تھا۔

ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سرزمین مصر کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا تھا اور عہد عثمانی میں جب سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ گورنر مصر مقرر ہوئے تو انہوں نے تیونس، الجزائر اور دوسرے کئی ایک ممالک کو جو قیصر روم کے زیر نگین تھے، قیصر روم کی غلامی کے جوا سے ازاد کروا دیا اور اس طرح سے قسطنطنیہ کی فتح کے لیے ایک راستہ تیار کر لیا۔ پھر فتح قبرص کے وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اسلامی بحریہ بھی قائم ہو چکی تھی جس سے قیصر روم کے دارالمملکت پر مسلمانوں کا حملہ اور آسان ہو گیا۔ لہٰذا قیصر روم کو اہل اسلام کی جانب سے ہر وقت ایک خطرہ درپیش تھا اور وہ اس کا شدت سے احساس بھی کرتا تھا۔

دوسرے اس کی حکومت سمٹ سمٹا کر صرف چند شہروں تک محدود رہ گئی تھی اور اس کی ملکی آمدنی میں اس حد تک کمی واقع ہو گئی کہ ان چند شہروں کا صحیح انتظام تو ایک طرف خود اس کو اپنے ذاتی اخراجات چلانا بھی مشکل ہو گیا۔ دوسری طرف جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد

خلافت میں سارے شام کی عنان حکومت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی تو وہ ہر سال موسم سرما میں رومی علاقوں پر لشکر کشی کر کے نئے نئے قلعے فتح کرتے اور بہت سا مال غنیمت حاصل کرتے، جس سے رومی عوام پر مسلمانوں کا رعب اور خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا۔ اس سے بھی قیصر روم کو اپنی سلطنت کا سفینہ ہچکولے کھاتا نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا اس کی ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ وہ اپنی پوری قوت کو میدان میں جھونک کر اچانک اسلامی افواج پر ہلہ بول دے اور ان کی تمام حربی قوت کو ہمیشہ کے لیے مضمحل کر دے۔

لشکر اسلامی نے جب اسکندریہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اس دوران ہرقل کی موت کی انہیں خبر ملی۔ ہرقل کی موت کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین اس کے تخت پر بیٹھا اور کاروبار حکومت سنبھالا تو اسلامی افواج کی فتوحات کے بارے میں سن کر اور ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور ان کے شکوہ و جلال کی چمک نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور مسلمانوں سے انتقام لینے کی آگ کا الاؤ اس کے دل میں بھڑکنے لگا۔ وہ شب و روز اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتا کہ کس طریقے سے مسلمانوں کی حکومت سے اپنے فتح شدہ علاقوں کو آزاد کروایا جائے اور باقی ماندہ علاقوں کو کس طرح ان کی تاخت سے محفوظ و مصئون رکھا جائے۔

قسطنطین کی آتش انتقام میں جب زیادہ حدت اور شدت پیدا ہوئی تو اس نے اپنے جرنیلوں اور امرائے لشکر کے باہمی مشورے سے ایک منصوبہ اور پلان بنایا۔ وہ پانچ سو یا چھ سو جنگی جہازوں اور فوج گراں کے ساتھ ۳۱ھ میں بہ نفس نفیس اسکندریہ پر چڑھ آیا تاکہ مسلمانوں کو عبرت ناک شکست دے کر اپنے مقبوضہ علاقے ان سے دوبارہ حاصل کیے جائیں۔ اس کی اس جنگی تیاریوں کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''رومی جوش حمیت میں پاگل ہو گئے اور قسطنطین بن ہرقل (قیصر روم) کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور مسلمانوں پر اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے کہ اتنی بڑی جمعیت اس سے قبل مسلمانوں کے مقابلہ پر دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ وہ پانچ سو جنگی جہازوں پر سوار ہو کر نکلے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۷)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ جب مسلمانوں نے افریقہ (تیونس، الجزائر اور مراکش وغیرہ) کے ممالک پر چڑھائی کی اور وہاں کے باشندوں کو جنگ کے

دوران قتل کیا اور قیدی بنایا تو قسطنطین قیصر روم کے جوش انتقام کو تازیانہ لگا۔

''تو قسطنطین بن ہرقل ایک جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے نکلا اور رومی ابتدائے اسلام سے آج تک اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے خلاف نہیں نکلے تھے۔ پس وہ پانچ سو یا چھ سو جنگی جہازوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلے۔'' (ابن اثیر: ۳/ ۵۸، طبری: ۳/ ۳۴۰)

قسطنطین کی اس یلغار کا جب امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو اس یلغار کے مقابلہ کے لیے ان کی نگہ انتخاب گورنر شام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ اس لیے کہ فنون حربیہ خاص طور پر بحری جنگ سے وہ بخوبی آشنا اور ماہر تھے۔ دوسرے شام کے گورنر ہونے کی وجہ سے جو کہ رومیوں کی سرحد کے متصل اسلامی صوبہ تھا، ان کی جنگی چالوں اور جنگ کے داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف تھے۔ لہٰذا انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ فوری طور پر پہنچ کر اس کا مقابلہ کیا جائے اور اس کو ایسی شکست فاش دی جائے کہ اسے پھر ساری زندگی مسلمانوں سے مقابلہ کی ہمت نہ پڑے۔ اس کے ساتھ ہی گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ بسرعت تمام اپنی پوری جمعیت اور سارا لشکر لے کر اسکندریہ پہنچیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قیصر روم قسطنطین کو ایسی مار ماریں کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ

''قیصر روم کے مقابلہ میں مسلمان نکلے۔ شام کے لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تھے اور امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق دونوں حضرات فوری طور پر اسکندریہ پہنچے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ بجائے خشکی پر جنگ کرنے کے دشمن سے سمندر ہی میں نمٹ لیا جائے کیونکہ خشکی پر جنگ کرنے میں ہماری اور پوزیشن ہوگی اور سمندر میں جنگ کرنے میں ہماری پوزیشن مختلف ہوگی۔ امیر البحر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ کو جنگی لحاظ سے بہت بہتر سمجھتے ہوئے اپنے بحری بیڑے کو مختلف اسلحہ سے آراستہ کر کے سمندر میں دھکیل دیا اور یہ سمندر کی لہروں سے کھیلتا

ہوا قیصر روم کے بحری بیڑا کے بالکل مقابل جا کر کھڑا ہو گیا۔

آفتاب افق مغرب میں رینگ رہا تھا اور سواد شام کائنات کو اپنی سیاہ چادر میں چھپانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ جب یہ دونوں جنگی بیڑے ایک دوسرے کے بالمقابل لنگر انداز ہوئے۔ سمندر کی کوہ آسا موجوں، رات کی تاریکی اور ہر طرف پانی کی موجودگی نے ایک خوفناک منظر پیدا کر دیا اور دشمن کی افواج اس منظر سے کافی حد تک مرعوب ہو گئی تھیں۔ تاہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کو کہلا بھیجا کہ رات کی تاریکی میں جنگ کرنا مناسب نہیں۔ لہٰذا سپیدۂ صبح نمودار ہونے تک اس کو ملتوی کر دیا جائے اور علی الصبح مقدر آزمائی کی جائے کہ فتح و شکست کس کے نصیب میں ہے۔ قیصر روم نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور باہمی رضا مندی سے صبح تک یہ جنگ ملتوی ہو گئی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رات کو دونوں لشکروں کی عجیب وغریب حالت تھی اور نیند کسی کے پاس نہ پھٹکتی تھی۔ ابن اثیر ہی نے لکھا ہے کہ

باتوا ليلتهم والمسلمون يقرؤن القران ويصلون ويدعون والروم يضربون بالنواقيس.

''دونوں لشکروں نے اس حالت میں رات گزاری کہ مسلمان پوری رات تلاوت قرآن پاک کرتے رہے اور نماز اور دعا میں مشغول رہے اور رومی ناقوس بجاتے اور صلیبوں کی پرستش کرتے رہے۔'' (ابن اثیر: ۳/ ۵۸، طبری: ۳/ ۳۴۱)

نماز صبح سے فراغت پا کر امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے جہازوں کی صف بندی کی اور فوجوں کو مناسب ہدایات دیں۔ بعد میں قیصر روم کو کہلا بھیجا کہ اگر تم پسند کرو تو لڑائی ساحل پر ہو اور اگر چاہو تو سمندر ہی میں اور دو ہاتھ کر لیے جائیں۔ قیصر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ سمندر ہی میں فیصلہ ہو جائے کہ کون جیتا ہے اور کون ہارا ہے۔ مسلمان پہلے ہی اس بات کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے جہازوں کو دشمن کے جہازوں کے بالکل قریب کر دیا جائے اور انہیں دشمن کے جہازوں کے ساتھ باندھ دیا جائے تاکہ لڑائی کے دوران سمندر کی موجیں اور تھپیڑے فریقین کو ایک دوسرے سے الگ نہ کر سکیں۔ بعض روایات میں ہے کہ مسلمانوں نے صرف اپنے جہاز ایک

دوسرے سے باندھے تھے۔ سیدنا مالک بن اوس رضی اللہ عنہ جو اس جنگ میں خود شریک تھے، فرماتے ہیں کہ شروع میں تو ہوا ہمارے مخالف تھی، لیکن بعد میں ہمارے موافق ہوگئی۔ لڑائی شروع ہوئی اور فریقین تلواروں اور خنجروں سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔

نوجوان ایک دوسرے پر کود کود کر حملہ کرتے اور ایک دوسرے کو تلواروں اور خنجروں سے قتل کرتے۔ دونوں طرف سے لاشیں کٹ کٹ کر سمندر میں گرنے لگیں۔ ابن اثیر نے لکھا ہے:

قتل من المسلمین بشر کثیر و قتل من الروم مالا یحصٰی.

''مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ شہید ہوئے اور رومیوں میں سے بے شمار لوگ کٹ کر سمندر میں گر پڑے۔'' (ابن اثیر: ۳/ ۵۸، طبری: ۳/ ۳۴۰)

دونوں طرف سے لوگ جب کٹ کٹ کر سمندر میں گرتے تو بجائے اس بات کے کہ لاشیں سمندر کی تہ میں بیٹھ جاتیں، یا سطح سمندر پر تیرتی رہتیں، سمندر کی موجیں انہیں سطح آب سے اچھال کر ساحل سمندر پر پھینک دیتیں۔ یہاں تک کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خود جنگ میں شامل ایک سپاہی کا بیان ہے کہ میں نے ساحل سمندر کی طرف دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح مقتولوں کے سروں اور جسموں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ خون ریزی کا یہ عالم تھا کہ

ان الدم الغالب علی الماء.

''خون پانی پر غالب آ گیا تھا۔'' (طبری: ۳/ ۳۴۰)

دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس کے جہاز بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے اور سامان جنگ بھی جدید ترین اور اعلیٰ قسم کا تھا۔ لہٰذا مسلمان بھی ایک کشمکش میں تھے اور دشمن کی ہزیمت کے لیے نصرت خداوندی کے طلب گار تھے۔ اس معرکہ میں انہوں نے صبر اور ثابت قدمی کا وہ ثبوت دیا کہ اس سے قبل انہیں اتنے صبر و ثبات کا اتفاق نہ ہوا تھا۔

آخر اللہ رب العزت نے اپنی نصرت اہل اسلام کے لیے نازل فرمائی۔ آتش کدۂ جنگ صبح سے شام تک بھڑکتا رہا۔ لیکن اہل کفر کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ ہاتھ شل ہو گئے، حوصلے ٹوٹ گئے اور انہیں ایسی ذلت آمیز شکست اٹھانی پڑی جو اس سے قبل شاید ہی اٹھانی پڑی ہو۔ رومی فوج کی بہت بڑی تعداد کام آئی اور زخمیوں کی تعداد کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا

سکتا۔ خود قسطنطین قیصر روم بھی بری طرح مجروح ہوا اور مدت مدید تک صاحب فراش رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی بیڑا راتوں رات سسلی (صقلیہ) کے جزیرہ کی طرف بھاگ گیا، جو ان دنوں قیصر روم کے زیر نگیں تھا اور اس کے بعد اہل روم کو پھر کبھی اہل اسلام سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

قیصر روم پناہ لینے اور اہل اسلام کی تاخت سے بچنے کی خاطر جزیرۂ صقلیہ بھاگ گیا۔ وہ چونکہ اس کے باجگزار تھے، اس لیے اس سے بڑے دہشت زدہ تھے لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ یہ مسلمانوں سے شرمناک شکست کھا کر بھاگا ہے اور یہاں ان کی یورش سے بچنے کے لیے پناہ لی ہے تو وہ اس سے بہت ناراض ہوئے۔ چنانچہ موقع پا کر اسے (قیصر روم کو) حمام میں قتل کر دیا۔

قیصر روم کی اس شکست سے مسلمانوں کے لیے بحر روم کا راستہ کھل گیا اور ان کی بحریہ بغیر کسی خوف و خطر کے کھلے سمندر میں پھرنے لگی۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحر روم کے ساحل پر اور انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں قائم کیں جس سے ایک تو اسلامی حکومت کے دفاع کو بہت فائدہ پہنچا اور دوسرے مسلمان بحری راستہ کے ذریعے دور دراز علاقوں تک پھیل گئے جس سے اسلام کی اشاعت کے کام کو کافی تقویت پہنچی اور بحر و بر میں اسلام کے چرچے ہونے لگے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الامم الاسلامیہ: ۲/۲۹، النجوم الزاہرہ: ۱/۸۰، ابن خلدون: ۲/۴۶۸، ذات الصواری: ص ۶۴۔۶۸، التاریخ الاسلامی: ۱۲/۴۰۷، عصر الخلفاء الراشدین، عبدالحمید بخیت: ص ۲۰۶)

کسریٰ فارس کی ہلاکت:

جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ارشاد عالیہ میں فرمایا تھا:

هلك كسرى ولا كسرى بعده وهلك قيصر و لا قيصر بعده.

”کسریٰ ہلاک ہو گیا اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں، قیصر ہلاک ہو گیا اب اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔“ (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۰۱)

مجاہدین اسلام جب ۱۶ھ میں فاتحانہ طور پر مدائن میں داخل ہو رہے تھے اور کسریٰ کو اپنی شکست کا پورا پورا یقین ہو گیا تو یزدجرد کو اس کے سپاہیوں نے ٹوکری میں لٹا کر مدائن کے قصر ابیض میں سے اتارا اور وہ حلوان فرار ہو گیا۔ قصر ابیض سے ٹوکری کے ذریعے نیچے اترنے کی وجہ سے:

فسماه النبط برزبيلا.

''نبطیوں نے اس کا نام برزبیل (ٹوکری کا بیٹا) رکھ دیا۔'' (فتوح البلدان: ص ۲۷۱)

کسریٰ قصر ابیض سے اکیلا ہی نہیں بھاگا تھا بلکہ اس کے ساتھ اس کے امرائے سلطنت، اس کے اہل خاندان، اس کی کنیزیں اور حرم شاہی، اس کے شہزادے اور شہزادیاں، شاہی خزانہ اور ہلکا قیمتی سامان بھی تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب کسریٰ کے فرار کی اطلاع ملی تو آپ نے فوج کا ایک دستہ اس کے اور اس کے ساتھیوں اور عمائدین سلطنت کے تعاقب میں بھیجا تاکہ وہ انہیں گرفتار کر کے لائیں۔ کسریٰ اور اس کے ساتھیوں کو جب اس تعاقب کا علم ہوا تو وہ سارا سامان اور مال و دولت جو مدائن سے اپنے ساتھ لائے تھے، تعاقب کرنے والوں کے لیے چھوڑ کر نہایت تیزی سے ساتھ بھاگ کر حلوان پہنچ گئے۔ اس فتح سے کسریٰ ایران کی، جس کا کسی زمانے میں چار دانگ عالم میں طوطی بولتا تھا، کمر ہمت ٹوٹ گئی اور اب وہ اپنی جان بچانے کے لیے شہر بہ شہر بھاگنے لگا۔

مجاہدین اسلام جب نہاوند اور ہمدان کے شہروں کو فتح کر کے داخل ہو رہے تھے تو یزدجرد اس وقت رے میں مقیم تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ مجاہدین کی پیش قدمی برابر جاری ہے اور وہ شہر بہ شہر فتح کر کے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں تو وہ فوراً اصفہان بھاگ گیا اور وہاں کے باشندوں کو مجاہدین اسلام کے خلاف ابھارنے لگا۔ سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کو جب کسریٰ کے فرار کی اطلاع ملی تو انہوں نے لشکر اسلام کو اصفہان کی جانب پیش قدمی کا حکم دیا کیونکہ آپ کو پوری امید تھی کہ یزدجرد مقابلہ کرے گا اور یا تو وہ مقابلہ کر کے مارا جائے گا یا لشکر اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہو گا۔ دونوں صورتوں میں پورے ایران کی قوت مقاومت اور قوت مزاحمت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔

اصفہان عراق عجم کے ایک صوبے اصفہان کا ایک بہت بڑا شہر تھا۔ یہ شہر یزدجرد اول

نے اپنی بیوی ملکہ شوش دخت کی خواہش پر تعمیر کروایا تھا۔ اس کی زمین بڑی زرخیز اور شاداب تھی۔ پانی شیریں اور آب و ہوا نہایت خوشگوار تھی۔ اس وجہ سے شاہان ایران نے اسے اپنی قیام گاہ بنایا تھا۔ اصفہان کو جب سیدنا عبداللہ بن عبداللہ بن غنبان رضی اللہ عنہ نے فتح کیا اور ایرانیوں کو اصفہان کی چھاؤنی ''رستاق الشیخ'' میں عبرت ناک شکست دی تو یزدجرد ایرانیوں کا حشر دیکھ کر اصفہان سے کرمان بھاگ گیا۔ اب حالت یہ تھی کہ بھگوڑا کسریٰ جہاں کہیں پناہ لیتا، لڑائی کی خبریں اس کا تعاقب کرتیں اور اپنے پورے ملک میں جس کا کبھی وہ سیاہ وسفید کا مالک تھا، اسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آتی، جہاں وہ سر چھپا سکے۔ وہ بے اختیار اور بے دست و پا ایک جائے پناہ سے دوسری جائے پناہ اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھاگتا پھرا لیکن اس بے قرار کو کہیں قرار نہ ملا۔ آخر وہ ایک ایسے بادشاہ کی طرح جسے انتہائی ذلت وحقارت کے ساتھ اپنے ملک سے نکال دیا گیا ہو، غیروں کی مدد اور قوت کا سہارا تلاش کر کے ایران سے نکل گیا۔

مجاہدین اسلام نے جب کرمان کو فتح کیا تو مؤرخین بتاتے ہیں کہ کسریٰ ایران اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ یہ شہر بھی دوسرے شہروں کی طرح مجاہدین اسلام کے حملے کی تاب نہ لا سکے گا تو وہ فوراً خراسان بھاگ گیا۔ کیونکہ اسے قوی امید تھی کہ خراسان اور بجستان کے باشندے لشکر اسلام کا مقابلہ کرسکیں گے اور یہ امید اس کے دل میں کچھ اس وجہ سے بھی راہ پا گئی تھی کہ بصرہ اور کوفہ وغیرہ سے، جہاں اہل اسلام کی فوجی چھاؤنیاں تھیں، خراسان اور بجستان کافی دور تھے اور مسلمانوں کے لیے یہاں فوجیں بھیجنا عراق عجم یا فارس و کرمان میں فوجیں بھیجنے سے بہت زیادہ مشکل تھا۔ لیکن یزدجرد کا یہ خیال، خیال خام تھا۔ کیونکہ مجاہدین اسلام کے لیے دوری اور نزدیکی کا کوئی فرق نہ تھا۔ وہ سر ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کی راہ میں نکلے تھے اور مشکل سے مشکل کام ان کے لیے اللہ کی راہ میں آسان تر ہو گیا تھا۔

چنانچہ مسلمانوں نے کچھ دنوں کے بعد سیدنا عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بجستان پر بھی چڑھائی کر دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اہل بجستان نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ بجستان اگرچہ بڑا مضبوط شہر تھا اور وہاں کے باشندے بھی بڑے جنگ جو اور فنون حربیہ میں بڑے ماہر تھے لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ شہنشاہ ایران خود بھگوڑا بن چکا ہے۔ جہاں کہیں وہ جاتا ہے، مسلمانوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر فرار ہو جاتا ہے اور اس میں اب مقابلہ کی کوئی طاقت نہیں۔

حالانکہ وہ اپنی طاقت کا لوہا ہرقل قیصر روم اور دوسرے بڑے بڑے شہنشاہوں سے منوا چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کسریٰ کی تقلید میں اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کے لیے جلد ہی اپنی شکست کو تسلیم کر لیا اور اسلامی فوج کا مقابلہ نہ کیا۔ کیونکہ جب شہنشاہ اعظم کسریٰ اپنے عیش و آرام کی قربانی نہیں دے سکتا تو وہ اپنی جانوں کی قربانی کیوں دیں؟

خراسان کے قیام کے زمانے میں یزدجرد نے یہ کوشش کی تھی کہ خراسان کے باشندوں کو اشتعال دے کر مجاہدین اسلام کے خلاف مقابلے کے لیے کھڑا کرے اور اس طرح سے اپنے باپ دادا کی باقی ماندہ زمین فتح کرنے سے روک دیا۔ لیکن شاید وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس نے قادسیہ اور نہاوند میں پورے ایران کی قوتوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی تھی اور اس کی فوجیں مجاہدین اسلام کے مقابلہ میں اس طرح پامال ہوئی تھیں کہ تارخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

خراسان کے شہر ہرات کو فتح کرنے کے بعد سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ مروشان جان کی جانب روانہ ہوئے جہاں یزدجرد مقیم تھا۔ یزدجرد کو جب یہ معلوم ہوا کہ احنف رضی اللہ عنہ مرو کی طرف آ رہے ہیں تو وہ فوراً بھاگ کر مرو روز چلا گیا لیکن سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کو وہاں بھی دم نہ لینے دیا اور کسریٰ بھاگ کر بلخ چلا گیا۔ لیکن سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے جلد ہی بلخ کو فتح کر لیا۔ کیونکہ کسریٰ کی یہ عادت ہو چکی تھی کہ جوں ہی وہ مسلمانوں کی آمد کے بارے میں سنتا، بجائے مقابلہ کرنے کے شہر چھوڑ کر دوسرے شہر میں بھاگ جاتا۔

یزدجرد کے لیے اب اپنے ملک منہ سے چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہ رہی تھی۔ کیونکہ جہاں وہ جاتا، مجاہدین اسلام اس کا تعاقب کرتے اور آخر کار اس کو وہ شہر چھوڑنا پڑتا۔ چنانچہ اب جب اہل اسلام نے بلخ پر بھی قبضہ کر لیا تو وہ فوراً اس دریا کو عبور کر کے، جو ایران اور ترکستان کے درمیان حد فاصل تھا، سمرقند میں خاقان ترک کے پاس پناہ لینے کے لیے چلا گیا۔ اس سے پہلے بھی جب یزدجرد مروشاہ جان میں مقیم تھا، اس نے خاقان ترک اور شاہ چین سے مدد کی درخواست کی تھی لیکن ان کا کوئی تسلی بخش جواب اسے موصول نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا وہ وہاں جانے سے رک گیا۔ اب اس کے اپنے ملک میں کوئی جائے پناہ نہیں رہی تھی اور کوئی امیر اب اسے اپنی ریاست میں پناہ بھی نہیں دیتا تھا کیونکہ کسریٰ کو پناہ دینا اپنی

ریاست اور شہر کو ہاتھ سے کھو دینا تھا۔ لہٰذا اب وہ بامر مجبوری سمرقند میں خاقان ترک کے پاس پناہ کی تلاش میں بھاگ گیا۔

خاقان ترک بھانپ گیا کہ مسلمان اب اس ملک پر ضرور حملہ کریں گے۔ اس وجہ سے اس نے ایک لشکر جرار مرتب کیا اور یزدجرد کو اپنے ساتھ لے کر مجاہدین اسلام کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔ خاقان یزدجرد کی معیت میں بلخ پہنچا اور وہاں کوفہ کے سرفروشوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ کوفہ کی فوج سیدنا احنف رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے ساتھ جا ملی۔ خاقان نے مسلمانوں کی پسپا ہونے والی فوج کا تعاقب کیا۔ چونکہ اس کے ساتھ کچھ ایرانی بھی مل گئے تھے، لہٰذا اس کے لشکر کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس سیل بے کراں کو لے کر خاقان مروروز جا پہنچا۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ نے دشمن کے اس ٹڈی دل لشکر کو دیکھ کر ایک تو جنگ کے لیے مناسب جگہ تلاش کی، جہاں مجاہدین اسلام کی پشت پر پہاڑ تھے اور دریائے مروروز سامنے تھا، جو ان کے لیے ایک خندق کا کام دے رہا تھا۔ دوسرے انہوں نے اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ایک شاندار تقریر کی۔ کئی دنوں تک دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے رہے۔ ایک دفعہ معمولی سی جنگ بھی ہوئی، جس میں دشمن کے تین سپاہی ہلاک ہوئے لیکن خاقان نے میدان جنگ میں طویل قیام سے تنگ آ کر واپسی کا عزم کر لیا اور بلخ جا پہنچا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب نہ کیا جس سے اسے پورا یقین ہو گیا کہ مسلمان دریا عبور کر کے اس کے ملک پر حملہ نہیں کریں گے لیکن وہ اب چاہتا تھا کہ یزدجرد جلد از جلد اس کا ملک چھوڑ کر اپنے ملک میں چلا جائے اور مسلمانوں سے اپنا حساب خود چکاتا رہے۔ کیونکہ وہ اپنی سلطنت کی حفاظت کے لیے مسلمانوں سے دشمنی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

یزدجرد خاقان ترک کے ارادے کو بھانپ گیا۔ لہٰذا وہ اپنی ایرانی فوج لے کر بلخ سے مروشاہ جہان کی طرف چل پڑا۔ وہاں حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ مقیم تھے۔ یزدجرد نے اپنی افواج کے ساتھ ان کا محاصرہ کر لیا اور اپنا ایک گڑا ہوا خزانہ نکال کر اپنے کچھ سپاہیوں کی حفاظت میں دے دیا۔ یزدجرد جب اپنے حلیف خاقان ترک کے ساتھ مرو سے بلخ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ خاقان ایران چھوڑ کر اپنے ملک واپس جا رہا ہے تو اس نے چاہا کہ وہ خزانہ لے کر جو اس نے اپنے فرار کے دوران ایرانی خزانوں سے جمع کیا تھا، اور جن کی قیمت سے اعداد و شمار قاصر تھے،

اپنے حلیف سے جاملے۔ ایرانیوں کو جب پتہ چلا کہ یزدجرد خزانے لے کر بھاگ جانا چاہتا ہے تو انہوں نے اسے برملا پوچھا کہ "آپ کیا کرنا چاہتے ہیں" اس نے جواب دیا کہ میں خاقان سے ملنا چاہتا ہوں۔ پھر میں یا تو اس کے ساتھ رہوں گا یا چین چلا جاؤں گا۔ لیکن ایرانیوں نے اس کے اس فیصلے کے ساتھ ہاں نہ ملائی اور اسے مشورہ دیا کہ "آپ مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لیں۔ جو ہمارے ملک میں نہایت امن و امان اور عدل و انصاف کے ساتھ صلح کر رہے ہیں۔" یزدجرد نے ان کا یہ مشورہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن وہ بھی یزدجرد کی بات کے ساتھ متفق نہ ہوئے۔ آخر کار انہوں نے یزدجرد سے کہا کہ "اگر آپ ہماری یہ بات تسلیم نہیں کرتے تو یہ خزانے یہیں چھوڑ جایئے۔ ہم اپنے ملک کی دولت دوسرے ملک میں ہرگز نہیں جانے دیں گے لیکن یزدجرد اپنی بات پر اصرار کرتا رہا۔

جب کوئی متفقہ بات نہ ہوئی تو ایرانیوں نے اس سے سرتابی کر کے اور اس کے ساتھیوں سے لڑ بھڑ کر وہ تمام خزانے چھین لیے۔ یزدجرد ان خزانوں سے ہاتھ دھو کر اپنے حاشیہ برداروں کے ساتھ بلخ چلا گیا۔ لیکن وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ خاقان ترک وہاں سے جا چکا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے دارالسلطنت فرغاز پہنچ گیا۔ ایرانی کسریٰ سے یہ خزانے چھین کر سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور وہ سارے خزانے ان کے حوالے کر کے اپنے اپنے شہروں میں چلے گئے اور نہایت امن و امان سے اپنی زندگی کے دن گزارنے لگے۔

یزدجرد کچھ عرصہ وہاں مقیم رہنے کے بعد ترکستان بھاگ گیا۔ اگرچہ یزدجرد کے فرار کے بعد بنی ساسان کا سورج غروب ہو گیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی وہ برسوں تک اپنے آباؤ اجداد کے اس ملک پر دوبارہ قبضہ کرنے کے خیالی نقشے بناتا رہا اور وہ سمجھتا رہا کہ ایک نہ ایک روز ایران میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت ہو گی اور وہ سرزمین ایران کے ان غاصبوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے لیکن یہ ساری باتیں اس کے ذہن ہی تک محدود تھیں۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ خیالی نقشوں میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے خراسان کے ان لوگوں سے خط و کتابت بھی کرتا رہا، جن کے خلوص اور وفاداری پر اسے پورا پورا اعتماد تھا۔ لیکن اس کا خیال حقیقت میں تبدیل نہ ہو سکا۔

بعض رویات میں ہے کہ ۲۹ھ میں جب عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے تو

اس وقت اصطخر اور جور کے سوا سارا فارس فتح ہو چکا تھا۔ جب اصطخر پر مجاہدین اسلام نے حملہ کیا تو یزدجرد اصطخر سے جور بھاگ گیا لیکن وہاں بھی اسے قرار نصیب نہ ہو سکا اور وہ وہاں سے بھاگ کر اردشیر خرہ پہنچا۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ۳۰ھ میں اس کے تعاقب میں مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا (بعض روایات میں ہرم بن حیان العبدی کا نام ہے) انہوں نے کرمان تک اس کا پیچھا کیا لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ لگا اور وہ سجستان ہوتا ہوا خراسان چلا گیا۔ اس تعاقب میں مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھی برف اور سردی کی شدت سے سخت نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس کے بھاگنے کی رفتار ان کے تعاقب سے تیز تھی۔ اس وجہ سے وہ پکڑا نہ گیا۔

(ابن اثیر: ۳/ ۵۹، طبری: ۳/ ۳۲۷)

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خراسان اور دوسرے کئی ایک شہروں میں جو بغاوتیں ہوئی تھیں، ان میں بھی یزدجرد کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ جب خراسان میں بغاوت ہوئی تو یزدجرد نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ترکستان سے مرو پہنچ کر ان لوگوں کو جمع کیا، جن سے اس کی خط و کتابت ہوئی تھی لیکن مجاہدین اسلام نے بہت جلد یہ بغاوت فرو کر کے ان لوگوں سے زمام حکومت چھین لی، جنہوں نے مسلمانوں کی بالادستی سے انحراف کیا تھا۔ یزدجرد کے ساتھیوں نے اپنی شکست سے یہ سمجھا کہ اب ان میں اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت نہیں ہے، لہٰذا وہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور یزدجرد مجبور ہو گیا کہ جہاں سے آیا تھا، وہیں واپس چلا جائے۔ لیکن اس دفعہ اس کا بھاگنا آسان نہیں تھا۔ کیونکہ پورے ایران میں اب اس کا کوئی حامی اور ساتھی نہیں رہا تھا اور مسلمانوں کے جاسوس ہر وقت اس کے تعاقب میں تھے۔

علامہ ابن اثیر اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب کسریٰ مرو کی سرحد پر پہنچا تو وہاں کا فرمانروا اس وقت ماہویہ تھا، جو کسی زمانے میں اس کا باج گزار تھا۔ اس نے اس کی بڑی عزت و تکریم کی۔ جب سرزمین ترکی کے فرمانروا نیزک طرخان کو اس کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھی اس کے پاس آیا اور ایک ماہ تک اس کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ بعد میں یزدجرد کو ایک خط لکھا، جس میں اس کی بیٹی سے اپنا پیام دیا۔ یزدجرد کو یہ بات ناگوار گزری کہ ساسانی خاندان کی بیٹی سے ایک ترک شادی کر لے۔ چنانچہ اس خط کے جواب میں یزدجرد نے اسے لکھا کہ تم

ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہو۔ لہٰذا تمہیں کیسے جرأت اور ہمت ہوئی کہ مجھے میری بیٹی کا پیام دو اور ماہویہ کو حکم دیا کہ اس سے سوال کا محاسبہ کرے۔

نیزک طرخان بھی ایک ترک تھا۔ اس کو یزدجرد کا جب یہ خط ملا تو اس نے اسے اپنی توہین سمجھا اور غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے عزم کر لیا کہ یزدجرد کو اس توہین آمیز خط کا مزہ چکھائے گا۔ چنانچہ اس نے ترک فوج تیار کی اور یزدجرد اور اس کے ساتھیوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس حملے میں یزدجرد خود تو بچ گیا لیکن اس کے تمام ساتھی اور اہل وعیال مارے گئے یا آوارہ دشت ادبار ہو گئے اور وہ یکا و تنہا رہ گیا۔ وہ نہایت خستہ حالت میں اپنی جان بچانے کے لیے پیادہ پا دریائے مرغاب کی جانب بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے شام ہو گئی۔ رات کی اس تاریکی میں وہ ایک آسیابان (چکی والے) کے ہاں پناہ گزین ہو گیا اور اس کے گھر میں بغیر کچھ کھائے پیئے تین دن تک ٹھہرا رہا۔ آخر ایک روز چکی والے نے اس سے کہا:

اخرج ایها الشقی فکل طعاما فقد جعت.

''اے بد بخت! باہر نکل کر کچھ کھا لو تم (تین روز سے) بھوکے ہو۔''

(ابن اثیر: ۳/ ۶۰، طبری: ۳/ ۳۴۶)

اس سلسلہ میں طبری وغیرہ نے کئی روایات نقل کی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یزدجرد رات کو سو گیا تو چکی والے نے اسے قتل کر کے سارا سامان لے لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ رات سوتے میں ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر مارا اور بعد میں اس کا سر کاٹ کر سپاہیوں کے حوالے کر دیا اور جسم نہر میں پھینک دیا۔ **(طبری: ۳/ ۳۴۲، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۸)**

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خراسان کے بعد جو سپاہی اس کا تعاقب کر رہے تھے، انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ابن خلدون، بلاذری اور دوسرے مؤرخین نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ:

اہل مرو جو کہ یزدجرد کے حامی تھے، ان کو یزدجرد کی ہلاکت کا پتہ چل گیا لیکن وہ اس کی لاش کی تلاش کرتے ہوئے چکی والے کے مکان پر آئے اور اس سے یزدجرد کا پتہ پوچھنے لگے لیکن اس نے انہیں کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ آخر انہوں نے جب اسے گرفتار کر کے تشدد کیا تو اس نے یزدجرد کے قتل کا سارا واقعہ سنا دیا اور وہ سامان، تاج اور کپڑے دکھائے جو اس نے یزدجرد کو قتل کرنے کے بعد اپنے قبضہ میں لیے تھے۔ سپاہیوں نے چکی والے اور اس کے گھر

کے سب آدمیوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا وار اس کی لاش اور سامان لے کر اصطخر آئے اور اسے تمارس (یاناؤس) کے مقام پر دفن کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ اس چکی والے نے اپنے کلہاڑے سے اس کا سر کاٹ کر اس کے ناپاک جسم کو دریا میں پھینک دیا اور اس کا پیٹ چاک کر کے دریا میں اگے ہوئے ایک درخت کی جڑیں اس کے چاک شدہ پیٹ میں بھر دیں تا کہ اس کی لاش پانی میں ڈوبی رہے اور اوپر نہ آئے۔ (طبری: ۳/ ۳۴۸، ابن اثیر: ۳/ ۶۱)

طبری کی ایک روایت میں ہے کہ یزدجرد چودہ میل کا پیدل سفر کر کے چکی والے کے گھر میں داخل ہوا۔ درماندگی اور بھوک اور پیاس کی شدت نے اس کے تمام جسمانی قویٰ کو مضحل کر دیا ہوا تھا۔ اس کی ظاہری ہیئت اور شکل وصورت دیکھ کر چکی والا سمجھا کہ کوئی کھاتا پیتا شخص ہے لیکن مصائب کے تھپیڑوں نے اسے خستہ حال بنا دیا ہے۔ اس نے اس کی بڑی عزت وتکریم کی۔ فرش بچھایا، کھانا حاضر کیا۔ یزدجرد ایک رات وہاں ٹھہرا۔ جب جانے لگا تو اپنا زریں کمر بند جس میں قیمتی جواہرات لگے ہوئے تھے حق خدمت کے طور پر آسیابان کو دیا۔ اس نے وہ کمر بند لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے حق خدمت کے طور پر صرف چار درہم دے دیں۔ وہی میرے لیے کافی ہوں گے۔ لیکن یزدجرد جس کے پاس کسی زمانے میں کھربوں دینار تھے، کہنے لگا کہ

لا ورق معه.

''اس کے پاس کوئی نقدی نہیں۔'' (طبری: ۳/ ۳۴۷، ابن اثیر: ۳/ ۶۱)

طبری اور ابن اثیر ہی نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے چکی والے کے گھر میں یزدجرد کو دیکھ لیا۔ یزدجرد نے اس خیال سے کہ یہ شخص کہیں میرا تعاقب کرنے والوں کو اطلاع نہ دے دے، اسے اپنی انگوٹھی، کمر بند اور کنگن دیا لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ مجھے صرف چار درہم چاہئیں۔ یزدجرد نے کہا کہ میں جو انگوٹھی تمہیں دے رہا ہوں، اس کی قیمت کا کوئی حد و شمار نہیں ہے لیکن اس نے چار درہم پر اصرار کیا۔ یزدجرد نے کہا کہ مجھے (شاید نجومیوں نے) بتایا تھا کہ میں کبھی چار درہم کا محتاج ہوں گا اور:

اضطر الی ان یکون اکلی اکل الهر.

''میں اضطرار کی اس حالت کو پہنچ جاؤں گا کہ میری خوراک بلی کی خوراک ہوگی۔''

لہٰذا میں نے اپنی اس حالت کو دیکھ لیا ہے کہ آج میرے پاس تمہیں دینے کے لیے چار درہم بھی نہیں۔ (طبری: ۳/۳۲۶، ابن اثیر: ص ۶۱)

کسریٰ ایران یزدجرد کی موت سے جہاں جناب رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کی صداقت ثابت ہوتی ہے، وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت وجلالت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے مبارک عہد خلافت میں اسلام کا وہ دشمن جس نے اپنی ساری زندگی اور توانائی اسلام کی مخالفت میں صرف کر دیں، ایسی ذلت کی موت مرا کہ قیامت تک لوگ اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ دنیا کا وہ عظیم الشان شہنشاہ جس کے دارالسلطنت کی فتح پر مسلمانوں کو دوسرے قیمتی سامان کے علاوہ بیس کھرب دینار ملے، ایک چکی والے کے ہاتھوں ذلیل موت مرا اور اس قلاشی اور مفلسی میں مرا کہ اس کے پاس چار درہم بھی نہ تھے۔ بس یہی کہنا پڑتا ہے:

اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کا وہ مخالف جس نے قادسیہ، نہاوند، ہمدان، مدائن، بہرشیر اور دوسری کئی ایک جنگوں میں مجاہدین اسلام بلکہ خود دین اسلام کو ذلیل وخوار کرنے کا کوئی حربہ نہ چھوڑا، اسلام کا نام لینے والا ایک شاعر فردوسی اس کے غم میں آنسو بہاتا ہے اور اس کی موت پر اپنا مرثیہ لکھ کر اظہار عقیدت کرتا ہے۔ یہ صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا اثر ہے اور فارس سے اس کی عقیدت کا نتیجہ جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔

فتنہ کی لہریں

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قریباً ۱۲ سال خلافت راشدہ کو اسی کامیابی سے چلایا جس کامیابی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، وغیرہ کے باہمی تعاون (MUTUAL CO-OPERATION) سے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی۔ سلطنت کی پہنائیوں میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوا۔ بحریہ کے وجود میں آنے سے سمندر پار کے علاقے بھی مسلمانوں کی دسترس میں آ گئے اور افریقہ، یورپ اور برصغیر ہندو پاک کی سرحدوں پر مسلمانوں کے گھوڑے ہنہنانے لگے۔ مصر کا سارا علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ طرابلس، قبرص، روڈس، سجستان، طخارستان، ہسپانیہ، طالقان، فاریاب، آرمینیہ، جوزجان، بجستان، طبرستان، نیشاپور، ابرائن، سرخس، ہرات اور کابل وغیرہ کے علاقے مسلمانوں کے زیرنگین ہو گئے۔ فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، تجارت اور زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم ونسق نے ملک میں فارغ البالی، تمول اور عیش وتنعم کو عام کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایام رسالت کی سادگی کو یاد کر کے اور اس زمانہ کے سامان تعیش وثروت اور تمول کو دیکھ کر حد درجہ غمگین ہوتے تھے۔ جیسے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ انہوں نے زمانے کے انقلاب کا بالکل ساتھ نہیں دیا تھا اور جیسی ان کی حالت عہد رسالت میں تھی ویسی ہی آخر عمر تک رہی۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، لیکن عمر رضی اللہ عنہ اور ان

کے بیٹے عبداللہ بالکل نہیں بدلے۔'' (مستدرک حاکم: ۳/۵۶۱)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ہم میں سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو زمانے کی دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، لیکن ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہ ہوا۔''

(تہذیب التہذیب: ۵/۳۳۰)

اس قسم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ متشدد مسیح الاسلام سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے جو اپنی سادگی اور زہد کی وجہ سے مسلمانوں کی اس حالت کو دیکھ کر نہایت پریشان اور غم گین ہوتے تھے۔ وہ برملا کہتے تھے کہ ضرورت سے زائد دولت کا جمع کرنا ایک مسلمان کے لیے بالکل جائز نہیں۔

یہ درست ہے کہ اسلام ایسی دولت کے جمع کرنے سے سختی سے روکتا ہے جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہ کیے جائیں۔ اور یہ بھی درست ہے کہ زیادہ دولت سے وہ سادگی اور زہد و تقویٰ قائم نہیں رہتا جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے۔

لیکن اس طرح کی سختی جیسی کہ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، اسلام کے اجتماعی نظام میں کسی صورت بھی جائز نہ تھی۔ بہرحال مؤرخین نے مال و دولت کی بہتات اور سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس بارے میں ردعمل کو بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش کی وجہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ وجہ ایسی نہیں ہو سکتی کہ جس سے ایک خلیفہ راشد کے خلاف لوگ شورش برپا کر دیں۔

مؤرخین نے اس سبب کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی لکھے ہیں جن کی بناء پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کی گئی۔ ان اسباب میں سے چند ایک یہ ہیں:

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہ راست مستفیض ہوئی تھی، ختم ہو چکی تھی جو لوگ موجود تھے وہ اپنی کبر سنی کے سبب سے گوشہ نشین ہو رہے تھے اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی۔ یہ نوجوان زہد و اتقاء، عدل و انصاف، حق پسندی اور راست بازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے۔ اس بناء پر رعایا کے لیے ویسے فرشتہ رحمت ثابت نہ ہوئے، جیسے ان کے اسلاف تھے۔

② حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے

امامت وخلافت کے لیے قریش کا خاندان مخصوص ہو گیا تھا اور بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر انہی کو ملتے تھے۔ نوجوان قریشی اس کو اپنا موروثی حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے۔ عام عرب قبائل کا دعویٰ تھا کہ ملک کی فتوحات میں ہماری تلواروں کی بھی کمائی ہے۔ اس لیے وظائف، منصب اور عہدوں میں قریش اور ہم میں مساوات چاہیے۔

③ اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک کا علاقہ اسلام کے زیر نگین تھا جس میں سینکڑوں قومیں آباد تھیں۔ ان محکوم قوموں کے دلوں میں قدرتاً مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا لیکن وہ ان کی قوت کے مقابلہ میں بے بس تھے۔ اس لیے انہوں نے سازشوں کا جال پھیلایا، جن میں سب سے آگے مجوسی (ایرانی) اور یہودی تھے۔

④ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فطرتاً نیک، ذی مروت اور نرم خو تھے۔ عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اکثر جرائم کو بھی بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے۔ اس سے بھی شریروں کے حوصلے بڑھ گئے۔

⑤ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اموی تھے، اس لیے فطرتاً ان کے جذبات اپنے اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہانہ تھے اور آپ ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے اور اپنے ذاتی مال سے ان کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ شریر لوگوں نے اس کو یوں ملک میں پھیلایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سرکاری بیت المال سے ان کے ساتھ داد و دہش کرتے ہیں۔

⑥ ہر امام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں۔ اسلام کی دوسری نسل میں جواب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی۔ اس میں امام وقت کی اطاعت کا وہ جذبہ نہ تھا جو اول الذکر نسل میں موجود تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے قیام و استحکام کے لیے بنی امیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے۔

⑦ مختلف محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لیے انقلاب کے خواہاں تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔

⑧ غیر قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے

جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں ان کی اولادیں بہت کچھ فتنہ کا باعث بنیں۔(خلفائے راشدین، معین الدین ندوی: ص۱۹۴۔۱۹۵)

تیسرے اور چوتھے سبب کے علاوہ دوسرے اسباب ہوسکتا ہے کہ کسی حد تک درست ہوں، لیکن یہ بنیادی اسباب نہیں ہیں بلکہ اس شورش کا بنیادی سبب وہ سازش ہے جو یہودیوں اور ایرانیوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف کی اور مسلمانوں میں تشتت وافتراق کا وہ بیج بویا جس کی فصل کو آج تک کاٹا جا رہا ہے۔ وگرنہ یہ سارے اسباب جو ہمارے مؤرخین نے بیان کیے ہیں وہ ہیں جن کو شورش پسند بیان کرتے ہیں۔ اور ہم آئندہ صفحات میں واضح دلائل سے بیان کریں گے کہ ان کے یہ سارے اعتراضات سراسر غلط تھے۔ ان دونوں گروہوں (یہودیوں اور مجوسیوں) نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس طرح کیوں مخالفت کی؟ اس کی چند وجوہات ہیں۔

خلافت عثمانی میں فتنہ کے برگ وبار:

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی سازش کا نتیجہ تھی جو یہودیوں اور مجوسیوں کے باہمی گٹھ جوڑ سے ترتیب دی گئی تھی۔ لیکن ہرمزان اور جفینہ کے قتل اور فیروز ابولولو کی خودکشی نے اس سازش کو طشت از بام نہ ہونے دیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو سازشی عناصر نے ملک کے مختلف گوشوں میں خفیہ طور پر پراپیگنڈے کے مراکز قائم کر کے سلطنت اسلامیہ میں تشتت وافتراق کے ڈائنامیٹ لگانے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں کی توجہات فتح وتسخیر کے ان منصوبوں کی جانب مرکوز تھیں، جن کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نامکمل چھوڑ گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے ان سازشی عناصر کی طرف خاص توجہ نہ کی۔ لہٰذا ان کو اندر ہی اندر کھل کھیلنے کا موقع مل گیا اور ان کی خلافت کے چھ سال بعد وہ زمین دوز بم (MINES) پھٹنے شروع ہو گئے جن کو ان لوگوں نے شبانہ روز محنت سے لگایا تھا۔

دوسری طرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فطری طور پر نرم دل اور سلیم الطبع تھے۔ مروت اور نرم خوئی آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ آپ کے مزاج کے خلاف تھا۔ اس لیے ان کے دور خلافت میں شریروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہیں اپنی تحریک کو تیزی کے ساتھ چلانے کے موقع مل گئے۔

عبداللہ بن سباء، قائد تحریک:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص عبداللہ بن سباء نے جو دراصل ایک یہودی تھا اور اہل اسلام کو دھوکہ دینے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا، ملک کے مختلف شہروں میں دورے کرنے شروع کر دیے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پراپیگنڈہ مشینری کو تیزی کے ساتھ چلانے کے منصوبے تیار کرنے شروع کر دیے۔ یہ شخص بڑا فتان اور سازشی ذہن کا مالک تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور ان میں ایک جماعتی نظم ونسق پیدا کیا اور تحریک کو ضبط وترتیب سے چلانے کے لیے ایک شاندار پلاننگ کی۔

خلافت عثمانی میں قریباً چھ سال تک حالات معمول پر رہے۔ لیکن آپ کی خلافت کے آخری سالوں میں عبداللہ بن سباء (جس کو ابن السوداء بھی کہتے تھے) اور اس کے داعی اور سفیروں نے ہر جگہ دورے کر کے خلیفہ اسلام اور ان کے گورنروں کے خلاف زہر اگلا اور امن و عافیت کی فضاء کو اپنے نفرت انگیز لیکچروں سے مسموم بنا دیا۔ اہل بیت نبوت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے محبت اہل بیت کا نعرہ لگایا اور ملک میں فتنہ برپا کرنے کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیے۔

① عمال اور گورنروں کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے ان کو بدنام کرنا خواہ اس کے لیے ان پر جھوٹے تہامات ہی کیوں نہ لگانا پڑیں۔

② امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر ناانصافی اور کنبہ پروری کے الزامات کی تشہیر کرنا۔

③ بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر اپنا معتقد بنانا اور اپنے دام تزویر میں پھانسنا۔

ان طریقوں سے انہوں نے عوام میں خلافت اسلامیہ کے خلاف ایک نفرت پیدا کر دی اور تمام اسلامی مرکزوں میں اس سازش کا جال پھیلا دیا۔ نیز ہر جگہ سیاسی دعاۃ اور ان کی خفیہ خط وکتابت کے ذریعہ ایسا وسیع اور منظم پراپیگنڈہ کیا کہ چند ہی روز میں ملک کی امن و عافیت کی ساکن فضا میں فتنہ وفساد کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگوں کے قلبی اور ذہنی سکون میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا۔ (طبری: ۵/۹۴، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۶۸)

عبداللہ ابن سباء کا حدود اربعہ:

یہ عبداللہ بن سباء کون تھا؟ یہ دراصل ملک یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ ۲۵ھ میں اس نے ظاہری طور پر اسلام کو قبول کیا، لیکن اندر سے اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ اس کے اسلام لانے کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ دوستوں کے بھیس میں دشمنی کرے اور اسلام کے لیے مار آستین ثابت ہو اور بانی اسلام اور اہل اسلام سے اپنے ان یہودی بھائیوں کا بدلہ لے جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے جلا وطن کیا تھا اور بعد میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو عرب کی سرزمین ہی سے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا۔ لہٰذا اس نے اندر ہی اندر ایک خفیہ تحریک چلائی اور اسلامی اصولوں اور عقائد کے سراسر منافی باتوں کی تشہیر کی۔

شیعہ مذہب کے اسماء الرجال کے مشہور امام ابوعمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی جو چوتھی صدی کے مشہور شیعہ علماء میں سے تھے، عبداللہ بن سباء کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سباء یہودی تھا۔ وہ اسلام لایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرنے لگا۔ وہ اپنی یہودیت کے زمانے میں موسیٰ علیہ السلام کے وصی سیدنا یوشع بن نون کی شان میں غلو کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اپنے اسلام کے زمانہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی مبالغہ آمیز باتیں کرتا تھا اور وہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی فرضیت کے عقیدہ کو شہرت دی اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار کیا۔ ان کے مخالفین کو عیاں اور منکشف کیا اور ان کی تکفیر کی اور انہی باتوں کی وجہ سے شیعہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض کی اصل بنیاد یہودیت ہے۔''

(رجال الکشی: ص ۱۰۱، مطبوعہ عراق)

حضرات شیعہ کے مشہور امام الجرح والتعدیل ''المامقانی'' نے بھی اپنی کتاب میں رجال الکشی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو، تنقیح المقال: ۲/۱۸۴)

یہی وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے محبت علی رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر خلفائے راشدین کو ہدف تنقید بنایا اور ان کی شان کے بارے میں سخت نازیبا قسم کے الفاظ کہے جو آج تک نسلاً بعد نسل نقل کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ حضرات ہی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ:

''عبداللہ بن سباء وہ آدمی تھا جس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کی بدعت کو جاری کیا اور ان سے بیزاری کا اظہار کیا اور وہ یہ کہتا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑا اور اس بات کے بارے میں اس سے پوچھا، اس نے اس کا اقرار کیا۔ آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ لوگ چلائے کہ اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کیا آپ ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جو آپ کی محبت، آپ کے اہل بیت کی محبت اور آپ کی ولایت کی دعوت دیتا ہے اور آپ کے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ پس آپ نے اسے مدائن بھیج دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اہل علم ساتھیوں کی ایک جماعت بیان کرتی ہے کہ عبداللہ بن سباء یہودی تھا وہ اسلام لایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اپنی محبت کا دعویٰ کرتا تھا۔ جب وہ یہودی تھا تو وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے بارے میں یہ بات کہا کرتا تھا (کہ وہ ان کے وصی ہیں) یہی بات وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا تھا۔ وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی فرضیت کا عقیدہ ایجاد کیا، اور آپ کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین کو منکشف کیا۔ اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض، یہودیت سے ماخوذ ہے۔''

(فرق الشیعۃ النوبختی: ص ۴۳-۴۴ عراق)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن سباء کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''عبداللہ بن سباء ایک یہودی تھا۔ اس نے اسلام کا اظہار کیا اور مصر چلا گیا اور لوگوں کو اپنی ایجاد کردہ باتوں میں پھانسا۔ جن کا مضمون کچھ اس طرح ہے کہ وہ ایک آدمی کو کہتا کہ کیا یہ ثابت نہیں ہے کہ عیسیٰ ابن مریم اس دنیا میں واپس آئیں گے۔ وہ آدمی کہتا کہ ہاں۔ پس وہ اس سے کہتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ لہٰذا آپ اس بات کا کیسے انکار کرتے ہیں کہ وہ پھر اس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔ پھر وہ کہتا کہ سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ لہٰذا علی رضی اللہ عنہ خاتم الاوصیاء ہیں۔ پھر وہ کہتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ حکومت کے مستحق ہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ

ان کے حق ولایت میں تعدی کر رہے ہیں۔لوگ اس کی ان باتوں کی تردید کرتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ،لیکن اس نے اپنے ان عقائد کے پرچار سے مصر کے بہت سے باشندوں کو فتنہ میں ڈال دیا۔کوفہ اور بصرہ کے بھی بہت لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلیا۔(البدایہ والنہایہ:۷/۱۶۷۔۱۶۸)

اس نومسلم یہودی نے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے،شروع میں محبت اہل بیت نبوی کا لبادہ اوڑھا اور سادہ دل مسلمانوں کو اپنے دام تقویٰ و زہد میں گرفتار کیا، وہ دودمان نبوی سے اخلاص و محبت کا کمال درجہ اظہار کرتا جس کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کے دام فریب میں آ گئے۔ اس کے بعد اس نے مسلمانوں کے ذہنوں میں کچھ عقائد ٹھونسنے شروع کیے جیسے فرضیت امامت علی رضی اللہ عنہ،تعطیل شریعت، مسئلہ بداء،عقیدہ رجعت، ائمہ کرام کے علم غیب کا مسئلہ اور تحریف قرآن کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں جو احادیث نبویہ وارد ہوئی تھیں ان کے علاوہ اور بہت سی موضوعات و مکذوبات لوگوں کو سنانی شروع کر دیں۔

مصر اس تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا کیونکہ عبداللہ بن سباء وہاں اکثر جاتا، چنانچہ مشہور شیعی مؤرخ صاحب ''روضۃ الصفاء'' نے لکھا ہے:

''عبداللہ بن سباء کو جب پتہ چلا کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی ایک کثیر تعداد مصر میں ہے،تو وہ مصر گیا اور اپنے علم وتقویٰ کا وہاں لبادہ اوڑھا اور ان میں اپنا رسوخ حاصل کرنے کے بعد اپنے مذہب اور مسلک کو رائج کیا اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا اور ان کے ذہنوں میں ڈالا کہ ہر نبی کا ایک وصی اور خلیفہ ہوتا ہے۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی اور خلیفہ صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں جو علم وفتویٰ کے حامل ہیں اور شجاعت وسخاوت سے متصف اور امانت وتقویٰ سے مزین ہیں۔امت محمدیہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا ہے اور ان کے حق کو غصب کیا، وہ حق خلافت و ولایت کا ہے۔لہٰذا ہر مسلمان کو ان کی امداد اور نصرت کرنی چاہیے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکنا چاہیے۔اس کے اس وعظ و نصیحت سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے اور انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سرکشی اور بغاوت کر دی۔'' (روضۃ الصفاء:۲/۲۹۲،ایران)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور دوسرے مؤرخین نے بھی مصر میں اس کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے

خلاف اس قسم کی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۶۷۔ ۱۶۸)

یہ نومسلم یہودی مدینہ منورہ بھی گیا۔ ابتداء میں تو مدینہ طیبہ میں اس کا قیام نا قابل التفات سمجھا گیا اور کسی نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن یہ اپنے قیام مدینہ کے دوران میں مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں کی ٹوہ لگاتا رہا۔ بنوامیہ اور بنو ہاشم کی پرانی چپقلش اس نے وہاں کے بعض لوگوں سے سنی۔ وہ ان دونوں قبائل کے مابین منافرت کا بیج بونا چاہتا تھا لیکن اس میں اس کو چنداں کامیابی نہ ہوئی۔

بصرہ میں فتنہ کی ابتداء:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ کے مختلف صوبوں کے پانچ دارالسلطنت تھے:

① مدینہ طیبہ ② کوفہ ③ بصرہ ④ دمشق ⑤ فسطاط (مصر کا صدر مقام)

مدینہ منورہ اور مصر کے علاوہ عبداللہ بن سباء بصرہ اور کوفہ بھی گیا۔ کیونکہ وہ سلطنت کے پانچوں صدر مقاموں پر اپنی جماعتیں قائم کرنا چاہتا تھا تا کہ سلطنت اسلامیہ میں ایک مکمل اور منظم تحریک چلائی جا سکے۔ چنانچہ اس نے اب بصرہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اپنی ساری قوتیں اور توانائیاں بصرہ میں اپنی جماعت کے نظم ونسق پر صرف کر دیں۔

ان دنوں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبلہ رہتا تھا۔ یہ ایک لٹیرا اور ڈاکو قسم کا آدمی تھا۔ اس کی عادت یہ تھی کہ جب بھی مجاہدین اسلام کا کوئی لشکر کہیں جاتا تو یہ شخص بھی اس میں شامل ہو جاتا اور جب کبھی موقع ملتا یہ اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعایا کو لوٹ لیتا۔ اس لحاظ سے اسلامی مملکت میں اس کی دور دور شہرت ہوگئی۔ اس کی کارکردگی کی یہ رپورٹیں گورنر بصرہ اور دیگر لوگوں کی وساطت سے آستانہ خلافت میں پہنچیں تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے گورنر بصرہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کو حدود بصرہ میں نظر بند کر دیں اور اس کو مملکت اسلامیہ میں کہیں نہ جانے دیں اور اس پر کڑی نظر رکھیں تا کہ غیر مسلم اور مسلم رعایا کے اموال اور ان کی جانیں اس غارت گر سے محفوظ و مصئون رہیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ نے اس کو حدود بصرہ میں نظر بند کر دیا جس سے اس کے جذبات مملکت اسلامیہ کے گورنر اور خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سخت خلاف ہو گئے۔

عبداللہ بن سباء ایسے افراد کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا، کیونکہ ایسے افراد سے اس کی مقصد براری بڑی جلد ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہ ۳۲ھ میں مدینہ طیبہ سے بصرہ پہنچا اور حکیم بن جبلہ سے ملاقات کی۔ حکیم نے اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور اسے ہر آڑے وقت میں اپنی اعانت کا یقین بھی دلایا۔ عبداللہ بن سباء حکیم کی معرفت اور بھی کئی سادہ لوح مسلمانوں کو ملا اور ان لوگوں سے بھی ملا جو حکیم بن جبلہ کے قماش کے تھے۔ اپنی دعوت اور نظریات پیش کرنے سے قبل اس نے ان کے ذہنوں میں اپنے علم وتقویٰ کی عظمت بٹھائی اور پھر حب اہل بیت نبوت کا تقدس ان کے سامنے پیش کیا۔ جب وہ اس کے دام تزویر میں پھنس گئے پھر آہستہ آہستہ اپنے غیر اسلامی نظریات ان کے اذہان میں اتارنے کی کوشش کی جس میں کافی حد تک وہ کامیاب بھی ہوا۔

ان نظریات میں ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ خلافت کے صحیح حق دار دراصل سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیونکہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے خاندان بنو ہاشم سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے حق خلافت کو غصب کیا تھا اور اب وہی کام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ لہٰذا اہل بیت نبوت سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت نبوت چھین کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دی جائے۔ خواہ اس کے لیے کتنی بڑی قربانی کیوں نہ کرنی پڑے۔

گورنر بصرہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جب عبداللہ بن سباء کی کارگزاریوں کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً ابن سباء کو بلایا اور اس سے پوچھا:

من انت؟ فقال: رجل من اهل الكتاب رغبت فی الاسلام وفی جوارک.

”تو کون ہے؟ اس نے کہا، میں اہل کتاب (یہودیت) کا ایک فرد ہوں۔ اسلام کو حق جانتے ہوئے اس کو قبول کیا ہے اور اب کچھ عرصہ سے آپ کے ہاں پناہ گزین ہوں۔“

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا، تم غلط کہتے ہو۔ تم اسلام اور اہل اسلام کے مابین تشتت وافتراق کی خلیج پیدا کر رہے ہو۔ تمہاری یہ سرگرمیاں دینی اور ملکی مفادات کے سراسر خلاف ہیں۔ لہٰذا تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ تمہارے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔

(ابن اثیر: ۳/۴۲)

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ کے حکم سے اگرچہ ابن سباء نے بصرہ کو چھوڑ

دیا۔ لیکن حکیم جبلہ اور دوسرے کئی افراد کے دلوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جس نظریہ کا بیج بویا تھا، حالات کے شب و روز بعد میں اس کی آبیاری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک اچھا خاصا گروہ اس کا ہم خیال ہو گیا جس کی قیادت حکیم بن جبلہ کرتا رہا۔

بصرہ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنری کے عہدہ پر فائز تھے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اگرچہ نہایت عالم و فاضل اور صاحب فتویٰ صحابی تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۰۔۲۱) لیکن سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے آخری ایام میں بصرہ کے کچھ لوگ آپ کے مخالف ہو گئے تھے۔ وہ آئے دن ان کے خلاف دربار خلافت میں مختلف قسم کی شکایتیں کرتے رہتے تھے، لیکن صولت فاروق ان کو اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دیتی تھی۔ خلافت فاروقی کے بعد خلافت عثمانی میں لوگوں کی شکایتیں اور زیادہ ہو گئیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کر دیا۔ مطالبہ کی شدت کے باعث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو گورنری کے عہدے سے معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ (ابن اثیر: ۳/۴۹)

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس معزولی اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جیسے نوجوان صحابی کی تقرری کو بھی مخالفین عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت اچھالا۔ اور اس چیز کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک حربے کے طور پر استعمال کیا۔

ابن سباء کا کوفہ میں داخلہ:

جب سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ابن سباء کو بصرہ سے نکال باہر کیا تو وہ کوفہ چلا گیا۔ وہ ۳۳ھ میں کوفہ گیا اور وہاں بھی بصرہ کی طرح اہل بیت کی آڑ میں سادہ دل مسلمانوں کے عقائد کو خراب اور حکومت کے خلاف ان کے دلوں میں بغاوت کے جراثیم پیدا کرنے لگا۔ کوفہ کی سرزمین اس کی تحریک کو کچھ زیادہ ہی راس آئی اور اس کی دعوت سے متاثر ہو کر ایک بڑی منظم جماعت کی تشکیل عمل میں آئی۔

مالک الاشتر، جندب، ابن ذی الحنکہ، صعصعہ، ابن الکواء کمیل اور عمیر بن ضابی وغیرہ لوگ اس تحریک کو بطور سرپرست مل گئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ریاست و امارت قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ممالک کو چونکہ عام مسلمانوں نے فتح کیا ہے۔ لہٰذا

وہ سب اس کے مستحق ہیں۔ خواہ وہ کسی قبیلہ یا کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔ گورنر کوفہ سیدنا سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کو خاص دشمنی تھی، کیونکہ وہ ان پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان کو بھی بدنام کرنے کے لیے ہر روز ایک نئی تدبیر سوچنی شروع کر دی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے تو آپ نے کوفہ پہنچ کر شہر کے رئیسوں اور قادسیہ کے باشندوں سے اپنے بے تکلفانہ مراسم بڑھا لیے۔ کعب بن مالک، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس النخعی، ثابت بن قیس ہمدانی، جندب بن زہیر، جندب بن کعب ازدی، عروہ بن جعدہ، عمرو بن الحمق الخزاعی، صعصعہ بن صوحان، ابن الکواء، کمیل بن زیاد، عمیر بن ضابی، طلیحہ بن خویلد وغیرہم، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کثرت سے آتے جاتے اور مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی، اور بعض دفعہ ہنسی مذاق کی بھی باتیں ہوتیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اس ہنسی مذاق میں کچھ تلخ کلامی بھی ہو جاتی۔ ایک روز اتفاق ایسا ہوا کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هذا السواد بستان قريش.

''یہ سرزمین قریش کا باغ ہے۔''

اس پر مالک الاشتر نے کہا:

اتزعم ان السواد الذی افاء ه الله علینا باسیافنا بستان لک ولقومک؟

''کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ جس سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کی وجہ سے ہمیں دیا وہ آپ کا اور آپ کی قوم (قریش) کا باغ ہے۔؟''

مالک الاشتر کے اس جواب پر مجلس میں اس کی حمایت اور تردید میں آوازیں اٹھیں اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جب شور وغل زیادہ ہو گیا تو سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے ایک پولیس آفیسر عبدالرحمٰن اسدی نے اس ہنگامے سے منع کیا۔ عبدالرحمٰن اسدی کے منع کرنے پر لوگ اس پر ٹوٹ پڑے۔ اور ان کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر انہوں نے ان کو پاؤں سے پکڑ کر کھینچا، بعد میں ان کے منہ پر پانی چھڑکا اور انہیں کچھ افاقہ ہوا۔ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ سے بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک دربان کے ذریعے اپنے ہاں لوگوں کی آمد ورفت بند کر دی، اور رات کے وقت قصہ وداستان کی مجلس بالکل ختم کر دی۔ فتنہ پرداز لوگوں نے سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو اپنی توہین

سمجھا اور بہت برا منایا۔

ان لوگوں نے اب دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ کہ وہ جگہ جگہ دو دو چار چار کی ٹکڑیوں میں کھڑے ہوتے اور:

بشتمون عثمان وسعید او اجتمع الیھم الناس حتی کثروا.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتے۔ اس طرح بہت سے لوگ ان کے اردگرد جمع ہو جاتے۔''

اور بعض لوگ ان کے اس پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کرتے۔ یہ معاملہ زیادتی اختیار کر گیا۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ ان پر سختی کرنے کا ارادہ کرتے لیکن پھر بعض وجوہات کی وجہ سے رک جاتے، کیونکہ ان پر سختی اور تشدد کا معاملہ بہتر صورت اختیار کرنے کے بجائے اس کو بگاڑتا۔

(ابن اثیر: ۳/۷۰، ابن خلدون: ۳/۱۰۳۱)

ان مفسدہ پردازوں کی آئے دن کی شرارتوں سے تنگ آ کر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور اشراف کوفہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ غدارا ان فتنہ جو اور امن دشمن اشخاص سے سرزمین کوفہ کو جلد از جلد نجات دلائی جائے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے قیام امن کی خاطر قریباً دس آدمیوں کو جو اس تحریک کے روح رواں تھے کوفہ سے جلاوطن کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا، اور لکھا:

''یہ چند لوگ جو فتنہ طینت ہیں، تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ تم ان پر کڑی نظر رکھو اور ان کے اصلاح احوال کی کوشش کرو اور ان کو فتنہ وفساد کی باتوں سے روکو۔ اگر ان میں اصلاح کی کوئی رمق تم کو نظر آئے تو انہیں وہیں رہنے دو۔
لیکن اگر یہ اپنی شرارتوں اور فتنہ پرور کارروائیوں سے تمہیں بھی تھکا دیں تو انہیں میرے پاس بھیج دو۔'' (ابن اثیر: ۳/۷۰)

جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام کے پاس یہ لوگ پہنچے تو انہوں نے ان کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ اور نرمی اور بردباری سے پوری کوشش کی کہ یہ لوگ اپنی فتنہ پردازیوں سے باز آ جائیں، اور حکومت وقت کے ساتھ تعاون کریں۔ لیکن وہ لوگ نرمی اور آشتی سے کب ماننے والے تھے۔ انہوں نے اپنی طینت اور فطرت کی دنائیت کا مظاہر کرتے ہوئے سیدنا

معاویہ رضی اللہ عنہ کی نرمی اور ملائمت کا جواب نہایت سختی سے دیا۔ ان کا یہ رویہ دیکھ کر آپ نے بھی سختی کا لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

''یاد رکھو! یہ کوفہ نہیں ہے۔ بخدا! اگر شام کے لوگوں نے تمہاری اس قسم کی حرکتیں دیکھ لیں تو میں ان کا گورنر ہونے کے باوجود انہیں تمہارے قتل سے باز نہیں رکھ سکوں گا۔ واللہ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہاری کوئی باہمی سازش ہے۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سبائیوں کو فہمائش:

یہ دس آدمی جب شام میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ''کنیسۂ مریم'' میں ٹھہرایا اور آپ نے ان کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ آپ صبح اور شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ ہی تناول فرماتے۔ گویا یہ بھی ایک شفقت تھی جو ان کے ساتھ برتی گئی۔ ان کا روزینہ بھی مقرر فرمایا۔ آخر ایک روز آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

''تم لوگ عرب کی ایک بلند پایہ قوم ہو۔ تمہارے دانت بھی ہیں اور زبان بھی۔ تم نے اسلام ہی سے شرف کمال حاصل کیا اور اسی کی وجہ سے تم اقوام عالم پر غالب آئے اور ان کے ورثہ کو حاصل کیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم قریش سے کینہ اور بغض رکھتے ہو۔ حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو تم آج قعر مذلت میں گرے ہوئے ہوتے۔ یاد رکھو! تمہارے امام تمہارے لیے سپر اور ڈھال ہیں۔ خبردار! اس ڈھال کو توڑنے کی کوشش نہ کرنا۔ تمہارے امام اور حاکم تمہارے لیے ہر قسم کی اذیتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے ہیں۔ لیکن تمہارے اعمال و کردار سے پتہ چلتا ہے کہ تم ان کی مخالفت کرتے ہو اور ان کے خلاف اپنے قلوب میں حسد و کینہ رکھتے ہو۔ ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر نہ کرو اور اہل اسلام میں تشتت وافترا کی آبیاری نہ کرو۔ وگرنہ منتقم حقیقی تم پر ایسے حکام مسلط کر دیں گے جو تم پر ظلم و جور کر کے تمہیں ذلیل کریں گے اور اگر ایسا ہوا تو ظلم و جور میں تم بھی ان کے ساتھ شریک ہو گے۔ اپنی زندگی میں بھی اور اپنی زندگی کے بعد بھی۔''

جن دلوں میں بغض و عناد بھرا ہوا ہو، وہ ایسی نرم و ملائم باتوں سے کیسے متاثر ہو سکتے

تھے۔ یہ باتیں سن کر ان میں سے ایک شخص صعصعہ نامی بولا: ''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! آپ نے اپنی تقریروں میں قریش کا نام لیا ہے۔ وہ کسی زمانے میں اکثریت کے لحاظ سے ہم سے ممتاز نہ تھے اور نہ زمانۂ جاہلیت میں ان کا کوئی خاص مقام تھا، جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو۔ باقی جو آپ نے کہا ہے کہ امام اور حکام تمہاری سپر اور ڈھال ہیں۔ پس یاد رکھو کہ جب ڈھال اور سپر ٹوٹ جائے گی تو ہم خود سینہ سپر ہو جائیں گے۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صعصعہ کے یہ الفاظ سن کر قدرے غصہ بھی آیا لیکن آپ نے نہایت بردباری اور تحمل سے جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''صعصعہ سن! تو اپنے کو ان لوگوں کا خطیب سمجھتا ہے، حالانکہ میری دانست میں نہ عقل و خرد کا تجھ میں کوئی شمہ ہے اور نہ محبت دین کا تم میں کوئی جزو ہے۔ ذرا بتا تو سہی کہ تری اپنی قوم کو کس نے قعر مذلت سے نکال کر اوج ثریا پر پہنچا دیا۔ اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اللہ رب العزت نے قریش کو زمانۂ جاہلیت میں بھی اور زمانہ اسلام میں بھی عزت و بزرگی عطا فرمائی۔ یہ قریش ہی ہیں، جو حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ مکرم تر ہیں اور مروت و شعور کے لحاظ سے دنیا کی کوئی قوم ان سے لگا نہیں کھاتی۔ حالانکہ جاہلیت میں دوسری قومیں ایک دوسرے کو کاٹے کھائے جا رہی تھیں۔ پھر اللہ جل شانہ نے انہیں اپنے حرم پاک کا محافظ و نگہبان مقرر فرمایا اور انہیں ایک محفوظ حرم میں جگہ دی۔ حالانکہ ان کے اردگرد کی قومیں اچکی جا رہی تھیں۔ کیا تم کسی عربی یا عجمی یا کالے یا گورے کی نشان دہی کر سکتے ہو، جس کو اللہ رب العزت نے یہ فضیلتیں مرحمت فرمائی ہوں اور یاد رکھو! جس کسی نے بھی قریش کے ساتھ مکر و فریب سے کام لیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو کائنات میں خائب و خاسر کیا۔

قریش کے لیے یہ فضیلت کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں اکرم اور اشرف شخص کو ان میں سے نبوت عطا فرمائی اور اسے تمام کرۂ عالم کی ہدایت و راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا، جس نے تمام دنیا کو کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر توحید و حق پرستی کی روشن شاہراہ پر گامزن کیا۔ پھر اس پیغمبر

کے اصحاب بھی منتخب فرمائے، جن میں سب سے بہتر قریش ہی کے اصحاب تھے، جن سے اسلام کی بنیادیں مستحکم اور مضبوط ہوئیں۔ پھر انہیں خلافت کا منصب جلیلہ مرحمت فرمایا، جو صرف انہیں کے لیے زیبا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمانۂ جاہلیت میں سرفرازی عطا فرمائی، جب کہ وہ حالت کفر میں تھے۔ تو جب وہ اس کے دین کے محافظ اور اس کے احکام کی سیدھی شاہراہ پر گامزن ہیں، پھر کیوں انہیں سربلندی نہیں عطا فرمائیں گے۔ افسوس ہے اُسے صعصعہ رضی اللہ عنہ تجھ پر اور تیرے ساتھیوں پر۔''

جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی نصیحت کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا تو چند روز کے بعد ان کو پھر بلوایا اور پھر ایک طویل نصیحت آموز تقریر کی تاکہ شاید ان پر کچھ اثر ہو جائے اور ملک میں فتنہ وفساد نہ پھیلے لیکن ان لوگوں نے بجائے اس بات کے، کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان قیمتی باتوں پر کان دھرتے، انہوں نے الٹا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایسی باتیں کرنا شروع کر دیں، جن میں فتنہ وفساد کی بو آتی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے قلوب شیطنت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ خصوصی طور پر ان کے خطیب صعصعہ نے خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو ہدف تنقید بنایا اور کہا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ! ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم فوراً کرسی اقتدار سے دست بردار ہو جاؤ اور یہ اقتدار اس ذات کو منتقل کر دو، جو تم سے زیادہ حکومت واقتدار کی مستحق ہے۔ وہ خود اور اس کا باپ تم سے اور تمہارے باپ سے زیادہ قدیم الاسلام ہے اور اس کا اور اس کے باپ کا اسلام تمہارے اور تمہارے باپ کے اسلام سے بہتر ہے۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صعصعہ کی اس بات سے قدرے دکھ بھی ہوا اور پریشانی بھی۔ آپ نے جواباً فرمایا:

''سنو! میں بھی قدیم الاسلام ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مجھ سے بھی زیادہ قدیم الاسلام ہو لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں، اس زمانے میں مجھ سے زیادہ حکومت اور امارت کا کوئی اہل نہیں ہے۔ میری اسی اہلیت کی وجہ سے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے شام کے ایک حصہ کی حکومت پر مامور کیا تھا۔ اگر وہ مجھ سے زیادہ کسی اور کو یہاں کی حکومت کا اہل سمجھتے تو میری بجائے اسے یہاں کی حکومت

مرحمت فرماتے۔ آپ لوگ جو مجھے یہاں حکومت چھوڑنے کا مشورہ دیتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ میں نے کوئی ایسا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے میرے لیے اقتدار سے مستعفی ہو جانا ضروری ہو لیکن اگر موجودہ امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مجھے حکومت سے علیحدہ ہونے کے لیے کہیں تو مجھے اس میں کوئی پس و پیش نہیں ہو گی۔ بخدا! اگر حکومت کا انتظام اور باگ ڈور تم جیسے شریر النفس لوگوں کے ہاتھ میں ہوتو رعایا کے لیے زندگی کے شب و روز گزارنا مشکل ہو جائیں۔''

سیدنا معاوہ رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کا بھی سبائیوں پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ اور زیادہ مشتعل ہو گئے اور تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اسی اشتعال کی وجہ سے انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بڑے توہین آمیز کلمات کہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی ان حرکات پر بہت غصہ آیا۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ان شریروں کو کیفرکردار تک پہنچاتے لیکن وہ چونکہ حلم و بردباری کے مجسمہ تھے، لہٰذا انہوں نے نہایت تحمل سے پند و نصیحت کی اور فرمایا یاد رکھو! یہ کوفہ کی سرزمین نہیں ہے، جہاں تم ایسی حرکات کے مرتکب ہوتے تھے۔ اہل شام کو اگر تمہاری ان حرکات کا پتہ چل گیا تو وہ تمہارا گوشت نوچ لیں گے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عقل و دانش نے سمجھا اور بالکل صحیح سمجھا کہ ان لوگوں کا مرض لاعلاج ہے۔ ان کی نیتوں میں فتور اور دلوں میں عناد اور کینہ بھرا ہوا ہے۔ یہ کسی صورت بھی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ان کی زندگی کا مقصد وحید فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کے خلاف لوگوں کو مشتعل کر کے باغی و سرکش بنانا ہے۔ چنانچہ آپ نے امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ:

''یہ لوگ جن کو آپ نے میرے پاس بھیجا، عقل و دانش سے بالکل تہی دامن ہیں اور دین سے ان کا کوئی سروکار نہیں۔ اللہ رب العزت کی رضا ان کا مقصود زندگی نہیں اور دلیل و حجت سے بات کرنے کا ان میں سلیقہ نہیں۔ صرف فتنہ وفساد برپا کرنا اور ذمیوں (اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) کے مال کو ہڑپ کرنا ہی ان کا مقصد وحید ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت میں مبتلا کرے گا اور فتنہ وفساد کی جو آگ یہ امت مسلمہ کے لیے جلا رہے ہیں، مجھے قوی امید ہے کہ یہ اس میں خود ہی جل

جائیں گے اور انجام کار ان کو ذلت اور رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔''

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ ان کی اصلاح میرے بس کا روگ نہیں ہے اور میں ان کا شام میں رہنا بھی پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ ان کے زہر سے یہاں کی فضاء بھی مسموم نہ ہو جائے۔ لہٰذا آپ خود ہی ان کا کوئی بندوبست فرمائیں۔'' (ابن اثیر: ۳/۱۷۱)

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جواب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''ان لوگوں کو واپس کوفہ ہی میں بھیج دیں۔'' چنانچہ ان کو پھر کوفہ بھیج دیا گیا لیکن کوفہ کے گورنر سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ پھر دربار خلافت میں فریادی ہوئے کہ ''خدارا! ان کو کوفہ نہ بھیجیں بلکہ کہیں اور بھیج دیں اور کوفہ کی سرزمین کو ان کے ناپاک وجود سے محفوظ رکھیں۔'' لیکن یہ لوگ کوفہ پہنچ ہی گئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان کو حمص بھیج دیا جائے جہاں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے سیدنا عبدالرحمٰن، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے منتظم و منصرم تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پہلے ہی ان لوگوں کی تخریبی سرگرمیوں کے بارے میں تفصیل سے سن چکے تھے۔ جب یہ شریروں کا جتھہ سیدنا عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے شیطان کے آلہ کار گروہ! تمہارے لیے خوش آمدید کے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ شیطان محسور و نامراد واپس آیا ہے اور تم اگرچہ بہت خوش ہو لیکن اللہ تعالیٰ عبدالرحمٰن کو خائب و خاسر کرے۔ اگر میں تمہیں مؤدب نہ بنادوں، اے وہ گروہ جو اپنے متعلق یہ بھی نہیں جانتا ہے کہ وہ عرب ہیں یا عجم۔ یاد رکھو! مجھ سے ہرگز ایسی بات نہ کرنا جو باتیں تم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کی تھیں۔ یہ ذہن نشین کر لو میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں۔ وہ خالد رضی اللہ عنہ جس نے کفر کو پامال کیا اور اسلام میں مرتدین کے فتنہ کا قلع قمع کیا۔ اے صعصعہ! اگر مجھے یہ اطلاع ملی کہ کسی شخص نے تم میں سے کسی کی ناک توڑ دی ہے یا تمہیں کسی طریقے سے ذلیل و خوار کیا ہے تو میں اس پر انتہائی خوشی کا اظہار کروں گا۔'' (ابن اثیر: ۳/۷۱)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔

ایک ماہ تک انہیں اپنے ہاں باریابی نہ بخشی۔ بعض مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ایک ماہ کے شدید انتظار کے بعد ایک روز انہیں بلا بھیجا۔ لیکن ان سب کو گورنمنٹ ہاؤس کے باہر کھڑا کر دیا۔ نہ ان سے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کوئی بات کی اور نہ ہی انہیں اپنے پاس بلایا۔ یہاں تک کہ یہ کھڑے کھڑے تھک گئے اور انہیں بغیر کچھ بات چیت کیے واپس بھیج دیا۔ اس طرح کا سلوک کئی دنوں تک ان سے ہوتا رہا۔

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

اقامهم شهرا كلما ركب امشاهم.

''سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے انہیں کئی ماہ اپنے پاس ٹھہرائے رکھا اور (انہیں بڑا ذلیل و رسوا کیا) جب وہ سوار ہوتے تو انہیں اپنے آگے پیدل چلاتے۔'' (ابن اثیر: ۳/۷۱)

اور کہتے کہ تمہیں کیا ہو گیا، جو کچھ تم معاویہ رضی اللہ عنہ اور سعید رضی اللہ عنہ ابن العاص سے کہتے تھے، مجھے کیوں نہیں کہتے۔ اپنی اس ذلت و رسوائی کا ان پر یہ اثر ہوا کہ ایک روز وہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے:

''ہم اپنی ان کارگزاریوں سے توبہ کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہمیں معاف فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے گا۔''

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا قصور معاف کر دیا اور مالک الاشتر کو حکم دیا کہ وہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر اپنی طرف سے اور ان سب کی طرف سے بالمشافہ ایک عذر نامہ (Under taking) پیش کریں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ نہایت نرم دل اور بردبار آدمی تھے۔ مالک الاشتر نے جب ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عذر نامہ پیش کیا تو وہ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جہاں تمہاری مرضی ہے، رہو۔ اس نے کہا کہ میں عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کے پاس حمص میں رہوں گا۔ چنانچہ وہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گیا۔ (ابن اثیر: ۳/۷۱، طبری: ۳/۳۲۴)

سبائیوں کی تحریک کے اغراض و مقاصد:

جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ اس فتنے کا اصل بانی عبداللہ بن سباء تھا اور ملک میں ساری آگ اسی کو لگائی ہوئی تھی۔ مملکت اسلامیہ کے گوشے گوشے میں

سرکشی اور بغاوت کے جو اثرات تھے، اس میں اصل ہاتھ اسی رئیس الاشرار کا تھا۔ چنانچہ اس کی اور اس کے داعیوں کی کوشش سے مفسدین اور اشرار کی جماعت ملک میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی۔ لیکن ہر علاقہ کے مفسدین کا نقطہ نظر الگ الگ تھا اور آئندہ خلیفہ کے بارے میں ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی۔ اہل مصر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے دامن عقیدت کو باندھے ہوئے تھے، اہل کوفہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ پر نگاہ جمائے ہوئے تھے، اہل بصرہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو پسند کرتے تھے، عراق کے لوگوں کی ایک جماعت قریش کے تمام افراد سے بغض وعداوت رکھتی تھی اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کی دشمن تھی۔ لیکن عبداللہ بن سباء نے اپنی حکمت عملی سے کام لے کر سب کو مخالفت عثمان رضی اللہ عنہ پر متحد و متفق کر دیا، جس کی وجہ سے سب ایک ہی نعرہ لگانے لگے کہ ''ہم عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی چاہتے ہیں۔''

پھر ان مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد میں بھی ہم آہنگی نہ تھی۔

① بنو ہاشم خلافت کے مناصب اور سرکاری عہدوں کا اپنے کو سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ لہٰذا وہ بنوامیہ کو عروج و ترقی کے بجائے تنزل و ادبار کی گہرائیوں میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔

② یہودی چاہتے تھے کہ اہل اسلام میں ایسا تشتت وافتراق پیدا کر دیا جائے جس سے ان کی قوت پاش پاش ہو کر رہ جائے اور پھر ہمیں جزیرۂ عرب میں سکونت اختیار کرنے کا موقع مل جائے۔

③ مجوسی یہ چاہتے تھے کہ یا تو خلافت اسلامیہ کلی طور پر تاخت و تاراج ہو جائے، جس طرح مملکت کسریٰ تباہ ہوئی ہے، یا کم از کم اس میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جائے جس میں حکومت ایسے خاندان کے ہاتھوں میں آجائے جس سے وہ بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور وہ عربوں پر اپنا سیاسی تفوق قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

④ عام قبائل عرب اعلیٰ مناصب، سرکاری عہدوں اور دوسری باتوں کے استحقاق میں اپنے کو قریش سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا وہ قریشی افسروں کی تمکنت اور تفوق کو توڑ کر اپنا تفوق قائم کرنا چاہتے تھے۔

ان وجوبات کی بنا پر مختلف علاقوں اور مختلف جماعتوں نے عبداللہ بن سباء کا ساتھ دیا اور ہر جماعت اپنے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کرنے لگی۔ کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے مقاصد کی تکمیل میں ایک سنگ گراں تھے جس کو ہٹانا یا توڑنا اشد ضروری تھا۔

محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کی تخریبی سرگرمیاں:

اسی زمانے میں دو شخص ایسے بھی تھے جو اگرچہ عبداللہ بن سباء کے پیروکار نہ تھے، لیکن ان کی معاندانہ سرگرمیاں ابن سباء کے پیروکاروں سے بھی بڑھی ہوئی تھیں اور وہ ہمیشہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے درپے آزار رہتے اور کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے جب وہ امیر المومنین کے خلاف غلط پراپیگنڈہ نہ کرتے۔ یہ دونوں قریشی نوجوان اگرچہ ابن سباء کے پراپیگنڈے سے بے حد متاثر تھے، لیکن امیر المومنین کے خلاف ان کا کچھ ذاتی عناد بھی ان کی مخالفت کا باعث تھا۔

① محمد بن ابی بکر:

ان میں سے پہلے نوجوان محمد بن ابی بکر تھے۔ یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے اور ان کی زوجہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا خثعم سے تعلق رکھتی تھیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ میمونہ سلام اللہ علیہا کی ماں شریک بہن تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوت کی دعوت دی تو اوائل ہی میں یہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آ گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب ہجرت حبشہ کا حکم ہوا تو آپ اپنے خاوند سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں۔ جنگ موتہ میں جب سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیا۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا اسماء نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کے طور پر کہا کہ "یا رسول اللہ! لوگ ہمارے مقابلہ میں اپنی بڑی فضیلتیں بیان کرتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اب اگر تم سے کوئی ایسی بات کہے تو کہنا کہ تم لوگوں نے تو ایک

مرتبہ ہجرت کی ہے لیکن مجھ کو دو مرتبہ ہجرت کرنا کا شرف حاصل ہوا ہے۔ شاید اسی وجہ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ان کی فضیلت و بزرگی کے قائل تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیت کی کہ مجھے نماز جنازہ کا غسل اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا دیں۔ (اصابہ: ۴/ ۲۲۵)

۸ھ میں ان کے ہاں محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے لیکن ان کی عمر ابھی پانچ برس کی تھی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تربیت کی تکمیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ کی۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ''محمد میرا ربیب ہے۔'' شاید اسی وجہ سے شیعہ حضرات نے انہیں شیعان علی رضی اللہ عنہ میں سے شمار کیا ہے اور ان کی طرف ایسی ایسی باتیں منسوب کی ہیں، جن سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کی توہین و تذلیل ہوتی ہے۔ چنانچہ شیعہ حضرات کی کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے ایک دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا تو محمد بن ابی بکر نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

''میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ایک ایسے امام ہیں جن کی اطاعت فرض ہے اور میرا باپ (ابوبکر رضی اللہ عنہ معاذ اللہ) جہنم میں ہے۔ امام ابو عبداللہ (جعفر الصادق رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر میں شرافت اپنی ماں اسماء بنت عمیس علیہا السلام کی طرف سے تھی اپنے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہ تھی۔'' (رجال الکشی: ص ۶۰۔۶۱)

اسی کتاب میں محمد بن ابی بکر کے بارے میں ایک اور روایت مرقوم ہے کہ

ان محمد بن ابی بکر بایع علیا علیہ السلام علی البرأہ من ابیہ.

''محمد بن ابی بکر نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اپنے باپ سے بیزاری پر۔''

(رجال الکشی: ص ۶۱)

۲۴ھ میں جب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، اس وقت محمد بن ابی بکر کی عمر ۱۵ سال تھی۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب ایک انسان کی عقل اور اس کا شعور ابھی پختہ اور بالغ نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے کسی اہم ذمہ داری کا منصب اس کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ محمد

بن ابی بکر نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو کہا کہ مجھے کسی جگہ کی گورنری عنایت فرما دیں۔ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی یہ درخواست چونکہ صحیح نہ تھی، اس وجہ سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے قبول نہ کی اور انہیں گورنر مقرر نہ فرمایا۔ لہٰذا محمد بن ابی بکر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف ہو گئے۔ حالانکہ انہیں امیر المومنین کی مخالفت کرنے کے بجائے اپنے سن وشعور کی پختگی کا انتظار کرنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان کی اس مخالفت میں ابن سباء کا بھی اچھا خاصہ ہاتھ تھا۔ چنانچہ جب اسے پتہ چلا کہ محمد بن ابی بکر اپنے ذاتی مفاد کی خاطر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مخالفت کر رہا ہے تو وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور انہیں اپنے پراپیگنڈے سے متاثر کیا۔

طبری اور ابن اثیر نے سالم بن عبداللہ تابعی کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ محمد بن ابی بکر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور ان پر طعن و تشنیع میں اتنی سرگرمی کیوں دکھاتے تھے اور کس شے نے انہیں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے پر آمادہ کیا؟ تو انہوں نے فرمایا:

الغضب والطمع.

''غصہ اور لالچ نے۔''

پوچھا گیا کہ ''کیسا غصہ اور لالچ؟'' فرمایا:

''اسلام میں (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وجہ سے) ان کا جو مقام تھا، وہ تو تھا ہی (سبائی) لوگوں نے انہیں فریب میں مبتلا کر دیا اور وہ (گورنری کا) لالچ کرنے لگے لیکن جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ لالچ پورا نہ کیا تو وہ ان کے سخت مخالف ہو گئے۔ پس اس وجہ سے وہ مذمم (مذمت کیا گیا) حالانکہ اس سے قبل وہ محمد تھے۔''

(طبری: ۳/ ۴۲۹، ابن اثیر: ج ۳)

② محمد بن ابی حذیفہ:

محمد بن ابی بکر کے دوسرے ہم مشرب اور ساتھی، جلیل القدر صحابی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن ابی حذیفہ تھے۔ سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ قریش کے مشہور رئیس عتبہ بن ربیعہ کے

صاحبزادے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے دارارقم میں مقیم ہونے سے قبل ہی یہ مسلمان ہو چکے تھے۔
(اسد الغابہ: ۱۷۰/۵)

سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سرزمین حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک ہوئے اور ان کی اہلیہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا بھی ان کی رفیق سفر تھیں۔ چنانچہ محمد بن ابی حذیفہ حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ (اسد الغابہ: ۱۷۰/۵)

یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حقیقی ماموں کے بیٹے اور خاندان بنو امیہ کے چشم و چراغ تھے۔ جب سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو ان کے بیٹے محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کی کفالت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لے لی اور ان کی نہایت اچھے طریقے سے پرورش اور تربیت کی۔

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو محمد بن ابی حذیفہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ انہیں گورنری کے عہدہ پر فائز کر دیا جائے۔ چونکہ اس سے قبل ان پر شراب کی حد لگ چکی تھی، لہٰذا درخواست مسترد ہوگئی اور فرمایا:

لو كنت اهلا لذالك لوليتك.

''جب تو اس کا اہل ہوتا تو میں تمہیں گورنر بنا دیتا۔''

انہوں نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ مجھے گورنر نہیں بناتے تو مجھے مصر جانے کی اجازت دے دیں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرما دی اور مصر میں جا کر وہ سبائیوں سے مل گئے اور مصر کی رہائش کے زمانہ میں وہ عبادت میں مشغول ہو گئے اور

فلما قدمها رای الناس عبادته فلزموه وعظموه.

''جب وہ مصر گئے تو لوگ ان کی عبادت کو دیکھ کر ان کے بڑے گرویدہ ہو گئے اور ان کو بزرگ ماننے لگے۔''

۳۱ھ میں گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے جب رومیوں کے ساتھ بحری جنگ لڑی، جس کو ''غزوۃ الصواری'' کہتے ہیں تو محمد بن ابی حذیفہ اس لشکر میں شامل ہو گئے لیکن ان کی یہ شمولیت لشکر کی امداد کے لیے نہیں تھی بلکہ

''وہ گورنر مصر کی عیب جوئی کرتے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو انہیں گورنر بنایا تھا، اس

پر طعن و تشنیع کرتے اور کہتے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو گورنر بنایا ہے جس کا خون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتح کے روز) حلال قرار دیا تھا۔''

ان کے ساتھ محمد بن ابی بکر بھی مل گئے جو اس وقت مصر ہی میں رہائش پذیر تھے اور محمد بن ابی حذیفہ کی طرح لشکر میں شامل تھے۔ گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقع پر ان کی مخالفت اور طعن و تشنیع کی وجہ سے امیر المومنین کو لکھا۔ محمد بن ابی حذیفہ اور محمد ابن ابوبکر نے شہر میں فتنہ وفساد برپا کر رکھا ہے اور وہ میری اور آپ کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ لہٰذا ارشاد فرمائیے کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ محمد بن ابی بکر کو اپنے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے کچھ نہ کہو اور محمد بن ابی حذیفہ میرا بیٹا ہے۔ میرا بھتیجا ہے اور میں نے ہی اس کی تربیت اور پرورش کی ہوئی ہے اور وہ قریش کا ایک چوزہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے جواب میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ

''اس چوزے نے اپنے پر نکال لیے ہیں اور وہ اب اڑنا چاہتا ہے۔''

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ محمد بن ابی حذیفہ شاید آوارۂ دشت ادبار ہے اور مالی مشکلات نے اسے آگھیرا ہے، اس وجہ سے اس نے اس قسم کے پر پرزے نکالنے شروع کیے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے تین ہزار درہم اور ایک اونٹ جس پر مختلف قسم کے کپڑے لدے ہوئے تھے، اس کی امداد کے لیے بھیجے۔ محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا ممنون ہونے کے بجائے اس زرِ نقد اور تمام کپڑوں کو مسجد میں ڈھیر کر دیا اور کہا:

یا معشر المسلمین! الا ترون الی عثمان یخادع عنی عن دینی و یرشونی علیه.

''اہل اسلام! ملاحظہ فرمائیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ میرے دین کے بارے میں مجھے دھوکہ دینا چاہتا ہے اور مجھے سیاسی رشوت دے کر حق گوئی اور صداقت کیشی سے روکنا چاہتا ہے۔''

مصر کے سبائی پہلے ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اور محمد بن ابی حذیفہ کے عقیدت کیش تھے۔ لہٰذا اس واقعہ سے محمد بن ابی حذیفہ کے بارے میں ان کی عقیدت اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی نفرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

(ابن اثیر: ۳/ ۱۳۵، تاریخ الاسلام، للذھبی: ۱/ ۳۵۱)

امیرالمومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو جب ان تمام حالات کی اطلاع ملی تو آپ نے محمد ابن حذیفہ کو ایک ذاتی خط لکھا اور اسے بتایا کہ کس طرح انہوں نے اپنی اولاد کی طرح اس کی پرورش کی۔ اور تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا اور ہر طرح سے اس کی امداد و اعانت کی لیکن پھر بھی تم میرے تمام احسانات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میری مخالفت میں پیش پیش ہو اور لوگوں کو میرے خلاف برانگیختہ کر رہے ہو لیکن محمد ابن ابی حذیفہ نے امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کو اس خط کا کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی کوئی شرم و حیا محسوس کی بلکہ برابر اپنی تخریبی اور شرانگیز سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ (ابن اثیر: ۳/ ۱۳۵)

خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گمشدگی:

ادھر مملکت اسلامیہ کے مختلف صوبوں مصر، کوفہ اور بصرہ میں سبائی اپنی تخریبی کارروائیاں تیز سے تیز تر کر رہے تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کے خلاف نفرت انگیز پراپیگنڈہ کرنے میں مصروف تھے اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اور محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ بھی ان کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان کی اس تخریبی تحریک کے لیے قوت کا باعث بنے ہوئے تھے۔ ادھر اس دوران میں ایک المیہ پیش آیا کہ امیرالمومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی اریس کے کنویں میں گر گئی۔

۷ھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ دنیا کے مختلف بادشاہوں کو حلقہ اسلام میں آنے کی دعوت دی جائے۔ اس زمانے میں چونکہ دستور یہ تھا کہ جس خط پر مہر نہ لگی ہو اس خط کو شاہان عالم نہ تو قبول کرتے اور نہ ہی پڑھنے کی زحمت گوارا کرتے تھے۔ ابن اثیر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

قیل له انهم لایقبلون کتابا الامختوما.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ شاہان عجم اس خط کو قبول نہیں کرتے جس پر مہر نہ لگی ہو۔'' (ابن اثیر: ۳/ ۵۶)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کے لیے لوہے کی ایک انگوٹھی بنائی جائے۔

جب وہ انگوٹھی بنائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی میں پہنی تو جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ یہ انگوٹھی نہ پہنیے۔ نبی اکرم ﷺ نے وہ اتار کر پھینک دی اور حکم فرمایا کہ کانسی کی انگوٹھی تیار کی جائے۔ جب وہ تیار ہو کر آئی تو جبرائیل علیہ السلام نے وہ بھی آپ کے ہاتھ سے اتروا کر پھینکوا دی۔ پھر حضور ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ وہ جب بن گئی اور آپ نے اسے اپنے ہاتھ میں پہنا تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ درست ہے۔ آپ نے اس کے نگین پر ''محمد رسول اللہ'' لکھوایا۔ اس طرح کہ پہلی سطر میں ''محمد'' دوسر میں ''رسول'' اور تیسری میں ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس انگوٹھی کو استعمال فرماتے رہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو وہ انگوٹھی ان کے سپرد کی گئی اور آپ اسے پورے عہد خلافت میں استعمال فرماتے رہے۔ آپ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اسی انگوٹھی کو اپنے عہد خلافت میں چھ سال تک استعمال فرماتے رہے، اور مختلف مکتوبات، فرامین اور دستاویزات پر اس سے مہر لگاتے رہے۔

۳۰ میں اریس کے کنویں کو جو مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے، کھودا جا رہا تھا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ اس کنویں کے کنارے میں بیٹھے ہوئے اس انگوٹھی کو ہاتھ میں لیے اپنی انگلی میں پھیر رہے تھے کہ قضائے الٰہی سے وہ کنویں میں گر گئی۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بہت کوشش کی۔ یہاں تک کہ کنویں کا سارا پانی بھی باہر نکالا گیا اور کافی مال بھی خرچ کیا گیا لیکن وہ انگوٹھی نہ ملی۔

واغتم لذالک غما شدیدا.

''آپ کو اس انگوٹھی کے کھو جانے کا شدید غم ہوا''

(ابن اثیر: ۳/ ۶۵، طبری: ۳/ ۳۳۴۔ ۳۳۵، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵۵)

جب آپ کو اس انگوٹھی کے ملنے سے مایوسی ہو گئی تو آپ نے اسی طرح کی ایک اور انگوٹھی بنوائی اور اس پر وہی کچھ نقش کروایا جو پہلی انگوٹھی پر تھا۔ وہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں رہی، یہاں تک کہ آپ کی شہادت ہو گئی۔ ابن اثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

فلما قتل ذهب الخاتم فلم یر من اخذه.

''جب آپ کی شہادت واقع ہوئی تو وہ انگوٹھی بھی چلی گئی، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون لے گیا۔'' (ابن اثیر:۳/۵۶)، طبری:۳/۳۳۵

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس انگوٹھی کا گم ہو جانا تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتنوں کا آغاز ہوا اور نظم خلافت میں اختلال نمودار ہوا۔ یہاں تک کہ آئندہ آنے والا دن گزرے ہوئے دن سے زیادہ فتنوں کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہوتا۔

کوفہ میں انقلاب کی لہریں

اس سبائی تحریک کے تین مراکز تھے۔

① مصر ② کوفہ ③ بصرہ

کوفہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ اموی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے آباؤ اجداد نہایت دبدبہ وشکوہ کے رئیس تھے۔ اس لحاظ سے سیدنا سعید رضی اللہ عنہ خاندانی رئیس تھے اور ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ سعید رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کم سن تھے۔ لیکن عنفوان شباب ہی سے نہایت عاقل و فرزانہ تھے۔ طبیعت میں بہت فیاضی تھی۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جمعہ کی رات کو کوفہ کی مسجد میں اپنے ملک غلام کے ہاتھ دیناروں سے بھری ہوئی تھیلیاں نمازیوں میں تقسیم کراتے تھے۔ اس وجہ سے جمعہ کی رات کو مسجد میں نمازیوں کا بہت بڑا اژدہام رہتا۔ (اسد الغابہ: ۲/۳۱۰)

خود حق پسند تھے اور حق پسند لوگوں کو بڑی عزت و احترام سے دیکھتے۔ ان کے والد عاص جنگ بدر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ماموں کا نام بھی عاص تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کو قتل کیا تھا۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو اشتباہ تھا کہ شاید سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے میرے والد عاص کو قتل کیا ہے۔ ایک موقع پر اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے جنگ بدر میں جس عاص کو قتل کیا تھا وہ تمہارا باپ نہیں تھا بلکہ میرا ماموں تھا۔ یہ سن کر سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے بڑا پیارا جواب دیا جو ان کی حق پسندی اور اسلام کے بارے میں والہانہ محبت کی بین دلیل ہے۔ آپ نے جواب میں کہا کہ:

"اگر آپ میرے باپ کو بھی قتل کیے ہوتے تو اس میں کون سی بڑی بات تھی۔ کیونکہ آپ حق پر تھے اور وہ باطل پر۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جواب کو سن کر نہایت خوش ہوئے اور انہیں بڑی حیرت اور تعجب بھی ہوا۔

یہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے اور سبائی داعی ان کو ہر وقت تنگ کرتے تھے اور سعید رضی اللہ عنہ اپنی رحم دلی کے باعث ان کی ان باتوں کو برداشت کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی موجودگی میں ایک مرتبہ کوتوال شہر عبدالرحمٰن الاسدی کو ان سبائیوں نے مالک الاشتر النخعی کے اکسانے پر شدید زدوکوب بھی کیا تھا۔

فوطوه وطاء شديدا حتى غشي عليه ثم جر برجله فالقي.

''انہیں شدید زدوکوب اور پامال کیا۔ حتیٰ کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر انہیں پاؤں سے گھسیٹ کر پھینک دیا۔'' (طبری: ۳/۳۶۵، ابن اثیر: ج ۳)

اور وہ لوگ علی الاعلان:

يشتمون عثمان وسعيدا.

''برملا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سعید رضی اللہ عنہ کو گالی گلوچ کرتے تھے۔'' (طبری: ۳/۳۶۵)

جب بات حد سے زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے ان لوگوں کو کوفہ سے نکال باہر کیا۔ لیکن تحریک زیر زمین چلنی شروع ہو گئی اور ان لوگوں کی جلاوطنی سے حالات کی کروٹوں میں کوئی فرق نہ پڑا۔

کوفہ میں اس تحریک کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ ان سبائیوں کو اصل بیر تو امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے تھا لیکن سبائی ان کے گورنروں کو بھی آئے روز دق کرتے رہتے، ان کو اپنی سخت ترین تنقید کا ہدف بناتے اور ان کو اپنے مقاصد کے راستہ میں سنگ گراں سمجھتے ہوئے اپنا سخت ترین مخالف سمجھتے۔ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ سے ان لوگوں کو کچھ خاص عناد اور دشمنی تھی کیونکہ اس سے قبل سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کئی سبائیوں کو کوفہ سے جلاوطن کر چکے تھے۔ جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۷/۱۶۵۔۱۶۶، ابن اثیر: ۳/۶۹۔۷۲)

چنانچہ اب جب گورنروں کی مجلس مشاورت میں شمولیت کے لیے سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو کوفہ کی سبائی پارٹی نے یہ عہد کیا کہ اب وہ سعید رضی اللہ عنہ کو کوفہ واپس نہیں آنے دیں گے اور اس مقصد کے لیے اگر انہیں تلوار کا استعمال بھی کرنا پڑا تو اس

سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی کوفہ سے غیر حاضری کے دوران یعنی ۳۴ھ میں یہاں کے ایک انقلابی یزید بن قیس کو یہاں تک جرات ہوگئی کہ وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو پڑا۔ لیکن سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ لیا۔ گرفتاری کے بعد یزید بن قیس نے کہا کہ ہم تو صرف گورنر کوفہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا تبادلہ چاہتے ہیں۔ لہٰذا سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا۔ (ابن اثیر: ۳/۷۴)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جب گورنروں کی مجلس مشاورت میں حاضر ہونے کے لیے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو ان کی غیر حاضری میں کوفہ کا ایک سبائی یزید بن قیس امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور گورنر کوفہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک روز وہ مسجد میں جا کر بیٹھ گیا اور وہ سب لوگ اس کے اردگرد جا کر بیٹھ گئے جن کو ابن سباء خط لکھا کرتا تھا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اس حرکت کا پتہ چلا تو وہ فوراً مسجد میں پہنچے اور اسے مسجد سے اٹھا دیا۔ وہ اپنے گھر چلا گیا اور وہاں سے اس نے ایک شخص کو کچھ مال اور خچر دے کر حمص میں جلاوطن لوگوں کے پاس بھیجا۔ خط میں انہیں لکھا:

''میرا یہ خط ملتے ہی تم لوگ وہاں سے کوفہ کے لیے روانہ ہو جاؤ کیونکہ کوفہ شہر کے سب باشندے ہمارے ساتھ ہیں۔''

وہ شخص ان کے پاس حمص پہنچا۔ اس اثناء میں مالک الاشتر بھی ان کے پاس پہنچ گیا۔ جب اس نے وہ خط ان جلاوطن لوگوں کو دیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا کیا نام ہے؟

انہوں نے کہا ''بشر'' انہوں نے پوچھا ''کس قبیلے سے'' اس نے جواب دیا: ''بنو کلب'' سے۔ انہوں نے کہا ''تم ایک ذلیل ترین انسان ہو جو ہمیں فتنہ وفساد کی دعوت دینے آئے ہو لہٰذا تم واپس چلے جاؤ، ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' لیکن:

خالفهم الاشتر.

''مالک الاشتر نے ان کی مخالفت کی۔''

اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے سامنے جو اس نے توبہ کی تھی اس کو توڑ تاڑ کر کوفہ روانہ ہو گیا۔ کوفہ پہنچ کر اس نے لوگوں کو بہکایا۔ شرفاء شہر نے اسے بہت روکا اور سمجھایا لیکن اس نے کسی

کی کوئی بات نہ سنی۔ (طبری: ۳/۳۷۱)

مالک الاشتر جب کوفہ پہنچا تو جمعہ کے روز سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے قائم مقام سیدنا عمرو بن الحریث رضی اللہ عنہ مسجد میں خطبہ دینے کے لیے منبر پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک انقلابی نے دروازہ پر کھڑے ہوکر لوگوں کو یہ آواز دی:

من شاء ان یلحق بیزید لرد سعید فلیفعل.

''جو آدمی گورنر کوفہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ واپس بھیجنے کے لیے یزید بن قیس سے ملنا چاہتا ہے، وہ مل جائے۔'' (ابن اثیر: ۳/۷۴)

اب ابن اثیر ہی کی زبانی سنئے کہ کن لوگوں نے یزید کا ساتھ دیا اور کون مسجد میں خطبہ سننے کے لیے ٹکے رہے لکھا ہے:

فبقی اشراف الناس وحلماء ھم فی المسجد.

''صرف شریف اور سنجیدہ قسم کے لوگ ہی مسجد میں ٹکے رہے۔'' (باقی سب دوران خطبہ ہی مسجد سے باہر نکل آئے اور یزید بن قیس کے لشکر میں جا ملے۔)

(ابن اثیر: ۳/۷۴)

کیا یہ لوگ کوفہ سے خالی ہاتھ مظاہرے کے لیے نکلے؟ نہیں بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

فخرج اھل الکوفہ بالسلاح.

''اہل کوفہ اسلحہ کے ساتھ کوفہ سے نکلے۔'' (طبری: ۳/۳۷۴)

اور قسم کھا کر کہا کہ ''سعید رضی اللہ عنہ ہم پر کبھی حکومت نہیں کر سکتا۔''

یزید بن قیس اپنی جماعت کو لے کر کوفہ سے مدینہ طیبہ کے راستہ کی طرف نکل پڑا اور قادسیہ کے قریب ''جرعہ'' نامی مقام پر ڈیرا جما لیا، یہاں مالک الاشتر بھی یزید کے ساتھ تھا۔

جب یزید مالک الاشتر، عبداللہ بن سباء اور ان کی جماعت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے کوفہ میں داخلہ کی مزاحمت کے لیے مقام ''جرعہ'' پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھی تو سعید رضی اللہ عنہ بھی مجلس مشاورت سے فارغ ہو کر واپس کوفہ تشریف لائے تو راستہ میں مقام ''جرعہ'' پر یزید بن قیس، مالک الاشتر اور ان کے ساتھیوں نے ان کی مزاحمت کی، اور کہا:

لاحاجة لنابک.

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دیئے اور ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کی طرف مختلف قسم کے مظالم و شدائد منسوب کیے اور اپنی خستگی اور بے چارگی کی فرضی داستانیں ذکر کیں۔ جب اس قسم کے خطوط مختلف لوگوں کے پاس کافی تعداد میں پہنچے۔ چند صحابہ رضی اللہ عنہم امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے آستانہ خلافت پر حاضر ہوئے اور کہا، کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ! ہمیں اور دوسرے کئی ایک لوگوں کے پاس ملک کے مختلف گورنروں کے ظلم و تشدد اور استبدادی کارروائیوں کے بارے میں بے شمار خطوط آئے ہیں جن کو پڑھ کر ہمدردی کے جذبات میں ایک تلاطم برپا ہوتا ہے اور اگر وہ خطوط صحیح ہیں تو ہمیں تعجب ہے کہ وہ گورنر لوگوں پر ایسا ظلم و تشدد کرتے ہیں؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

''بخدا! میرے پاس جو خبریں آئی ہیں وہ تو امن و سلامتی ہی کی ہیں۔''

(طبری:۳/۳۷۹، ابن اثیر:۳/۷۸)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''تم لوگ میرے شریک کار اور مومنوں کے امور کے امین ہو لہٰذا مجھے اس بارے مشورہ دیجیے۔'' (ابن اثیر:۳/۷۸)

تو اہل مدینہ نے کہا:

''جن مصائب و مشکلات میں لوگ مبتلا ہیں، ہم ان سے محفوظ ہیں۔''

(طبری:۳/۳۷۹، ابن اثیر:۳/۷۸)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، امیر المومنین رضی اللہ عنہ! ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ معتمد علیہ اشخاص کو مختلف صوبوں میں تحقیق حال کے لیے بھیجیں اور جو صحیح حالات وہ آپ کو بتائیں۔ اس کے مطابق اپنی پالیسی بنائیں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان کی اس تجویز کو قبول کر لیا۔

بعض روایات میں ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو کوفہ، بصرہ، مصر اور دیگر صوبوں سے حالات کی دگرگونی کی بابت جب تشویشناک خبروں کی اطلاعات ملیں تو آپ کو صبح و شام یہی فکر لاحق ہونے لگی کہ مناسب تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جن سے حالات کے اس تلاطم میں سکون پیدا ہو، لیکن کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اسی اثناء میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف صوبوں میں حالات کی تحقیقات کے لیے وفود بھیجے جائیں اور وہ وہاں کا آنکھوں دیکھا حال اور وہاں کے باشندوں سے کانوں سنی باتیں دربار خلافت میں آ کر بیان کریں اور ان وفود کی رپورٹ پر آپ کوئی مناسب کارروائی کریں۔ اس سے مجھے امید ہے کہ

حالات میں جو تیزی اور درشتی پیدا ہوگئی ہے وہ سکون کی صورت اختیار کر لے گی۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے 35 ھ میں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسرے صوبوں میں حالات کی تحقیقات کے لیے روانہ فرمایا۔ ان وفود نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ مختلف گورنروں پر جو الزامات عائد کیے جاتے تھے ان کی چھان بین کی، مختلف لوگوں سے ملے، سبائیوں کی کارروائیوں کا مطالعہ کیا اور ان کی فتنہ پردازیوں کا اندازہ لگایا۔ موجودہ حالات کی پوری تحقیقات کے بعد انہوں نے اپنی مفصل رپورٹ دربار خلافت میں پیش کی۔ سوائے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے۔ دوسرے سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق اس رپورٹ کو پیش کیا جس کا ایک فقرہ میں خلاصہ یہ تھا کہ:

ما انکرنا شیئا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم

''ہم نے ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عوام سے کوئی قابل اعتراض بات ان گورنروں میں نہیں پائی۔ (طبری: ۳/۳۷۹، ابن اثیر: ۳/۷۸)

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مفسدین مصر نے اپنی طرف مائل کرلیا اور وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے ہم نوا بن گئے اور مدینہ طیبہ واپس نہ آئے، اور وہیں کے ہو رہے۔ چند روز کے بعد عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ گورنر مصر نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے ایک خط میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا کہ عبداللہ بن سباء اور خالد بن ملجم، سدان بن حمران، کنانہ بن بشر اور دوسرے سبائیوں کی ان کے پاس کثرت سے آمدورفت ہے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے 20 ھ میں انہیں کوفہ کا گورنر بنایا تھا اور اہل کوفہ کے نام درج ذیل فرمان جاری کیا تھا جس سے آپ کی قابلیت اور فضیلت کا پتہ چلتا ہے، آپ نے لکھا:

''میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مہتمم خزانہ بھی بنایا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ اور اہل بدر سے ہیں۔ لہٰذا تم ان دونوں کی اطاعت کرو، ان کے احکام کو سنو اور پیروی کرو۔ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔ عثمان بن حنیف کو عراق کی پیمائش پر مامور کیا ہے۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/۱۸۲)

لیکن اس عظمت وجلالت کے باوجود آپ نہایت سادہ دل اور درویش منش بزرگ تھے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ سبائیوں نے اپنے پراپیگنڈے سے کچھ سادہ لوح لوگوں کو بھی اپنے دام تزویر میں پھانس لیا تھا۔ ان میں سے ایک سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ مصر میں تحقیقاتی وفد کے ساتھ گئے تھے لیکن مصر کے سبائیوں نے ان کو معاملہ کی اصل تہہ تک پہنچنے نہ دیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

''یعنی سبائیوں نے مصر میں ان کو پھسلالیا اور عبداللہ بن السوداء، خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشران کے ساتھ ہو گئے۔''

(ابن اثیر: ۳/ ۷۸، طبری: ۳/ ۳۷۸)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جب انکوائری کمیشن کے ممبر کی حیثیت سے مصر تشریف لے گئے تو سبائی گروہ نے انہیں وہاں شہید کر دیا۔ اس وجہ سے وہ واپس مدینہ طیبہ تشریف نہ لا سکے۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے:

واستبطاء الناس عمارا حتی ظنوا قد اغتیل.

''عمار کو لوگوں نے روک لیا تھا، یہاں تک کہ اہل مدینہ نے یقین کر لیا کہ وہ دھوکہ سے قتل کر دیے گئے ہیں۔''

(طبری: ۳/ ۳۷۹، التمہید والبیان فی مقتل الشہیر عثمان محمد بن یحییٰ: ۸۹)

ایک گشتی مراسلہ:

تحقیقاتی کمیشن کی اس رپورٹ نے اگرچہ یہ ثابت کر دیا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنر سب اہل ہیں اور شورش پسندوں کی طرف سے ان پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں ان سب کے دامن ان الزامات سے پاک ہیں۔ اور ان کی حقیقت سوائے بہتان کے اور کچھ نہیں اور ان الزامات میں ایک سازش کارفرما ہے جس کی جڑیں غیر ملکی عناصر تک گئی ہوئی ہیں۔ لیکن پھر بھی امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام صوبوں میں ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں یہ لکھا:

''میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے گورنروں کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا اور جس عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جائے گی اس کی فوراً تحقیقات کر کے پورا پورا

تدارک کیا جائے گا۔ کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ بے وجہ تنگ کرتے ہیں۔ ویسے جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے تب سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار اور فریضہ بنا رکھا ہے اور ان معاملات کے تدارک میں پوری پوری کوشش کرتا رہا ہوں جو مجھے یا میرے گورنروں کو پہنچائے جاتے ہیں۔ رعایا کے مصارف میں سے جو مال بچ جائے اس میں میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے۔

لوگو! سن لو جس کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے گورنروں سے اپنا حق مانگ لے یا پھر معاف کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔'' (طبری: ۳/ ۳۷۹۔۳۸۰، ابن اثیر: ۳/ ۷۸)

''لوگ رونے لگے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ امت فتنہ وفساد میں مبتلا ہوگئی ہے۔'' (طبری: ۳/ ۳۸۰)

موسم حج میں گورنروں کا اجتماع:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک طرف تو ملک میں یہ گشتی مراسلہ جاری فرما کر لوگوں کو حج کے موقع پر شکایات پیش کرنے کے لیے کہا، دوسری طرف اپنے گورنروں کو لکھا کہ وہ حج کے موقع پر ضرور حاضر ہوں۔ چنانچہ آئندہ سال موسم حج میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سارے گورنر مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور ان میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سابق گورنر کوفہ اور عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سابق گورنر مصر کو بھی مشورے کے لیے بلایا گیا۔ ان سب لوگوں کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا کہ:

''یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آ رہی ہیں۔''

تمام گورنروں نے جواب دیا:

''کیا آپ تحقیقاتی کمیشن کے ذریعہ ان افواہوں کی تحقیقات نہیں کروا چکے ہیں؟ کیا عوام الناس کے خیالات کی رپورٹ آپ کو نہیں مل چکی؟ اور کیا آپ کے تحقیقات کرنے والے آپ کو اصل حقیقت حال سے آگاہ نہیں کر چکے؟ کہ ان افواہوں میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں؟ لہٰذا صرف افواہوں پر مواخذہ جائز نہیں۔''

آپ نے فرمایا کہ:

"تو پھر مجھے بتاؤ کہ آخر کیا صورت حال اختیار کی جائے؟"

اس پر سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ معاملہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔"

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"امیر المومنین رضی اللہ عنہ! میرے صوبے میں بالکل امن وامان ہے وہاں آپ کو فتنہ وفساد کی خبر نہ ملے گی۔"

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سابق گورنر مصر نے کہا:

"امیر المومنین رضی اللہ عنہ! میری رائے یہ ہے کہ آپ زیادہ نرمی سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ آپ اپنے ساتھیوں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کو اختیار کیجیے اور درشتی کے موقع پر درشتی اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجیے۔"

آپ نے ان سب گورنروں کی تجاویز اور آراء سن کر فرمایا:

"ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے۔ اس امت کے لیے جس فتنے کا خوف ہے وہ آ کر رہے گا۔ اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا۔ لیکن میں اسے نرمی ہی سے بند کروں گا۔ البتہ حق تعالیٰ کی حدود میں ہرگز ہرگز نرمی نہیں برتوں گا۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بہتری اور ان کی بھلائی میں کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ اور بے شک فتنہ کی چکی چلنے والی ہے۔ اگر عثمان رضی اللہ عنہ اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے خوشخبری ہے۔"

پھر فرمایا کہ:

"تم لوگوں میں امن وسکون پیدا کرو، ان کے حقوق پورے کرو اور حقوق اللہ میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ کرو۔" (طبری: ۳/ ابن اثیر: ۳/ ۷۸)

اس پیکر حلم وعفو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے اس دھارے کو اپنی نرمی کے بند سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن سب کچھ بے سود رہا۔ جو ہونا تھا وہ ہوا اور امت میں ایک ایسے فتنے کا دروازہ کھل گیا جس کے متعلق 25 سال قبل ذات قدس صفات صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ میں آمد:

حج سے فراغت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور اس معاملہ کے بارے میں ان کی رائیں لیں۔ انہوں نے اپنا اپنا خیال ظاہر فرمایا۔ بعد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آپ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور اس کی مخلوق میں سب سے افضل اور اس امت کے امور کے والی اور سرپرست ہیں۔ اس بارے میں کوئی صاحب بھی آپ سے طمع نہیں رکھتا۔ آپ نے بغیر کسی طمع اور لالچ کے اپنے دوست عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ اب آپ بڑھاپے کی آخری منزلوں میں ہیں اور آپ کا توسن عمر تیز روی سے گزر رہا ہے۔ اگر آپ ان کے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہیں تو وہ قریباً آ ہی گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس مقدس ہستی کو اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا ہے۔ لہٰذا اگر کسی صاحب کو ان کے بارے میں کوئی اعتراض ہو تو میں ابھی اسی مجلس میں اس کی تسلی خاطر کے لیے جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔ تم لوگوں کو اس بارے میں طمع نہ کرنے دو۔''

اس خطاب کے آخر میں آپ نے ایک سخت سا جملہ ارشاد فرمایا کہ:

فوالله! ان طمعوا فيه لارايتم منها ابدا الاادبارا.

''بخدا! اگر کسی کو خلافت کی طمع اور لالچ ہو تو وہ اس بارے میں کوشش کر کے دیکھ لے۔ اسے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔'' (ابن اثیر: ۳/۷۹)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات ذرا بری لگی اور انہوں نے اس کا جواب بھی دیا جس سے مجلس میں کچھ بے لطفی سی پیدا ہوئی۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے معاملہ کو رفع دفع کر دیا اور پھر حاضرین مجلس سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

''میرے بھتیجے نے سچ کہا۔ میں اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے گورنروں کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میرے دونوں پہلے ساتھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے از راہ احتساب اپنے اعزا و اقارب سے کوئی ترجیح اور امتیازی سلوک نہ کیا۔ لیکن رسول

اللہ ﷺ اپنے خویش و اقارب کی امداد و اعانت فرمایا کرتے تھے۔ میرے قبیلے والے نادار، قلاش اور قلت معاش میں مبتلا ہیں۔ لہٰذا میں اپنے مال سے ان کی امداد و اعانت کرتا رہتا ہوں۔ اگر میرا یہ فعل غلط ہے تو مجھے بتاؤ، میں اپنے اس نظریہ کو آپ کے موقف کے تابع کر لیتا ہوں۔"

تمام حاضرین مجلس نے آپ کے اس فعل کی تحسین و تعریف کی اور کہا کہ آپ کا یہ فعل کوئی غلط نہیں ہے بلکہ صواب اور درست ہے۔ (ابن اثیر: ۳/ ۷۹، طبری: ۳/ ۳۸۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مشورہ:

یہ فتنہ روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ ادھر آپ اصلاح حالات کی تدابیر میں ہمہ تن مصروف تھے اور ادھر سبائی مدینۃ الرسول پر یورش کرنے کا منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی دور بین نگاہوں اور ایمانی بصیرت نے شروع ہی سے اس فتنے کا تجزیہ کر لیا تھا۔ اور آپ اس کے عواقب و نتائج سے بخوبی آشنا ہو چکے تھے اور گورنروں کی کانفرنس کے بعد مکہ مکرمہ ہی سے واپس اپنے اپنے صوبوں میں چلے گئے تھے۔ لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ مدینہ سے واپس شام جاتے ہوئے آپ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے انتہائی اصرار اور لجاجت سے عرض کیا:

"امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہاں کی حالت انتہائی غیر اطمینان بخش ہے۔ اس لیے آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیے، وہاں کے لوگ امراء کے بہت تابعدار ہیں۔ وہاں آپ کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔"

آپ نے فرمایا:

"معاویہ رضی اللہ عنہ! ساری عمر حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں گزری۔ اب خواہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے لیکن پھر بھی میں اس بڑھاپے میں جوار رسول نہیں چھوڑوں گا۔" (جذب القلوب: ۱۸۸، ابن اثیر: ۳/ ۷۹، طبری: ۳/ ۳۸۲)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جب پہلی تجویز مسترد کر دی تو آپ نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ:

"میں آپ کی حفاظت کے لیے شام سے کچھ فوج بھیج دیتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

لاضیق علی جیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

''معاویہ رضی اللہ عنہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والوں پر مدینہ رسول کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے چلتے چلتے پھر کہا:

''مجھے ناگہانی حادثے کا شدید خطرہ ہے۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

حسبی اللہ و نعم الوکیل.

''کافی ہے میرے لیے اللہ اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۹، ابن اثیر: ۳/۷۹، طبری: ۳/۳۸۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے رخصت ہو کر واپس شام تشریف لے جا رہے تھے تو چند مہاجرین سے ان کی ملاقات ہوئی جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اس وقت سامان سفر آپ کے ساتھ تھا۔ تلوار گلے میں اور کمان کاندھے پر رکھی ہوئی تھی۔ ان حضرات کو سلام کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کمان کے سہارے کھڑے ہو گئے اور ان حضرات کو مخاطب کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ باتیں کیں اور ان کی حفاظت اور سکیورٹی کی بابت کچھ ہدات دیں۔ آخر میں فرمایا:

انی قد خلفت فیکم شیخا فاستوصوا بہ خیرا.

''میں ایک مرد پیر کو آپ حضرات کے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں اور ان کے حق میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔'' (ابن اثیر: ۳/۷۹)

مدینہ طیبہ پر باغیوں کی پہلی یورش:

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد جب تمام گورنر اپنے اپنے صوبوں میں واپس چلے گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کا وہ مطالبہ بھی پورا کر دیا کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا جائے۔ اب شورش پسندوں اور سبائیوں کے لیے شورش برپا کرنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کی کوئی

گنجائش باقی نہ رہی۔ لیکن پھر بھی انہوں نے مختلف شہروں مثلاً مصر اور بصرہ کے سبائیوں کو خطوط لکھے کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر حالات کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ موجودہ حالات ان کے عزائم کی تکمیل کے لیے ساز گار ہیں یا نہیں؟ اور اگر کوئی پوچھے تو کہیں کہ ہم صرف امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں اور امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ان افواہوں کے بارے میں مختلف سوالات کریں جو ملک کے مختلف گوشوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

یہ بات بھی انہیں بتائی گئی کہ وہ مدینہ پہنچ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیں اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات کو واضح اور متحقق کرنے کے لیے ان اعتراضات کو مملکت اسلامیہ کے گوشے گوشے میں پھیلائیں، اور عوام الناس کے سامنے ان کا چرچا کریں۔

چنانچہ اس سازش کے تحت ربیع الاول 25ھ میں کوفی، بصری اور مصری سبائیوں کا ایک ایک جتھہ جن کی کل تعداد پانچ سو اور ایک روایت کے مطابق ایک ہزار تھی، عازم مدینہ ہوا۔ مصر سے جو سبائی آئے تھے ان کی قیادت کنانہ بن بشر اللیثی، زید بن صوحان العبدی، مالک الاشتر النخعی، زیاد بن نضر الحارثی اور عبداللہ بن الاصم العامری کے ہاتھوں میں تھی اور بصرہ کے سبائیوں میں حکیم بن جبلہ العبدی، ذریح بن عباد، بشر بن شریح اور ابن المحترش شامل تھے اور ان کی قیادت حرقوص بن زہیر السعدی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ سب لوگ مدینہ طیبہ کے قریب ایک گاؤں جحفہ میں آ کر مقیم ہو گئے۔

جب یہ لوگ مقام جحفہ پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دو ہوشیار مخبران کے پاس اس غرض کے لیے بھیجے تا کہ ان کے آنے کا مقصد معلوم ہوا۔ ان دونوں حضرات نے جب ان کی آمد کی غرض و غایت دریافت کی تو انہوں نے اپنے آنے کا مقصد صاف اور کھلے الفاظ میں بیان کر دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا مدینہ طیبہ میں بھی تمہارا کوئی حامی اور مؤید ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ہاں تین آدمی، لیکن ان کے نام نہ بتائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کریں گے اور اگر انہوں نے ہمارے اعتراضات کا کوئی جواب نہ دیا اور ہمارے مطالبات کو تسلیم نہ کیا تو ہم پھر حاجیوں کی صورت میں آ جائیں گے اور ان کو سریر خلافت چھوڑنے پر مجبور کریں گے۔

ان دونوں حضرات نے یہ ساری باتیں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کر دیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں دعا کی کہ ''الٰہ العالمین! انہیں اطاعت شعار بنا، شقی نہ بنا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ آپ ان شورش پسندوں کو جا کر سمجھائیں اور انہیں ملک میں فتنہ وفساد برپا کرنے سے باز رکھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جحفہ تشریف لے گئے اور ان باغیوں کو ہر ممکن طریق سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ تو ایک خاص سازش کے تحت آئے تھے، افہام وتفہیم سے انہیں کوئی تعلق نہیں تھا۔

آخر آپ نے پوچھا کہ ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر تمہارے اعتراضات کیا ہیں؟'' انہوں نے اعتراضات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش کردی جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

① سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نوجوانوں کو مختلف صوبوں میں گورنر بنایا ہے۔

② بنوامیہ کو سب لوگوں سے زیادہ مال دیا ہے۔

③ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کرلیا ہے۔

④ آپ نے مکہ معظمہ میں بجائے دوگانہ پڑھنے کے پوری نماز پڑھی ہے۔

⑤ آپ نے قرآن پاک کو جلایا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سب اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے لیکن انہوں نے ان جوابات کو غیر اطمینان بخش کہا۔ آپ کو ان کے اس رویہ سے سخت تکلیف ہوئی اور وہ غضب ناک ہو کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس واپس تشریف لے آئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ناکام واپسی پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے شورش پسندوں کو مدینہ منورہ بلایا۔ وہ مسجد نبوی میں آ کر منبر کے چاروں طرف بیٹھ گئے جب سب حضرات مسجد نبوی میں جمع ہو گئے تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں خطاب فرمایا اور مہاجرین وانصار کو ان کے آنے کی غرض وغایت بتائی۔ حاضرین میں سے دو آدمی اٹھ کھڑے ہوئے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ان ناہنجاروں کو قتل کردیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جو شخص امام کی موجودگی میں لوگوں کو بغاوت پر اکسائے اس پر اللہ کی لعنت ہو اور اس کو قتل کردیا جائے۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بڑی فراخ حوصلگی اور رواداری سے جواب دیا کہ ''ہم انہیں معاف کرتے ہیں اور ہم اس وقت تک ان سے کوئی تعرض نہیں کریں گے، جب تک کہ وہ کسی ایسے جرم کے مرتکب نہ ہوں۔ جو حد شرعی کو مستلزم ہو یا پھر کفر بواح (کھلا کفر) اختیار نہ کریں۔'' بعد میں آپ نے مجمع عام کے سامنے ان سب اعتراضات کے قرآن وسنت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کی روشنی میں مدلل جوابات دیئے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب اپنے خلاف اعتراضات کے جوابات دے رہے تھے تو ہر جواب پر مہاجرین وانصار سے دریافت کرتے کہ یہ جواب درست ہے؟ وہ سب یک زبان ہو کر کہتے:

"بخدا! ایسا ہی ہے۔"

علامہ طبری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب آپ اپنے خلاف تمام اعتراضات کے جوابات دے چکے تو:

وابى المسلمون الاقتلهم وابى الاتركهم.

"تمام مسلمان اس بات کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے اصرار کے ساتھ کہتے رہے کہ ان سب فتنہ پردازوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہ کہتے رہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔" (طبری: ۳/۳۸۳_۳۸۴، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۶۹)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ جب مسجد نبوی میں مہاجرین، انصار اور سبائیوں کی موجودگی میں اپنی یہ مؤثر تقریر کر رہے تھے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور سب مسلمان بھی زار و قطار رو رہے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۲)

مفسدین کو جب اس بات کا علم ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں اور ہمارے ازحد مخالف ہیں اور وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو ہمارے قتل کے مشورے دے رہے ہیں، پھر مدینہ طیبہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کثرت ہے اور ہم ایک قلیل تعداد میں ہیں تو انہوں نے واپس جانے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ وہ واپس اپنے اپنے شہروں کو اس فیصلہ کے بعد واپس چلے گئے کہ اب پوری جمعیت کے ساتھ مدینہ طیبہ آئیں گے اور اس وقت تک واپس نہ جائیں گے جب تک یا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنے مطالبات نہ منوا لیں یا انہیں منصب خلافت سے اتار نہ دیں۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ فتنہ کو رفع کرنے کے لیے آپ اپنے تمام گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ دوسرے گورنروں کو جن کو اہل فتنہ پسند کرتے ہیں، مقرر فرما دیں لیکن آپ نے ان کی اس تجویز کو مسترد کر دیا اور مسترد کرنا ہی درست تھا جس کی کئی وجوہات ہیں:

① پہلی وجہ یہ ہے کہ سارے گورنر جن کی معزولی کا وہ شورش پسند مطالبہ کر رہے تھے،

بالکل بے قصور تھے اور وہ سارے الزامات جو ان پر لگائے جارہے تھے، بالکل بے بنیاد تھے جیسا کہ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ نے واضح کردیا تھا۔

(ملاحظہ ہو ابن اثیر:۳/ ۷۸، طبری:۳/ ۳۷۹)

اور یہ سارے اعتراضات تو صرف ایک سازش کے تحت ان گورنروں پر لگائے گئے تھے۔ لہٰذا اگر ان سبائیوں کے کہنے پر ان گورنروں کو معزول کر کے ان کے اس مطالبے کو تسلیم کر بھی لیا جاتا تو وہ پھر اور کوئی مطالبہ پیش کر دیتے۔ کیونکہ ان کا مقصد وحید صرف فتنہ وفساد کی آگ کو بھڑکا کر امت میں تشتت وافتراق کی آبیاری کرنا تھی تاکہ مملکت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھائی جائے۔

۲ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ایک خلیفہ راشد تھے جن کا دین میں ہر قول وعمل واجب الاتباع ہے۔

(ترمذی:۲/ ۹۲، ابن ماجہ:۵، ابوداؤد:۲/ ۲۷۹، مستدرک حاکم:۱/ ۹۵، مسند احمد:۴/ ۲۷، مسند دارمی:۲۶)

اگر آپ ان شرپسندوں کے کہنے پر ان گورنروں کو معزول فرما دیتے تو آپ خلیفہ راشد نہ رہتے کیونکہ معدلت گستری اور عدل وانصاف ایک خلیفہ راشد کی خصوصی صفات میں سے ہیں۔ اور بے گناہ لوگوں کو معزول کرنا عدل وانصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے بلکہ ظلم ہے اور خلیفہ راشد ظلم وستم سے بری اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہوتا ہے، لہٰذا وہ ان بے قصور گورنروں کو معزول نہیں کر سکتے تھے۔

۳ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان بے گناہ گورنروں کو معزول کر دیتے تو ہوسکتا ہے کہ وہ فتنہ پرداز وقتی طور پر مطمئن ہو جاتے لیکن قیامت تک کے لیے فتنہ وفساد کرنے والوں کے لیے ایک شرعی دلیل اور حجت قائم ہو جاتی اور وہ ہر زمانہ میں اپنی ذاتی پرخاش اور بغض وعداوت کی وجہ سے بے قصور اور بے گناہ گورنروں اور حاکموں کو خلیفہ وقت سے معزول کروا دیتے۔ اس سے ایک تو انتظام وانصرام کا سارا معاملہ چوپٹ ہو جاتا۔ دوسرے کوئی گورنر یا حاکم مطمئن ہو کر اپنے فرائض منصبی ادا نہ کرسکتا اور قیامت تک کے لیے یہ ایک ایسی رسم بد پڑ جاتی جس کی وجہ سے کسی اسلامی حکومت کو استحکام نصیب نہ ہوتا۔

ان وجوہات کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کے اس مشورہ کو رد فرما دیا جنہوں نے نہایت نیک نیتی اور امن وسلامتی کی خاطر آپ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ فتنہ وفساد کی آگ کو فرو کرنے کے لیے سبائیوں کے اس مطالبہ کو منظور کر لیا جائے اور ان گورنروں کو معزول کر دیا جائے جن کی معزولی کا یہ سبائی مطالبہ کر رہے ہیں۔

مدینہ طیبہ پر باغیوں کی دوسری یورش:

جب کوفی اور بصری فتنہ پرداز حالات کی نزاکت کے تحت اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے گئے تو عبداللہ بن سباء کو ان کے ناکام واپس آنے کی سخت کوفت ہوئی۔ لہٰذا اب دوسرا منصوبہ تیار کیا گیا اور خط وکتابت کے ذریعہ مصر، بصرہ اور کوفہ کے شورش پسندوں اور باغیوں کو اس سے مطلع کر دیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ 12 ماہ شوال 35 ھ میں ہر صوبے کے سبائی نواح مدینہ میں اکٹھے ہوں اور مدینہ میں داخل ہو کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کریں اور وہ اس وقت تک واپس نہ ہوں جب تک کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ خلافت سے معزول نہ ہو جائیں۔

چنانچہ طے شدہ منصوبے کے تحت شوال 35 ھ میں مصری مفسدین چار امراء کی سرکردگی میں چار گرہوں میں نکلے اور ایک ایک گروہ کی تعداد کم از کم چھ سو اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھی۔ ان چار گرہوں کے سرکردہ عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر اللیثی، سودان بن حمران اور قتیرہ بن فلان السکونی تھے۔ اور ان چاروں گروہوں کی قیادت غافقی بن حرب عکی کر رہا تھا۔ ان گرہوں میں اخلاقی جرأت کا اس قدر فقدان تھا کہ مصر سے نکلتے وقت عوام کو یہ نہ بتایا کہ ہم امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی معزولی کے منصوبے کے لیے جا رہے ہیں۔ بلکہ:

خرجوا فیما یظھرون للناس حجاجا.

"لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ حج کو جا رہے ہیں۔" (البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۳/۷)

ویسے تو یہ پانچوں قائدین ہی فتنہ وفساد برپا کرنے کے لیے کچھ کم نہ تھے، لیکن:

معھم ابن السوداء.

"ان کے ساتھ ابن السوداء (عبداللہ بن سباء) بھی مل گیا تھا۔"

(ابن اثیر: ۷۹/۳، البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۳/۷)

اسی طرح اہل کوفہ بھی چار جماعتوں میں منقسم ہو کر عازم مدینہ ہوئے۔ ان کی قیادت

زید بن سوحان، اشتر نخعی، زید بن نضر حارثی اور عبداللہ بن اصم عامری کر رہے تھے۔ ان سب کی قیادت عمرو بن اصم کر رہا تھا، ان کی تعداد بھی مصری گروہ کے برابر تھی۔ اس طرح اہل بصرہ بھی اتنی ہی تعداد میں چار گروہوں میں منقسم تھے اور ان کی قیادت حکیم بن جبلہ، ذریح بن عباد عبدی، بشر بن شریح، حطم بن ضبیعہ کر رہے تھے۔ ان سب کی قیادت حرقوص بن زہیر سعدی کر رہا تھا۔
(ابن اثیر: ۳/۷۹، طبری: ۳/۳۸۵)

مصر، بصرہ اور کوفہ سے سبائی مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر پہنچ کر رک گئے۔ اہل بصرہ نے ذوخشب، اہل کوفہ نے اعوص اور اہل مصر نے ذوالمروہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے اور دو ہوشیار ذمیوں زیاد نضر اور عبداللہ بن اصم کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے مدینہ منورہ بھیجا کیونکہ انہیں خبر ملی تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حامی مقابلہ پر آمادہ ہیں اور یہ چیزیں ان کے مقصد میں رکاوٹیں پیدا کر سکتی تھیں کیونکہ اگر مدینہ میں داخل ہونے پر دونوں فریقوں میں لڑائی شروع ہوگئی تو ہمارا وہ مقصد جن کے لیے ہم اتنی دور سے آئے ہیں، فوت ہو جائے گا۔ یہ دونوں آدمی مدینہ طیبہ میں آئے اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن، سید علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان کو اپنے اصل مقصد سے مطلع کیا اور کہا کہ ہم امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کی معزولی کے لیے آئے ہیں، لہٰذا آپ لوگ ہمیں مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں اور اس مقصد میں ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ لیکن:

كل الناس ابى دخولهم ونهى عنه.

"سب لوگوں نے ان کے داخلہ سے انکار کر دیا اور اس سے منع کر دیا۔"

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۴، طبری: ۳/۳۸۵)

ان سب حضرات نے ان سے یہ بھی کہا کہ آپ لوگ اپنے اپنے شہروں کو چلے جائیں اور امت میں تشتت وافتراق کا بیج نہ بوئیں۔ (ابن اثیر: ۳/۳۸۵)

معلوم ہوا ہے کہ اہل مدینہ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اگر انہیں کوئی شکایت ہوتی تو وہ ضرور ان مفسدین کا استقبال کرتے اور مدینہ طیبہ میں ان کے داخل ہونے کو بخوشی قبول کرتے۔ لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تمام اہل مدینہ نے ان کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکا اور ان کو داخلہ کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔

یہ لوگ اپنے اپنے شہروں سے امیر المومنین کی معزولی کے لیے آئے تھے اور اس

مقصد پر وہ سب متفق و متحد تھے لیکن امیر المومنین کی معزولی کے بعد آئندہ نظام خلافت کس کو سونپا جائے اس میں ان کا اختلاف تھا۔ اہل مصر کی خواہش تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا جائے، اہل بصرہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کے حق میں تھے اور اہل کوفہ کی کثیر تعداد سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو اس منصب جلیلہ پر متمکن کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اہل مصر کے سربرآوردہ افراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا جائے۔ اہل بصرہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس اور اہل کوفہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں خلافت اسلامیہ کی پیش کش کی لیکن تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ:

''ان تینوں حضرات نے باآواز بلند انہیں اپنے پاس سے دھتکار دیا اور فرمایا، نیک اور صالح لوگوں کو یقین ہے کہ ذوالمروہ، ذوخشب کے لشکر جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ملعون ہیں۔ لہٰذا تم واپس چلے جاؤ، خدا تمہارا حامی اور ساتھی نہ ہو۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۷۴، طبری:۳/۳۸۶-۲۸۷)

ان تینوں گروہوں نے مایوس واپس جا کر باقی ماندہ اشخاص کو ان سب باتوں کی اطلاع دی جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کیں اور یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں لشکروں پر لعنت بھیجی ہے۔ اگر ان لوگوں میں خلوص وللّٰہیت کی کوئی رمق بھی باقی ہوتی تو وہ اپنے کیے پر نادم ہوتے اور اپنے منصوبے سے توبہ کرتے لیکن وہاں تو دلوں میں بغض وعناد بھرا ہوا تھا اور ملت اسلامیہ میں تشتت وافتراق کی تخم ریزی کا منصوبہ ذہنوں میں انگڑائیاں لے رہا تھا۔ لہٰذا انہیں اپنے اس فعل پر ذرہ برابر بھی ندامت نہ ہوئی اور وہ ڈھٹائی کے ساتھ اپنے اس مطالبہ پر اڑے رہے۔

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو سبائیوں کے اس فعل سے سخت تشویش تھی اور اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے کوئی تدبیر ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ آخر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تیس صحابہ رضی اللہ عنہم (مہاجرین وانصار) کے ساتھ افہام وتفہیم کی غرض سے ان کے پاس گئے۔ ان تیس صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے تھے۔ ان میں مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(1) سعید بن زید رضی اللہ عنہ (2) محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (3) جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ (4) حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ (5) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (6) حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (7) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (8) ابوجہم عدوی رضی اللہ عنہ (9) عبدالرحمٰن بن عتاب رضی اللہ عنہ (10) ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ (11) سعید

بن العاص رضی اللہ عنہ (12) ابوحمید رضی اللہ عنہ (13) مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو بہت سمجھایا کہ اپنے اس اقدام سے باز آ جاؤ۔ امت میں تفرقہ نہ ڈالو اور فتنہ وفساد کا بیج نہ بوؤ لیکن انہیں کوئی اثر نہ ہوا۔

آخر جب ان حضرات نے ذرا دباؤ ڈالا اور وعظ وتذکیر بھی کی تو سبائیوں نے اپنے اس اقدام پر ندامت کا اظہار کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وفد کو یقین دلایا کہ وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کے بجائے واپس اپنے اپنے شہروں کو چلے جاتے ہیں۔ وفد ان کی باتوں سے مطمئن ہو کر مدینہ طیبہ واپس آ گیا لیکن مدینہ پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ سبائیوں نے اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا اور بجائے واپس جانے کے مدینہ میں آ گئے ہیں۔

مدینہ کے باشندے یہ سن کر سبائی مدینہ میں داخل ہونے والے ہیں، سخت پریشان ہوئے وہ ان باغیوں کے منصوبے سے بخوبی آشنا تھے اور انہیں خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ شاید یہ لوگ مدینہ میں تشدد اختیار کریں گے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک اچھی خاصی تعداد قصر خلافت کی حفاظت کے لیے آنا شروع ہو گئی۔ قصر خلافت کی حفاظت کیلئے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس حفاظتی اقدام سے سبائیوں کو تشدد کی پالیسی اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سبائیوں نے مدینہ کے حالات کو اپنے مقصد کی بجا آوری کے خلاف پاتے ہوئے صرف اسی بات پر اکتفا کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نہایت ظالم ہیں اور ہم ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں وہاں کا گورنر برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے۔ جب تک امیر المومنین رضی اللہ عنہ انہیں معزول کر کے ان کی جگہ کسی اور کو گورنر مقرر نہ فرما دیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے کہ فتنہ کی جڑیں کس قدر گہری ہیں۔ لہٰذا وہ فتنہ کے رفع کرنے کے لیے چند ایک اکابر صحابہ کو ساتھ لے کر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں مشورہ دیا کہ فتنہ کے بڑھنے کا شدید خطرہ ہے۔ لہٰذا اگر آپ فتنے کے دروازے کو بند کرنے کے لیے عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے محمد بن ابی بکر کو ان کی جگہ گورنر مقرر فرما دیں تو فتنہ کی یہ آگ دب سکتی ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خود فتنہ کی اس آگ کو بھڑکانا نہیں چا...

تھے اور امن وآشتی کے خواہاں تھے۔ لہٰذا انہوں نے باغیوں کے اس مطالبہ کو منظور کرلیا اور محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری کا فرمان لکھ دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو مطلع کیا کہ تمہارا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ محمد بن ابی بکر کی گورنری کی بابت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا فرمان لے کر اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے اور وقتی طور پر یہ فتنہ فرو ہوگیا۔

مدینہ طیبہ پر باغیوں کی تیسری یورش:

مدینہ طیبہ میں جو باغی حالات کے مطالعہ کے لیے آئے تھے، واپسی پر انہوں نے اظھروا للناس انھم راجعون الی بلدانھم ''لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کو واپس جارہے ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۴)

اہل مدینہ مطمئن ہوگئے کہ باغی لوٹ گئے ہیں اور اب حالات روبصحت ہو جائیں گے کیونکہ ان کا واپس جانا ان کی مرعوبیت کی دلیل تھی۔ یہ دراصل ایک سازش تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ اس وقت اہل مدینہ کی ایک کثیر تعداد امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے جمع ہوگئی ہے اور جس مقصد کے لیے وہ آئے تھے ان حالات میں اس کو سرانجام نہیں دیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے خیریت اسی میں سمجھی کہ فی الحال یہ ظاہر کیا جائے کہ ہم اپنے اپنے شہروں کو واپس جارہے ہیں جب ہم مدینہ سے کچھ روز غائب رہیں گے تو قصر خلافت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ سکیورٹی گارڈ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی جائے گی اور پھر اچانک ہم مدینہ میں داخل ہو جائیں گے اور حالات کو تہ وبالا کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

چنانچہ ایک روز یکایک اہل مدینہ نے مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور تکبیر کے نعروں کا شور سنا۔ دیکھا تو باغیوں کی ایک تعداد مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں دوڑ رہی تھی۔ ان میں اکثر تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرلیا اور اعلان کردیا:

من کف یدہ فھو امن

''جو اپنے ہاتھ کو روک لے گا، اس کو امان دی جائے گی۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۴، ابن اثیر: ۳/۸۰)

اہل مدینہ باغیوں کی اس اچانک یورش اور مدینہ میں ان کے اس ناگہانی داخلہ سے

خوفزدہ ہو گئے۔ پھران کے اس اعلان نے کہ ''جو اپنا ہاتھ روک لے گا وہ امن میں ہو گا''۔ انہیں اور زیادہ پریشان کر دیا، کیونکہ انہیں اس قدر توقع ہی نہیں تھی۔ چنانچہ اہل مدینہ نے اپنے ہاتھ روک لیے اور اپنے گھروں میں چلے گئے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ حالات کیا کروٹ لیں گے اور یہ لوگ جو اچانک مدینہ طیبہ میں داخل ہو کر قابض ہو گئے ہیں، کیا گل کھلانے والے ہیں۔ لیکن ان دنوں میں بھی امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ باقاعدہ مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت کراتے یہاں تک کہ اہل مدینہ اور باغی دونوں آپ کے پیچھے نماز پڑھتے۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۴/۷، ابن اثیر: ۸۰/۳)

اسی اثناء میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ مفسدین کے پاس آئے اور ان کے اس طرح اچانک آنے کا سبب پوچھا۔ طبری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

ماردکم بعد ذهابکم ورجوعکم عن رایکم.

''تمہارے واپس جانے کے بعد پھر واپس آنے اور تمہارا اپنی رائے سے رجوع کرنے کی کیا وجہ ہے؟ (طبری: ۳۹۱/۳)

انہوں نے جواب دیا:

اخذنا مع برید کتابا بقتلنا

''ہم نے ایک قاصد سے ایک خط پکڑا ہے جس میں ہمارے قتل کا حکم ہے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے سوال کیا:

''اے اہل کوفہ اور اے اہل بصرہ! اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا ہے کہ انہوں نے ایک قاصد کو پکڑ کر اس سے ایک خط حاصل کیا ہے اس واقعے کا تمہیں کیسے علم ہو گیا جب کہ تم کئی منزلیں طے کر چکے تھے۔ پھر تم اکٹھے ہو کر یہاں آ گئے۔ بخدا! یہ تو مدینہ ہی میں کی گئی ایک سازش ہے، انہوں نے جواب دیا آپ جس پر چاہیں محمول کریں ہمیں تو اس شخص (امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ہم تو ان کو معزول کر کے ہی دم لیں گے)

(طبری: ۳۸۷/۳، البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۴/۷، ابن اثیر: ۸۰/۳)

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب مصریوں کا لشکر راضی

ہوکر (اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سمجھانے بجھانے پر) واپس لوٹا تو وہ لوگ ابھی راستے ہی میں تھے کہ انہیں ایک قاصد ملا۔ مشکوک سمجھتے ہوئے انہوں نے اس کی تفتیش حاصل کی۔ اس نے کہا کہ میں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا قاصد ہوں اور گورنر مصر کے پاس جارہا ہوں۔ یہ سن کر انہیں کچھ اور شک ہوا، تلاشی لینے پر اس سے ایک خط برآمد ہوا جس پر باقاعدہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی سرکاری مہر بھی ثبت تھی اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ ان لوگوں کو یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ وہ اس قاصد کو پکڑ کر مدینہ طیبہ لے آئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا۔ کہ (معاذ اللہ) اس دشمن خدا (امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کا حال ملاحظہ فرمایئے کہ اس نے اس خط میں ہمارے متعلق یہ لکھا ہے۔ اللہ نے ہمارے لیے اس کا خون حلال کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے ساتھ ان کے پاس چلئے، آپ نے کہا: ''واللہ! میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گا۔''

اس پر باغیوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

فلم کتبت الینا؟

''پھر آپ نے ہمیں خط کیوں لکھا؟

آپ نے فرمایا:

واللہ! ما کتبت الیکم کتابا قط.

''بخدا! میں نے کبھی بھی تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ سن کر وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے:

لهذا تقتلون و لهذا تغضبون؟

''کیا تم اسی کے لیے لڑتے ہو اور اسی کے لیے غضب ناک ہوتے ہو۔''

(طبری: ۳/۳۹۱)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو آپ نے مدینہ طیبہ چھوڑ دیا اور ایک بستی کی طرف تشریف لے گئے۔ اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

① سبائی پارٹی کی یہ عادت تھی کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف جعلی خطوط لکھتے اور سادہ لوح لوگوں کو دکھا دکھا کر

ان کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اکساتے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو انہوں نے جو خط پیش کیا وہ بھی ان غداروں کا اپنا کام تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس خط کے بارے میں جوان کی طرف منسوب کیا گیا، صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔

(۲) قاصد سے پکڑے جانے والے خط کا جو افسانہ انہوں نے بنایا وہ بھی بالکل بے بنیاد تھا۔ کیونکہ جب وہ سبائی اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے تھے تو وہ خط تو بقول ان سبائیوں کے اہل مصر نے قاصد سے پکڑا تھا۔ اگر واقعی انہوں نے وہ خط پکڑا ہوتا تو صرف مصر کے سبائی احتجاج کے لیے واپس آتے۔ کوفہ اور بصرہ کے سبائیوں کو اس خط کے بارے میں کیسے پتہ چل گیا۔ جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اس بارے میں سوال کیا اور وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

(ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۴/۷، ابن اثیر: ۸۰/۳، طبری: ۳۸۷/۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مایوس ہو کر باغی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے ہمارے متعلق یہ خط لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یا تو تم اس پر دو گواہ پیش کر دیا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ ''نہ تو یہ خط میں نے لکھا ہے نہ لکھوایا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے۔ اور تمہیں علم ہے کہ کسی کے نام سے جھوٹا خط لکھا جاسکتا ہے اور ایک مہر کی طرح دوسری مہر بھی بنوائی جاسکتی ہے۔'' یہ سن کر باغیوں نے کہا کہ اللہ نے اب آپ کا خون ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔ پاس باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

(طبری: ۳۹۱/۳)

ایک روایت میں ہے کہ باغی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور ان دونوں حضرات کی موجودگی میں باغیوں نے اس خط کا افسانہ سنایا اور اصرار کیا کہ یہ خط واقعی آپ نے لکھا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

واللہ! ما کتبت ولا امرت ولا شوورت وعلمت.

''بخدا! نہ تو میں نے یہ خط لکھا ہے نہ لکھنے کا حکم دیا ہے نہ میرے مشورے سے لکھا گیا ہے اور نہ مجھے اس کا علم ہے۔ (طبری: ۴۰۷/۳)

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے اور علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ واقعی سچ فرماتے ہیں۔''

مصریوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ:

''اگر آپ نے یہ خط نہیں لکھا ہے تو پھر کس نے لکھا ہے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نہیں جانتا۔''

اہل مصر نے کہا کہ:

''کیا کسی کو اتنی جرات ہو سکتی ہے کہ بیت المال کے اونٹ پر آپ کے غلام کو بھیجے اور آپ کے گورنر کو ایک خط لکھے اور اس خط پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو اور آپ کو اس کا بالکل کوئی علم نہ ہو اور اگر آپ کو واقعی کوئی علم ہے تو پھر آپ اہل اسلام کے خلیفہ ہونے کے قابل نہیں ہو سکتے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''جو قمیص اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے میں اس کو ہرگز نہیں اتاروں گا۔''

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''اس کے بعد میں اور علی رضی اللہ عنہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا یہاں تک کہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔'' (طبری: ۳/ ۴۰۷)

متعدد روایات میں ہے کہ باغیوں نے جب آپ پر اس جعلی خط کا الزام لگایا تو آپ نے فرمایا کہ یا تو گواہ پیش کیے جائیں یا پھر میں قسم کھاتا ہوں بلکہ ایک روایت میں ہے کہ ان باغیوں کے اصرار پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس اس خیال سے چلے گئے کہ بالمشافہ گفتگو ہو کر معاملہ واضح ہو جائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا میرے ساتھ مصر، کوفہ اور بصرہ کے سبائی ہیں۔ انہوں نے دوسری دفعہ آنے کی وجہ یہ خط بتائی ہے۔ لہٰذا آپ فرمائیں کہ ''کیا آپ نے یہ خط لکھا ہے۔'' آپ نے فرمایا ''نہیں'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''اس خط کے لکھے جانے کا آپ کو کوئی علم ہو یا جس نے یہ خط لکھا ہے اس کا آپ کو کوئی علم ہو۔ آپ نے نفی میں جواب میں دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا قاصد اس خط کو لے کر مصر جا رہا تھا۔'' آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''اس غلام کا کیا نام ہے اور وہ اس وقت کہاں ہے؟ تاکہ اس سے پوچھا جائے کہ اس کو کس نے یہ خط دے کر بھیجا تھا۔'' لیکن کوئی غلام ہوتا تو وہ پیش کرتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان میں سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خط

آپ کے چچا زاد بھائی مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے جو آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی ہیں لکھا ہے۔ آپ نے اس کا ثبوت مانگا مگر وہ اس کا ثبوت بھی پیش نہ کر سکے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''کسی بات کا دعویٰ کرنے والے کے ذمہ ثبوت پیش کرنا ہے اور جو انکار کرے اس کے ذمے قسم کھانا ہے۔''

وہ لوگ جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے پرائیویٹ سیکرٹری سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ پر خط لکھنے کا الزام لگا رہے تھے جب وہ اس الزام کو ثابت نہ کر سکے اور کوئی ایسی دلیل اور شہادت بھی پیش کرنے سے قاصر رہے جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ خط سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے لکھا یا لکھوایا ہے تو اب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ ضروری ہو گیا کہ وہ قسم اٹھا کر یہ کہیں کہ میں نے یہ خط نہ تو خود لکھا ہے اور نہ ہی کسی سے لکھوایا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ چونکہ تم لوگ اس خط کے بارے میں کوئی ثبوت اور شہادت پیش نہیں کر سکے کہ یہ خط میں نے لکھوایا ہے۔ لہٰذا مجھ پر قسم کھانا ضروری ہو گیا ہے۔ ''چنانچہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے یہ خط خود لکھا نہ کسی دوسرے سے لکھوایا اور نہ ہی مجھے اس بارے میں کوئی علم ہے اور نہ میرے مشورے سے ایسا ہوا ہے۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جب قسم کھا کر اس خط کے بارے میں تردید کی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''اس خط پر جو مہر لگی ہوئی ہے وہ کیا آپ کی ہے۔''؟ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''کسی مہر کی نقل اتار لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا قسم اٹھا کر اس خط کے بھیجنے کی تردید کرنا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ آپ کی دلی تمنا تھی کہ ملک کے حالات دگرگوں نہ ہوں اور ملک کے کسی گوشہ میں شورش نہ اٹھے کیونکہ شورش اور فتنہ فساد مملکت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیتا ہے اور ملک کے تمام ترقیاتی پروگرام معرض التوا میں پڑ جاتے ہیں یا بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ رعایا کی امن وسکون کی زندگی جب فنا کے گھاٹ اترتی ہے تو مملکت کے مختلف گوشوں سے مختلف سازشیں جنم لیتی ہیں جن سے بعض دفعہ ملک تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر آپ نے ہر ممکن طریق سے شورش پسندوں کو مطمئن کرنے کی انتہائی کوشش کی اور ہر طرح سے ان کو یقین دلایا کہ وہ خط جس کو آپ لوگ میری طرف منسوب

کرر ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن سبائی اپنے عناد، اپنی ضد، اپنی سیاہ باطنی اور کورنظری کی وجہ سے بار بار یہ کہہ رہے تھے:

''آپ نے کوئی خط لکھا ہے یا نہیں لیکن ہماری یہ رائے ہے کہ آپ حکومت چلانے کے ہرگز قابل نہیں۔ لہٰذا یا تو آپ خود مسند خلافت کو چھوڑ دیں وگرنہ ہم آپ کو قتل کردیں گے۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان کے منہ سے یہ الفاظ سن کر فرمایا:

''میں موت سے ہرگز نہیں ڈرتا کیونکہ وہ اپنے وقت پر ضرور آئے گی لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں مسند خلافت کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔''

(انصاف عثمان رضی اللہ عنہ مصر:٦٦۔٦٧)

کیا کوئی خط لکھا گیا تھا؟

مؤرخین نے اس خط کی روایت تو اپنی کتابوں میں نقل کی ہے لیکن اس بات کو واضح اور تفصیل سے منقح کر کے نہیں لکھا کہ کیا حقیقت میں کوئی ایسا خط تھا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام سے اہل مصر نے پکڑا تھا، اور اس میں واقعتا ان کے قتل اور پھانسی دینے کی بابت لکھا ہوا تھا۔ بلکہ موجودہ زمانے کے بعض اردو کے مؤرخین نے اس فرضی خط کو بنیاد بنا کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا ہے۔ حالانکہ اگر تاریخ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا جائے اور ان سبائیوں کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی قاصد کو راستہ میں نہیں پکڑا تھا اور نہ ہی کوئی خط ان کے پاس تھا جس کو اپنے واپس آنے کی بنیاد بنا رہے تھے۔

① سبائی جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سمجھانے بجھانے پر واپس چلے گئے تو چند روز کے بعد پھر وہ یکایک واپس آ گئے۔ واپس جانے والے سبائی تین شہروں کوفہ، بصرہ اور مصر کے رہنے والے تھے۔ اور واپس جاتے ہوئے وہ یہ کہہ کر گئے تھے کہ ہم اپنے اپنے شہروں میں جا رہے ہیں۔ ان تینوں شہروں کے راستے مختلف تھے اور جب وہ واپس آئے تو بھی تینوں شہروں کے سبائی اکٹھے مدینہ منورہ واپس آئے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جا کر پوچھا:

''تمہارے چلے جانے اور اپنی رائے سے رجوع کر لینے کے بعد تمہارے مدینہ طیبہ

میں واپس آنے کی کیا وجہ ہے؟

ان میں سے مصر کے شورش پسندوں نے جواب دیا کہ جب ہم واپس جا رہے تھے تو ہمیں راستے میں ایک قاصد ملا۔ ہمیں اس پر کچھ شک ہوا، ہم نے اسے پکڑ کر جب تلاشی لی تو اس کے پاس سے ایک خط ملا جو گورنر مصر کے نام ہمارے متعلق لکھا ہوا تھا کہ ''جب یہ لوگ واپس آئیں تو یا تو انہیں پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسا خط ہے تو وہ تو مصر والوں نے پکڑا ہے اور وہ اس کی تحقیق کے لیے مدینہ منورہ واپس آئے ہیں لیکن اے اہل کوفہ اور اے اہل بصرہ تم ان کے ساتھ کیوں آئے ہو؟ حالانکہ تمہاری اور ان کی راہیں مختلف تھیں اور تم آپس میں ایک دوسرے کو اطلاع نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن تم بھی اب ان کے ساتھ ان کی مدد کے لیے واپس آ گئے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آپس میں کوئی وقت مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صاف الفاظ میں ان سے فرمایا:

''اے اہل کوفہ اور اے اہل بصرہ! اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا، اس کا تم لوگوں کو کیسے علم ہوا۔ حالانکہ تم اپنے اپنے شہروں کی طرف کئی کئی منزلیں دور جا چکے تھے۔ پھر تم لوٹ کر اہل مصر کے ساتھ ہی یہاں بھی پہنچ گئے۔''

(طبری: ۳/ ۳۸۷، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۷۴، ابن اثیر: ۳/ ۸۰)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ لہٰذا وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ ان کی اس خاموشی سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ معاملہ کی اصل حقیقت کو بھانپ گئے اور آپ نے ان کے سامنے واضح فرمایا:

''بخدا! یہ سازش تو مدینہ طیبہ میں کی گئی ہے۔''

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسی قسم کا قول نقل کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اہل کوفہ اور اہل بصرہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

''کہ تمہیں اپنے ان ساتھیوں کے اس واقعہ کا کیسے علم ہوا جب کہ تم ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے تھے اور تمہارے درمیان کئی منزلوں کا فاصلہ ہو گیا تھا۔''

جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس بات کا ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ دم بخود ہو گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا:

''یہ تو ایک ایسی بات ہے جس پر تم ایک سازش کے تحت متفق ہوئے ہو۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۴/۷)

اور وہ سازش یہ تھی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں واضح کیا گیا ہے کہ سبائی جب دوسری بار یورش کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے تو ان کی نیت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت سے ہٹانے اور نہ ہٹنے کی صورت میں قتل کرنا تھی۔ لیکن انہیں مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کا حوصلہ نہ پڑا اور وہ ذوخشب، اعوص اور ذوالمروۃ میں آ کر رک گئے کیونکہ انہیں مدینہ طیبہ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی جانوں کا خطرہ تھا۔ چنانچہ طبری رحمہ اللہ نے صاف لکھا ہے:

''وہ اہل مدینہ سے خوفزدہ تھے۔'' (طبری: ۱۷۴/۳)

بعد میں وہ مدینہ میں جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دعوت پر گئے تو انہوں نے اہل مدینہ کا اپنے بارے میں ردعمل بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور یہ بھی دیکھا کہ مہاجرین وانصار اور ان کے بچے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے نکل آئے ہیں۔ اب انہوں نے دیکھا کہ ہم جس ارادے سے آئے ہیں وہ پورا ہونے کا نہیں لہٰذا وہ دھوکہ دینے کے لیے اپنے اپنے شہر جانے کا بہانہ بنا کر چلے گئے لیکن اس سازش کے مہرے مالک الاشتر اور حکیم بن جبلہ مدینہ منورہ ہی میں رہ گئے۔ چنانچہ طبری رحمہ اللہ نے صاف الفاظ میں لکھا ہے:

''سارے باغی مدینہ طیبہ سے واپس چلے گئے، لیکن مالک الاشتر اور حکیم بن جبلہ مدینہ ہی میں رہ گئے۔'' (طبری: ۴۰۸/۳)

یہ دونوں شخص سبائی تحریک کے سرغنہ تھے اور وہ کسی صورت میں مدینہ کی فضاء کو پرسکون رکھنے کے حامی نہیں تھے بلکہ پوری مملکت اسلامیہ کو برباد کرنا ان کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ یہ خط کی سازش ان دونوں نے کی اور اہل مصر، اہل بصرہ اور اہل کوفہ کے جو لوگ مدینہ طیبہ سے باہر چلے گئے تھے ان کو اس سازش کے تحت واپس بلایا گیا اور مدینہ طیبہ پر یلغار کرنے کے لیے اس جعلی خط کو بہانہ بنایا تاکہ امیر المومنین کے خلاف شورش برپا کرنے کا ایک سہارا مل جائے۔

اگر کوئی خط تھا بھی تو وہ خط بالکل جعلی تھا اور وہ ان دونوں نے مل کر بنایا تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی جو مہر بھی اس پر لگائی گئی تھی وہ بھی جعلی تیار کی گئی تھی۔ چنانچہ جب سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ نے اس خط کا انکار کیا تو ان مفسدوں نے بجائے کوئی معقول جواب دینے کے پہلے تو مختلف حیلے تراشے پھر کہا:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ اپنے اس بیان میں یا تو آپ سچے ہیں یا جھوٹے۔ اگر آپ اپنے اس بیان میں جھوٹے ہیں تو پھر بھی آپ معزول ہونے کے مستحق ہیں کیونکہ آپ نے بغیر کسی حق کے ہمارا خون گرانے کا حکم دیا۔ اور اگر آپ اپنے بیان میں سچے ہیں تو پھر بھی آپ اپنی کمزوری اور غفلت کے باعث منصب خلافت سے ہٹائے جانے کے قابل ہیں۔'' (طبری: ۳/ ۴۰۸، ابن اثیر: ۳/ ۸۵)

ان دونوں صورتوں میں ہم آپ کو اپنی گردنوں پر حکمران نہیں رکھ سکتے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا ان کے کسی ساتھی نے گورنر مصر کو کوئی خط نہیں لکھا تھا اور اگر کوئی خط ان کے پاس تھا بھی تو وہ ان دونوں نے مدینہ طیبہ میں ایک سازش کے تحت تیار کیا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے کسی ساتھی کا اس خط کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔

(۲) دوسری بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا ان کا کوئی ساتھی گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو کس طرح خط لکھ سکتا تھا جبکہ گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ مصر میں موجود ہی نہ تھے۔ بلکہ جب مصر کے شورش پسند حاجیوں کے بھیس میں مصر سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تو گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ مصر کے یہ شورش پسند حج کے بہانے مدینہ منورہ آ رہے ہیں اور خود وہ ان مصریوں کے پیچھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ ہوئے۔ چنانچہ طبری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''پھر عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اہل مصر کے پیچھے پیچھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ ہوئے اور انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے خط کے ذریعہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی اور وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مصر سے روانہ ہوئے۔

(طبری: ۳/ ۴۱۰)

اب یا تو سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچ چکے تھے یا راستہ میں تھے۔ بہر حال وہ مصر میں نہیں تھے اور جب وہ مصر میں نہیں تھے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پاس مدینہ طیبہ بلایا تھا تو وہ انہیں کیسے خط لکھ سکتے تھے؟ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے مدینہ طیبہ آنے کا علم سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو بھی تھا۔ کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ساری خط و کتابت وہ ہی فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے کہ وہ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔

④ یہ لوگ جب اس جعلی خط کا بہانہ بنا کر مدینہ طیبہ میں وارد ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے ملے اور انہیں سمجھایا کہ وہ واپس چلے جائیں۔ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس چلیئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جانے سے انکار کیا، اس پر باغیوں نے کہا:

''آپ نے پھر ہمیں خط کیوں لکھا۔''

آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

میں نے کبھی بھی تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جواب سن کر وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

(طبری: ۳/ ۳۹۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جعلی خطوط بنانے اور اس بارے میں دوسروں پر اتہامات لگانے کے عادی مجرم تھے۔ تبھی تو انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی ایک جعلی اور فرضی خط منسوب کر دیا۔ حالانکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ میں نے تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا۔ اسی طرح کا وہ خط تھا جو انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور بعد میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کر دیا، حالانکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے نہ خود یہ خط لکھا ہے اور نہ کسی سے لکھوایا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے نہ صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب یہ خط منسوب کیا بلکہ اس سے قبل وہ مدینہ منورہ میں مقیم صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی جانب بھی اس قسم کے کئی خط منسوب کر چکے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

''انہوں نے مدینہ منورہ میں رہنے والے صحابہ رضی اللہ عنہ خاص طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا

طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوگوں کو کئی جھوٹے خط لکھے۔ جن میں انہیں دین اسلام کی حمایت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جنگ وقتال کرنے کی دعوت دی اور انہیں یہ کہا کہ آج یہ جہاد اکبر ہے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۳/۷)

ایک اور مقام پر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بعض روایات پر بحث کرنے کے بعد لکھا کہ:

وفی هذا وامثاله دلالة ظاهرة علی ان هولاء الخوارج قبحهم الله زوروا کتبا علی لسان الصحابة الی الآفاق یحرضونهم علی قتال عثمان.

''یہ روایت اور اس قسم کی اور کئی روایات اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ یہ باغی، اللہ تعالیٰ ان کا ستیاناس کرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب سے غلط اور جعلی خط مملکت اسلامیہ کے مختلف گوشوں میں بھیجتے اور انہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف برسرپیکار کرنے کے لیے آمادہ کرتے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۱۹۵/۷)

ایک اور مقام پر ان روایات پر بحث فرماتے ہوئے جن میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ سے ملک کے مختلف گوشوں میں خط لکھے تھے اور لوگوں کو امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے کے لیے برانگیختہ کیا تھا، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا کذب علی الصحابة وانما کتبت کتب مزورة علیهم کما کتبوا من جهة علی وطلحة والزبیر الی الخوارج کتبا مزورة علیهم انکروها وهکذا زور هذا الکتاب علی عثمان ایضافانه لم یامربه ولم یعلم به ایضاً.

''یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر صریح بہتان ہے (کہ انہوں نے ملک کے مختلف گوشوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے خطوط لکھے) یہ سب خط ان کی طرف سے جھوٹے اور جعلی لکھے گئے تھے۔ جیسے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلط اور جھوٹے خط انہوں نے خوارج کی طرف لکھے، جن کا ان سب حضرات نے صاف انکار کیا۔ اسی طرح یہ خط بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بالکل جھوٹا لکھا گیا حالانکہ نہ تو آپ نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ ہی آپ کو اس کا کوئی علم تھا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۵/۷)

اس خط پر مشہور فاضل الشیخ محبّ الدین الخطیب نے بھی امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب العواصم من القواسم کے حواشی: ۶۹۔۶۰، ۱۰۹ پر بحث فرمائی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شورش پسند اور باغی لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف جو خط منسوب کیا تھا اور جس کو بنیاد بنا کر وہ مدینہ منورہ میں یورش کر کے آئے تھے اور جو بالآخر شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر منتج ہوئی وہ سراسر غلط اور جعلی تھا، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اس خط کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ آپ نے اس کا کسی کو حکم دیا تھا۔ بلکہ وہ ان سبائیوں کا ایک فراڈ تھا، جس کے بہانے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لیے مدینہ منورہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر بہتان:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب قسم کھا کر اس خط کے بارے میں انکار کیا اور فرمایا کہ:

والله! ما كتبت ولا امرت ولا شورت ولا علمت.

''بخدا! نہ تو میں نے یہ خط لکھا ہے نہ لکھنے کا حکم دیا ہے، نہ میرے مشورے سے لکھا گیا ہے اور نہ مجھے اس کا علم ہے۔'' (طبری: ۳/ ۴۰۷)

باغیوں سے جب کوئی جواب بن نہ پڑا تو کہا کہ اگر آپ نے یہ خط نہیں لکھا تو پھر آپ کے پرسنل اسسٹنٹ مروان رضی اللہ عنہ نے لکھا ہوگا۔ لہٰذا آپ مروان رضی اللہ عنہ کو ہمارے سپرد کر دیں۔ یہ مطالبہ بالکل غلط اور نامعقول تھا جس کو کسی صورت بھی قبول نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''میں مروان رضی اللہ عنہ کو کسی قیمت پر آپ کے سپرد کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''

(العواصم من القواصم: ۱۱۰)

اور سیدنا عثمان سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو ان فسادیوں کے سپرد کیسے کرتے کیوں کہ ان کا بھی اس خط سے کوئی تعلق نہ تھا، اور وہ اس معاملہ میں بالکل بے قصور تھے۔

اکثر مؤرخین نے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بہت بحث کی ہے بلکہ بعض نام نہاد مؤرخین نے اس خط کا ان کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے حالانکہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی شخصیت ان تمام اعتراضات اور تنقیدات سے سراسر پاک ہے اور ان کا اس خط کے ساتھ کوئی

تعلق نہیں تھا بلکہ جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ یہ خط تھا ہی بالکل غلط اور جعلی۔ لہٰذا اس بارے میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ہدف تنقید نہیں بنایا جا سکتا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک اور روایت بھی نقل کی ہے کہ اگر یہ خط والی روایت درست ہے تو وہ اس طرح ہے کہ آپ نے والیٔ مصر کو لکھا کہ جب حاملِ خط آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قبول کیجئو۔ اس کو ''قبول کیجئو'' کے مفہوم کو انہوں نے ''فاقبلوہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا تھا لیکن فتنہ پردازوں نے اس کو ''فاقتلوہ'' یعنی قتل کر دیجئو' بنا دیا اور جان بوجھ کر اس خط کو فتنہ کا نقطہ آغاز بنا دیا۔ (تدریب الرادی:۱۵۱)

لیکن ہمارے نزدیک یہ خط والی روایت ہی سراسر غلط ہے۔ کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا تھا کہ:

''بخدا! نہ تو میں نے خود یہ خط لکھا ہے نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا ہے، نہ میرے مشورے سے لکھا گیا ہے اور نہ مجھے اس کا علم ہے۔'' (طبری:۳/ ۴۰۷)

معزولی پر اصرار:

باغی پہلے ہی چاہتے تھے کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں لیکن اس خط کے واقعہ سے انہیں ایک اور دلیل ہاتھ آ گئی اور اب وہ پہلے سے بھی زیادہ زور شور سے یہ کہنے لگے کہ:

''جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین لکھے جائیں اور ان پر اس کی مہر بھی لگائی جائے اور سرکاری قاصد اسے لے کر جائے اور اس شخص کو خبر تک نہ ہو، ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہمارے مطالبہ یہ ہے کہ آپ فی الفور خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اور اگر آپ خلافت سے دست بردار نہیں ہوتے تو ہم آپ کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔

ان کے اس مطالبہ کے جواب میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''جب تک مجھ میں آخری سانس باقی ہے میں اس قمیص کو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے خود اپنے ہاتھوں سے کبھی نہ اتاروں گا، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر سے کام لوں گا۔''

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مالک الاشتر کو جو اس مطالبہ میں پیش پیش تھا، بلا کر پوچھا کہ ان لوگوں کا مجھ سے کیا مطالبہ ہے، اس نے سبائیوں کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ:

''آپ تین باتوں میں سے ایک بات کو قبول کر لیں۔

① یا تو آپ اپنے تمام گورنروں کو معزول کر دیں، اور وہ جس کو چاہیں گورنر مقرر کریں۔

② یا آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں وہ جس کو چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔

③ یا آپ انہیں اپنی ذات سے انتقام اور قصاص لینے کی اجازت دے دیں۔''

اگر آپ ان تینوں کو نہیں مانتے تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے مالک الاشتر کی یہ بات سن کر فرمایا کہ:

''جب تک میرے بدن میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی ہے، میں اس خلعت کو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے خود اپنے ہاتھ سے نہیں اتاروں گا۔''

صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان باغیوں کے جواب میں فرمایا، مجھے بہ نسبت اس کے کہ امت محمدیہ کی خلافت چھوڑ دوں یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ میری گردن ماردی جائے۔

اور فرمایا کہ:

''بخدا! اگر تم مجھے قتل کر دو گے اور میری جان مار دو گے تو پھر کسی دشمن کو میرے بعد مار نہ سکو گے، بلکہ تمہاری تلواریں آپس ہی میں چلتی رہیں گی۔'' (روضۃ الصفا: ۴۲۵)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی توہین:

اگرچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا باغیوں نے محاصرہ کر لیا ہوا تھا، لیکن آپ مسجد میں برابر امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اور جمعہ کے روز خطبہ جمعہ بھی باقاعدگی سے ارشاد فرماتے۔ محاصرہ طویل ہو گیا۔ لیکن آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ایک جمعہ آپ مسجد میں تشریف لائے، نماز جمعہ پڑھائی اور نماز سے فراغت کے بعد باغیوں کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یاھولاء الغربا! اللہ! اللہ! فواللہ ان اھل المدینہ لیعلمون انکم ملعونون

علی لسان محمد t فامحوا الخطا بالصواب، فان الله لایمحو السئی الابالحسن.

''اے باہر سے آنے والو! خدا تعالیٰ سے ڈرو، بخدا مدینہ کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تم ملعون ہو، پس تم اپنی خطاؤں کو نیکیوں سے مٹاؤ کیونکہ حق تعالیٰ برائی کو نیکی ہی سے مٹاتے ہیں۔''

جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے اتنا ہی فرمایا تھا کہ مشہور صحابی سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اوران باغیوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

ان اشهد بذالک

''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ واقعی رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق تم لوگ ملعون ہو۔''

سبائی سرغنہ حکیم بن جبلہ نے انہیں پکڑ کر بٹھا دیا لیکن سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

انه فی الکتاب

''یہ بات کتاب میں ہے۔''

لیکن ایک دوسرے کونے سے محمد بن ابی مریرہ اٹھا اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر بٹھا دیا۔ انہیں خطرہ تھا کہ اب کوئی اور آواز امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حمایت میں اٹھے گی اور ہمیں اسے بھی دبانا پڑے گا، اور ہم کتنی آوازوں کو دبائیں گے۔ چنانچہ باغی یکبارگی اہل مسجد پر پل پڑے اوران پر شدید سنگ باری کی یہاں تک کہ انہیں مسجد سے نکال دیا گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی سنگ باری کی گئی، یہاں تک کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۷۶، ابن اثیر: ۳/ ۸۱، طبری: ۳/ ۳۸۹)

• علامہ طبری نے لکھا ہے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز جب منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے ابھی اللہ رب العزت کی حمد وثنا ہی بیان فرمائی تھی کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ ''کتاب اللہ پر عمل کریں۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے کہا ''بیٹھ جا''۔ وہ بیٹھ گیا۔ پھر ایک اور آدمی اٹھ کھڑا ہوا، اس کو بھی امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بٹھا دیا۔ پھر ایک اور کھڑا ہو گیا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے بھی بٹھا دیا۔

پھر پتھروں کی اس قدر بارش امیر المومنین رضی اللہ عنہ برسنے لگی کہ آسمان نظر نہیں آتا تھا۔ اس سنگ باری سے وہ اس قدر زخمی ہو گئے کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اسی غشی اور بے ہوشی کی حالت میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر گھر پہنچایا گیا۔ بعد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ عیادت اور مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے لیکن آپ برابر بے ہوش تھے۔ (طبری: ۳/۳۹۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ اگرچہ مفسدین ان ایام میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پیچھے برابر نمازیں پڑھتے تھے لیکن ان کی نگاہ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ چنانچہ جمعہ کے روز جب آپ اس عصا کو ہاتھ میں لے کر جس کو حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ میں لے کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، خطبہ کے لیے منبر نبوی پر تشریف لے گئے تو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

فقام اليه رجل من اولئک فسبه ونال منه وانزله.

''ان سبائیوں میں سے ایک شخص اٹھا، اس نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا اور ان کے ہاتھ سے وہ عصا لے لیا اور انہیں منبر نبوی سے نیچے اتار دیا۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی علی الاعلان توہین کی جا رہی تھی، ان پر سنگ باری کی گئی، ان کے عصا کو توڑ دیا گیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور خود امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نو دس سال سے استعمال کر رہے تھے۔ اس نازک مرحلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کردار ادا کیا؟ کیا وہ ان باغیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے؟ کیا وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسی حرکتوں سے انہیں باز نہیں رکھ سکتے تھے؟

اس کا صاف اور صریح جواب یہ ہے کہ وہ ان باغیوں کا مقابلہ بھی کر سکتے تھے اور انہیں ان حرکتوں سے یقیناً روک سکتے تھے لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ انہیں ان باغیوں کے خلاف کارروائی کرنے سے روکتے تھے، وگرنہ ان باغیوں کی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کیا حیثیت تھی۔ چنانچہ اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جس میں سیدنا سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم باغیوں سے لڑنے کے لیے نکلے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو:

فبعث اليهم يقسم عليهم لما كفوا ايديهم وسكنوا حتى يقضى الله مايشاء.

''آپ نے ان کی طرف ایک آدمی بھیجا اور انہیں قسم دیتے ہوئے کہا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھیں اور کسی سے کوئی تعرض نہ کریں اور امن وسکون سے رہیں یہاں تک کہ امر الٰہی پورا ہو۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ حکم سن کر وہ سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ تواریخ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے باغیوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اسے نہایت سختی سے روکا اور انہیں ان شرپسندوں کا مقابلہ نہ کرنے دیا۔

یہاں پر بعض نام ونہاد مؤرخین نے بڑی عجیب وغریب روایات نقل کی ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ نے ہی اس فعل شنیع کی ان باغیوں کو عوت دی تھی اور وہ اندر سے ان کے حامی تھے اور باغی جو کچھ کررہے تھے وہ اہل مدینہ کی مرضی ہی سے کررہے تھے۔ یہ سب روایات غلط ہیں اور خودسبائی راویوں سے مروی ہیں۔ اہل مدینہ میں سے کسی کو ان کے ساتھ ہمدردی نہیں تھی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ:

''اہل مصر مدینہ کے لوگوں میں سے کسی سے اپنی امداد واعانت کی طمع نہیں رکھتے تھے۔ سوائے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۶؛ ''التمہید والبیان: ۱۰۷)

اگر یہ تین حضرات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ مدینہ کے سارے لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے اورانہوں نے ان باغیوں کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف مدینہ آنے کی دعوت دی تھی۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے بلکہ متعدد روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اہل مدینہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی عزت و ناموس پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں ایسا

کرنے سے روکا۔ چنانچہ علامہ محمد بن یحییٰ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب زید، زیاد اور عمرو بن الاصم (سبائیوں کے لیڈروں) نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں، اور وہ ان کی باتوں کو قبول نہیں کرتے تو وہ اہل کوفہ کی طرف لوٹ آئے۔'' (التمہید والبیان فی مقتل الشہیر عثمان: ۱۱۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مسلح ہو کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت کے لیے آئے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اگر تم لوگ مجھے حق پر سمجھتے ہوئے میری اطاعت کرنا چاہتے ہو تو اپنی تلواروں کو نیام میں کر کے واپس چلے جاؤ، کیونکہ ہم قتل وقتال نہیں چاہتے۔''

(التمہید والبیان: ۱۱۳)

مدینہ پر غافقی بن حرب اور اس کی جماعت کا پورا قبضہ تھا۔ گویا سبائیوں نے مدینہ منورہ میں مارشل لاء کی سی کیفیت طاری کر رکھی تھی اور مصر، بصرہ اور کوفہ وغیرہ کے سینکڑوں سبائی مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں دندناتے پھر رہے تھے۔ اس حالت کو دیکھ کر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مختلف تجاویز پیش کیں۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''انصار مدینہ کی ایک جماعت دروازے پر حاضر ہے، اگر ارشاد ہو تو وہ جان تک کی بازی لگانے اور دوبارہ اللہ کی راہ میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھانے کو تیار ہیں۔''

لیکن آپ نے فرمایا کہ ''میں جنگ کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۸، العواصم من القواصم: ۱۳۳، تعلیقہ)

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہا:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! تین باتوں میں سے ایک بات ضرور قبول فرمالیں۔''

① آپ کے حامیوں اور جانثاروں کی ایک مضبوط اور طاقتور جماعت مدینہ طیبہ میں موجود ہے جو آپ پر اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔ آپ ان کو لے کر ان باغیوں کا مقابلہ کیجئے اور انہیں مار مار کر مدینہ سے نکال باہر کیجئے، کیونکہ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔

② اگر آپ کو یہ بات قبول نہیں تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ عقبی دروازہ سے نکل کر مکہ تشریف لے جائیے۔ وہ حرم ہے وہاں یہ لوگ آپ سے نہیں لڑسکیں گے۔

③ اور اگر یہ صورت بھی منظور نہیں تو پھر شام تشریف لے جائیں۔ وہاں کے لوگ بہت وفا شعار ہیں، اور وہاں معاویہ رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں۔ وہ آپ کی حفاظت اور معاونت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھیں گے۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی یہ تینوں تجاویز سن کر امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

① مغیرہ رضی اللہ عنہ! میں جنگ کی صورت نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جس کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خون ریزی کا آغاز ہو۔

② اور میں مکہ مکرمہ بھی نہیں جانا چاہتا کیونکہ وہ حرم ہے اور مجھے قطعاً کوئی امید نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حرم کی توہین نہیں کریں گے اور وہاں اس کے احترام کی خاطر جنگ نہیں کریں گے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو کہ مکہ مکرمہ میں جا کر اس کی توہین اور بے حرمتی کا باعث بنے۔

③ اور میں شام بھی نہیں جا سکتا کیونکہ اس صورت میں جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر باد کہنا پڑے گا اور جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میں کسی صورت بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔

(مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۶۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا:

''بے شمار اعوان و انصار آپ کے اشارہ ابرو کے منتظر ہیں۔ اجازت ہو تو ایک ہی روز میں ان باغیوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔''

آپ نے جواب میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا تمہیں پسند ہے کہ تم میرے سمیت ساری دنیا کو قتل کر دو۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! بالکل نہیں۔'' آپ نے فرمایا، اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا تم نے ساری دنیا کو قتل کر دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا م بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (مائدہ: ۳۲)

''جو کسی جان کو بغیر جان کے بدلہ کے یا زمین میں فساد کر کے مار

• ڈالے تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی واپس لوٹ گئے۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۸)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے بھی بڑے لجاجت آمیز لہجے میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ ہمیں باغیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت دی جائے تو پھر ساری دنیا دیکھے گی کہ ہم کس طرح ان کو چھٹی کا دودھ یاد دلاتے ہیں۔ لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی یہی جواب دیا کہ:

''میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور آفتاب حیات لب بام ہے۔ لہٰذا میں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری خاطر کوئی ہتھیار نہ اٹھائے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/ ۷۰)

بلکہ ایک موقعہ پر جب کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے منتیں کیں کہ ہمیں مدافعت کی اجازت دی جائے تا کہ باغیوں کو قدر عافیت معلوم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا:

''اس وقت میرا سب سے بڑا حمایتی اور مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/ ۶۹)

مشہور تابعی محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ جس وقت باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت سات سو کے قریب صحابہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس قصر خلافت میں موجود تھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ اگر انہیں اجازت دیتے تو وہ باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیتے، اور ان کی ساری پلاننگ دھری کی دھری رہ جاتی۔ بلکہ ان سات سو صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے صاحبزادوں کے سردار سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے جو بہادری میں اچھی خاصی شہرت کے حامل تھے اور مصر اور افریقہ کی فتوحات میں دشمنوں سے بھی اپنی بہادری کا لوہا منوا چکے تھے۔ انہوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اس وقت قصر خلافت میں جان نثاروں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ ہم وہی لوگ ہیں کہ خراسان سے افریقہ تک کوئی شخص ہماری تلواروں کی تاب نہ لاسکا۔ اگر اجازت ہو تو ان باغیوں کو ان کی اس شرپسندی کا مزہ چکھائیں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''اگر تم میں سے کسی ایک شخص کا بھی لڑنے کا ارادہ ہو تو میں اس کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۷۰)

ان لوگوں کے علاوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد اور غیر آزاد غلاموں کی اتنی بڑی تعداد وہاں موجود تھی کہ اگر ان کو اجازت مل جاتی تو وہ دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے بلکہ وہ بار بار اسلحہ سے لیس ہو کر نہایت لجاجت کے ساتھ امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کرتے اور اپنی زاری اور بے قراری کا اظہار کرتے اور کہتے کہ ہم سے یہ دیکھا نہیں جاتا کہ شر پسند اور باغی اس طرح ہمارے آقا کو محصور کر دیں۔ ہماری تلواریں نیاموں میں تڑپ رہی ہیں لیکن اس زاری و بے قراری کا جواب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو ملتا وہ صرف یہ تھا کہ:

''اگر تم لوگ میرا حق نمک ادا کرنا چاہتے ہو تو تمام ہتھیار اتار دو اور امن و سکون کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ اور باغیوں سے کوئی تعرض نہ کرو۔''

بلکہ یہاں تک فرمایا:

''تم میں سے جو کوئی ہتھیار اتار دے گا وہ آزاد ہے۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/۷۰، طبری: ۳/۴۲۱)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اقسم علی من لی علیه حق ان یکف یده و ان ینطلق الی منزله و عنده من اعیان الصحابه و ابناء هم جم غفیر و قال لرقیقه من اغمد سیفه فهو حر.

''جس شخص پر میرا کوئی حق ہے میں اسے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہ اپنا ہاتھ روکے رکھے اور اپنے گھر چلا'' جائے اور آپ (امیر المومنین رضی اللہ عنہ) کے پاس اکابر صحابہ اور ان کے صاحبزادوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی اور آپ نے اپنے غلاموں سے فرمایا ''جس نے اپنی تلوار کو نیام میں رکھ لیا وہ آزاد ہے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۱۔۱۸۲)

ایک اور مقام پر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت کے بارے میں معذوری ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بے شک اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی جانب سے مدافعت کرنے میں سرگرم تھے، لیکن جب شرپسندوں اور باغیوں کی طرف سے تنگی انتہا کو پہنچ گئی تو امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قسمیں دے کر فرمایا کہ وہ اپنا ہاتھ روکے رکھیں اور اپنا اسلحہ (تلواریں) نیام میں رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے مجبوراً ایسا کیا اور مدافعت سے معذور رہے یہاں تک کہ باغی اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو گئے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۷)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ 22 روز محصور رہے پھر شورش پسندوں نے آپ کے مکان کے دروازہ کو آگ لگا دی۔ حالانکہ آپ کے گھر میں بے شمار لوگ تھے جن میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے بارگاہ خلافت میں عرض کی:

ائذن لنا.

''ہمیں باغیوں سے جنگ کرنے کی اجازت دیں۔''

لیکن آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عھد الی عھدا فانا صابر علیہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور میں اس کا پابند ہوں۔'' (لہٰذا میں تمہیں لڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا)۔ (طبری: ۳/۴۲۲)

بعض روایات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں بعض ذہنوں میں آج بھی کئی شکوک ہیں کہ انہوں نے مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مدافعت کیوں نہ کی بلکہ بعض حضرات تو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں ان کا اندرونی ہاتھ بھی سمجھتے ہیں۔ (۳) اور سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ انہوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے باغیوں کو مار بھگانے کی اجازت طلب کی۔ لیکن آپ نے انہیں بھی اجازت نہ دی۔ چنانچہ علامہ پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور مدینہ طیبہ میں جتنے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے ان سب نے باغیوں سے جنگ وقتال کے ارادے کا اظہار کیا، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

نے انہیں روکا اور فرمایا کیا ہو گیا ہے کہ میں تو تمہیں جنت کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف دعوت دیتے ہو۔ میں مسلمانوں پر پہلا تلوار سونتنے والا نہیں بننا چاہتا۔''

یہ جواب سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ قصر خلافت سے باہر نکل گئے اور آپ فرما رہے تھے:

الھم تعلم انی من المعذورین.

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ (اس جواب کے بعد) اب میں معذور ہوں۔''

(النبر اس: ۵۰۰)

ان روایات کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے باغیوں سے مقابلہ کی اجازت طلب کی، لیکن آپ نے انہیں اجازت نہ دی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی قتل عثمان میں ہاتھ تھا اور انہوں نے باغیوں کو خود دعوت دی تھی، روایتاً ودرایتاً غلط ہے۔

پھر یہ بھی تو غور فرمایئے کہ کس وجہ سے اہل مدینہ یا مملکت اسلامیہ کے دوسرے لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوتے۔ سبائی آپ پر جو الزامات لگا رہے تھے۔ وہ تو بالکل غلط تھے جیسا کہ تحقیقاتی کمیشن کے ارکان نے پوری پوری تحقیق کرنے کے بعد اپنی رپورٹ میں صاف لکھ دیا تھا کہ

ما انکرنا شیئاً ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم

''ہم نے کوئی ناروا اور قابل اعتراض بات نہیں دیکھی اور نہ ہی کسی گورنر پر مسلمانوں کے خواص کو کوئی اعتراض ہے اور نہ عوام کو۔'' (طبری: ۳/ ۳۷۹)

خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد متبوع ہوتا ہے تابع نہیں ہوتا۔

جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:

''جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوطی سے پکڑے رکھو اور اپنی ڈاڑھی اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو، اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

(ترمذی: ۲/ ۹۲، ابن ماجہ: ۵، ابو داؤد: ۲/ ۲۷۹، مسند احمد: ۴/ ۲۷، مستدرک حاکم: ۱/ ۹۵،

مسند دارمی:٢٦)

لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اگر کوئی فعل ایسا بھی ہو جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نہیں ہوا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ جس پر کوئی ان کی مخالفت کرتا۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ہم اعتراضات کے باب میں تفصیل سے ذکر کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ یہ بات سراسر غلط ہے کہ اہل مدینہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی پالیسیوں کے خلاف تھے۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایک بہتان عظیم ہے۔ جو روایات بعض نام نہاد مؤرخین نے ذکر کی ہیں وہ یا تو خبث باطنی کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں یا پھر تنور ذہنی کی وجہ سے ایسا لکھتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دامن ان سب غلط باتوں سے یک قلم پاک ہے اور وہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں اعانت سے یک قلم بری ہیں۔

محاصرہ کے دوران سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کردار:

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قصر خلافت کے محاصرہ کے دوران بعض حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کردار کو کچھ مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ تاریخ کے اوراق اس بات کی واضح شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تمام ہمدردیاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں اور آپ نے کسی موقع پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اعانت وامداد سے کنارہ کشی نہیں کی۔

بلوائیوں کے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے قبل آپ نے مدینہ سے باہر بلوائیوں کی قیام گاہ پر متعدد بار جا کر انہیں فہمائش کی۔ لیکن وہ اپنے ارادوں سے باز نہ آئے:

(ملاحظہ ہو: طبری:٣/٣٨٧، البدایۃ والنہایۃ ٧/١٧٤)

دوران محاصرہ آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ اور اپنے غلام قنبر کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور مدافعت کے لیے قصر خلافت کے باہر کئی روز تک کھڑے رکھا۔

(ملاحظہ ہو، البدایۃ والنہایۃ :٧/١٨١، انساب الاشراف:٥/٦٩، ابن اثیر:٣/٨٧، ابن ابی الحدید:١/١٩٧:٣/٤٤٩)

بلکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور غلام قنبر تو ایک موقع پر شدید طور پر زخمی بھی ہو گئے۔ (البدایۃ

والنہایۃ: ۷/ ۱۸۸، انساب الاشراف: ۵/ ۹۵)

روایات میں تو یہاں تک آتا ہے کہ بعض مواقع پر خود حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کی۔ چنانچہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے بیان فرماتے ہیں:

کہ جب ہم پر باغیوں کی طرف سے سنگ باری زیادہ ہوگئی تو میں دوڑ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور عرض کی۔ چچا جان! باغی ہم پر بہت سنگ باری کر رہے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود میرے ساتھ چل پڑے اور قصر خلافت میں پہنچ کر فرماھم حتی فترت یدہ آپ نے بھی باغیوں پر جوابی سنگ باری شرع کردی۔ حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ تھک گئے۔

پھر فرمایا، بھتیجے!

اجمع موالیکم ومن کان منکم بسبیل ثم لتکن ھذہ حالکم.

''اپنے غلاموں اور ان لوگوں کو جو آپ کے حامی ہیں جمع کرلو، پھر تم اس طرح اجتماعی صورت میں ہوکر رہو۔'' (انساب الاشراف: ۵/ ۷۸، کنز العمال: ۶/ ۳۸۶)

شیعہ حضرات بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ دوران محاصرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کی حفاظت و مدافعت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ چنانچہ ابن ابی الحدید رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''یعنی دوران محاصرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کئی دفعہ خود حاضر ہوئے اور لوگوں کو قصر خلافت سے ہٹایا اور اپنے دونوں صاجزادوں (حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ) اور بھتیجے عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو ان کی اعانت کیلئے بھیجا۔''

(ابن ابی الحدید: ۱۰/ ۵۸۱)

ابن ابی الحدید رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بلوائیوں کو کئی بار منع کیا، اپنے ہاتھ سے ان کو ہٹایا، اپنی زبان سے روکا اور اپنے صاجزادوں کے ذریعہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت و مدافعت کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور معاملہ اتنا بڑھ گیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے۔'' (ابن ابی الحدید: ۳/ ۴۴۹، بیروت)

محاصرہ کے دوران ایک موقع ایسا بھی آیا۔ جب باغیوں نے پانی کی سپلائی کا سلسلہ

بالکل منقطع کردیا، پانی کی کمیابی بلکہ نایابی سے قصر خلافت میں مقیم لوگوں کی حالت نہایت دگر گوں ہوگئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نہایت پریشان اور مضطرب ہوئے اور اپنی اور اپنے ہاشمی خدام کی جانوں کو خطرے میں ڈال کر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پانی پہنچایا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب قصر خلافت میں پانی کی کمیابی اور تنگی کا پتہ چلا تو:

''آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تین بھری ہوئی مشکیں بھجوائیں۔ پانی کا پہنچانا (قصر خلافت میں) بہت مشکل تھا۔ اس وجہ سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے بہت سے خدام بلوائیوں کی مزاحمت کی وجہ سے مجروح ہوئے تب کہیں پانی پہنچا۔''

(انساب الاشراف: ۵/۶۸)

بلاذری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ایک اور روایت اس بارے میں نقل کی ہے کہ:

''جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ محصور کردیے گئے تو بلوائیوں نے ان کا پانی بند کردیا۔ یہاں تک کہ قصر خلافت میں ایک نادار و قلاش شخص رہتا تھا، بامر مجبوری اس سے پانی لے کر پیتے تھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھ کر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کیا آپ اس بات پر خوش ہیں کہ آپ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے اس طرح محصور کیے جائیں، کہ ان کے پاس پینے کے لیے پانی بھی نہ ہو۔ بخدا! وہ ایک فقیر و قلاش سے لے کر پانی پیتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، سبحان اللہ! بلوائیوں نے یہاں تک نوبت پہنچادی ہے۔ میں نے کہا: جی ہاں۔''

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ہی بتاتے ہیں کہ یہ سنا تھا کہ:

''آپ نے اسی وقت جانوروں پر پانی لاد کر قصر خلافت میں بھیجا اور پلانے کا انتظام کیا۔'' (انساب الاشراف: ۵/۷۷)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی محصوری کے زمانہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پانی پہنچانے کی روایات...... ''طبری'' ''ابن کثیر'' ''ابن اثیر'' اور دیگر کئی ایک مؤرخین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔

(ملاحظہ ہو: طبری: ۳/۴۱۷، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۷، ابن اثیر: ۳/۸۷، ناسخ التواریخ: ۲/کتاب دوم: ۵۳۱)

بلوائیوں نے جب قصر خلافت کی دیوار پھاند کر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے قصر خلافت پر چڑھ کر اہل مدینہ کو آواز دی کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوراً قصر خلافت پہنچے اور دیکھا کہ واقعی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا لاشہ خون میں لت پت پڑا ہے۔ آپ نے اپنے دونوں صاجزادوں (حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ جب آپ لوگ دروازہ پر حفاظت کے لیے کھڑے تھے تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو کیسے شہید کر دیا گیا۔ آپ نے غصہ میں آکر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ایک تھپڑ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دو ہتھڑ مارا۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب قصر خلافت پہنچے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لاشہ کو دیکھ کر آپ روتے ہوئے اس پر گر پڑے:

حتی ظنوا انه سيلحق به

"یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہو گیا، کہ وہ بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے جاملیں گے، یعنی ان کا بھی دم نکل جائے گا۔" (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳)

اس ساری روایات اور بحث کا حاصل یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے حد درجہ کی محبت تھی اور انہوں نے ان کی مدافعت و حفاظت میں مقدور بھر کوشش کی لیکن اللہ کو جو منظور تھا وہی ہوا۔ لہٰذا جن لوگوں نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قضیہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جو ملوث کرنے کی کوشش کی ہے، وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کردار اس بات کی واضح شہادت پیش کرتا ہے کہ وہ اس سانحہ سے بری الذمہ ہیں۔

امامت سے معزولی:

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو انچاس روز تک قصر خلافت میں محصور رکھا گیا۔ اس زمانے میں آپ پر باہر کی آمد ورفت بالکل بند کر دی گئی اور آپ پر سخت مظالم توڑے گئے۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی کو جس کو آپ نے لاکھوں روپے خرچ کر کے وسیع کیا تھا بلکہ نئے سرے سے تعمیر کیا تھا، وہاں جانے سے بھی آپ کو روک دیا گیا۔ وہ مسجد نبوی اور جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس کے لیے آپ نے مدینہ طیبہ کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا تھا اور گورنر شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو، جب انہوں نے آپ کو شام چلنے کے لیے کہا، آپ نے فرمایا تھا کہ:

''معاویہ رضی اللہ عنہ! ساری زندگی میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزاری ہے۔ اب خواہ میرے تن سے سر جدا ہو جائے پھر بھی اس بڑھاپے میں جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑوں گا۔''

(جذب القلوب:۱۸۸، ابن اثیر:۳/۷۹، طبری:۳/۳۸۲)

محاصرے کے ان پچاس دنوں میں مسجد میں پہنچنا آپ پر بالکل بند کر دیا گیا اور آپ امامت کی اس ذمہ داری سے یکسر محروم ہو گئے جس ذمہ داری کو آپ اپنی خلافت کے بارہ سال نہایت باقاعدگی سے سرانجام دیتے رہے۔ چنانچہ مسجد نبوی کے مؤذن سیدنا سعد قرظ رضی اللہ عنہ قصر خلافت میں حاضر ہوئے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''اب آپ کی جگہ مسجد رسول میں امامت کے فرائض کون سرانجام دے گا؟'' آپ نے فرمایا ''خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ) چنانچہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آپ کی مدت امامت بقول علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ یکم ذی الحجہ سے 9 ذی الحجہ تک ہے۔ نماز عید سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود پڑھائی اور بعد میں بھی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھاتے رہے۔

(ابن اثیر:۳/۱۸۷)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز باغیوں کا کوئی سرغنہ پڑھاتا اور باقی نمازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی صاحب پڑھاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابوثور فہمی قصر خلافت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور اہل مصر کا ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے انہیں کس حال میں چھوڑا؟ ابوثور کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی، میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ ان کے چہروں سے شر کے آثار ظاہر تھے، اور عبدالرحمٰن بن عدیس ان کا لیڈر تھا۔ فرماتے ہیں کہ اتنی بات کہہ کر میں قصر خلافت سے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عدیس مسجد نبوی میں نماز جمعہ پڑھانے کیلئے آیا۔ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ جمعہ کے لیے چڑھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فرضی معائب بیان کر کے ان کی توہین کرنے لگا۔ ابوثور فہمی فرماتے ہیں کہ میں پھر قصر خلافت میں حاضر ہوا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور عبدالرحمٰن بن عدیس نے آپ کے بارے میں جو کچھ توہین آمیز باتیں کی تھیں، بیان کیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

''بخدا! وہ جھوٹا ہے۔ اگر وہ میرے فرضی عیوب ذکر نہ کرتا تو میں اپنے یہ فضائل بیان

نہ کرتا۔''

آپ نے فرمایا:

''سنو! اللہ رب العزت نے مجھے دس فضیلتوں سے نوازا ہے:

① اسلام لانے میں میرا چوتھا نمبر ہے۔

② رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی میرے حبالۂ عقد میں دی۔

③ اور اس کے فوت ہونے کے بعد دوسری صاحبزادی کا مجھ سے نکاح کر دیا۔

④ میں نے نہ تو زمانہ جاہلیت میں کبھی زناء اور چوری کی۔

⑤ اور نہ ہی کبھی اسلام میں مجھ سے یہ افعال بدسرزد ہوئے۔

⑥ میں نے کبھی گانا نہیں گایا۔

⑦ اور نہ ہی جب سے اسلام لایا ہوں کبھی برائی کی خواہش کی ہے۔

⑧ جب سے میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہے، کبھی اس ہاتھ سے اپنی شرم گاہ کو نہیں چھوا۔

⑨ میں نے عہد نبوی کے جمع شدہ قرآن حکیم کے نسخہ کی نقول کروا کر اسے مملکت کے مختلف گوشوں میں اشاعت کیلئے بھیجا۔

⑩ جب سے میں اسلام لایا ہوں، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتا ہوں، اور اگر کبھی ایک جمعہ کو آزد نہ کر سکا تو آئندہ جمعہ کو دو غلام آزاد کر دیئے۔'' (البدایۃ والنہایۃ ۷/۱۸۱)

سیدنا عبید اللہ بن عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، جب وہ قصر خلافت میں محصور تھے اور عرض کی، کہ آپ سب مسلمانوں کے امام ہیں اور اس محاصرے کے دوران آپ پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے ہیں ان سے آپ بخوبی آگاہ ہیں اور ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے جس سے ہمیں گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔''

یہ سن کر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نماز لوگوں کے اعمال میں سب سے بہتر عمل ہے۔ جب لوگ کوئی بہتر کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ مل کر وہ اچھا اور بہتر کام کرو اور جب وہ برا کام کریں تو تم ان کی برائی سے اجتناب کرو۔'' (بخاری: ۱/۹۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کی امامت سے معزولی کا بہت قلق تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی یہ بات بہت شاق گزرتی تھی، لیکن حالات کی دگرگونی کے باعث وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی للّٰہیت اور فراخ حوصلگی قابل دید تھی کہ آپ نے ان لوگوں کی امامت کے جواز کا فتویٰ دے دیا جو نہ صرف ان کے خون کے پیاسے تھے بلکہ ملت، سلامیہ کے شیرازے کو بھی پارہ پارہ کرنے کا عزم کیے ہوئے تھے۔

قصر خلافت کا محاصرہ:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جسبائیوں کے اصرار کے باوجود خلافت سے معزولی پر صاف انکار کر دیا تو انہوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کتنے روز رہا، مؤرخین نے اس بارہ میں مختلف روایات نقل کی ہیں۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے مدت محاصرہ انچاس دن لکھی ہے۔ (طبری:۳/۴۱۱)

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی واقدی سے انچاس دن کا قول نقل کیا ہے۔
(الاستیعاب:۳/۷۷)

لیکن الزبیر رحمہ اللہ کا ایک قول 80 روز کا قول نقل کیا ہے۔(البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۳)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرے کی مدت مشہور قول کے مطابق 40 روز تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ 49 روز تھی۔ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدت حصار 22 روز تھی۔ آپ کی شہادت بالاتفاق جمعہ کے روز ہوئی۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۹۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے گھر دو دفعہ محاصرے کیے گئے۔ پہلا محاصرہ 12 روز کا تھا۔ (طبری:۳/۴۳۳)

ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ قصر خلاف کا محاصرہ 40 روز رہا ہے۔ اکثر مؤرخین اور واقدی کا بھی یہی قول ہے۔:(ابن خلدون:۲/۱۰۵۰)

محاصرہ کی شدت:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا جب باغیوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا تو اس اثناء میں باغیوں

کے دو آدمی مصر سے آئے اور ان کو بتایا کہ مملکت اسلامیہ کے مختلف لشکر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے آرہے ہیں۔ چنانچہ مسلمہ بن حبیب رضی اللہ عنہ شام سے، معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ مصر سے، قعقاع رضی اللہ عنہ کوفہ سے اور مجاشع رضی اللہ عنہ بصرہ سے لشکر لے کر تم پر عنقریب یورش کرنے والے ہیں۔ اس خبر سے باغیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور انہیں اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ ان لشکروں کے علاوہ انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ حج کے دن قریب ہیں اور فریضہ حج کی تکمیل کے بعد مختلف جگہوں کے حاجی مدینہ طیبہ آنا شروع ہو جائیں گے۔ ان کی آمد کی وجہ سے ہم ان ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے جو ہمارے دلوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ مختلف صوبوں سے اسلامی لشکروں کے آنے سے قبل ہی اس قضیہ کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے قصر خلافت کے محاصرہ میں زیادہ سختی کر دی اور آستان خلافت میں آب و دانے کی بندش کر دی۔ پانی اور اناج کے رک جانے سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل و عیال کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ قصر خلافت کے قریبی گھروں سے چوری چھپے کچھ پانی اور اناج امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے لیے بھیجا جاتا لیکن کتنا اور کب تک؟ اس بندش کی وجہ سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل و عیال کو بعض دفعہ کھاری اور تلخ پانی پینے کی بھی نوبت آئی لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے نہایت صبر و سکون سے اس آزمائش کو بھی برداشت کیا اور کوئی حرف زبان پر شکایت کا نہ لائے۔

اس دوران میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات کو پیغام بھجوایا کہ:

"باغیوں نے ہمارا پانی وغیرہ بند کر دیا ہے۔ لہٰذا اگر آپ تھوڑا سا پانی ہمارے لیے بھیج سکیں تو بھیج دیں۔" (طبری: ۳/ ۴۱۷)

سب سے پہلے ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دختر اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام کی ہمشیرہ تھیں کچھ پانی اور کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر اپنے خچر پر سوار ہو کر قصر خلافت کی طرف روانہ ہوئیں۔ انہیں خیال تھا کہ باغی ضرور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا احترام کرتے ہوئے قصر خلافت میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے لیے کھانے پینے کا کچھ سامان لے جانے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کریں گے۔ لیکن جب وہ اس سامان کے ساتھ قصر خلافت پہنچیں تو ان کا یہ خیال کہ بلوائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم کا کچھ احترام کریں گے، غلط

نکلا اور انہوں نے اپنی قساوت قلبی اور کور باطنی کی وجہ سے ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا بھی کوئی ادب ولحاظ نہ کیا۔ چنانچہ ان بد باطنوں نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کے خچر کے منہ پر لکڑیاں ماریں اور اس کی لگام کاٹ دی۔ ان کی اس حرکت سے خچر بدک کر بھاگا اور قریب تھا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس سے گر پڑیں لیکن دوسرے لوگوں نے خچر کو پکڑ کر ام المومنین رضی اللہ عنہا کو گرنے سے بچالیا اور نہایت حفاظت کے ساتھ ان کو ان کے گھر پہنچادیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا پانی کے بارے میں جب یہ پیغام ملا تو آپ ان باغیوں کے پاس اندھیرے منہ آئے اور انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! جو کچھ تم کر رہے ہو یہ نہ تو مسلمانوں والا کام ہے اور نہ کافروں والا، تم امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کھانے پینے کی ان اشیاء کو نہ روکو کیونکہ روم اور ایران کے لوگ اگر کسی کو قید کرتے ہیں تو اسے بھی وہ کھانے پینے کی چیزیں برابر دیتے ہیں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے تمہارے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا۔ پھر تم کس وجہ سے ان کا محاصرہ اور قتل جائز قرار دیتے ہو۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سن کر باغیوں نے کہا:

واللہ! ولانعمة عین لانترکه یاکل ولایشرب

''خدا کی قسم! جب تک ہمارے بدن میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی ہے۔ ہم عثمان رضی اللہ عنہ کو پانی کا ایک گھونٹ اور خوراک کے ایک لقمے سے بھی بہرہ ور نہیں ہونے دیں گے۔'' (طبری:۳/۴۱۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ اگرچہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلے تھے اور انہوں نے نہایت دردمندی سے باغیوں سے یہ اپیل کی تھی تاکہ مملکت اسلامیہ تشتت وافتراق سے بچ جائے لیکن ان کی یہ پند وموعظت ان پتھر دل انسانوں پر کارگر نہ ہوئی اور ان کے وطیرہ میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ وہ اپنی ہٹ پر اڑے رہے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس فعل اور اپنی ناکامی سے بہت صدمہ ہوا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ:

''باغیوں نے جب لوگوں کی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس آمد ورفت بند کردی اور آپ کا محاصرہ نہایت سخت کردیا نہ تو باہر سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی جاسکتا

تھا اور نہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ باہر کسی کو ملنے کے لیے آ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس جو پانی تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔"

فاستغاث بالمسلمین فی ذالک

"آپ نے پانی کے بارے میں مسلمانوں سے مدد طلب کی۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بہ نفس نفیس پانی کی مشکیں ایک جانور پر رکھ کر قصر خلافت کی طرف امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو پانی پہنچانے کے لیے آئے۔ ان جاہلوں نے آپ کے ساتھ نہایت بدکلامی کی۔ آپ کی اس سواری کو جس پر پانی کی مشکیں لادی ہوئی تھیں، بھگانے کی کوشش کی۔ ان مشکوں کو پھاڑنے کی سعی بلیغ کی تاکہ پانی گر جائے اور ان طریقوں سے آپ کو خوفزدہ کیا۔ لیکن آپ یہ پانی امیر المومنین رضی اللہ عنہ تک پہنچانے تک کامیاب ہو گئے۔ بعد میں آپ نے ان قسی القلب لوگوں کو نہایت سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:

واللہ! ان فارس والروم لایفعلون کفعلکم هذا بهذا الرجل، والله! انهم لیاسرون فیطعمون ویسقون.

"بخدا فارس اور روم کی حکومتیں بھی یہ کچھ نہیں کرتیں جو تم اس شخص یعنی امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر رہے ہو۔ بخدا وہ بھی جب کسی شخص کو گرفتار کرتے ہیں تو اسے بھی کھلاتے اور پلاتے ہیں یعنی اس کا آب و دانہ نہیں روکتے۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات حقائق پر مبنی تھی اور ہر عام ذہن میں اترنے والی تھی لیکن ان باغیوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی اس پند و موعظت کے قبول نہ ہونے سے سخت مایوس ہوئے چنانچہ انہوں نے علامت کے طور پر اپنا عمامہ قصر خلافت کے درمیان میں پھینک دیا۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۷)

بعض روایات میں آتا ہے کہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی ان بدبختوں کو بہت سمجھایا لیکن ان کی کوئی بات ان پر اثر انداز نہ ہوئی اور وہ اپنی تخریبی سرگرمیوں میں بدستور مصروف رہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محاصرہ کے دوران میں عمرو بن حزم کا خاندان آپ (امیر المومنین رضی اللہ عنہ) کو خفیہ طور پر پانی پہنچاتا رہا۔ (انا للہ وانا الیه راجعون)

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۷)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ساتھ المیہ:

غور کا مقام ہے کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جنہوں نے ''رومہ'' کا کنواں اس زمانے میں جب مدینہ طیبہ میں پینے کا کوئی پانی نہ تھا، خرید کر اہل اسلام کے نام وقف کر دیا۔
(بخاری: ۱/ ۳۸۹، ۵۲۲، انساب الاشراف: ۱/ ۵۳۶، سنن کبریٰ بیہقی: ۶/ ۱۶۸، استیعاب: ۲/ ۴۷۵، ''کتاب المعارف: ۸۳، معجم البلدان: ۲/ ۴)

سارا مدینہ اس کنویں سے پانی پیتا لیکن افسوس کا مقام ہے کہ محاصرہ کے ایام میں اسی کنویں کا پانی امام مظلوم رضی اللہ عنہ پر بند کر دیا گیا اور آپ کو بھوکا اور پیاسا رکھنے کی کوشش کی گئی۔ جنگ عسرت میں جن کے مال و دولت سے کئی ہزار لوگ مستفید ہوئے اور امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مدینہ طیبہ میں قحط پڑا جس کو تاریخ میں ''عام الرمادہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، ہزاروں انسان آپ کے تصدق کردہ غلہ سے پلتے رہے۔ آج اسی شخصیت پر آب و دانہ بند کر دیا گیا۔ چنانچہ ایام محاصرہ میں ایک مرتبہ آپ نے قصر خلافت کی کھڑکی سے جھانک کر باغیوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ:

''میں تمہیں خدا اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت یہاں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا، جس کا نام ''رومہ'' تھا اور اس کا مالک ایک غیر مسلم یہودی تھا۔ اہل اسلام کو میٹھا پانی نہ ملنے کی وجہ سے سخت تکلیف تھی۔ مسلمانوں کی اس تکلیف کو دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا کہ جو ''رومہ'' کے اس کنویں کو اپنے مال سے خرید کر اہل اسلام کے نام وقف کر دے اس کے لیے جنت ہے۔ میں نے اس کنویں کو اپنے مال سے خرید کر اہل اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ آج تم اسی پانی کے پینے سے مجھے روکتے ہو۔ یہاں تک کہ میں سمندر کا کھاری اور تلخ پانی پیتا ہوں۔''

باغیوں نے یہ سن کر کہا کہ ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں اسے درست تسلیم کرتے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ:

''میں خدا اور اسلام کے نام پر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں علم ہے کہ مسجد نبوی

جب نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے تنگ ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا، کہ تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلہ کی زمین خرید کر مسجد کے نام وقف کردے تاکہ مسجد وسیع ہوجائے اور اپنے اس کام کی وجہ سے جنت میں بہترین مقام حاصل کرے۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے وہ زمین اپنے مال سے خریدی اور مسجد کو وسیع کیا، لیکن حالت یہ ہے کہ آج تم مجھے اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے روک رہے ہو۔"

باغیوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر کہا کہ "آپ نے درست فرمایا اور حقیقت واقعہ یہی ہے۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ:

"میں تم سے خدا اور اسلام کے نام پر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ میں نے جنگ تبوک (جنگ عسرت) کے لیے اپنے مال سے مجاہدین لشکر کے جہاد کا ساز و سامان مہیا کیا تھا۔"

ان سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں یہ درست ہے اور ہم آپ کی اس بات کی دل و جان سے تصدیق کرتے ہیں۔ (ترمذی، نسائی، دارقطنی)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اور موقع پر آپ نے باغیوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ:

"میں تم کو اللہ اور اسلام کے نام پر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں کوہ ثبیر پر رونق افروز تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ پہاڑ جنبش میں آ گیا، یہاں تک کہ بعض پتھر نیچے گرنے لگے۔ آپ ﷺ نے جب پہاڑ کو ہلتے دیکھا تو اس پر اپنا پاؤں مار کر فرمایا: جبل ثبیر! ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں، باغیوں نے یہ بات سن کر فرمایا "ہاں درست ہے۔"

ان کی یہ بات سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم یہ لوگ اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ میں شہید ہوں۔" (مسند احمد: ۱/۴۷، ترمذی، نسائی، دارقطنی)

روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے باغیوں سے فرمایا کہ:

"میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ مجھے بتاؤ کہ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

مجھے صلح حدیبیہ کے موقع پر سفیر بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا تھا اور وہاں درخت کے نیچے بیعت لیتے وقت خود اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دیا تھا اور میری طرف سے خود ہی بیعت کی تھی۔''

انہوں نے کہا کہ ''ہاں یہ درست ہے۔''

(مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۵۹، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۷۹)

اسی طرح ایک اور موقعہ پر آپ نے محاصرین سے فرمایا کہ:

''مکہ معظمہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کا آپس میں بھائی چارہ کرایا تو رسول اللہ ﷺ نے مختلف مہاجرین کا دوسرے انصار کے ساتھ بھائی چارہ کرایا لیکن۔

اخی بینی و بین نفسه.

''مجھے اپنا بھائی بنانے کی عزت بخشی۔''

اگر میری بات پر اعتماد نہیں تو طلحہ رضی اللہ عنہ سے اس بات کی تصدیق کرائی جا سکتی ہے۔

چنانچہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ واقعی جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنا بھائی بنایا تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۶، التمہید والبیان فی مقتل الشہیر عثمان: ۱۲۰)

ابو امامہ بن سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب محصور تھے، تو میں ان کے پاس قصر خلافت میں گیا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ سبائی لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے کہا امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اللہ ان کے مقابلہ میں آپ کے لیے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ مجھے قتل کرتے ہیں حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا ہے:

''کسی مسلمان آدمی کا خون کسی کے لیے جائز نہیں مگر تین صورتوں میں سے ایک صورت میں:

① ایسا شخص جس نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا۔

② یا محصن ہونے کے بعد زنا کیا۔

③ کسی جان کو قتل کیا بغیر کسی دوسری جان کے قتل کے بدلہ کے سوا، پس اللہ کی قسم! میں نے نہ تو کبھی جاہلیت اور نہ زمانہ اسلام میں زنا کیا اور نہ ہدایت حاصل کرنے کے بعد اپنا دین تبدیل کرنے کا میرے دل میں کبھی خیال پیدا ہوا اور نہ کبھی میں نے کسی

جان کو قتل کیا۔ پس میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ مجھے کیوں قتل کرنے کے در پے ہیں؟''
(التمہید والبیان: ۱۱۹، البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۹/۷)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرین سے فرمایا:

''اے میری قوم! مجھے قتل نہ کرو کیونکہ میں ایک مسلمان والی اور تمہارا مسلمان بھائی ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے اپنی استطاعت کے مطابق ہمیشہ اصلاح و خیر ہی کا ارادہ کیا خواہ میں نے اس میں صواب (درست) بات اختیار کی یا خطاء لیکن میری نیت ہمیشہ خیر تھی۔''

وانكم ان تقتلوني لاتصلوا جميعا ابدا ولاتغذوا جميعا ابداتقسيم.

''اور اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تم کبھی بھی اکٹھے نماز نہیں پڑھ سکو گے اور نہ کبھی اکٹھے جہاد کر سکو گے اور نہ غنیمتیں تقسیم کر سکو گے۔''

مجاہد کہتے ہیں کہ جب باغیوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کو ماننے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا، کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت مجھے متفقہ طور پر اس امر خلافت کو اٹھانے کی دعوت نہیں دی تھی؟ حالانکہ تم اور وہ ایک ہی دین کے حامل تھے اور تمہارے حقوق بھی ایک جیسے تھے۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ دین اسلام اب اللہ تعالیٰ پر بے حقیقت ہو گیا ہے یا کیا تم یہ کہتے ہو کہ میں نے یہ امر خلافت تلوار اور غلبہ سے حاصل کیا اور مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے حاصل نہیں کیا؟ یا کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ میری باتوں کے اول آخر کو نہیں جانتا؟ جب انہوں نے ان سب کا انکار کیا تو آپ نے اب بددعا کے طور پر فرمایا:

''اے اللہ! ان سب کا احاطہ کر لے اور ان کو پریشان حال کر کے ہلاک کر دے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی متنفس بھی زندہ نہ بچے۔''

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو مختلف فتنوں میں ہلاک کر دیا اور جو باقی بچے ان کو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار کا لشکر بھیج کر کیفر کردار تک پہنچایا۔

(طبقات ابن سعد: ۴۶/۳، التمہید والبیان: ۱۱۹، ۱۲۰)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو سب سے آخری خطاب اس جماعت کو فرمایا وہ یہ تھا کہ:

''اللہ جل وعلا شانہ نے تمہیں دنیا اس لیے عطا کی ہے تا کہ تم اس کی وجہ سے آخرت طلب کرسکو، اس لیے عطا نہیں کی کہ تم اس کی طرف جھک جاؤ۔ سنو! دنیا فنا ہونے والی ہے جب کہ آخرت باقی رہنے والی ہے۔ یہ دنیا تمہیں آخرت کی باقی رہنے والی زندگی سے غافل نہ کردے۔ پس تم باقی کو فانی پر ترجیح دو کیونکہ دنیا ختم ہو جانے والی ہے اور آخری ٹھکانہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہے۔ اللہ سے ڈرو کیونکہ اس کا ڈر ہی اس کے عذاب سے بچنے کی ایک ڈھال ہے اور اس کی ذات تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ جماعت کو لازم سمجھو اور گروہ بندی سے احتراز کرو۔''

کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداءً فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا.

''اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر اس نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ومحبت ڈال دی اور تم اللہ کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔'' (طبری:۳/۴۱۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف مواقع پر باغیوں سے جو خطابات فرمائے تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ باغیوں میں ان سے کچھ افتراق وانتشار پیدا ہو گیا۔ چنانچہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو جانے دو اور ان سے ان سب معاملات میں درگزر کرو۔''

مالک الاشتر نے جب ان کی یہ بات چیت اور آپس کی چہ میگوئیاں سنی تو وہ اٹھ کر کہنے لگا:

لعله مكر به وبكم.

''اس شخص کی باتوں میں نہ آؤ یہ اپنے ساتھ اور تم لوگوں کے ساتھ مکروفریب سے کام لے رہا ہے۔'' (ابن اثیر:۳/۸۷، طبری:۳/۴۱۵)

اس طریقے سے مالک الاشتر اور اس کے دوسرے کئی ایک ساتھیوں نے ان لوگوں کو جن کے دل امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ پسیجے تھے اپنی اتہام تراشیوں سے پھسلا دیا اور ان کے دلوں کو اتنا پتھر کر دیا کہ بعد میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے باوجود بھی ان

کے دلوں میں کوئی نرمی پیدا نہ ہوئی اور وہ اسلام میں ایک ایسے فتنے کا باعث بنے جس کا مداوا آج تک نہ ہو سکا۔

صحابہ زادوں کے ہاتھوں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگرچہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کی تھی کہ ہمیں اس معاملہ میں مداخلت کی اجازت دی جائے اوران بلوائیوں سے نمٹنے کے لیے ہمیں بھی موقع دیا جائے۔لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان کی ان درخواستوں کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور مجھے بذات خود ان بلوائیوں سے نمٹنے دیں۔ چنانچہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وامر اهل المدينة بالرجوع واقسم عليهم فرجعوا.

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو حکم دیا کہ وہ واپس چلے جائیں اور انہیں قسم دی پس وہ واپس چلے گئے۔'' (ابن اثیر:۳/۸۶)

لیکن ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ ہی کا بیان ہے کہ:

الاالحسن بن علی وابن عباس و محمد بن طلحة و عبدالله بن زبیر واشباهالهم.

''یعنی حسن بن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اوران جیسے کئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیٹے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے ان کے پاس رہے۔'' (ابن اثیر:۳/۸۷)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''بلوائیوں نے قصر خلافت میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو پناہ لینے پر مجبور کر دیا اوران پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اوران کا شدید محاصرہ کر لیا۔ صحابہ کی ایک کثیر تعداد خانہ نشین ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے صاحبزادوں کی ایک جماعت اپنے آباء کے حکم سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی جن میں حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو گھر میں مقیم لوگوں کے امیر تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۷۶)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھا ہے:

''اواخر ذی القعدہ سے لے کر 18 ذی الحجہ روز جمعہ 35ھ تک (قصر خلافت کا) محاصرہ برابر جاری رہا اور مہاجرین وانصار میں سے جو ان کے مکان میں حفاظت کے لیے موجود تھے۔ ان حضرات میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حسن بن علی رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، مروان رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور ان کے خدام کی کثیر تعداد تھی۔ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو نہ روکتے تو وہ باغیوں کو روک سکتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو قسم دے کر کہا کہ جس شخص پر میرا کوئی حق ہے وہ باغیوں کے مقابلہ سے اپنے ہاتھ کو روک لے اور اپنے گھر چلا جائے۔ حالانکہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد کا ایک جم غفیر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں موجود تھا۔ علاوہ ازیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ جس نے اپنی تلوار کو نیام میں کرلیا وہ آزاد ہے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۱۸۱/۷)

مشہور مؤرخ ابن خیاط نے بھی امام محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحبزادے قصر خلافت کی حفاظت کے لیے موجود تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

''محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرات حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مروان رضی اللہ عنہ سب اسلحہ سے لیس ہو کر قصر خلافت پہنچے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ واپس چلے جائیں اور اپنا اسلحہ رکھ دیں اور اپنے اپنے گھروں میں جا کر بیٹھ جائیں۔''

(تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱۵۱-۱۵۲)

علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحبزادوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قصر عثمان کی مدافعت اور حفاظت پر متعین تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر تلواریں سونت کر کھڑے ہو جاؤ تاکہ باغیوں میں سے کوئی شخص اندر نہ جاسکے۔ اسی طرح سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے محمد رضی اللہ عنہ کو قصر خلافت کی حفاظت کے لیے بھیجا اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے صاحبزدوں کو

اس غرض کے لیے بھیجا تا کہ باغیوں کو قصر خلافت میں داخل ہونے سے روکیں۔''
(انساب الاشراف:۵/ ۶۸۔۶۹)

ابن ابی الحدید شیعی رحمہ اللہ نے ''شرح نہج البلاغہ'' میں حضرات حسن بن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور مروان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا نام بھی لکھا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ:

وجماعة معهم من ابناء الانصار فزجرهم عثمان وقال انتم فی حل من نصرتی فابوا ولم یرجعوا.

''اور انصار کی اولاد میں سے ایک جماعت بھی ان کے ساتھ تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم میری نصرت و امداد کے لیے بالکل آزاد ہو۔ لیکن ان حضرات نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور واپس نہ ہوئے۔''
(ابن ابی الحدید:۱/ ۱۹۷)

ان تمام روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے صاحبزادوں کی ایک خاصی تعداد قصر خلافت کے دروازہ پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کیلئے موجود تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت سمجھایا بلکہ زجر و توبیخ بھی کی کہ وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ کبھی فرمایا کہ:

لاحاجة لی فی الدنیا اوقال فی القتال.

'' مجھے دنیا میں کوئی حاجت نہیں یا فرمایا کہ مجھے جنگ و جدال کی کوئی ضرورت نہیں۔'' (مصنف عبدالرزاق:۱۱/ ۴۴۷)

لیکن وہ امیر المومنین کی حفاظت اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ مدافعین سنگ باری اور تیر اندازی سے کئی بار زخمی بھی ہو گئے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

وجرح عبدالله ابن الزبیر جراحات کثیرة وکذالک جرح حسن بن علی ومروان بن الحکم

''اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہوئے اور اسی طرح سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور مروان ابن الحکم رضی اللہ عنہ بھی شدید زخمی ہوئے۔'' (البدایۃ والنہایۃ :۷/ ۱۸۸)

علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے ''انساب الاشراف'':۵/ ۶۹، ۹۵ پر بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر کے سر پر چوٹیں آنے کا بھی ذکر کیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ...... بطور امیر الحج:

ہر آنے والا دن گزشتہ دن سے شدید تر اور سخت تر ہوتا اور محاصرے کی شدت روز بروز بڑھتی جارہی تھی لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نہایت صبر و ثبات اور ہمت و استقلال سے ان سب سائب اور تکالیف کو برداشت کر رہے ہیں۔ محاصرے کی شدت اور مصائب کی تیز و تند آندھی آپ کے پائے عزم و استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ کر سکی۔ آپ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ میری یہ حیات مستعار صرف چند روز کی مہمان ہے اور عنقریب یہ شمع حیات ان باغیوں اور بلوائیوں کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے گل ہونے والی ہے لیکن اس کے باوجود آپ اپنے فرائض منصبی کو نہایت انہماک کے ساتھ سرانجام دیتے رہے، اور بلوایوں کی یہ شورش اور یورش آپ کے حواس کو بالکل پراگندہ اور پریشان نہ کر سکی۔

آپ قلبی طور پر نہایت مطمئن تھے کیونکہ آپ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ صراط مستقیم کا راہی قلب و ذہن کے لحاظ سے نہایت پر سکون ہوتا ہے اور مصائب و آلام کے گرداب اس کے سکون کو ہرگز پامال نہیں کر سکتے۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ کی آپ کے بارے میں متعدد پیش گوئیاں بھی آپ کے پیش نظر تھیں۔ لہٰذا آپ بلوائیوں کے متعدد غیر معقول مطالبات اور غیر متوقع شر انگیزیوں کے باوجود عزم و استقلال کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہے۔

جس سال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے اس سال آپ اپنی بعض مصروفیات کی وجہ سے حج بیت اللہ کو تشریف نہ لے جا سکے اس لیے اس سال آپ نے اپنی جگہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرمایا۔ اس کے بعد آپ برابر ⑩① سال تک فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے تشریف لے جاتے رہے اور امیر الحج کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۵۰)

لیکن اپنی خلافت کے آخری سال آپ فتنہ و شورش کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ باغیوں نے آپ کو قصر خلافت میں محصور کر دیا ہوا تھا اور گھر سے باہر مسجد نبوی تک جانا آپ کے لیے دشوار ہو گیا تھا، حج کے لیے تشریف نہ لے جا سکے۔ ان مشکلات اور مجبوریوں کی وجہ سے آپ ایک روز مکان کی چھت پر چڑھے اور آواز دے کر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قصر خلافت کی سکیورٹی گارڈ کے فرائض سرانجام دے رہے تھے اور

بلوائیوں اور باغیوں کو باغیانہ حرکات سے روک رہے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:

مازال ابن عباس ینھی عن قتل عثمان ویعظم شانہ

''یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ باغیوں کو ہمیشہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے روکتے رہے اور ان کے سامنے ان کی عظمت شان بیان کرتے رہے۔'' (انساب الاشراف: ۵/۱۰۱)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے آواز دینے پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ حج کا موسم آ گیا ہے لہٰذا آپ میری طرف سے امیر الحج کے طور پر مکہ مکرمہ چلے جائیں اور دنیا کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے حاجیوں کے ساتھ فریضہ حج ادا کریں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے جواب میں جو کچھ کہا اس سے آپ کے قلب میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے عظمت وجلالت کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے کہا:

واللہ! یا امیر المومنین لجھاد ھولاء احب الی من الحج.

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! بخدا ان باغیوں سے جہاد کرنا مجھے حج سے زیادہ محبوب ہے۔''

لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں قسم دے کر فرمایا کہ آپ ضرور حج پر چلے جائیں۔ چنانچہ 35ھ میں آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے امیر الحج کے فرائض سرانجام دیئے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حکم سے حج کو تشریف لے جانے لگے تو باغیوں نے مزاحمت کی، لیکن محمد بن ابی بکر نے کہا کہ انہیں جانے دو، چنانچہ وہ تشریف لے گئے۔

(طبری: ۳/۴۱۸، ابن اثیر: ۳/ ۸۷، التمہید والبیان: ۱۲۴، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۸۷، اسد الغابہ: ۳/ ۱۹۵، تاریخ یعقوبی: ۲/ ۱۷۶، کتاب المجر: ۱۵۸)

انہی ایام میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی حج کا ارادہ فرمالیا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا دیکھ رہی تھیں کہ ان کو سوتیلا بھائی محمد بن ابی بکر بھی سبائیوں کے ساتھ بعض تخریبی کارروائیوں میں ملوث ہے۔ آپ نے پہلے بھی اسے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا لہٰذا آپ نے اس موقع پر انہیں کہا کہ وہ میرے ساتھ حج پر چلے جائیں کیونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ ان کو کسی نہ کسی طریقے سے سبائیوں سے الگ کر دیں ممکن ہے کہ ان پر ان کے اثرات کچھ کم ہو جائیں یا بالکل

ختم ہو جائیں۔ لیکن محمد بن ابی بکر نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ شاید وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے محاصرے کو حج بیت اللہ کے فریضے سے بھی بہتر سمجھتے تھے۔

مدینہ کے بعض حضرات کو اس بات کا سخت افسوس ہوا کہ محمد بن ابی بکر نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ چنانچہ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی رہ چکے تھے اور کوفہ سے مدینہ طیبہ میں چند روز کے لیے آئے ہوئے تھے۔ غصہ اور ملامت کے لہجے میں محمد بن ابی بکر سے کہا کہ تم پر افسوس ہے کہ تم کو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حج پر جانے کا حکم دیا اور تم نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔

وتدعوک ذوبان العرب الی مایحل فتتبعھم.

''عرب کے سفہاء تمہیں ایک حرام کام کی طرف بلاتے ہیں اور تم ان کی اس دعوت کی پیروی کرتے ہو۔''

محمد بن ابی بکر پر سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے یہ جواب دے کر ان کی بات کو ٹال دیا کہ آپ کو ہمارے معاملہ میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

(طبری:۳/۴۱۷، ابن اثیر:۳/۸۷)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج کو تشریف لے جا رہی تھیں تو:

ھی مملئة غیظا علی اھل مصر.

''وہ مصری باغیوں پر انتہائی غضب ناک تھیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج پر جا رہی تھیں تو سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا آپ اگر مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہتیں تو یہ موجودہ حالات میں زیادہ بہتر تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور ان کے خلاف تخریبی سرگرمیوں کا شاید کوئی انتظام ہو جاتا کیونکہ آپ مومنوں کی ماں ہیں۔ آپ کی موجودگی کی وجہ سے ان بلوائیوں کو شاید کوئی حیا آ جاتی اور وہ اپنے ان افعال شنیعہ سے باز آ جاتے لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔

اترید ان یصنع بی کما صنع بام حبیبة.

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک ہو جو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔'' (طبری:۳/۴۱۸)

جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم پر نگرانی:

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے محاصرے کے دوران اگرچہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت ہدایات کی ہوئی تھیں کہ کوئی شخص میری مدافعت میں باغیوں سے جنگ وقتال نہ کرے اس کے باوجود بھی کوئی شخص بھی ہمارے ساتھ برسرِ پیکار ہو جائے۔ لہٰذا اس خطرہ کے پیش نظر انہوں نے تمام بڑے بڑے صحابہ کی نقل وحرکت پر سخت نگرانی قائم کردی۔ چنانچہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور کئی ایک بااثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے اپنے گھروں میں پابند کردیا گیا تاکہ وہ ان کے عزائم میں خلل انداز نہ ہوسکیں۔

قصر خلافت کے دروازے پر تیر اندازی اور آگ:

ایک روز دفعتاً ان محاصرین نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قصر خلافت کے دروازہ پر جہاں آپ کئی روز سے محصور تھے، تیر اندازی شروع کردی۔ گویا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی ایک ابتدائی کارروائی تھی۔ چنانچہ جب وہ قصر خلافت کے دروازہ پر تیر اندازی کر رہے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحبزادوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ نے جو وہاں مقیم تھے مزاحمت کی اور باغیوں سے برسرِ پیکار ہونا چاہا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب ان حضرات کے اس عزم کا پتہ چلا تو آپ نے انہیں قسم دے کر روکا اور تاکید کی کہ وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں لیکن ان مجاہدین نے جانے سے انکار کردیا اور قصر خلافت میں چلے گئے۔ آپ نے دروازہ بند کردیا۔ سیدنا مغیرہ بن اخنس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ہم نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تو ہم اللہ رب العزت کو کیا جواب دیں گے؟ یہ باغی آپ پر زیادتی کر رہے ہیں۔ لہٰذا جب تک ہمارے جسموں میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہے ہم ان باغیوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

(طبری: ۳/۴۱۹، التمہید والبیان: ۱۳۱)

ان ایام میں امام مظلوم رضی اللہ عنہ اپنا زیادہ وقت نماز میں گزارتے۔ آپ کے پاس قرآن حکیم ہر وقت پڑا رہتا۔ جب آپ نوافل سے ذرا تھک جاتے تو قرآن حکیم کھول کر اس کی

تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔

ایک روز پھر ایسا ہوا کہ مصری سبائیوں نے جو دروازہ پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر آنے جانے کی پابندی لگا رہے تھے قصر خلافت اور اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دی، ڈیوڑھی اور دروازہ دونوں جل کر گر پڑے۔ بلوائیوں نے قصر خلافت میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن قصر خلافت میں مقیم لوگوں نے آگے بڑھ کر ان کو داخل ہونے سے روک دیا۔ سب سے پہلے ان باغیوں کو روکنے کے لیے جو آگے بڑھے وہ سیدنا مغیرہ بن الاخنس رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ جب قصر خلافت کے دروازے اور ڈیوڑھی کو آگ لگائی گئی اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قرآن حکیم کی تلاوت میں مشغول تھے اور آل عمران کی اس آیت کو تلاوت فرما رہے تھے۔

الذین قال لھم الناس، ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل (آل عمران: ۱۷۳/۳)

''وہ لوگ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لیے لشکر جمع کیے ہیں۔ پس ان سے ڈرو تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھایا اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔''

آپ نے جب اپنے پاس مقیم لوگوں کا باغیوں کے خلاف یہ جذبہ جہاد دیکھا تو انہیں فرمایا:

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور میں اس پر سختی سے پابند ہوں اور ان باغیوں نے قصر خلافت کے دروازے کو جلایا ہے وہ اس سے بڑے مطالبے کے لیے ہے۔ میں ان تمام لوگوں کو جو اس وقت میرے پاس مقیم ہیں، قسم دے کر حکم دیتا ہوں کہ وہ ہرگز ان باغیوں سے جنگ وقتال نہ کریں۔''

(طبری: ۳/ ۴۱۹، التمہید والبیان: ۱۳۱، ۱۳۲، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۸۸)

باغیوں کی اس پیش قدمی اور شرارت کو دیکھ کر کچھ مجاہد ان کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھے جو مجاہد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت کے لیے آگے بڑھے ان میں سے ایک آپ کے چچازاد بھائی سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے فرمایا بخدا! میں تا حد امکان دشمنوں کو آپ کے قریب نہیں آنے دوں گا۔

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ، سیدنا مغیرہ بن اخنس رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مدافعت کے لیے آگے بڑھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات کو اصرار اور سختی سے کہا کہ میری محافظت کا خیال چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں لیکن یہ حضرات جوش و جذبات میں رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے باغیوں کی طرف بڑھے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبان پر قرآن حکیم کی یہ آیت تھی۔

یاقوم مالی ادعوکم الی النجاۃ وتدعوننی الی النار. (۴۰:۴۱)

''اے میری قوم! عجیب معاملہ ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو۔''

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو باغیوں کو قصر خلافت میں آنے سے نہایت شدت سے روک رہے تھے۔ محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ مدافعین بڑی سختی سے قصر خلافت کا دفاع کر رہے ہیں تو انہوں نے تیر چلانے شروع کر دیے۔ ان تیروں میں ایک تیر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک پر لگا جس سے وہ خون میں تربتر ہو گئے۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو بھی ایک تیر لگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی ان تیروں سے زخمی ہو گئے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی اپنی تلواریں لے کر قصر خلافت کے دروازے پر کھڑے ہو کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مدافعت اور حفاظت کرو۔ اسی طرح سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے محمد رضی اللہ عنہ کو قصر خلافت کے دروازے پر سکیورٹی گارڈ کے فرائض کی انجام دہی کے لیے بھیج دیا تاکہ باغی قصر خلافت میں داخل نہ ہو سکیں۔ لوگوں نے دروازہ پر زبردست سنگ باری کی جس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر مجروح ہو گئے۔''

اور کون لوگ اس معرکہ میں زخمی ہو گئے، علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

''خون میں تربتر، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ

بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ اور سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ مدافعت اور حفاظت کرر ہے تھے۔'' (استیعاب:۳/۷۸)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے بارے میں لکھا ہے:

''قصر خلافت میں مقیم حضرات میں سے کچھ لوگ شہید ہوئے اور ان فاجروں میں سے بھی کچھ لوگ قتل ہوئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو زخم آئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جو بڑے ساتھی اس معرکہ میں شہید ہوئے ان میں زیاد بن نعیم الفہری رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن الاخنس بن شریق رضی اللہ عنہ اور نیار بن عبداللہ الاسلمی رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۸۸)

ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سب سے آخر میں نکلے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ اپنے والد کو قصر خلافت میں بلا لائیں۔ اور دوسرے سب حضرات کو بھی حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں چلے جائیں۔'' (طبری:۳/۴۱۹، التمہید والبیان:۱۳۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ:

انہی ایام میں امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ کے لیے بلایا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ علوم نبوت کے ماہر اور عمل نبوت کے شیدائی تھے۔ گویا علم وعمل میں مجمع البحرین تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ:۱/۳۵)

ذہانت وتفقہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

(تہذیب التہذیب:۵/۱۲۸، اعلان الموقعین:۱/۱۳)

خلیفہ راشد سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہونے کی وجہ سے بھی اسلامی معاشرہ میں ان کا ایک بلند مقام تھا۔ ان کے اس تدبر اور صائب الرائے ہونے کی وجہ سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور فرمایا:

''دیکھئے یہ باغی لوگ کیا کہتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ یا تو آپ مسند خلافت چھوڑ دیں ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، امیر المومنین رضی اللہ عنہ!

''کیا آپ دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے؟''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں، ایسا تو نہیں۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''قتل سے زیادہ بھی وہ کچھ آپ کے ساتھ کر سکتے ہیں؟''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا جنت اور جہنم ان کے قبضہ میں ہے؟''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، جب آپ:

① نہ تو اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں۔

② اور نہ وہ قتل سے زیادہ اور کوئی برا سلوک کر سکتے ہیں۔

③ اور نہ وہ جنت اور جہنم کے مالک ہیں۔''

تو پھر میری رائے یہ ہے:

فلا تخلع قميص الله عنك، فتكون سنته، كلما كره قوم خليفتهم خلعوه او قتلوه.

''آپ اس قمیص کو جو اللہ نے آپ کو پہنائی ہے، ہرگز نہ اتاریں ورنہ پھر یہ ایک ایسا دستور اور معمول بن جائے گا کہ جب بھی کوئی گروہ یا لوگ اپنے خلیفہ کو ناپسند کریں گے تو اسے منصب خلافت سے اتار دیں گے یا پھر قتل کر دیں گے۔''

(العواصم من القواصم: ۱۳۰، طبقات ابن سعد: ۳/۵۱)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے بہت پسند آئی، وہ پہلے ہی منصب خلافت کو نہ چھوڑنے کا پختہ عزم کیے ہوئے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے نے ان

کے عزم واستقلال میں اورزیادہ پختگی پیدا کردی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے بعد امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو باغیوں کے پاس بطور سفیر بھیجا تا کہ ان کو کتاب وسنت کی دعوت کے ساتھ کچھ پندو نصائح کر کے واپس بھیج دیں لیکن سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اگر چہ پندو نصائح کے دریا بہا دیئے لیکن ان کے دلوں پر ذرہ برابر اثر نہ ہوا اور وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ چنانچہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ ان سے مایوس ہوکر واپس چلے آئے اور تمام احوال سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو آگاہ کردیا۔

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ناکام واپس لوٹنے کے بعد امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جو پہلے یہود مدینہ کے بہت بڑے عالم تھے، باغیوں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے قصر خلافت کے دروازے پر کھڑے ہوکر باغیوں کو ہر طریقے سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قتل سے روکا اور فرمایا:

''اے لوگو! اللہ کی تلوار کو اپنے اوپر نہ سونتو۔ بخدا! اگر یہ تلوار ایک دفعہ چل پڑی تو

ویلکم! ان مدینتکم ھذہ محفوفة بملائکہ اللہ، واللہ لئن قتلتموہ لیترکنھا.

''تم پر افسوس ہے! تمہارا یہ شہر اللہ رب العزت کے فرشتوں سے چھپا ہوا ہے۔ یعنی یہاں ہر وقت نزول ملائکہ ہوتا ہے۔ بخدا اگر تم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا تو ملائکہ کی حفاظت تم سے اٹھ جائے گی۔''

(التمہید والبیان: ۱۳۵۔۱۳۶، ابن اثیر: ۳/۸۹)

شہادت کی تیاری

محاصرہ طویل ہوتا جارہا تھا لیکن باغیوں کے دلوں میں ایک خوف تھا، اور وہ خوف ان ہزاروں حاجیوں کا تھا جو حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ میں آنے شروع ہو جاتے ہیں اور اس بات کا بھی خوف تھا کہ مملکت اسلامیہ کے دوسرے صوبوں سے کہیں کوئی کمک امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے نہ پہنچ جائے اور پھر کہیں ہ لینے کے دینے نہ پڑ جائیں، اور جس مقصد کے لیے اتنے روز سے ہم نے قصر خلافت کا محاصرہ کیا ہوا ہے اس میں ہم کہیں ناکام نہ ہو جائیں۔ لہٰذا وہ اب عجلت ستانی سے کام لینا چاہتے تھے جس کے لیے انہوں نے محاصرہ میں اب اور شدت پیدا کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف پیش گوئیوں کی وجہ سے آپ کو پختہ یقین تھا کہ مجھے شہادت کا مرتبہ حاصل ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس کا اظہار آپ نے ایک مرتبہ محاصرین سے بھی ایام محاصرہ میں کیا تھا کہ:

''میں تمہیں اللہ رب العزت کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کوہ ثبیر پر رونق افروز تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ پہاڑ جنبش میں آ گیا یہاں تک کہ بعض پتھر نیچے گرنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کو جب ہلتے دیکھا تو اس پر اپنا پاؤں مار کر فرمایا، اے جبل ثبیر ٹھہر! تجھ پر ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایک صدیق رضی اللہ عنہ اور دو شہید رضی اللہ عنہما ہیں۔ باغیوں نے آپ کی یہ بات سن کر فرمایا، ''ہاں یہ درست ہے۔''

(مسند احمد: ۱/۷۰، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۹)

باغی شہید کرنے پر تلے ہوئے تھے اور آپ شہید ہونے کی تیاریوں میں مصروف

تھے۔ چنانچہ آپ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کو صبر واستقامت کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ میں عنقریب ان باغیوں کے ہاتھوں شہید ہو جاؤں گا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ساری زندگی کا یہ معمول تھا کہ وہ اکثر روزہ سے رہتے لیکن محاصرہ کے ایام میں تو آپ شاید ہی روزہ سے کبھی ناغہ کرتے حالانکہ محاصرین نے کھانے پینے کی سب اشیاء کا قصر خلافت میں جانا بند کر دیا ہوا تھا یہاں تک کہ پانی جو انسانی زندگی کے لیے اشد ضروری ہے اس پر بھی سخت قدغن لگا دی گئی تھی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصّل سے بیان کیا گیا ہے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا لیکن اس کا پانی سخت کڑوا تھا، جس کا پینا ایک انسان کے بس کا روگ نہیں تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ شہادت سے ایک روز قبل آپ نے افطاری کے قریب محاصرین کو کہلا بھیجا کہ میں چونکہ روزے سے ہوں۔ اس وجہ سے مجھے افطاری کے لیے تھوڑا سا پانی منگوانے کی اجازت دے دیں۔ بات بہت چھوٹی سی تھی اگر کوئی بیگانہ بھی اس کی خواہش کرتا تو اس کو پورا کر دیا جاتا، روزہ جو سب سے بڑی عبادت ہے اس کو افطار کرنا تھا۔ لیکن وہ لوگ اس قدر سنگ دل، بے حمیت اور دینی اقدار سے اس قدر دور ہو چکے تھے کہ انہوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اس خواہش کو نہ صرف ٹھکرایا بلکہ الٹا مذاق اڑایا اور پانی منگوانے کی بالکل اجازت نہ دی اور کہلا بھیجا کہ آپ کے گھر میں کنواں موجود ہے، اگر آپ کو روزہ افطار کرنا ہے تو اس کے پانی سے افطار کر لیں۔ یہ بھی دراصل ایک استہزاء اور تمسخر تھا جو انہوں نے اڑایا کیونکہ اس کنویں کا پانی نہایت تلخ تھا اور اس کا حلق سے اترنا بہت مشکل تھا۔ چشم فلک نے سنگدلی، بے رحمی اور بے حمیتی کا اتنا بڑا مظاہرہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ اس محسن کے احسان کو فراموش کر کے اس کی درخواست کو مسترد کیا گیا جس کے وقف شدہ کنویں رومہ کے پانی سے نہ صرف تمام اہل مدینہ بلکہ خود یہ باغی اور محاصرین بھی سیراب ہوتے تھے۔ اس لحاظ سے ہماری رائے کے مطابق ساری تاریخ اسلام میں کسی شخص کی شہادت اتنی مظلومانہ انداز میں نہیں ہوئی جتنی مظلومانہ انداز میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی کہ خود ان کے اپنے ہی وقف شدہ کنویں کا پانی ان پر بند کر دیا گیا۔

قصر خلافت میں واقع کنویں کے تلخ پانی سے روزہ افطار کرنا بہت مشکل تھا۔ چنانچہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بغیر روزہ افطار کیے رات کو سو گئے، جب افق خاور سے سورج نے جھانکا تو آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے کسی ہمسایہ کی معرفت میٹھے پانی کا ایک پیالہ امیر

المومنین رضی اللہ عنہ کے نوش فرمانے کے لیے منگوایا۔ آپ وہ میٹھے پانی کا پیالہ لے کر جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ لیٹے لیٹے آپ کی آنکھ لگ گئی ہے۔ انہوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو بیدار کر کے میٹھے پانی کا وہ پیالہ جس کو انہوں نے معلوم نہیں کس مشکل سے منگوایا تھا، ان کی خدمت میں پیش کیا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا اس لیے آپ نے یہ کہہ کر پانی پینے سے انکار کر دیا کہ میں رات سے روزہ کی نیت کر چکا ہوں۔ چنانچہ آپ نے بغیر کچھ کھائے پیے دوسرا روزہ بھی رکھ لیا۔ یہ آپ کی اس حیات مستعار کا آخری روزہ تھا کیونکہ دوسرے روز آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر سیدنا نائلہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: ''آپ نے رات کو بھی کچھ کھایا پیا نہیں۔ اس لیے آپ روزہ کی تکمیل کس طرح کر سکیں گے۔'' آپ نے مسکرا کر سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''رات میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ کے پاس نہایت ٹھنڈے اور شیریں پانی کا ایک بڑا ڈول تھا۔ آپ نے پے در پے تین دفعہ مجھے وہ پانی پلایا اور ہر دفعہ جتنا پی سکتا تھا، پی لیا۔ یہاں تک کہ اس کی تری میرے ناخنوں سے ظاہر ہونے لگی۔'' پانی پی چکنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''عثمان رضی اللہ عنہ! کل یہ محاصرین تم پر یورش کریں گے، اگر تم ان کا مقابلہ کرو تو حق تعالیٰ شانہ تمہیں اپنی نصرت و تائید سے نوازیں گے اور اگر تم نے ان کا مقابلہ نہ کیا اور صبر سے کام لیا تو کل رات روزہ ہمارے پاس آ کر افطار کرنا۔'' امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میں نے ترک مقابلہ کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا کل انشاء اللہ روزہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل کر افطار کروں گا۔'' سیدنا نائلہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ باتیں سنیں تو آب دیدہ ہو گئیں۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۳)

اس سلسلے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اور بھی بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ چنانچہ ایک روایت جو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں سے فرمانے لگے۔ میں نے رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھے فرمایا:

یا عثمان افطر عندنا.

''اے عثمان رضی اللہ عنہ! روزہ ہمارے پاس آ کر افطار کرنا۔''

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ اس دن روزے سے تھے اور اس روز آپ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۲)

اسی طرح کی ایک روایت سیدنا کثیر بن الصلتِ رضی اللہ عنہ سے ہے فرماتے ہیں کہ ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب محصور تھے تو میں ان کی خدمت میں قصر خلافت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے فرمایا: ''اے کثیر! مجھے یقین ہے کہ میں آج شہید کر دیا جاؤں گا۔'' کثیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دشمن پر فتح و نصرت عطا فرمائے۔'' امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ فرمایا، میں نے کہا: ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ آج کوئی خاص بات ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''رات میں کافی دیر تک جاگتا رہا جب سحری کا وقت ہوا تو میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

''اے عثمان رضی اللہ عنہ! اپنے آپ کو ہم سے روکے نہ رکھو بلکہ جلدی آ ملو ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

سیدنا کثیر بن الصلتِ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسی روز شہید کر دیئے گئے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۲)

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ

''میں سلام کرنے کی خاطر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے محاصرے کے دوران حاضر ہوا۔ جونہی میں ان کے پاس گیا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ''میرے بھائی تمہارا آنا مبارک ہو میں نے رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''عثمان! کیا ان لوگوں نے تمہارا محاصرہ کیا ہوا ہے؟'' میں نے کہا ''ہاں'' چنانچہ آپ نے مجھے پانی سے بھرا ہوا ایک ڈول دیا جس کو میں نے پیا۔ یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا اور اس پانی کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے اور کندھوں کے درمیان محسوس کی۔''

پھر آپ نے مجھے فرمایا:

''اگر تو چاہے تو تمہیں ان محاصرین پر فتح و نصرت دے دی جائے اور اگر چاہے تو ہمارے پاس آ کر اپنا روزہ افطار کر لے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے

آپ کے پاس روزہ افطار کرنے کو ترجیح دی۔''
سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
''اسی روز آپ رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۲۔۱۸۳)

اس روز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے 20 غلاموں کو آزاد فرمایا اور اپنا ایک پاجامہ منگوا کر پہنا۔ حالانکہ آپ نے نہ زمانہ جاہلیت میں کبھی پاجامہ پہنا تھا اور نہ ہی زمانہ اسلام میں اور فرمایا کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ فرما رہے تھے:
''عثمان رضی اللہ عنہ! صبر سے کام لے کیونکہ تم آئندہ رات ہمارے پاس آ کر افطار کرو گے۔''
(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۳، انساب الاشراف: ۵/۸۲)

آپ نے پھر قرآن حکیم منگوایا اور اس کو اپنے سامنے رکھ کر پڑھنا شروع کردیا، اور آپ شہید کردیے گئے اس حالت میں کہ قرآن پاک آپ کے سامنے کھلا ہوا تھا۔

آپ کے غلام مسلم ابی سعید فرماتے ہیں کہ:
''آپ رضی اللہ عنہ نے اس روز پاجامہ اس لیے پہنا تھا تاکہ جب آپ کو قتل کیا جائے تو آپ ننگے نہ ہو جائیں کیونکہ آپ بہت زیادہ حیادار تھے اور آسمان کے فرشتے بھی آپ سے حیا کرتے تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۳)

پھر آپ نے قرآن حکیم کھول کر اس کی تلاوت شروع کردی اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی قضا کے سامنے سرنگوں کردیا۔ باغیوں سے جنگ و جدال سے ہاتھ روک لیا اور لوگوں کو حکم دیا اور انہیں سخت تاکید کی کہ وہ آپ کی طرف سے باغیوں سے جنگ و قتال نہ کریں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

لولا عزیمۃ علیھم لنصروہ من اعدائہ.

''اگر آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو سختی اور تاکید سے باغیوں کے ساتھ جنگ کرنے سے نہ روکتے تو دشمنوں کے مقابلہ میں وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ضرور امداد کرتے۔''
(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۳)

ولکن امر اللہ قدرا مقدورا
''لیکن اللہ کا امر مقدر ہو چکا تھا۔''

سانحہ کبریٰ......شہادت

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پختہ یقین تھا کہ اب شہادت کا وقت بالکل قریب ہے اور یہ باغی عنقریب مجھے شہید کر دیں گے اس لیے آپ نے قصر خلافت کا دروازہ کھول دیا اور قرآن حکیم کو کھول کر تلاوت میں مشغول ہو گئے کیونکہ آپؓ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آج رات ہمارے پاس آ کر روزہ افطار کرو۔ (طبری:۳/۴۱۵)

صدر دروازہ پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ زادوں کا پہرہ تھا۔ لہٰذا باغیوں نے یہ سمجھا کہ اگرچہ قصر خلافت کا دروازہ کھلا ہے لیکن ہم اس طرف سے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں نے قصر خلافت کے صدر دروازہ سے حملہ کیا۔ صحابہ زادوں نے مدافعت کی جس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے۔ لیکن یہ وایت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ صحیح یہی ہے کہ باغی قصر خلافت کے عقب سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ (۱) بعض روایات میں ہے کہ عمرو بن حزم کے مکان کی دیوار پھاند کر قصر خلافت میں داخل ہوئے اور صدر دروازہ پر محافظ لوگوں کو اس کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ دیوار پھاندنے والوں میں سب سے پیش پیش محمد بن ابی بکر تھے اور ان کے ساتھ کنانہ بن بشر تھے، سودان بن حمران اور عمرو بن الحمق تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کلام پاک کھول کر تلاوت میں مشغول و مصروف ہیں اور آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں۔ محمد بن ابی بکر نے آگے بڑھ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑ لی اور کہنے لگا:

علی ای دین انت یانعثل؟

''اے نعثل! تو کس دین پر ہے؟''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں دین اسلام پر ہوں اور میں نعثل نہیں ہوں بلکہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہوں۔'' محمد بن ابی بکر نے کہا: ''آپ نے کتاب اللہ میں تغیر وتبدل کر دیا ہے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان موجود ہے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ محمد بن ابی بکر نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑتے ہوئے یہ الفاظ بھی کہے:

''نہ معاویہ رضی اللہ عنہ تمہارے کچھ کام آیا اور نہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تمہاری کچھ مدد کرے گا اور نہ تمہارے خط ہی تمہیں ہم سے بچا سکے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۴)

محمد بن ابی بکر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑے ہوئے جب یہ الفاظ کہہ رہا تھا تو امیر المومنین نے فرمایا:

یا ابن اخی ما کان ابوک لیاخذ بلحیتی

''بھتیجے! تیرا باپ تو میری ڈاڑھی اس طرح نہیں پکڑتا تھا۔ تجھے یہ کیسے جرات ہوئی۔''

یہ کلمات سن کر محمد نادم ہو کر واپس چلا گیا۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۴، ۱۸۵، مروج الذہب: ۲/۳۸۴، ابن اثیر: ۳/۹۰)

اس کے بعد غافقی بن حرب نے آگے بڑھ کر قرآن پک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ اسی اثناء میں کنانہ بن بشر نے پیشانی پر اس زور سے لوہے کی لٹھ ماری کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پہلو کے بل گر پڑے اور خون کا فوارہ قرآن پاک کے اوراق پر جاری ہو گیا۔ گرتے ہی آپ کی زبان سے بسم اللہ توکلت علی اللہ۔ کے الفاظ نکلے۔ اس کے بعد عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر نیزے کے نو وار کیے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا آپ کو بچانے کے لیے دوڑیں لیکن سودان بن حمران کی تلوار کے وار سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ پھر سودان بن حمران نے بڑھ کر داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم، پیکر حلم وحیاء جامع قرآن سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا۔

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم.
اس وقت جس آیت کو آپ تلاوت فرما رہے تھے وہ یہ تھی۔
﴿الذی قال لھم الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل﴾(۳:۱۷۳)
''وہ لوگ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لیے لشکر جمع کیے ہیں، پس ان سے ڈرو تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھایا اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔''
(البدایۃ والنہایۃ:۷/ ۱۸۸، طبری:۳/، انساب الاشراف:۵/۸۳، طبقات بن سعد:۳/ ۵۱-۵۲)

بعض روایات میں ہے کہ محمد بن ابی بکر نے جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑی تو آپ نے فرمایا، بھتیجے! میری ڈاڑھی چھوڑ دو۔ اگر اس وقت تمہارے والد موجود ہوتے تو تم ہرگز ایسی حرکت نہ کرتے۔ محمد تو نادم ہو کر باہر چلا گیا لیکن اس کے بعد ایک شقی القلب اور سیاہ دل شخص اندر آیا جس کو الموت الاسود (سیاہ موت) کہتے تھے۔ اس نے آتے ہی آپ کا گلا اس سختی سے گھونٹا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ بعد ازیں معلوم نہیں کہ اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ وہ آپ کو چھوڑ کر قصر خلافت سے باہر چلا گیا اور باہر کھڑے محاصرین سے کہا کہ بخدا! میں نے اس شخص کے گلے سے زیادہ نرم اور کوئی شئے نہیں دیکھی۔ اس کے بعد ایک اور بدبخت اندر آیا۔ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے اس کی شکل دیکھ کر ایک چیخ ماری۔ اس شقی القلب نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر پورے زور سے تھپڑ مارا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سارا تماشا دیکھا، آپ کو اس تھپڑ کا سخت صدمہ ہوا اور آپ نے اس کے حق میں بددعا کی۔ آپ کے منہ سے بددعا کے کلمات سن کر وہ نہایت خوفزدہ ہو گیا اور آپ کو چھوڑ کر قصر خلافت سے باہر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد کنانہ بن بشر، سودان بن حمران، عمرو بن الحمق، غافقی بن حرب، قتیرہ بن فلان السکونی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کنانہ بن بشر یا غافقی بن حرب نے پیشانی مبارک پر اس زور سے اور طاقت سے لوہے کی لٹھ رسید کی کہ آپ پہلو کے بل گر پڑے۔ اور آپ کے چہرہ سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ آپ جب لوہے کی لٹھ کی ضرب سے آپ نے فرمایا: بسم اللہ توکلت علی اللہ۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نائلہ رضی اللہ عنہا یہ

دیکھ کران بد بخت حملہ آوروں سے کہنے لگیں:

''اللہ سے ڈرو، تم ایک ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو صائم الدہر اور قائم اللیل ہے اور ایک رات میں پورا قرآن ختم کرتا ہے۔''

لیکن ان ظالموں پر ان سب باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ خون کے قطرات ریش مبارک سے نہایت تیزی کے ساتھ گر رہے تھے۔ لہٰذا وہ خون قرآن حکیم کے ان صفحات پر گرا جو آپ کے سامنے کھلا ہوا تھا، لیکن زیادہ خون قرآن حکیم کی اس آیت پر گرا۔

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم

''ان لوگوں کی طرف سے تم کو اللہ تعالیٰ ہی کفایت کرے گا اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

ہماری تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ عمرو بن الحمق آپ کے سینہ مبارک پر بیٹھ کر نیزے کے نو وار کر کے جسم اطہر کو چھلنی کر رہا تھا، لیکن آپ نہایت تحمل اور صبر کے ساتھ اس کے نیزے کے واروں کو اپنے جسم پر سہتے اور ہر ضرب پر حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ ''کافی ہے میرے لیے اللہ اور وہی بہترین کارساز ہے'' کہتے۔ اور اس طریقہ سے آپ کی روح جسد اطہر سے پرواز کر گئی اور ان ظالموں نے آپ کی شمع حیات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھا دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قصر خلافت کے اسی ہنگامے میں جہاں سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کی تین انگلیاں کٹ گئیں وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دو غلام بھی ان باغیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر گئے، لیکن سودان بن حمران بھاگتے ہوئے آپ کے ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۹)

شہادت کے بعد

قصر خلافت میں یہ قیامت خیز ہنگامہ برپا تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شمع حیات کو ہمیشہ کیلئے بجھا دیا گیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کو سخت مجروح کیا گیا اور آپ کے دو غلاموں کو بھی شہید کر دیا گیا لیکن دروازہ پر موجود صحابہ زادوں کو اس کا مطلق کوئی علم نہ ہوا، کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ قصر خلافت میں اگر کوئی داخل ہوتا تو وہ دروازہ کے راستہ سے ہی داخل ہوتا۔ عقب سے دیوار پھاند کر اندر گھس جانے کی ترکیب ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھی۔ دوسرے قصر خلافت کا دروازہ بھی بند تھا شاید اس وجہ سے بھی وہ حضرات اندر کا ہنگامہ نہ سن سکے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید ہو گئے اور باغی جس راستہ سے آئے تھے اسی راستہ سے واپس چلے گئے تو سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے بالا خانے کی چھت پر چڑھ کر اہل مدینہ کو آواز دی کہ:

ان امیر المومنین قد قتل

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔''

بلاذری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں کہ یہ سننا تھا کہ:

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور جو حضرات بھی ان کے ساتھ قصر خلافت کے دروازہ پر موجود تھے، اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں، وہ سب ان کی لاش پر گر پڑے اور اور رونے لگے۔ پھر باقی لوگ قصر خلافت میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ خون میں لت پت ہیں۔ شہادت کی یہ خبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو پہنچی اور جو مسلمان بھی مدینہ طیبہ میں موجود تھے ان کو بھی اس سانحہ کی اطلاع ملی۔ سب لوگ نہایت حیرانی اور تعجب کے ساتھ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے، حالت یہ تھی کہ سب حواس باختہ تھے۔ سب انا للہ وانا الیہ راجعون. پڑھ رہے تھے اور سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ کی لاش ان کے سامنے تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں (حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کیسے قتل ہو گئے جب کہ تم قصر خلافت کے دروازے پر موجود تھے۔ اسی پریشانی اور اضطراب کے عالم میں آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو تھپڑ مارا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دو تھپڑ، محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی سخت سست کہا:

''اسی عالم میں غضب ناک ہو کر آپ قصر خلافت سے باہر آئے اور اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔'' (انساب الاشراف: ۵/۱۰۳، تاریخ الخلفاء: ۱۱۳)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب قصر خلافت میں پہنچے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو خون میں لت پت مذبوح دیکھا تو:

''آپ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی لاش پر دارفتگی کے عالم میں روتے ہوئے گر پڑے حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ آپ بھی کہیں ان کے پاس نہ جا ملیں۔ (یعنی یہ بھی کہیں اس صدمے سے نہ چل بسیں)'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے غم میں ہر دل سوگوار اور ہر آنکھ دیدہ بار تھی۔ آپ کی شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح مدینہ طیبہ میں پھیل گئی اور پورے مدینہ پر حیرانگی اور سراسیمگی کا عالم طاری ہو گیا۔ باغیوں میں سے ایک شخص نے آواز دی:

''کیا عثمان رضی اللہ عنہ کا خون حلال تھا اور اس کا حلال نہیں ہے؟'' (التمہید والبیان: ۱۴۱)

یہ سننا تھا کہ باغی پھر قصر خلافت میں گھس آئے اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا اور جو کچھ انہیں ملا وہ چھین لیا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں:

''جو کچھ انہیں ملا وہ چھین لیا یہاں تک کہ مستورات کے زیور بھی چھین لیے۔''

قصر خلافت میں مملکت اسلامیہ کا بیت المال بھی تھا جس میں اس روز تین کروڑ پانچ لاکھ درہم اور پچاس دینار تھے، ظالموں نے وہ بھی لوٹ لیے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۵۳)

قاتل کون تھا؟

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حادثہ کوئی معمولی نہ تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے تو اس خبر کے

سنتے ہی ہوش اڑ گئے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

قد ذهبت عقولهم.

''ان کی عقلیں جواب دے گئیں۔'' (تاریخ الخلفاء:١٦٠)

وہ سب دوڑے ہوئے قصر خلافت پر پہنچے ان حضرات کو ڈانٹ ڈپٹ کی جو قصر خلافت کے دروازے پر سکیورٹی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے لیکن وہ معذور تھے کیونکہ حملہ دروازے کی طرف سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ عقبی دیوار پھاند کر باغی قصر خلافت میں داخل ہوئے تھے جس کا دروازے پر کھڑے ہوئے لوگوں کو علم نہ ہوسکا۔ بہر حال جو امر مقدر تھا وہ ہو کر رہا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ مدینۃ الرسول میں نہایت مظلومی اور بے کسی کی حالت میں شہید ہو گئے اور باغی ان کے گھر کی ایک ایک شئے یہاں تک کہ سرکاری بیت المال بھی لوٹ کر لے گئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا خاص صدمہ تھا وہ آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو کس نے قتل کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

''مجھے آپ کے قاتل کا تو کوئی علم نہیں۔ دو آدمی جن کو میں بالکل نہیں پہچانتی محمد بن ابی بکر کے ساتھ قصر خلافت میں داخل ہوئے تھے۔''

(تاریخ الخلفاء:١٦٠، عروج الذہب:٢/٣٥٤)

وہ شخص کون تھے؟ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا تو انہیں نہیں پہچانتی لیکن محمد بن ابی بکر کو پہچانتی تھیں، لہٰذا ان کا نام لیا، یہاں پر تاریخ کی کتابوں میں محمد بن ابی بکر کو آدھا نقل کیا گیا ہے۔ محمد بن ابی بکر کو بلا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کے بارے میں دریافت فرمایا۔ محمد بن ابی بکر نے کہا کہ آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا درست فرماتی ہیں۔ میں قصر خلافت میں داخل ضرور ہوا تھا اور میں نے ان کے قتل کا ارادہ بھی کیا تھا لیکن جب انہوں نے میرے والد کا ذکر کیا تو میں ان کو چھوڑ کر چلا گیا۔ میں اپنے اس فعل پر سخت نادم ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے نہ ہی ان کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ان کو پکڑا ہے۔ محمد بن ابی بکر کے اس بیان کی تائید امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے بھی کی لیکن یہ کہا کہ ان دونوں افراد کو گھر میں لانے والے یہی تھے۔ (تاریخ الخلفاء:١٦١)

اس روایت میں گڑبڑ یہ کی گئی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ قاتل کا پتہ چلانا چاہتے تھے۔ جس

کے لیے انہوں نے سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا کیونکہ واقعہ شہادت کے وقت وہ موجود تھیں۔ انہوں نے کہا کہ تین آدمی اندر آئے تھے ان میں دو کو تو میں نہیں پہچانتی۔ البتہ ایک کو پہچانتی ہوں اور وہ آپ کے ربیب محمد بن ابی بکر ہیں۔ اب جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر سے پوچھا تو انہوں نے اپنی بریت تو کردی کہ میں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو نہ تو خود قتل کیا ہے اور نہ ہی قتل کرنے کے لیے پکڑے رکھا ہے اور جو مجھ سے کوئی گستاخی اور بے ادبی کا فعل سرزد ہوا ہے اس کیلئے میں نادم اور شرمسار ہوں اور اللہ کے حضور اپنے اس گناہ سے تائب ہوتا ہوں لیکن روایت میں یہ کہیں نہیں آتا کہ انہوں نے ان دو آدمیوں کے نام بھی بتائے ہوں جن کو بقول سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا محمد بن ابی بکر اپنے ساتھ لایا تھا اور نہ ہی یہ آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے ان دونوں اشخاص کا نام پوچھا ہو۔

روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں کچھ علم نہ ہوسکا۔ لیکن یہ بات ہمارے فہم سے بعید ہے کیونکہ آج ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کس بدبخت نے قتل کیا، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں پوری معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ محمد بن ابی بکر سے پوچھا جاسکتا تھا کہ وہ دو افراد کون تھے؟ اور ہمارے خیال میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ضرور پوچھا ہوگا اور محمد بن ابی بکر نے ضرور بتایا بھی ہوگا لیکن روایت اس بارے میں خاموش ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو قتل کس نے کیا؟ تاریخ کی قریباً سب کتابوں میں روایات موجود ہیں کہ کنانہ بن بشر نے جبین مبارک اور سر کے اگلے حصے پر لوہے کی ایک لٹھ ماری جس سے آپ اپنے پہلو کے بل گر پڑے اور آپ جب گرے تو سودان بن حمران المرادی نے آپ کو قتل کردیا۔ عمرو بن الحمق یہ دیکھ کر کودا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سینہ مبارک پر جا بیٹھا۔ ابھی آپ میں زندگی کی رمق باقی تھی، اس بدبخت نے آپ کے جسم اطہر پر نیزے کے نو وار کیے اور کہا:

اما ثلاث منهن فلله وست لما كان فى صدرى عليه.

''ان میں سے تین نیزے کے وار اللہ کے لیے ہیں اور چھ جو کچھ میرے سینے میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے اس کے لیے ہیں۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۸۵/۷، طبری: ۳، ابن اثیر: ۳، التمہید والبیان ۱۳۹)

یہ درست ہے کہ محمد بن ابی بکر نے جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑی اور اس کو زور سے کھینچا۔

حتی سمع وقع اضراسه

''یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں بجنے کی آواز آئی۔'' (طبقات ابن سعد:۳/۵۱)

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس کی اس حرکت پر فرمایا کہ:

''اگر تمہارا باپ آج زندہ ہوتا، تو تم ایسی حرکت نہ کرتے۔''

محمد بن ابی بکر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ کلمات سن کر نادم ہو گیا اور قصر خلافت سے باہر نکل گیا۔

محمد بن ابی بکر جب قصر خلافت سے باہر نکلا تو باغیوں نے اس کے چہرے کا بغور مطالعہ کیا۔ طبری نے لکھا ہے:

عرفوا انكساره

''انہوں نے پہچان لیا کہ وہ اپنے فعل پر نادم ہے۔''

یہ دیکھ کر

ثار قتيره و سودان بن حمران و الغافقی.

''قتیرہ، سودان بن حمران اور غافقی قصر خلافت پر حملہ آور ہوئے۔''

(ابن اثیر:۳/۱۷۸)

یہ بحث ہم نے اس لیے کی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کے عہد خلافت میں قاتلان عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا اور انہوں نے اس بارے میں لیت و لعل کیا تو بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کس نے قتل کیا تھا؟ یہ عذر عذر لنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کسی موقعہ پر اس بات کا اظہار کیا۔ اور وہ اس بات کا اظہار کر بھی کیسے سکتے تھے، کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے دوران جو لوگ محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے بخوبی واقف تھے، پھر مالک الاشتر جوان سب کو مشتعل کر کے لایا تھا۔ اس سے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ واقف تھے۔ مزید براں یہ کہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کی رپورٹ کہ محمد بن ابی بکر دو آدمیوں کے ساتھ قصر خلافت میں داخل ہوا۔ اس نے اگرچہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا لیکن دو آدمی جن

کو یہ ساتھ لایا تھا امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قتل کے مرتکب ہوئے۔ ان دونوں آدمیوں کا نام اور ضروری حدود اربعہ محمد بن ابی بکر سے پوچھا جاسکتا تھا اور میرے خیال میں محمد بن ابی بکر سے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو انہوں نے ضرور بتایا ہوگا۔

بہر حال اس سوال کی تفصیل اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے، انشاء اللہ اس پر تفصیلی بحث ہم اپنی کتاب ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ...... شخصیت اور کردار'' میں کریں گے۔

تاریخ شہادت:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ 49 روز تک محصور رہے اگر چہ مشہور روایت 40 روز کی ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ محاصرہ کی مدت 22 روز بیان کرتے ہیں لیکن اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کی شہادت کا جانکاہ حادثہ جمعہ کے روز پیش آیا اور جمعہ کے روز بھی نماز عصر کے وقت۔ اس لحاظ سے مؤرخین کے نزدیک آپ کی شہادت 18 ذی الحجہ 35 ھ کو ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی شہادت تشریق میں ہوئی۔ (طبری:۳/)

لیکن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز 18 ذی الحجہ 35 ھ میں مشہور اور صحیح قول کے مطابق شہید کیے گئے۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۱۹۰/۷)

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی تاریخ شہادت یہی بیان کی ہے۔ (ابن اثیر:۹۰/۳)

آپ کی مدت خلافت صحیح اور مشہور قول کے مطابق 11 سال 11 ماہ 18 دن ہے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جسم اطہر تین روز تک بے گور وکفن پڑا رہا۔ ہم نے بھی اپنی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ...... شخصیت اور کردار'' ج۱/۱۵۷ پر اسی روایت کو اختیار کیا ہے لیکن اب ہماری تحقیق یہ ہے کہ یہ روایت غیر معتبر اور غیر ثقہ ہے۔ صحیح اور ثقہ روایت یہ ہے کہ جس روز آپ شہید ہوئے اور اس سے اگلی رات کو مغرب اور عشاء کے مابین آپ کو دفن کر دیا گیا۔

تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ 18 ذی الحجہ 35 ھ بروز جمعہ بعد عصر شہید کیے گئے اور ہفتہ کی رات کو آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:

اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اللہ ان پر اپنی رحمت فرمائے۔ 18 ذی الحجہ 35 ھ بروز جمعہ بعد

عصر شہید کیے گئے۔ آپ اس دن روزے سے تھے اور ہفتہ کی رات کو مغرب اور عشاء کے درمیان بقیع میں حش کوکب کے مقام پر دفن ہوئے۔'' (التمہید والبیان:۱۴۲)

یہ درست ہے کہ ہفتہ کی صبح کو آپ کا جنازہ نہیں اٹھایا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں مارشل لاء کی سی کیفیت طاری تھی۔ باغیوں نے مدینہ کے گلی کوچوں میں ادھم مچا رکھا تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اس جانکاہ حادثہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہایت پریشان کیا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگ ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے۔ **قد ذهبت عقولهم**۔ ''ان کے ہوش وحواس جاتے رہے۔'' پھر باغی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن نہیں ہونے دینا چاہتے تھے حالانکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرضی انہیں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کرنے کی تھی، لیکن باغی مزاحم ہو رہے تھے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی شہادت کے اگلے دن ہفتہ کے روز مغرب اور عشاء کے درمیان ''حش کوکب'' میں دفن کر دیا۔ تین روز کے بعد دفن کرنے کی روایت اگرچہ مؤرخین نے نقل کی ہے لیکن صیغہ تمریض کے ساتھ جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ روایت مرجوع ہے۔ چنانچہ علامہ محمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاندلسی (المتوفی ۷۴۱ھ) ان دونوں روایتوں پر اپنا فیصلہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن بعد عصر شہید کیے گئے اور ہفتہ کی رات کو دفن کیے گئے۔ یہی بات صحیح ہے جس کو مؤرخین اور اہل سیر نے ذکر کیا ہے اور علامہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ''کہا گیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا لاشہ تین روز تک بے گور و کفن پڑا رہا۔'' لیکن پہلی بات زیادہ صحیح اور پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے۔

(التمہید والبیان:۱۴۱)

اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کو انہیں کپڑوں میں بغیر غسل دیئے دفن کر دیا گیا:

وقيل انه لم يغسل و دفن في ثيابه لانه بمنزلة الشهيد لانه قتل مظلوما.

''یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو غسل نہیں دیا گیا تھا اور انہیں کپڑوں میں دفن کر دیا گیا، کیونکہ آپ بمنزلہ شہید کے تھے۔ اس وجہ سے کہ آپ مظلوم شہید ہوئے تھے۔''

(التمہید والبیان فی مقتل الشہیر عثمان:۱۴۲، طبری:۳/۴۴۰)

لیکن علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”آپ کے خدام کی ایک جماعت نے آپ کے جنازے کو دروازہ سے غسل اور کفن دینے کے بعد دفن کے لیے اٹھایا۔ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ آپ کو غسل اور کفن نہیں دیا گیا، لیکن پہلی بات (یعنی آپ کو غسل اور کفن دیا گیا) صحیح ہے۔“

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۹۱/۷)

شہادت کے وقت آپ کی عمر مشہور قول کے مطابق 82 سال کچھ ماہ تھی۔ ایک قول 84 سال اور دوسرا 86 سال کا بھی ہے۔ امام قتادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک شہادت کے وقت آپ کی عمر 88 یا 90 سال تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۹۰/۷)

تدفین:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ 18 ذی الحجہ 35 ھ کو جمعہ کے روز بعد عصر شہید کیے گئے۔ شہادت کے بعد مدینہ طیبہ میں باغیوں نے مارشل لاء کی سی کیفیت طاری کردی تھی۔ ہر طرف خوف و ہراس کا عالم طاری تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس جانکاہ واقعہ سے ہوش اڑ گئے تھے اور کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ گویا کہ ہر شخص اپنے حال میں گرفتار تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جسد اطہر قصر خلافت میں پڑا تھا۔ خدشہ تھا کہ بلوائی تجہیز و تکفین میں مزاحمت نہ کریں۔ لہٰذا سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات کی۔ چنانچہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ، سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، سیدنا حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ، سیدنا نیار بن مکرم الاسلمی رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا کعب بن مالک، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور آپ کی دو ازواج سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام البنین اور دو بچوں کی موجودگی میں مغرب اور عشاء کے درمیان جنت البقیع کے مشرق میں حش کوکب میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ نماز جنازہ ایک روایت کے مطابق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ ایک روایت میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کا نام بھی آیا ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۹۱/۷، ابن اثیر: ۹۱/۳، ابن خلدون: ۱۰۵۳/۲، کتاب التمہید والبیان: ۱۴۲)

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کوکب انصار کے ایک شخص کا نام تھا اور حش کے معنی باغ کے ہیں۔ یہ جگہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خود خریدی تھی اور سب سے پہلے آپ ہی کو اس میں دفن کیا گیا۔ اس جگہ اور جنت البقیع کے مابین ایک دیوار تھی جس کو بعد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے گرا دیا اور اس کو جنت البقیع میں شامل کر دیا۔ چنانچہ آج کل آپ کا مزار جنت البقیع میں موجود ہے۔

سیدنا نیار بن مکرم رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے آپ کو قبر میں اتارا اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اور آپ کی ازواج سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام البنین نے جسد اطہر کو اٹھا کر دیا۔ (استیعاب: ۳/۸۱، طبقات ابن سعد: ۳/۵۳، التمہید والبیان: ۱۴۲)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے بعض حضرات سے پتہ چلا کہ ایک مرتبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی قبر کی جگہ سے گزر رہے تھے۔ آپ نے اس جگہ کو دیکھ کر فرمایا:

انہ سیدفن ھھنا رجل صالح

''بے شک یہاں عنقریب ایک صالح آدمی دفن ہوگا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۰)

ایک روایت کے مطابق آدھی رات کے وقت آپ کو دفن کیا گیا۔ جب کہ باغی محو خواب تھے لیکن زیادہ مشہور اور صحیح روایت یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔

محمد بن یوسف روایت کرتے ہیں کہ سیدہ نائلہ بنت الفراضہ رضی اللہ عنہا آپ کی تدفین کی رات اس حالت میں باہر نکلیں کہ آپ کا گریبان اگلی اور پچھلی طرف پھٹا ہوا تھا اور آپ کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ چراغ دیکھ کر سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ چراغ گل کر دو کیونکہ قصر خلافت کے دروازے کی طرف باغیوں کی آمدورفت ہے۔ چنانچہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے چراغ بجھا دیا اور بقیع کی طرف چل دیئے۔ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ، سیدنا نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ عنہ، سیدنا نائلہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ نائلہ بنت عینیہ نے اقتداء کی اور نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ عنہ، ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتر کر امیر المومنین کے جسد اطہر کو سپرد خاک کیا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۵۴)

اس روایت کی وضاحت طبری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے انہوں نے واقدی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن شہید ہوئے اور باغیوں کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے دفن پر قادر نہ ہوسکے۔ سیدہ نائلہ بنت الفرافقہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ، سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی جہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ، سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ، اور سیدنا نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ عنہ کی جانب پیغام بھجوایا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی تجہیز وتکفین کا انتظام کیا جائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ صبح کے وقت جنازے کا اٹھانا جب کہ باغی قصر خلافت کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے ہیں، بہت مشکل ہے۔ چنانچہ مغرب اور عشاء کے درمیان جنازہ اٹھایا گیا۔ باغیوں کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے مداخلت کی۔ سیدنا ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا: خدا کی قسم، اگر کسی نے جنازہ اٹھانے میں مداخلت کی تو میں یا تو خود مارا جاؤں گا یا اس کو ماردوں گا۔ انہوں نے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ تم جنازہ اٹھاؤ۔ چنانچہ وہ جنازہ اٹھا کر جنت البقیع کی طرف لے گئے۔ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا ایک چراغ اٹھائے پیچھے پیچھے تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک غلام بھی آپ کے ساتھ تھا۔ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آپ کو بقیع کی دیوار کے پاس کھجور کے درختوں میں دفن کردیا گیا۔ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا اونچی آواز سے کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ لوگوں نے انہیں منع کردیا اور کہا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ اس شور کی وجہ سے اگر باغیوں کو پتہ چل گیا تو وہ کہیں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے جسد اطہر کو قبر سے نکال نہ لیں۔ یہ سن کر سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا خاموش ہوگئیں اور واپس لوٹ آئیں۔'' (طبری: ۴۳۹/۳)

اگرچہ بعض روایات میں ہے کہ جنازہ میں صرف چار حضرات شریک تھے، لیکن روایات کے تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کافی صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے اور شمولیت کرنے والوں میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ (وفاء الوفاء: ۹۱۴/۳) سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ (طبقات ابن سعد: ۵۴/۳) اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

جنازہ کی توہین:

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرکے بھی ان ظالموں کی بغض وعناد کی آگ نہ بجھی۔ چنانچہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا جسد اطہر جب نماز جنازہ کے لیے چارپائی پر رکھا گیا تو ایک

سبائی عمیر بن ضابی نے آپ کی لاش پر حملہ کیا۔

فکسر ضلعا من اضلاعه

''آپ کی ایک پسلی توڑ دی۔ (طبری: ۳/۴۴۰، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۱، ابن اثیر: ۳/)

نہ صرف یہ کہ پسلی توڑ دی گئی بلکہ ایک بدبخت نے آپ کے چہرہ مبارک پر ایک تھپڑ بھی مارا۔ چنانچہ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص بیت اللہ میں کہتا پھر رہا ہے:

اللهم اغفرلي وما اظن ان تغفرلي

''اے اللہ! مجھے بخش دے لیکن میرا گمان نہیں ہے کہ تو مجھے بخشے گا۔''

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ تو جو کچھ کہہ رہا ہے، ایسا میں نے کسی کو بھی کہتے نہیں سنا۔ اس نے کہا کہ ''میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھپڑ مار سکا تو ضرور ماروں گا۔'' پس جب وہ شہید ہو گئے اور ان کا جنازہ ان کے گھر میں چارپائی پر پڑا ہوا تھا۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا اور موقع پا کر آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور زور سے ایک تھپڑ مارا جس پر میرا دایاں ہاتھ سوکھ گیا۔

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا دایاں ہاتھ دیکھا وہ اس طرح سوکھا ہوا تھا گویا کہ وہ ایک لکڑی ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۱، التاریخ الکبیر للبخاری: ۳/۲۵۴)

بعض روایات میں ہے کہ بعض باغیوں نے آپ کو شہید کرنے کے بعد آپ کا سر کاٹنا چاہا، لیکن آپ کی ازدواج سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام البنین رضی اللہ عنہا آپ کو بچانے کے لیے آپ پر جھک گئیں۔ رونا شروع کر دیا اور ان کی منتیں کرنے لگیں اس پر ابن عدیس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ انہیں چھوڑ دو۔ (طبری: ۳/۴۴۰)

اسی طرح کی ایک روایت علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک مصری باغی کہنے لگا کہ بخدا! میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ناک ضرور کاٹوں گا۔

اس پر آپ کی اہلیہ محترمہ نے آستین چڑھا لیں اور آگے بڑھ کر اس بدبخت کی تلوار پکڑ لی جس سے سیدہ کا انگوٹھا کٹ گیا۔ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے ایک غلام رباح کو آواز دی کہ اس کی مدد کو پہنچے۔ رباح رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کی تلوار لے کر آیا اور اس بدبخت کو قتل کر دیا۔ (استیعاب: ۳/۷۷)

ظالموں نے صرف اسی پر کتفانہ کیا بلکہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر سنگ باری کی۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی تجہیز و تکفین کر کے آپ کے دفن کا انتظام کیا، تو:

''وہ راستہ میں پتھر لے کر بیٹھ گئے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم جنازہ لے کر نکلے تو انہوں نے چارپائی پر پتھر برسائے اور چارپائی سے جنازہ کو گرا دینے کا ارادہ کیا۔''

(طبری:۳/۴۳۸)

پھر انتہائی کوشش کی کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو دفن ہی نہ کرنے دیا جائے۔

(طبری:۳/۴۳۹)

جب صحابہ رضی اللہ عنہم زیادہ مصر ہوئے تو بولے:

''بخدا! یہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہوں گے۔'' (طبری:۳/۴۳۹)

طبری رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید کر دیے گئے تو ایک شخص نے کہا کہ یہ ''دیر سلع'' یعنی یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہوں گے۔ اس کی یہ بات سن کر سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک کہ قصی کا ایک فرزند بھی زندہ ہے۔''

(طبری:۳/۴۳۹)

مزید تفصیل کتب تواریخ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ملائکہ کی نماز جنازہ:

طبری میں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ملائکہ نے بھی نماز جنازہ پڑھی۔ مراکش سے کابل تک کی وسیع و عریض سلطنت کے خلیفہ راشد جن کو معدودے چند حضرات نے نماز جنازہ پڑھ کر رات کی تاریکی میں ''حش کوکب'' میں دفن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نماز جنازہ ملائکہ سے بھی پڑھوائی چنانچہ جب کچھ لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز جنازہ پڑھنے سے روکا تو سیدنا ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم انہیں نماز جنازہ کے بغیر ہی دفن کر دو۔

فقد صلی اللہ علیہ و ملائکتہ

''بلاشبہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی رحمت نچھاور کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں

نے بھی آپ کی نماز جنازہ پڑھی ہے۔'' (طبری: ۳/۴۳۹، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۱)

اس چیز کی تائید میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی چند روایات نقل کی ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی نماز جنازہ پڑھانا چاہی تو بعض لوگوں نے نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا تو قریش کے ایک آدمی ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

''تم ان کی نماز جنازہ نہ پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتیں ان پر نچھاور کردی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔'' (استیعاب: ۳/۸۰)

کیا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہاتھ تھا؟

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلام کی پوری تاریخ میں سب سے زیادہ مظلوم شہادت ہے کہ دن دہاڑے ایک طویل وعریض سلطنت کے خلیفہ کو نہایت مظلومی اور کسمپرسی کی حالت میں قصر خلافت کے اندر گھس کر شہید کردیا گیا جس کی تفصیل ہم نے گزشتہ صفحات میں بیان کردی ہے لیکن بعض صحابہ دشمن مورخین نے اس المیہ میں اصحاب رسول کو بھی ملوث کرنے کی ناپاک سعی کی ہے اور اپنی کتابوں کے اوراق میں صاف لکھ دیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں صحابہ کرام اور اہل مدینہ کا ہاتھ تھا اور انہوں نے مملکت اسلامیہ کے مختلف شہروں میں خطوط لکھ کر باغیوں کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے بلایا اور اس سانحہ عظیمہ کے لیے انہیں ترغیب دی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے ملک کے مختلف گوشوں میں لوگوں کو لکھا اور انہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ وقتال کی دعوت دی۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۵)

طبری کے یہ الفاظ ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں اپنا فیصلہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وهذا كذب على الصحابة

''یہ اصحابہ رسول پر صریح جھوٹ ہے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۵)

مشہور محدث علامہ ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے:

''مردودوں اور جاہلوں نے لکھا ہے کہ تمام بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک چلانے والے اور ان کے خلاف ان کی معزولی وغیرہ کی آواز بلند کرنے والے تھے۔ باغیوں نے آپ کے ساتھ جو ناروا اور انسانیت سوز سلوک کیا اس پر وہ دل و جان سے راضی تھے اور اس قسم کے لوگوں نے اس بارے میں بڑی فصیح و بلیغ کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کچھ دلائل بھی مہیا کیے ہیں۔'' (العواصم من القواصم:۱۳۹)

اگر چہ علامہ موصوف نے اس قسم کی باتیں ذکر کرنے والوں کو ''مردودوں اور جاہلوں'' کے ٹولے سے یاد کیا ہے اور وہ لوگ حقیقتاً اس لقب کے صحیح مستحق ہیں لیکن پھر بھی ان لوگوں کی اس قسم کی روایات کا زون لوگوں کے اذہان اور قلوب سے کم کرنے کے علامہ ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بھی ان کی جہالت آمیز روایات کی تردید کی اور لکھا:

''اس قسم کی جملہ روایات موضوع اور من گھڑت ہیں اور ان کا مقصد مسلمانوں کے دلوں کو سلف صالحین اور خلفائے راشدین کے خلاف مشتعل کرنا ہے۔''

(العواصم من القواصم:۱۳۹)

ایسا ہی امت مسلمہ کے کئی ایک جید اور ثقہ مؤرخین اور علماء نے لکھا ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل مدینہ کا کوئی عمل دخل نہیں تھا اور جو شخص ایسی بات اپنے منہ سے نکالتا ہے وہ امت مسلمہ کے ان اساطین پر الزام تراشی کرتا ہے اور ان پر بہتان باندھتا ہے اور اس کی یہ ساری باتیں دلائل کی میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتیں۔

معلوم نہیں ہمارے مؤرخین (جن کو ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے جاہل کے لفظ سے یاد کیا ہے) نے یہ نتیجہ کہاں سے نکال لیا کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل مدینہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے اور انہوں نے مملکت اسلامیہ کے مختلف گوشوں سے لوگوں کو خط لکھ کر بلایا اور ان کو مشتعل کیا کہ وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ حالانکہ اگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے واقعی خلاف ہوتے تو انہیں باہر سے لوگوں کو بلانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی وہ خود امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے نمٹ سکتے تھے اور ان کو منصب خلافت سے ہٹا سکتے تھے۔ لیکن معاملہ ایسا نہ تھا وہ دل و جان سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو چاہتے تھے اور جب ان کو علم ہوا تو انہوں نے سخت

رنج وغم کا اظہار کیا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم نے تفصیل سے ان کے تاثرات کو بیان کیا ہے۔

اگر ان کے یہ تاثرات ان کے دل کی ترجمانی کرتے تھے اور یقیناً کرتے تھے تو ان کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ انہیں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعی غم تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اس معاشرے سے اٹھ جانے کو وہ حقیقتاً زوال کا باعث سمجھتے تھے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں تھا اور اگر ان کے وہ الفاظ اور تاثرات صرف رسمی تھے اور ان کے دلوں میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے لیے محبت وعقیدت کا کوئی شمہ نہیں تھا تو پھر (معاذ اللہ) ان کے قلوب میں نفاق کے جراثیم تھے کہ زبان سے تو وہ محبت وعقیدت کے راگ الاپ رہے تھے لیکن دل میں نفرت وعداوت کا لاوا ابل رہا تھا۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذوات ہر قسم کے نفاق سے مبرا اور پاک ہیں بلکہ وہ تو تمام دنیا کے لیے ایمان وعمل کا ایک مینار ہیں۔

اس سلسلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ جو انہوں نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ پر فرمائے تھے خاص طور پر قابل غور ہیں چنانچہ شیخ اسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اے اللہ! بحر وبر اور میدانوں اور پہاڑوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر لعنت فرما۔'' (منہاج السنۃ: ج۲)

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے لعنت بددعا کرنا کوئی معمولی چیز نہیں اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی رسول کا آپ کی شہادت میں کوئی دخل ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسا شخص اس قسم کی لعنت کی بددعا کیوں کرتا؟

ایک اور موقع پر آپ نے صاف لفظوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے آپ کو بری قرار دیا اور فرمایا:

اللھم انی ابراء الیک من دم عثمان.

''اے اللہ! میں تیرے حضور خون عثمان سے اپنی برات کا اظہار کرتا ہوں۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳، الصواعق المحرقۃ: ۱۱۰)

اپنے ایام خلافت میں جب کچھ لوگوں کی جانب سے بعض قرائن کی وجہ سے آپ پر یہ الزام لگایا گیا کہ شاید آپ کا بھی قتل عثمان میں کچھ ہاتھ ہے تو آپ نے بڑے صاف الفاظ میں اپنی بریت کی۔ ایک گشتی مراسلے میں جس کو آپ نے مختلف شہروں میں لوگوں کی تسلی خاطر

کے لیے بھیجا، اہل صفین اور اپنے مابین جو کچھ پیش آیا آپ نے اس کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا

ایک اور موقع پر آپ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان فرمائے:

''اگر لوگ چاہیں تو میں مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر یہ قسم کھانے کو تیار ہوں کہ نہ تو میں نے خود عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، نہ ان کے قتل کا کسی کو حکم دیا بلکہ میں نے باغیوں کو اس کے قتل سے روکا لیکن انہوں نے میری نافرمانی اور مخالفت کی۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا:

''خدا کی قسم نہ تو میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو خود قتل کیا اور نہ میں نے قتل کا حکم دیا بلکہ میں باغیوں سے مغلوب ہو گیا۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳، طبقات ابن سعد: ۳/۸۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۴۵۰)

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر اظہار افسوس کے اس طرح کے الفاظ نہ صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تھے بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ کو آپ کی اس مظلومانہ شہادت پر رنج و غم تھا جس کو انہوں نے مختلف الفاظ میں تعبیر کیا لیکن مفہوم سب کا ایک ہی تھا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے عقیدت و محبت کا جذبہ کارفرما تھا اور جب ان کو دن دہاڑے شہید کر دیا گیا تو اس کا انہیں سخت صدمہ ہوا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے اصحاب رسول کا قسمیں کھا کھا کر یہ کہنا کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بالکل بری ہیں اور ان کے قتل سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ان کی غلط بیانی نہیں بلکہ حقیقت حال کا اظہار ہے۔ لہٰذا اصحاب رسول کے حلفیہ بیانات کے بعد بعض مؤرخین کا یہ لکھ دینا کہ اصحاب رسول کا قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں اندرونی طور پر ہاتھ تھا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان کے قلوب اصحاب رسول کی دشمنی سے بھرے ہوئے تھے یا ایک عجمی سازش کے تحت صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کے لیے اس قسم کی چیزیں لکھی ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک سوال ذہن میں آتا ہے اور وہ یہ کہ اگر اصحاب رسول سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے حامی نہیں تھے (اور یقیناً نہیں تھے) تو پھر ان کی موجودگی میں ہزار ڈیڑھ ہزار باغیوں نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کس طرح شہید کر دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محاصرہ کے دوران اور اس دوران جب باغی مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں دندناتے پھرتے تھے خاموش تماشائی کیوں بنے رہے؟ اس سوال کے جوابات اسلامی تاریخ کے نامور مؤرخ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور دوسرے کئی ایک جلیل القدر مؤرخین نے دیئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

① اہل مدینہ خصوصی طور پر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ باغی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے۔ اس وجہ سے کہ باغی صرف یہ کہہ رہے تھے کہ: (۱) یا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ منصب خلافت سے دست بردار ہو جائیں اگر انہوں نے یہ خط جس کو وہ محمد بن ابی بکر کے قتل کے بارے میں کہہ رہے، خود لکھا ہے۔ (۲) اور اگر وہ خط ان کے پرائیوٹ سیکرٹری سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے تو اس کو ان کے سپرد کر دیں یا پھر (۳) وہ انہیں شہید کر دیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ منصب خلافت سے دستبردار ہو جائیں گے یا پھر مروان الحکم رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کر دیں گے لیکن یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ معاملہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک پہنچ جائے گا۔

② جب حالات کچھ زیادہ پیچیدہ ہو گئے، اور قصر خلافت کا محاصرہ کر کے مارشل لاء کی سی کیفیت پیدا کر دی گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بارے میں تشویش لاحق ہوئی۔ انہوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے تحفظ اور باغیوں کو مار بھگانے کے لیے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمیں باغیوں سے جنگ وقتال اور انہیں مار بھگانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان کی اس عرضداشت کو قبول نہ کیا اور انہیں سختی سے ایسا کرنے سے روکا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ ایک موقع پر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم باغیوں سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مدافعت میں لڑنے کے لیے نکلے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا۔

”تو آپ نے ان کی طرف ایک آدمی بھیجا اور انہیں قسم دے کر کہا کہ اپنے ہاتھ

رو کے رکھیں اور کسی سے کوئی تعرض نہ کریں اور امن وسکون سے رہیں یہاں تلکہ امر الٰہی پورا ہو۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ حکم سن کر وہ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب مصر، بصرہ اور کوفہ کے سینکڑوں سبائی مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں دندناتے پھر رہے تھے تو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ''انصار کی ایک جماعت دروازے پر حاضر ہے اگر ارشاد ہو تو وہ جان کی بازی لگانے کو تیار ہیں'' اور وہ کہتے ہیں کہ:

ان شئت كنا انصار الله مرتين.

''اگر آپ چاہیں تو ہم دوسری بار پھر اللہ تعالیٰ کے انصار و مددگار بن کر اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کے لیے تیار ہیں۔''

لیکن آپ نے فرمایا کہ:

''میں جنگ وقتال کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔''

(تاریخ خلیفہ ابن خیاط: ۱/۱۵۱، طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۸، العواصم من القواصم: ۱۳۳ تعلیقہ)

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ کے حامیوں اور جانثاروں کی ایک مضبوط اور طاقتور جماعت مدینہ طیبہ میں موجود ہے جو آپ پر اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔ آپ ان کے ساتھ ان باغیوں کا مقابلہ کیجئے اور انہیں مار مار کر مینہ طیبہ سے نکال باہر کیجئے یا پھر مکہ مکرمہ یا شام چلے جائیے''......لیکن آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

''مغیرہ رضی اللہ عنہ! میں جنگ کسی صورت نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جس کے ہاتھوں آپ کی امت کی خوں ریزی کا آغاز ہو۔ رہا شام یا مکہ جانا میں جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا۔'' (مسند احمد: ۱/ ۶۷)

ایام محاصرہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باغیوں کو مار بھگانے کی اجازت چاہی لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں بالکل

اجازت نہ دی۔

مخافه ان یقتل

''اس خوف سے کہ کہیں آپ اس فتنہ میں قتل نہ کیے جائیں۔''

(تاریخ خلیفہ بن خیاط:۱/۱۵۱)

تاریخ خلیفہ ہی میں ہے کہ ایک صحابی سلیط بن سلیط رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر باغیوں کو مار بھگانے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے انہیں اجازت نہ دی۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

نهانا عثمان عن قتالهم ولو اذن لنا لضربنا هم حتى نخرجهم من اقطارها.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمیں باغیوں سے قتال کرنے سے روک دیا۔ اگر وہ ہمیں اس کی اجازت دے دیتے تو ہم ان کو مار بھگاتے یہاں تک کہ ان علاقوں ہی سے انہیں مار بھگاتے۔'' (تاریخ خلیفہ ابن خیاط:۱/۱۵۰)

اسی طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''بے شمار اعوان و انصار آپ کے اشارہ ابرو کے منتظر ہیں۔ اجازت ہو تو ایک ہی روز میں ان باغیوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے۔''

آپ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر فرمایا:

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا تمہیں پسند ہے کہ تم میرے سمیت ساری دنیا کو قتل کردو۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! بالکل نہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا تم نے ساری دنیا کو قتل کر دیا۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعا

''جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے بدلہ کے یا زمین میں فساد کے لیے مار ڈالے تو گویا اس نے سب کو مار ڈالا۔''

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۴۸)

فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حواری رسول سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے بھی بڑے لجاجت آمیز لہجے میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ ہمیں باغیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت دی جائے۔ پھر ساری دنیا دیکھے گی کہ ہم کس طرح ان کو چھٹی کا دودھ یاد دلاتے ہیں، لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی یہی جواب دیا کہ:

''میری خاطر کوئی ہتھیار نہ اٹھائے۔''

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو قصر خلافت میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے موجود تھے، خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ

''میرے پاس قصر خلافت میں مجاہدین کا ایک ایسا گروہ موجود ہے جس کو تائید ایزدی حاصل ہے۔ لہٰذا آپ مجھے باغیوں کے ساتھ لڑنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ کوئی شخص میری خاطر اپنا خون نہ بہائے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/ ۷۰)

اسی وجہ سے سیدنا محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''قصر خلافت کے محاصرہ کے دوران امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سو جاں نثار موجود تھے۔ اگر آپ انہیں حکم دیتے کہ وہ باغیوں سے جنگ کریں تو انشاء اللہ وہ باغیوں کو مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیتے اور وہ انہیں نہ صرف مدینہ طیبہ سے نکال دیتے بلکہ پوری مملکت اسلامیہ سے نکال باہر کرتے لیکن آپ نے انہیں روکے رکھا۔ حالانکہ ان مجاہدین میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جاں نثار اور بہادر موجود تھے۔''

(طبقات بن سعد: ۳/ ۷۱)

اسی سلسلے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اقسم على من لى عليه حق ان يكف يده وان ينطلق الى منزله و عنده

من اعیان الصحابه و ابناء هم جم غفیر و قال لرقیقه من اغمد سیفه فهو حر.

''جس شخص پر میرا کوئی حق ہے میں اسے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہ اپنا ہاتھ روکے رکھے اور اپنے گھر چلا جائے۔ حالانکہ آپ کے پاس اکابر صحابہ اور ان کے صاحبزادوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی اور آپ نے اپنے غلاموں کو بھی فرما رکھا تھا کہ جس نے اپنی تلوار کو نیام میں رکھا وہ آزاد ہے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۸۱/۷۔۱۸۲)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ممانعت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باغیوں کے بارے میں اپنے ہاتھوں کو روکے رکھا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ اگر امیر المومنین رضی اللہ عنہ انہیں اپنی امداد کے لیے ذرا سا اشارہ بھی کر دیتے تو دنیا دیکھتی کہ ایک بھی باغی ان کے ہاتھوں بچ کر نہ جاتا۔ لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اصرار کے باوجود بھی انہیں باغیوں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہ کیا ان کا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں کوئی ہاتھ تھا، جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایسا الزام صحابہ رضی اللہ عنہ پر ایک بہتان ہے اور جو ایسا کہتا ہے وہ کذب بیان سے کام لے رہا ہے۔

اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چاہتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مدد طلب کر سکتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی چشم زدن میں ان کی نصرت اور امداد کرتے لیکن باغیوں کا گروہ تو وہ صرف مظلومی کا بہانہ بنا کر اس کا مداوا ڈھونڈنے آئے تھے۔ آپ نے انہیں سمجھایا لیکن وہ غصے سے بھڑک اٹھے لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں نیزوں میں پرو لینے کا ارادہ کر لیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے روکا کہ ان کے لیے کوئی بھی کسی سے نہ لڑے۔ پس آپ نے اپنے آپ کو ان باغیوں کے حوالے کر دیا اور لوگوں نے بھی آپ کی مرضی سے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا۔''

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے اس الزام سے بری قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یہ جو بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو

باغیوں کے حوالے کر دیا تھا اور وہ آپ کے قتل پر راضی تھے یہ بات کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح طور پر ثابت نہیں کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے راضی تھا بلکہ حالت یہ تھی کہ ان سب نے اس سے نفرت اور کراہت کا اظہار کیا اور باغیوں کے اس فعل سے وہ سخت ناراض ہوئے اور جن لوگوں نے آپ کے قتل کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا ان کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۹۸)

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک اور مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس الزام کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بے شک کوئی صحابی رسول بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں سرگرم عمل نہ ہوا اور نہ ہی آپ کی حمایت اور حفاظت سے الگ ہوا۔ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اصحاب سے مدد طلب کرتے تو ایک ہزار یا چار ہزار باہر کے مفسدین بیس ہزار یا اس سے زائد اہل مدینہ پر کبھی بھی غالب نہیں آ سکتے تھے۔ لیکن آپ نے اصحاب رسول سے امداد کرنے کے بجائے اپنے آپ کو مصائب کے سمندر میں ڈال دیا۔''

(العواصم من القواصم: ۱۳۶۔۱۳۷)

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان باغیوں کو مدینہ طیبہ سے مار بھگانا چاہتے تھے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو قسمیں دے دے کر نہایت سختی سے منع کیا اور کہا کہ کوئی شخص میری خاطر کسی کا خون نہ بہائے ان اب سب باتوں کے باوجود بھی انہیں اس کا بالکل یقین نہیں تھا کہ یہ باغی اس قدر ظلم و تعدی کریں گے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے۔ پھر بھی انہوں نے اپنے صاحبزادوں کو قصر خلافت کے دروازے کے باہر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے بطور سکیورٹی گارڈ متعین فرما دیا۔ ان میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۸۱۔۱۸۲)

③ تیسری وجہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چونکہ اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ معاملہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل تک پہنچ جائے گا لہٰذا وہ حج بیت اللہ کو چلے گئے اور مدینہ طیبہ میں بہت کم حضرات رہ گئے۔ مدینہ سے اہل

مدینہ کی اس غیر حاضری کو باغیوں نے غنیمت سمجھا اور انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکروفریب اور ظلم وتشدد کے ساتھ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو قصر خلافت کی عقبی دیوار پھاند کر شہید کردیا۔ (البدایہ والنہایۃ: ۷/ ۱۹۷۔۱۹۸)

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ''الکامل'' کے محشی نے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے جو کتاب کے حاشیہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ (ابن اثیر: ۳/ تعلیقہ)

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل مدینہ کی موجودگی میں امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کیسے شہید ہوگئے......؟ اس سوال کا جواب گزشتہ صفحات میں نقل کیا جاچکا ہے۔ یہ جواب علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے خود اصحاب رسول کو روکا تھا اور سختی سے فرمایا تھا کہ کوئی شخص میری خاطر خون نہ بہائے اور نہ کسی سے جنگ وقتال کرے، لیکن اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے انہیں ذرا سی بھی اجازت باغیوں سے نمٹنے کی مل جاتی تو دنیا دیکھ لیتی کہ افریقہ، مصر، خراسان، عراق اور شام کے فاتحین باغیوں سے کس طرح نمٹتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قصر خلافت کے باہر جو اپنے صاحبزادوں کو سکیورٹی گارڈ کے طور پر رکھا ہوا تھا وہ بھی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر بلکہ علم کے بغیر تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو جب بھی اس سکیورٹی گارڈ کے بارے میں پتہ چلتا تو وہ انہیں باصرار گھر واپس جانے کے لیے ارشاد فرماتے۔

یہ کسی کے وہم وگمان بلکہ حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ باغی اس قدر تعدی کریں گے کہ باغی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو دن کی چکا چوند روشنی میں شہید کردیں گے۔ وگرنہ وہ...... امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے روکنے کے باوجود بھی ان باغیوں کو ضرور ٹھکانے لگاتے۔

تاریخ کے رپورٹر پھر بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس معمولی سے تساہل پر بھی پوری زندگی اشک ندامت بہاتے رہے۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں ایک روایت نقل کی کہ اصحاب رسول باغیوں کی اس فتنہ انگیزی کو کراہت اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور:

''انہوں نے یہ گمان کیا کہ معاملہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل تک ہرگز نہ پہنچے گا۔ پس وہ اپنے اس تساہل اور تغافل پر اشک ندامت بہاتے رہے اور مجھے میری جان کی قسم!

اگر وہ سب یا ان میں سے بعض ان باغیوں کو اپنے اس ناپاک مقصد میں ناکام بنانے کے لیے کھڑے ہو جاتے تو باغی یقیناً خائب و خاسر واپس لوٹ جاتے۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/۷۱)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تحقیق مواقف الصحابۃ فی الفتنۃ: ص ۳۵۳، احداث واحادیث فتنۃ الھرج: ص ۵۱۷، الاساس فی السنۃ: ۴/۱۶۷۶، شذرات الذہب: ۱/۴۰، دراسات فی عہد النبوۃ والخلافۃ الراشدہ: ص ۳۹۲، شرح مسلم: ۱۵/۱۸۴، التمہید والبیان: ص ۶۴، ذوالنورین عثمان بن عفان، محمد مال اللہ: ص ۶۳، تحقیق مواقف الصحابۃ فی الفتنۃ: ۱/۷۰، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۹/۳۳۱، مجموع الفتاوی: ۲۸/۴۸۳، لسان المیزان: ۳/۲۸۹، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۹/۳۲۸، الاعتصام: ۲/۱۹۷، عبداللہ بن سباء العودۃ: ص ۶۲، العقیدہ والشریعۃ الاسلامیہ جولد ترسیہر، عقیدۃ الشیعہ: ص ۵۸، تحقیق موافق الصحابۃ: ۱/۳۳۳، الخلفاء الراشدون خالدی: ص ۱۲۲، معاویہ بن ابی سفیان، منیر غضبان: ص ۱۰۱، عثمان بن عفان الخلیفۃ الشاکر الصابر: ص ۲۱۰، فتنۃ مقتل عثمان: ۱/۱۱۷، عمرو بن العاص الامیر المجاہد، عضبان: ص ۴۴۷، خلافۃ عثمان السلمی: ص ۷۷، تاریخ دمشق ترجمہ عثمان: ص ۳۲۸، تاریخ ابن خیاط: ص ۱۷۱)

شہادت عثمان کے نقصانات

یوں تو اس دنیا سے کسی نیک انسان کا اٹھ جانا کئی قسم کے نقصانات کا باعث ہوتا ہے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد، داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شرم وحیا کے مجسمہ کا اٹھ جانا اہل اسلام کیا پوری دنیا کے لیے بہت بڑے نقصان کا باعث ہوا اور اس کرۂ ارض سے بہت ساری خیروبرکات جو اس سے قبل موجود تھیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی گئیں۔ وہ نقصانات تو کافی ہیں لیکن ہم ان میں سے چند ایک درج ذیل کرتے ہیں۔

پہلا نقصان:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دنیا سے خلافت راشدہ خاصہ کا قیامت تک کے لیے خاتمہ ہو گیا جو کہ امت اسلامیہ بلکہ تمام دنیا کے لیے ایک بہت بڑا نقصان ہے جس کی تلافی قیامت تک ناممکن ہے۔

علماء نے خلافت راشدہ کی دو قسمیں لکھی ہیں۔

① خلافت راشدہ خاصہ

② خلافت راشدہ مطلقہ

خلافت راشدہ خاصہ دوسرے لفظوں میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو کہتے ہیں۔
خلافت کا یہ درجہ بقول حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گیا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بہ نقل متواتر کہ در شرعیات نقلے معتبر ترازاں یافتہ نمی شود بہ ثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمع اشارہ ساختہ

اندوآنرا بہ تفصیلے کہ زیادہ ازاں اور شرائع یافتہ نشود بیان فرمودہ اندوآنرا حد فاصل نہادہ اند درمیان زمان خیروزمان شروگواہی دادہ اند کہ دریں وقت خلافت علیٰ منہاج النبوہ منقطع شودو ملک عضوض پدید آید و معنی لفظ عضوض دلالت می کنند برحروب و مقاتلات وجہیدن یکے بردیگرے در ملک ولہٰذا در احادیث بسیار خلفائے ثلاثہ رادریک حکم کردند تا آنکہ ظن قوی بہم رسید کہ ہرسہ بزرگ فی مرتبہ من المراتب متفق اندوغیرایشاں درآں مرتبہ شریک ایشاں نیست و دربعض احادیث لفظے کہ مشعر بانقطاع خلافت باشد ارشاد فرمودند۔''

''نقل متواتر سے کہ جس سے زیادہ معتبر شرعیات میں کوئی نقل نہیں ہے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جو فتنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قریب برپا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب اشارہ فرمایا اور اس کو ایسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جس سے زیادہ تفصیل احکام شرعیہ میں نہیں پائی جاتی اور آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو زمانہ خیر اور زمانہ شر کے درمیان حد فاصل قرار دیا اور فرمایا کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ نہ رہے گی اور کاٹنے والی کے لفظ سے واقعات حرب وقتال کا پیش آنا اور ایک کا دوسرے پر حملہ کرنا اور سلطنت کے لیے ایک کا دوسرے کے ساتھ جھگڑنا بخوبی معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے (کہ پہلی خلافتیں برطریق نبوت تھیں اور فتنہ سے محفوظ تھیں) اکثر احادیث میں خلفائے ثلاثہ کو ایک ہی حکم میں جمع کیا ہے یہاں تک کہ ظن قوی کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ تینوں بزرگوار کسی نہ کسی مرتبہ میں (یعنی خلافت کے برطریق نبوت ہونے اور فتنہ سے محفوظ رہنے میں) باہم برابر ہیں اور ان کے ساتھ اس مرتبہ میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں صاف صاف ایسے الفاظ فرما دیے ہیں جن سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلاف علیٰ منہاج النبوۃ کا ختم ہو جانا مفہوم ہوتا ہے۔'' (ازالۃ الخفاء: ۱/۳۰۶)

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ اقوام تسبق شھادۃ احدھم یمینہ ویمینہ شھادہ.

''بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں۔ بعدازیں وہ جوان کے بعد آئیں گے اس کے بعد ایسی قومیں رونما ہوں گی جن کی شہادت قسم سے آگے اور قسم شہادت سے پیش پیش ہوگی۔'' (مسلم:۲/۳۰۱، ترمذی:۲/۴۸)

ایک اور روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا:

ای الناس خیر؟ قال القرن الذی انافیه ثم الثانی ثم الثالث.

''سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے زمانے کے پھر دوسرے کے پھر تیسرے کے۔'' (مسلم:۲/۳۱۰)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرن اول رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے وفات تک ہے اور قرن ثانی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کا زمانہ ہے اور قرن ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے۔''

خلافت کا جو دور شروع ہوا اگرچہ وہ بھی خلافت راشدہ کا دور تھا لیکن وہ اس پایہ کا نہ تھا جتنا ان تینوں خلافتوں (خلافت صدیقی، خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی) کا دور تھا۔

دوسرا نقصان:

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے امت مسلمہ کو جو دوسرا نقصان ہوا وہ یہ ہے کہ قیامت تک اس میں جنگ و جدال اور قتل و ہلاک کا سلسلہ شروع ہوگیا اور سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی وہ بات بالکل سچی ثابت ہوئی جو انہوں نے آپ کی شہادت کے موقع پر فرمائی تھی۔

ما قتل نبی قط الاقتل به سبعون الفاً من امته، ولاقتل خلیفه قط الاقتل به خمسة وثلاثون الفا.

''کوئی نبی قتل نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کے عوض اس کی امت میں سے ستر ہزار افراد قتل کیے گئے اور کوئی خلیفہ قتل نہیں کیا گیا مگر یہ کہ اس کی پاداش میں 35 ہزار نفوس قتل کیے گئے۔'' (طبقات ابن سعد:۳/۸۳، المطالب العالیہ لابن حجر:۴/۲۸۷)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں کے پاس سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل تو بڑی بات ہے۔ تمہارے دلوں میں اس کا خیال تک نہ آنے پائے۔ بخدا! جو کوئی آپ کو شہید کرے گا تو وہ کوڑھی ہو جائے گا۔ بخدا شمشیر الٰہی اب تک نیام کردے گا اور اہل اسلام کے مابین ہمیشہ کے لیے خونریزی کا سلسلہ جاری و ساری ہو جائے گا۔ یاد رکھو! ایک نبی کے قتل کے بدلے میں ستر ہزار آدمی اور ایک خلیفہ کے قتل کے بدلہ میں 35 ہزار آدمی قتل کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی باہمی اتفاق و اتحاد بمشکل ہی پیدا ہوتا ہے۔''

(تاریخ الخلفاء:۲۵۰)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا اس سلسلے میں ایک اور قول بھی نقل فرمایا ہے کہ آپ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے موقع پر فرمایا تھا:

''ہاں یہ درست ہے کہ گائے اور بھیڑ تو خلیفہ کے قتل میں کچلی نہیں گئیں لیکن اس میں مسلح افراد کام آئیں گے۔''

واللہ لتقتلن بہ اقوام انھم لفی اصلاب آبائھم ما ولد وابعد.

''خدا کی قسم! عثمان کی شہادت کی وجہ سے بہت سے لوگ جو ابھی اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں ہیں اور بعد میں پیدا ہوں گے، ضرور قتل ہوں گے۔''

(البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۹۴)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے محاصرین سے محارہ کے دوران فرمایا تھا:

لوفتح الناس علی انفسھم بقتل عثمان باب فتنۃ لا یغلق عنھم الی قیام الساعۃ.

''اگر لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اپنے اوپر فتنے کا دروازہ کھول لیا تو پھر وہ قیامت تک بند نہیں ہوگا۔'' (تہذیب التہذیب:۷/۱۴۱)

تاریخ کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سانحہ کے فوراً بعد پہلے تو جمل و صفین کی جنگیں مسلمانوں کے مابین ہوئیں اور پھر آپس میں تشتت و

افتراق کا وہ سلسلہ شروع ہوا کہ آج تک اس کا مداوی نہیں ہو سکا اور کوئی شخص شمار نہیں کر سکتا کہ آج تک کتنی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ حالانکہ اس شہادت سے قبل مسلمان باہمی الفت و محبت کی زندگی بسر کرتے تھے اور ان میں کبھی کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلاف کی روایات چلی آ رہی ہیں وہ سب وضعی ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

تیسرا نقصان:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تیسرا نقصان یہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ ہمیشہ کے لیے مدینہ طیبہ سے چلی گئی جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا، آپ نے فرمایا تھا:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے لوگوں نے اسلام کے مضبوط اور مستحکم قلعہ میں ایسا رخنہ ڈال دیا جو قیامت تک بند نہیں ہوگا۔ خلافت اہل مدینہ کا حق تھا۔ سیدنا عثمان صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر کے انہوں نے اپنے ہاں سے خلافت کا اس طرح خاتمہ کیا کہ پھر کبھی اہل مدینہ کو خلافت نصیب نہیں ہوگی۔ (تاریخ الخلفاء:۲۴۹)

چشم فلک نے دیکھا اور وقت کی کروٹوں نے اپنی یہ شہادت تاریخ کے صفحات پر ثبت کر دی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں خلافت اسلامیہ کے مرکز کو مدینہ طیبہ سے کوفہ منتقل کر دیا اور پھر آج تک مدینہ طیبہ کو خلافت اسلامیہ کا دارالخلافہ بننا نصیب نہیں ہوا۔ تاریخ کے رپورٹر اس بات کی گواہی بھی دیتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مرکز خلافت بنا رہے تھے تو مشہور صحابی سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر فرمایا تھا:

یا امیر المومنین لاتخرج منها فوالله لئن خرجت منها لایعود الیها سلطان المسلمین ابدا.

''اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ مدینہ طیبہ سے ہرگز نہ نکلیے۔ بخدا! اگر آپ نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی حکومت مدینہ طیبہ میں کبھی نہیں آئے گی۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۳۳)

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی یہ بات بھی صحیح اور درست ثابت ہوئی اور مدینہ طیبہ

اس کے بعد پھر کبھی خلافت اسلامیہ کا مرکز نہ بن سکا اور امت ان تمام برکات سے محروم ہوگئی جو مدینۃ الرسول کے مرکز خلافت ہونے میں ان پر نچھاور ہوتی تھیں۔

چوتھا نقصان:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چوتھا نقصان امت مسلمہ کو یہ ہوا کہ کفار کے ساتھ جنگوں میں ملائکہ نے اہل اسلام کی مدد کرنا چھوڑ دی۔ اسلامی تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے، شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل مسلمانوں نے جب بھی کبھی اہل کفر سے جنگ کی، فتح و نصرت نے ان کے ہمیشہ قدم چومے۔ ان کی تعداد کم تھی یا زیادہ، سامان حرب قلیل تھا یا کثیر، اسلحہ قدیم طرز کا تھا یا جدید طرز کا، فتح وظفر ان کا مقدر بن چکی تھی۔ ان کی قلت ملائکہ کے نزول اور غیبی امداد کی وجہ سے دشمنوں کی نگاہ میں کثرت دکھائی دیتی تھی۔ وہ تین سو تیرہ ہوں یا دس ہزار یا اس سے کم یا زیادہ دشمن ہمیشہ ان سے مرعوب رہتا اور مغلوب ہوتا۔ کیونکہ ملائکہ کی غیر مرئی امداد ان کے شامل حال ہوتی اور نصرت خداوندی ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہتی۔ چنانچہ جنگ یرموک، فتح مدائن، جنگ قادسیہ، فتح مصر وغیرہ کے واقعات اس کی آنکھوں دیکھی شہادت پیش کرتے ہیں لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل اسلام کو محاربات میں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ اہل بصیرت نے اس بارے میں پہلے ہی پیش گوئی کے طور پر کہہ دیا تھا۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کر کے ہماری اس بات کی تائید کی ہے کہ امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرشتوں نے اسلامی جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کرنا چھوڑ دی۔'' (تاریخ الخلفاء: ۲۴۹)

یہ تو چار موٹے موٹے نقصانات تھے، لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نقصانات ہوئے جن کی آج تک تلافی نہیں ہوسکی۔ اور یہ نقصان کیا کم ہے کہ آپ کی شہادت کے بعد امت کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور پھر تشتت وافتراق کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ چل نکلا کہ ایک ایک وقت میں بیسیوں فرقوں نے جنم لیا اور بجائے اس بات کے کہ امت کی ساری توانائیاں اور کوششیں اہل کفر کے لیے مرکوز ہوتیں باہمی جنگ وجدال میں ضائع ہونی شروع ہوگئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملت اسلام کا نخلِ وحدت خزاں رسیدہ ہوگیا۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تاثرات

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی شہادت سے سخت صدمہ ہوا۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں لکھا ہے کہ جب سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے مکان کی چھت پر چڑھ کر اہل مدینہ کو اونچی آواز سے بتایا کہ:

ان امیر المومنین قد قتل. (الامامۃ والسیاسۃ: ۱/۴۴)

''امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں۔''

تو دروازہ پر جو حضرات کھڑے تھے، قصر خلافت میں داخل ہونا شروع ہو گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر قصر خلافت پہنچے لیکن حالت یہ تھی:

قد ذهبت عقولهم.

''ان کے ہوش و حواس جا چکے تھے۔'' (الامامۃ والسیاسۃ: ۱/۴۴، تاریخ الخلفاء)

ابن قتیبہ ہی کا بیان ہے کہ جب وہ قصر خلافت میں داخل ہوئے تو انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک پر گر پڑے اور حال یہ تھا کہ:

يبكون و يعولون حتى غشى على علي.

''وہ رو رہے تھے اور چیخ و پکار کر رہے تھے حتیٰ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر غشی کی حالت طاری ہو گئی۔''

جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں سے پوچھا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کیسے قتل ہو گئے جب کہ آپ دونوں دروازے پر موجود تھے۔ آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مارا اور محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو زجر وتوبیخ کی۔

وخرج علي وقد سلب عقله.

''اور سیدنا علی قصر خلافت سے اس حالت میں باہر نکلے کہ آپ کے ہوش وحواس گم تھے۔'' (الامتہ والسیاستہ: ۱/۴۴)

اس ایک واقعہ کے بیان سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ (ا) اس وجہ سے جب انہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے جن الفاظ میں اپنے دلی جذبات اور تاثرات کا اظہار کیا ہم ان کو مختصر طور پر درج کر رہے ہیں۔

① سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ:

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

''سب سے پہلا فتنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہے اور سب سے آخری فتنہ خروج دجال۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی آدمی نہیں مرتا اور اس کے دل میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں رائی کے دانے کے برابر بھی اگر پسندیدگی ہے تو وہ دجال کی ضرور پیروی کریگا۔ اگر اس نے دجال کو اپنی زندگی میں پالیا، اور اگر اس نے دجال کو اپنی زندگی میں نہ پایا تو وہ قبر میں اس پر ضرور ایمان لائے گا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۲)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول کتابوں میں بدیں الفاظ نقل ہے:

''اے اللہ! اگر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قتل کوئی اچھی بات تھی تو میرا اس میں کوئی حصہ نہیں اور اگر ان کا قتل کوئی بری شئے تھی تو میں اس سے بری ہوں۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۲)

② سیدنا عبداللہ بن عباس:

ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے

بارے میں جب علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

''اگر لوگوں نے خون عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ نہ کیا تو آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوگی۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳، طبقات ابن سعد: ۳/۸۰)

③ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے سخت صدمہ ہوا۔ آپ کو جب پتہ چلا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو باغیوں نے مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا:

اللھم انی ابرا الیک من دم عثمان

''اے اللہ! میں تیرے حضور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے آپ کو بری قرار دیتا ہوں۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر لوگ چاہیں تو میں مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر یہ قسم کھانے کو تیار ہوں کہ نہ تو میں نے خود عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا نہ اس کے قتل کا کسی کو حکم دیا بلکہ میں نے باغیوں کو ان کے قتل سے روکا لیکن انہوں نے میری نافرمانی اور مخالفت کی۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے شہادت کے روز اپنے کانوں سے یہ فرماتے سنا کہ:

''بخدا! نہ تو میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور نہ میں نے قتل کا حکم دیا بلکہ میں باغیوں سے مغلوب ہو گیا۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/۸۲، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳، المصنف عبدالرزاق: ۱۱/۴۵۰)

سیدنا ابوجعفر انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ آپ صحن میں تشریف فرما تھے اور آپ نے سر پر سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ میں نے آپ کو بتایا کہ ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے

ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

تبالھم آخر الدھر

''ہمیشہ ہمیشہ تک قاتلوں پر ہلاکت ہو۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳)

ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر کھڑے تھے اور میں نے ان کو یہ فرماتے سنا:

اللھم انی ابرالیک من دم عثمان

''اے اللہ! میں اپنے آپ کو تیرے حضور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری کرتا ہوں۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۳، طبقات ابن سعد: ۲/۸۲)

قیس بن عباد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ جمل کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ ''لوگ میرے پاس میری بیعت کرنے کے لیے آئے لیکن میرا نفس اس سے ابا کرتا تھا:

''بخدا! مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اس قوم سے بیعت لوں جو ایک ایسے شخص کے قتل کی مرتکب ہوئی ہے جس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میں اس سے حیاء کرتا ہوں جس سے فرشتے حیاء کرتے ہیں'' ...... اور مجھے اللہ سے حیاء آتی ہے کہ میں اس حالت میں بیعت لوں جب کہ عثمان رضی اللہ عنہ زمین میں دفن ہوئے بغیر شہید ہوئے پڑے ہوں۔''

باغی آپ کے یہ تاثرات اور جذبات سن کر واپس لوٹ گئے جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تو لوگ پھر میرے پاس واپس آئے اور انہوں نے مجھے پھر بیعت لینے کے لیے پوچھا، میں نے کہا:

اللھم انی اشفق مما اقدم علیه.

''الٰہی! میں ایسا قدم اٹھانے سے ڈرتا ہوں۔''

پھر وہ عزم لے کر آئے اور بیعت کے لیے اصرار کیا۔ پس میں نے بیعت لے لی لیکن...... **فلما قالوا امیر المومنین کان صدع قلبی واسکت.**

''میں نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کا حوصلہ عطا فرما تا کہ عثمان رضی اللہ عنہ مجھ سے راضی ہو جائیں۔'' (تاریخ الخلفاء: ۲۴۹)

ابن عساکر رحمہ اللہ نے ابوخلدہ حنفی رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ میں نے خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ:

''بنوامیہ کا یہ خیال ہے کہ میں نے عثمان کو قتل کرایا۔ میں حق تعالیٰ کی الوہیت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے انہیں قتل کرایا اور نہ ہی قتل کی سازش میں کوئی تعاون کیا بلکہ میں نے تو ہر طرح سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن لوگوں نے میرا کہا نہ مانا۔''

(تاریخ الخلفاء:۲۴۹)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

''بخدا! نہ میں نے انہیں قتل کیا اور نہ قتل کرنے کا کسی کو حکم دیا اور میں امید کرتا ہوں کہ میں اور عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے دلوں سے بغض و کینہ نکال دیا ہے۔''

(المطالب العالیہ:۴/۲۹۳، البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۹۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''عثمان رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بہتر تھے اور صلہ رحمی میں بھی ہم سب سے زیادہ تھے۔ حیاء میں سب سے زیادہ شدید، طہارت کے لحاظ سے سب سے اچھے اور اللہ عزوجل کے حضور میں سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۹۴)

④ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی، فاتح ایران اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ اس مجلس مشاورت کے بھی ایک رکن تھے جس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بحیثیت خلیفہ کے انتخاب کیا تھا۔ آپ نے خلافت عثمانی اور اس کے بعد سیاسی زندگی میں بہت کم حصہ لیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے صاحبزادے عمر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جب وہ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آ کر کہا:

''کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چراتے رہیں اور لوگ کاروبار خلافت کے لیے اپنی اپنی قسمت آزمائیں۔''

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا:

''چپ رہ! میں نے اپنے کانوں سے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا، اللہ تعالیٰ مستغنی اور پرہیز گار بندہ کو محبوب رکھتا ہے۔'' (اسد الغابہ: ج ۳)

باغی جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے باہر اپنے ایک باغ میں نقل مکانی کر گئے۔ جب انہیں وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حادثہ فاجعہ کی خبر پہنچی تو آپ نے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور ان کی مظلومات شہادت پر اظہار افسوس فرمایا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ قاتل اپنے اس فعل بد پر نادم ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ایمان کی سعادت سے محروم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خائب و خاسر فرمائے۔ پھر فرمایا:

''فرما دیجئے کہ ہم تمہیں بتائیں کہ کن کا کیا ہوا اکارت گیا۔ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور سمجھتے رہے کہ وہ خوب کام بنا رہے ہیں۔''

⑤ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ:

سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور ان چھ حضرات میں سے ایک تھے جن کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس مشاورت کا رکن بنایا تھا۔ یہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے دوران مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ کی شاہراہ پر اقامت پذیر ہو گئے تھے تا کہ ان کی موجودگی میں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا المیہ پیش نہ آئے۔ چنانچہ جب آپ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے بارے میں المیہ کی اطلاع ملی تو آپ نے سن کر فرمایا:

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

گویا یہ ایک اظہار افسوس تھا پھر فرمایا:

رحم اللہ عثمان وانتصر لہ.

''اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کا مددگار ہو۔''

آپ کو بتایا گیا کہ قاتلین اپنے اس فعل پر نادم ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

تبالھم

''وہ ہلاک ہوں۔''

⑥ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ:

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ کے صحابی اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی مجلس مشاورت کا ایک رکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نامزد کیا گیا تھا۔ جب ان کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حادثہ فاجعہ کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا:

''اے اللہ! انہیں برباد فرما۔''

⑦ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں جب اطلاع ملی تو سننے والوں نے سنا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرما رہی تھیں:

قتل مظلوما لعن الله قتلته

''عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم قتل کیے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے قاتلوں پر لعنت کرے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۵)

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مصصتموه مص الاناء ثم قتلتموه

''تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اس طرح چوس لیا جس طرح برتن کو چوسا جاتا ہے پھر تم نے انہیں شہید کر دیا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۵، طبقات ابن سعد: ۳/۸۲)

عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''تم نے انہیں اس کپڑے کی طرح چھوڑ دیا جس میں کوئی میل نہ ہو پھر انہیں قتل کر دیا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۵، طبقات ابن سعد: ۳/۸۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

قربتموه ثم ذبحتموه كما يذبح الكبش

''تم ان کے قریب ہوئے پھر تم نے انہیں ذبح کر دیا جس طرح کہ ایک مینڈھے کو ذبح کیا جاتا ہے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۵، طبقات ابن سعد: ۳/۸۲)

آپ کے شاگرد مسروق رضی اللہ عنہ نے بعض سبائیوں کا اعتراف نقل کیا کہ آپ نے ہی

باغیوں کو خط لکھ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر اکسایا تھا۔ (۲) سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا (یعنی ان کو کوئی خط نہیں لکھا) قسم ہے اس ذات کی جس پر مومن ایمان لاتے ہیں جس کا کافر انکار کرتے ہیں میں نے اس وقت تک لوگوں کو اس بارے میں سفید کاغذ پر ایک بھی سیاہ حرف نہیں لکھا:

(البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۹۵، طبقات ابن سعد:۳/۸۲)

سیدہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں اور بھی کئی روایات ہیں جن سے ان کے جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے کہ سیدہ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بہت دکھ ہوا تھا۔

⑧ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ:

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

اليوم هلكت العرب .

''آج عرب ہلاک ہو گئے۔'' (طبقات ابن سعد:۳/۸۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دوسرے شخص سے یہ کہتے سنا:

''سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے ہیں لیکن دو چوپائے بھی نہیں کچلے گئے۔''

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

''ہاں یہ درست ہے کہ گائے اور بھیڑ تو خلیفہ کے قتل میں کچلی نہیں گئیں لیکن اس میں مسلح افراد کام آئیں گے۔''

والله لتقتلن به اقوام انهم لفي اصلاب آبائهم ما ولدوا بعد.

''خدا کی قسم! عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے بہت سے لوگ جو ابھی اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں ہیں اور بعد میں پیدا ہوں گے، ضرور قتل ہوں گے۔''

(البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۹۴)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے سن کر فرمایا:

''کبھی کوئی نبی قتل نہیں ہوا مگر اس قتل کی پاداش میں اس کی امت میں سے ستر ہزار آدمی قتل ہوئے اور کوئی خلیفۃ الرسول قتل نہیں ہوا مگر اس کے ساتھ 35 ہزار افراد قتل ہوئے۔'' (طبقات ابن سعد:۳/۸۳، المطالب العالیہ:۴/۲۸۷)

ایک اور روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اپنے اوپر فتنہ کا دروازہ کھول لیا تو پھر قیامت تک بند نہیں ہوگا۔'' (تہذیب التہذیب:۷/۱۴۱)

⑨ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ:

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ کے صحابی اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بہنوئی ہیں۔ انہوں نے جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں سنا تو فرمایا:

''اگر احد پہاڑ تمہاری اس بداعمالی کی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ظلم ڈھانے کی وجہ سے تم پر گر پڑے تو وہ حق بجانب ہے۔'' (بخاری)

⑩ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جب عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا:

''اگر عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل موجب ہدایت ہوتا تو امت اس کی برکت سے دودھ دوہتی لیکن یہ سراپا ضلالت اور گمراہی کا فعل تھا اس لیے امت نے خون دوہا۔''

(البدایہ والنہایہ:۷/۱۹۳)

⑪ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:

ابوالاسود روایت کرتے ہیں کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر پر میں نے سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا:

لان اخر من السماء الی الارض احب لی من ان اشرک فی قتل عثمان

''اگر میں آسمان سے زمین پر گرا دیا جاؤں تو یہ بات مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شرکت کروں۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۴)

⑫ سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ:

سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ اصحاب بدر میں سے ہیں۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر انہوں نے اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا کہ ''بخدا! ہم نے ان کے قتل کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ ہم سمجھتے تھے کہ آپ کا قتل جائز ہے۔'' پھر فرمایا:

''اے اللہ! میں عہد کرتا ہوں کہ میں یہ کام نہیں کروں گا اور میں نہیں ہنسوں گا یہاں تک کہ تم سے ملاقات کروں (یعنی مجھے موت آجائے) (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۴)

⑬ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ:

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے سخت صدمہ ہوا۔ آپ ان لوگوں میں سے بھی تھے جو قصر خلافت پر سکیورٹی گارڈ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''میں نے رات ایک عجیب وغریب خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اللہ رب العزت اپنے عرش پر جلوہ افروز ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور عرش الٰہی کا پایہ پکڑ کر کھڑے ہوگئے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوگئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوگئے، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنا سر اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تشریف لائے اور بارگاہ خداوندی میں فریادی ہوئے۔''

رب سل عبادک فیم قتلونی

''اے اللہ! اپنے بندوں سے پوچھ کہ انہوں نے مجھے کس جرم میں قتل کیا۔''

پھر آسمان سے خون کے دو پرنالے جاری ہوگئے۔ لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔

''دیکھئے حسن رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے وہی کچھ بیان کررہے ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۹۵، ''المطالب العالیہ: ۴/ ۲۹۲)

ایک اور روایت زید بن صوحان سے ہے کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یوم قتل عثمان نفرت القلوب منافرها، والذی نفسی بیده لاتتائف الی یوم القیامة

''قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے دوران دلوں میں منافرت کا ایسا بیج بویا گیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اب قیامت تک دلوں میں وہ محبت و یگانگت پیدا نہ ہوگی۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۹۵)

⑭ سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ:

سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرکے لوگوں نے اسلام کے مضبوط اور مستحکم قلعہ میں ایسا رخنہ ڈال دیا ہے جو قیامت تک بند نہیں ہوگا۔ خلافت اہل مدینہ کا حق تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرکے انہوں نے اپنے ہاں سے خلافت کا اس طرح خاتمہ کیا کہ پھر کبھی اہل مدینہ کو خلافت نصیب نہیں ہوگی۔'' (تاریخ الخلفاء: ۲۴۹)

⑮ سیدنا ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ:

سیدنا ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور صنعا کے گورنر تھے۔ ان کو جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں پتہ چلا تو کافی دیر تک روتے رہے پھر فرمایا:

انزعت خلافة النبوة من امة محمد وصار ملكا و جبرية

''امت محمدیہ سے اب خلافت نبوت ختم ہوگئی ہے اور اب ملوکیت اور جبریت قائم ہوگئی۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/ ۸۰، المطالب العالیہ: ۴/ ۲۹۳)

آئمہ تابعین کے تاثرات

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گہرے رنج وغم کا اظہار فرمایا بلکہ قیامت تک آنے والی امت کو ان کی اس مظلومانہ شہادت کا غم اور صدمہ ہے اور ہوگا اور ائمہ تابعین بھی جنہوں نے اپنی نگاہوں سے ان حضرات کو دیکھا جو نبوت کے روئے مبارک کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس مظلومانہ شہادت کے حادثہ فاجعہ کے غم میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ چنانچہ مشہور تابعی سیدنا ابومسلم الخولانی رضی اللہ عنہ نے ایک وفد سے باتیں کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تمہارا گزر کبھی قوم ثمود کے شہروں پر ہوا ہے۔'' وفد کے اراکین نے کہا: ''ہاں۔'' آپ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا کیونکہ اللہ کا خلیفہ اس کی ناقہ سے زیادہ عزت واحترام والا ہے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۶)

② امام حسن بصری رضی اللہ عنہ:

امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات اور تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

''اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہدایت وثواب کا کام ہوتا تو امت اس کی برکت سے دودھ دوہتی لیکن ان کا قتل سراپا گمراہی اور ضلالت تھا، لہٰذا اس کی پاداش میں امت نے لہو دوہا۔''

③ امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ:

امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرشتوں نے اسلامی جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کرنا چھوڑ دیا۔'' (تاریخ الخلفاء:۲۴۹)

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ:

سیدنا محمد باقر رضی اللہ عنہ نے آپ کی شہادت کے بارے میں فرمایا:
''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ناحق تھا۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۹۶)

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا انجام

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کوئی معمولی قتل نہ تھا کہ ملک کی رائے عامہ اس پر خاموش رہتی اور ان کے قاتل ''عزیز ذوانتقام'' کی گرفت سے بچ جاتے۔ آپ کی شہادت کے المیہ کے بعد ملک کے گوشے گوشے سے ''قصاص، قصاص'' کی آوازیں بلند ہوئیں اور جب آپ کے بعد والے خلیفۃ المسلمین نے ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں معمولی سا بھی تساہل کیا تو غیرت خداوندی نے ان قاتلں سے خود انتقام لیا اور وہ سارے کے سارے نہایت ذلت سے اس دنیا سے مرے اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے جو دعا کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی، آپ نے فرمایا تھا:

اللھم العن قتلہ عثمان فی البر والبحر والسھل و الجبل

''اے اللہ! قاتلان عثمان پر لعنت فرما، خواہ وہ زمین پر ہوں یا سمندر میں، نشیبی زمین میں ہوں یا کسی پہاڑ پر ہوں۔ (منہاج السنہ:۲/۱۸۶)

ان کا کیا انجام ہوا اور غیرت خداوندی نے ان کو کس عذاب الیم میں نہ صرف آخرت میں بلکہ اس دنیا میں مبتلا کیا؟ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں:

عامتھم جنوا

''ان میں سے اکثر پاگل ہو کر اس دنیا سے گئے۔ (تاریخ الخلفا:۱۶۱)

لیکن علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے سیدنا سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ نے قتل عثمان کا سن کر قاتلین کے لیے بددعا کی تھی کہ

اللھم اندمھم ثم خذھم

''اے اللہ! پہلے انہیں بحر ندامت میں ڈال پھر انہیں پکڑ۔''

اس بددعا، پر بعض سلف نے اللہ رب العزت کی قسم کھا کر کہا ہے کہ

انه مامات احد من قتلة عثمان الامقتولاً

''قاتلین عثمان میں سے جو بھی مرا قتل ہو کر مرا۔

(البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۸۹،طبری:۳/۴۳۱)

گویا اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں دو سزائیں دے کران سے قصاص لیا، ایک تو وہ پاگل ہوئے دوسرے قتل...... اور آخرت میں ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ اس کو اللہ رب العزت کی عالم الغیب ذات ہی بخوبی جانتی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل دو قسم کے تھے ایک وہ جو لوگوں کو اشتعال دے کر مصر، کوفہ اور بصرہ سے لائے تھے یعنی سرغنہ، اور قتل عثمان میں پیش پیش تھے، ان کا انجام بھی برا ہوا۔ او دوسرے وہ جو سرغنہ تو نہیں تھے لیکن پھر بھی کسی نہ کسی طریقے سے ان کے قتل میں یا ان کی توہین میں شریک تھے ان کا حشر بھی ایسا ہوا کہ دوسرے لوگ رہتی دنیا تک اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ اسی قسم کے ایک شخص کے بارہ میں امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت مروی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''میں بیت اللہ کا طواف کررہا تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص بیت اللہ میں یہ کہتا پھر رہا ہے۔

اللهم اغفرلی واما اظن ان تغفرلی

''اے اللہ! مجھے بخش دے لیکن مجھے گمان نہیں کہ تو مجھے بخش دے گا۔''

میں نے اس سے کہا کہ جو تو کہتا ہے کہ ایسا میں نے کسی کو بھی کہتے نہیں سنا۔ اس نے کہا کہ:

''میں نے حق تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھپڑ مار سکا تو ضرور ماردوں گا۔ پس جب وہ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ ان کے گھر میں چارپائی پر رکھا ہوا تھا میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور موقع پا کر آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور زور سے ایک تھپڑ مارا۔ جس پر میرا دایاں ہاتھ سوکھ گیا۔''

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے اس کا دایاں ہاتھ دیکھا اور وہ اس طرح سوکھا ہوا تھا گویا کہ وہ ایک لکڑی

ہے۔" (البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۹۱، التاریخ الکبیر البخاری: ۳/ ۱۲۷)

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ لوگ جو آپ کے خلاف لیڈنگ پارٹ (Leading Part) لے رہے تھے قدرت خداوندی کی سخت گرفت سے وہ بھی نہ بچ سکے۔ چنانچہ ان چند سرغنوں کا عبرت ناک انجام یوں بیان کیا جاتا ہے۔

① عبداللہ بن سباء:

اس تحریک کا بانی عبداللہ بن سباء مسلم نما یہودی تھا جس نے محبت اہل بیت اور خصوصی طور پر محبت علی رضی اللہ عنہ کی آڑ میں امت مسلمہ سے اپنے آباؤ اجداد کا انتقام لینے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریک شروع کی اور پوری مملکت اسلامیہ میں دورہ کر کے لوگوں کو آپ کے خلاف ابھارا، ملاحظہ ہو:

(رجال الکشی: ۱۰۱، تنقیح المقال: ۲/ ۱۸۴، فرق الشیعہ: ۴۳۔۴۴، طبری: ۳/ ۳۳۵، ۳۷۸۔۳۷، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۶۷ وغیرہ)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس نے مسلمانوں کے ایمان اور عقائد کو خراب کرنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے اس سے اس عقیدہ سے توبہ کرنے کے لیے کہا۔ شیعہ مصنف کشی کا بیان ہے:

فابی ان یتوب فاحرقه بالنار

"اس نے توبہ کرنے سے انکار کیا لہٰذا آپ نے اسے زندہ آگ میں جلوادیا۔"

(رجال الکشی: ۷۰)

یہ تھا سب سے بڑے سرغنہ کا انجام۔

② مالک الاشتر النخعی:

اس تحریک کا دوسرا سرغنہ مالک بن الحارث الاشتر تھا۔ اس شخص نے سیدنا عثمان بن عفان کے بارہ میں جو کردار ادا کیا اور ان کے گورنروں کو جس طرح ستایا اور عوام الناس کو جس طرح امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسایا اس کا مفصل تذکرہ گزشتہ سطور میں کر دیا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر مصر کے نام جو جھوٹا خط بنایا گیا تھا، وہ بھی اسی کی سازش کا نتیجہ

تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہی شخص تھا جس نے سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کو خلیفۃ المسلمین بنایا۔ پھر ان کی فوج کا کمانڈر انچیف بن گیا۔ بعد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے مصر کا گورنر بنا کر بھیجا۔ جب وہ سویز کے قریب پہنچا تو شہد کا شربت پیا اور مر گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۳۱۲/۷)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ہی لکھتے ہیں کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو مالک الاشتر کی موت کا علم ہوا تو انہوں نے کہا:

ان للہ جنود امن عسل

''اللہ کے بعض لشکر شہد میں سے بھی ہوتے ہیں (جو اسکے دشمنوں سے انتقام لیتے ہیں)۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۳۱۲/۷)

ابن جریر طبری نے لکھا کہ یہ مسموم شربت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''مقدم خراج خانسار'' کے ذریعہ مالک الاشتر کو پلوایا تھا۔ لیکن طبری کی یہ بات سراسر غلط ہے۔ چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ طبری کی اس روایت کے بارہ میں فرماتے ہیں:

وفی ھذا نظر

''طبری کی یہ بات محل نظر ہے۔''

لیکن اگر اس بات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اشتر کے قتل کو صحیح اور جائز سمجھتے ہوں گے۔

لانہ من قتلۃ عثمان رضی اللہ عنہ.

''کیونکہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے تھا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۳۱۲/۷)

③ محمد بن ابی بکر:

یہ بھی ان لوگوں میں سے تھا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے۔ یہ 10ھ میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوا۔ لیکن ان کی عمر جب تین برس کی ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ محمد بن ابی بکر کی پیدائش 10ھ میں سفر حجۃ الوداع میں ذوالحلیفہ کے مقام پر ہوئی، لیکن اکمال فی اسماء الرجال میں 8ھ لکھا گیا ہے۔ اس وجہ سے ہم نے بھی بعض مقامات پر 8ھ ہی لکھ دیا۔ صحیح 10 ہجری ہے اور سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے

نکاح کرلیا، محمد بن ابی بکر کی پرورش سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نے کی تھی۔

محمد بن ابی بکر غضب اور طمع کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف تھا اور ان کی مخالفت میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ مصر سے باغیوں کا جو گروہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور آپ سے معزولی کا مطالبہ کرنے کے لیے آیا تھا، محمد بن ابی بکر اس گروہ میں بھی شامل تھا۔ اور جو لوگ قصر خلافت کی دیوار پھاند کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے اندر گئے تھے ان میں بھی محمد بن ابی بکر پیش پیش تھا اور اسی نے آگے بڑھ کر آپ کی ریش مبارک کو پکڑا تھا جس پر آپ نے فرمایا تھا:

لقد اخذت یلحیة کان ابوک یکرمها

''تو نے اس داڑھی کو پکڑا ہے جس کی عزت وتکریم تیرا باپ بھی کیا کرتا تھا۔ اس پر وہ نادم ہوا اور اپنا منہ کپڑے سے چھپا کر واپس چلا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۸۵/۷)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المنتقی'' میں ایک مقام پر لکھا ہے:

''جہاں تک اس لشکر کا تعلق ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف برسرپیکار تھا۔ اگر اس میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کا بھائی محمد بن ابی بکر جس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب دست تعدی دراز کیا تھا، نہ ہوتا تو اجنبی لوگ آپ پر ہرگز زیادتی نہ کرتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دست درازی کرنے والے کے بارے میں دریافت فرمایا: ''یہ کس کا ہاتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے آگ میں جلائے۔'' محمد بن ابی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بہن! کیا آخرت سے پہلے دنیا میں جلائے؟'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''ہاں دنیا ہی میں آخرت سے پہلے۔'' (المنتقی: ۳۵۰)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بددعا مستجاب ہوئی اور محمد بن ابی بکر کی لاش کو مصر میں جلایا گیا۔

اس کے قتل کا واقعہ تاریخ کے اوراق میں یوں مرقوم ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ایک مقتدر صحابی سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہوں نے بڑی حکمت سے اہل مصر سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت لی، لیکن مصر کے ایک علاقہ خربتا کے لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کردیا۔ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے موقع کی نزاکت کے تحت اہل خربتا کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن ان کے اس فعل کی شکایت محمد بن ابی بکر اور محمد بن

جعفر نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کردی۔ جس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو گورنری سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔

محمد بن ابی بکر بالکل نوجوان، ناتجربہ کار اور سیاسی حکمت عملی سے ناآشنا تھا۔ مزید برآں کنانہ بن بشر جیسا فتنہ پرداز اور قاتلِ عثمان اس کا مشیر خاص تھا۔ اس وجہ سے محمد بن ابی بکر نے اہل خربتا پر حملہ کر دیا۔ لیکن شکست کھائی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس حملے کا پتہ چلا تو انہوں نے محمد بن ابی بکر کو سرکاری طور پر لکھا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے لیکن وہ باز نہ آیا۔ چنانچہ انہوں نے چھ ہزار کا لشکر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مصر روانہ کر دیا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو لکھا کہ:

''میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم راستہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ اس شہر کے لوگوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔'' (ابن اثیر:۳/۱۷۹)

محمد بن ابی بکر نے اس خط کی طرف بھی کوئی توجہ نہ دی بلکہ چار ہزار کی فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے میدان میں آگیا۔ اس کے مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر قاتلِ عثمان کر رہا تھا۔ کنانہ نے شروع شروع میں بڑے جوش اور بہادری کے مظاہرے دکھانے کی کوشش کی لیکن تھوڑی ہی دیر میں سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اشارہ پر اس کو گھیر لیا اور جلد ہی اگلی دنیا میں پہنچا دیا۔ محمد بن ابی بکر نے بھاگ کر ایک ویران جگہ میں پناہ لی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فسطاط (مصر کے دارالحکومت) پہنچ گئے اور معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ محمد بن ابی بکر کی تلاش میں نکلے اور اس ویرانہ سے اسے نکالا۔ وہ مارے پیاس کے جاں بلب تھا۔ چنانچہ اس نے ان سے پانی مانگا۔ سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر میں تجھے پانی کا ایک قطرہ بھی دوں تو اللہ تعالیٰ مجھے کبھی پانی نہ پلائے۔ تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو پانی پینے سے روک دیا تھا یہاں تک کہ ان کو روزے کی حالت میں شہید کر دیا تھا۔''

فعند ذالک غضب معاوية بن خديج فقدمه فقتله ثم جعله في جيفة حمار فاحرقه بالنار

''اس پر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے اور آگے بڑھ کر محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا پھر اس کی نعش کو گدھے کی کھال میں ڈال کر آگ سے جلا دیا۔

(ابن اثیر:۳/۱۷۹، ابن خلدون:۲/۱۲۷،مروج الذهب:۲/۲۹، البداية والنهاية: ۷/۳۱۴،۴/۷۹)

یہ عبرتناک انجام ہوا محمد بن ابی بکر کا جس نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑ کر توہین کی اور اس طریقے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بددعا پوری ہوئی جو انہوں نے جنگ جمل کے موقع پر محمد بن ابی بکر کے لیے کی تھی۔

علامہ خیر الدین زرکلی محمد بن ابی بکر کی نعش کے جلائے جانے کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لم يحرق ودفنت جثته مع راسه في مسجد يعرف بمسجد" زمام" خارج مدينة فسطاط. قال ابن سعيد و قدر زرت قبره في الفسطاط.

''محمد بن ابی بکر کو جلایا نہیں گیا بلکہ اس کے جسم کو سر سمیت ایک مسجد میں دفن کر دیا گیا جس کو ''مسجد زمام'' کہتے ہیں اور جو فسطاط (مصر کا دارالحکومت) کے شہر کے باہر واقع ہے۔ چنانچہ ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے اس کی قبر کو فسطاط میں دیکھا ہے۔

(الاعلام:۷/۸۹)

اس کے جسم کو جلایا گیا یا دفن کیا گیا۔ اس وقت ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے لیکن اتنی بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ نہایت بے کسی کی حالت میں قتل ہوا اور دردناک اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوا۔

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کی ہلاکت کی خبریں ملتیں تو بہت خوشی و مسرت کا اظہار فرماتے۔ ابوالاشہب کہتے ہیں کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا ''فاسق بن ابی بکر بھی پکڑا گیا'' اور ابوالاشہب کہتے ہیں کہ:

وكان الحسن لايسميه باسمه انما كان يسميه الفاسق

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ انہیں ان کے اصلی نام محمد سے نہیں پکارا کرتے تھے بلکہ اسے فاسق کے لفظ سے پکارتے تھے یعنی فاسق بن ابی بکر کہتے۔ (طبقات ابن سعد:۳/۸۳)

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ آپ کے صاحبزادے قاسم بن محمد بن ابی بکر جو جلیل القدر تابعین میں سے تھے اور ان کی پھوپھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تربیت کی تھی۔ اپنے باپ کے اس گناہ کے بعد ہمیشہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر دعا کیا کرتے تھے کہ:

''بارالٰہا! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں میرے باپ کے گناہ کو بخش دے۔''

محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر جب شام میں پہنچی تو تمام لوگوں نے ایک قسم کی خوشی و مسرت کا اظہار کیا کہ ایک ایسا شخص اپنے انجام کو پہنچا جس نے مختلف مواقع پر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی توہین کی تھی اور ان کے قاتلین کی اعانت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

(طبری: ۸۲/۴)

طبری نے لکھا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر ملی تو انہیں بہت صدمہ ہوا اور وہ ہر نماز کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لیے بددعا کرتیں۔ (طبری: ۷۹/۴، ابن اثیر: ۱۸۰/۳)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھائی کی موت کا صدمہ تو ضرور ہوا ہوگا کیونکہ آخر وہ بھائی تھا اور بھائی کی موت کا صدمہ ایک طبعی امر ہے لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لیے بددعا کرنا، روایت کے یہ الفاظ بعد کے بنائے ہوئے ہیں کیونکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ بعد کے تعلقات اس کی تردید کرتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب ''سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار'' جلد اول اور جلد ثانی)

④ کنانہ بن بشر:

یہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں سے تھا جن لوگوں نے مصر سے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تھی یہ شخص ان کا سردار تھا اور محاصرے کے دوران قصر خلافت کے دروازے کو جلانے میں یہ بدبخت پیش پیش تھا۔ اسی کی تلوار تھی جس سے یہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا پیٹ پھاڑنا چاہتا تھا لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے تلوار کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے خاوند کے پیٹ کو اس خون آشام تلوار کے وار سے بچالیا مگر ان کی خود اپنی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ غرض ہر مقام پر اس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور انہیں زک پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ لیکن اللہ رب العزت نے اس کو ذلیل و خوار کر کے مارا۔ ہوا یوں کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب اہل خربتا کی امداد کے لیے مصر گئے تو محمد بن ابی بکر نے پہلے کنانہ بن بشر کو دو ہزار کی فوج کے ساتھ مقدمۃ الجیش کے طور پر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے

بھیجا۔ لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کنانہ بن بشر اور اس کے دو ہزار سپاہیوں کو گھیر کر ایسا مارا کہ وہ بالکل تہس نہس ہو گئے۔ (طبری: ۳/۴۲۴، ابن اثیر: ۳/۱۷۹)

⑤ محمد بن ابی حذیفہ:

محمد بن ابی حذیفہ سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا صاحبزادہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ماموں زاد بھائی تھا۔ سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو انہوں نے وصیت کی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے بچے کی کفالت کریں۔ وصیت کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی پرورش کی اور نہایت شفقت و مہربانی سے اس کو پالا۔ ابھی یہ نوجوان، ناپختہ اور ناتجربہ کار ہی تھا کہ اس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اسے کسی صوبے کا گورنر بنا دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم تجربہ اور پختگی حاصل کرلو۔ جب تم اس کے اہل اور قابل ہو جاؤ گے تو میں تمہیں ضرور گورنر بنا دوں گا۔ یہ بجائے اس بات کے کہ اپنے اندر اہلیت اور قابلیت پیدا کرتا الٹا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گیا اور اپنے دل میں ان کے لیے کینہ رکھنے لگا۔ (ابن اثیر: ۳/۱۳۵)

کچھ عرصہ بعد اس نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے جہاد کی اجازت طلب کی آپ نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ مصر چلا گیا۔ وہاں عبداللہ بن سباء کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں اس کے کینے اور نفرت میں اور اضافہ کیا۔ اسی اثناء میں محمد بن ابی بکر سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ ان دونوں نے باہم مل کر گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف غلط پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ ایک دو مرتبہ گورنر مصر نے ان دونوں کی بابت دربار خلافت میں شکایت بھی کی لیکن آپ نے کوئی خاص توجہ نہ فرمائی یہاں تک کہ ان دونوں کے خلاف حکومت کی کارروائیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

شوال 35 ھ میں جب مصر کے سبائی عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر اللیثی، سودان بن حمران السکونی، قیترہ بن فلان اور غافقی بن حرب کی سرکردگی میں یورش کے لیے مدینہ طیبہ آئے تو مصر کے گورنر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ بھی ان کے تعاقب میں عازم مدینہ ہوئے۔ گورنر مصر کی غیر حاضری میں محمد بن حذیفہ نے مصر پر قبضہ کرلیا۔ اسی اثناء میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان باغیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

36 ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی حذیفہ کی سرکوبی کے لیے مصر کی طرف پیش قدمی کی۔ محمد بن ابی حذیفہ ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے منجنیق کے ذریعہ قلعہ پر سنگ باری کی۔ محمد اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ باہر نکلا اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی فوج کے ہاتھوں اپنے ساتھیوں سمیت قتل ہو گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۵۰، طبری: ۳/۴۲۹، ابن اثیر: ۳/۱۳۶)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جب مصر پر چڑھائی کے لیے کہا تو ساتھ ہی محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا:

لانه من اكبر عوان على قتل عثمان مع انه كان قدرباه و كفله و احسن اليه.

''قتل عثمان کا وہ سب سے بڑا معاون ہے حالانکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی پرورش اور کفالت فرمائی اور اس کے ساتھ بہت احسانات کیے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۵۰)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے سلسلہ میں ایک اور روایت نقل کی ہے کہ ''محمد بن ابی حذیفہ محمد بن ابی بکر کے قتل کے بعد پکڑا گیا''۔

و كان من جملة المحرضين على قتل عثمان

''وہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر لوگوں کو ترغیب دینے والوں میں سے ایک تھا۔''

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنے میں جلدی نہ کی بلکہ اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا کیونکہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ماموں زاد بھائی تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے فلسطین کے ایک قید خانہ میں قید کر دیا۔ لیکن وہ کچھ دنوں کے بعد قید خانہ سے بھاگ نکلا۔ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن ظلام نے اس کا تعاقب کیا۔ محمد بن ابی حذیفہ ایک غار میں چھپ گیا۔ کچھ جنگلی گدھے اس غار میں پناہ لینے کے لیے آئے لیکن محمد بن ابی حذیفہ کو غار میں دیکھ کر واپس بھاگ گئے۔ جب کسانوں کی ایک جماعت نے گدھوں کو اس طرح بھاگتے ہوئے دیکھا تو وہ بہت متعجب ہوئے۔ لہٰذا وہ اس غار کے پاس آئے۔ دیکھا کہ محمد بن ابی حذیفہ وہاں چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا اور عبداللہ بن عمرو بن ظلام کے حوالے کر دیا۔ عبداللہ نے اس خیال سے کہ اگر اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹایا گیا تو شاید وہ کہیں اسے معاف نہ کر دیں۔ خود اس کی گردن مار دی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۳۱۵، ابن اثیر: ۳/۱۳۶)

علامہ کشی نے اپنے کتاب ''رجال'' میں محمد بن ابی حذیفہ کی موت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے گرفتار کرلیا اور قتل کے ارادے سے اسے زمانہ دراز تک قید خانے میں محبوس رکھا۔ یہاں تک کہ وہ اسی قید خانے میں مر گیا۔''

(رجال کشی:۱۳۶)

بہرحال وہ قتل کیا گیا یا قید خانے میں مر گیا۔ اتنی بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی اعانت کی پاداش میں مارا گیا۔ اور یوں قدرت خداوندی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا اس سے قصاص لیا۔

⑥ حکیم بن جبلہ:

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے۔ یہ بصرہ کا مشہور ڈاکو تھا۔ عبداللہ بن سباء ایسے ہی آدمیوں کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ اپنے بصرہ کے دورہ میں اس کی نگاہ انتخاب اس پر پڑی۔ یہ اسی کے گھر میں ٹھہرا اور وہیں اپنی تحریک کو منظم بنیادوں پر استوار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ ان لوگوں کا امیر اور سرغنہ تھا جو بصرہ سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے کے لیے آئے تھے اور جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر وہ واپس چلے گئے تو یہ مالک الاشتر کے ساتھ مدینہ طیبہ ہی میں رہ گیا تھا۔ اپنے قیام مدینہ کے دوران ان دونوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قتل کی راہ ہموار کرنے کے لیے خط کی سازش کی تھی۔ (طبری:۳/۳۸۶، ۴۰۸)

یہ تو کردار اس کا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جنگ جمل میں اس نے نہایت گھناؤنا کردار ادا کیا اور وہاں کئی مواقع پر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں توہین آمیز کلمات کہے اور جس کسی نے اسے اس فعل شنیع سے روکا، اس نے اسے اپنے نیزہ سے قتل کر دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری:۳/۴۸۳، ابن اثیر:۳/۱۰۹)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگ جمل میں حکیم بن جبلہ نے جب لڑائی کا آغاز کیا تو سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے بصری دشمنوں کو ہمارے لیے جمع کر دیا۔ اے اللہ ان میں سے کسی کو بھی زندہ باقی نہ رکھ۔

بہت زور کا زن پڑا۔ حکیم بن جبلہ تلوار ہاتھ میں لیے دائیں بائیں لڑ رہا تھا کہ ایک شخص نے اپنی تلوار سے اس کی ٹانگ کاٹ دی۔ ٹانگ کٹتے ہی وہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر کے خلاف واہی تباہی بکنے لگا۔ اس پر ایک شخص نے کہا:

''اے خبیث! اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو دردناک اور عبرتناک عذاب میں مبتلا کیا کیونکہ تم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوم شہید کیا امت مسلمہ میں تشتت وافتراق پیدا کیا اور امام مظلوم رضی اللہ عنہ کے مقدس خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کیا۔ لہٰذا اب تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور انتقام کا مزہ چکھ۔

(طبری:۳/ ۴۸۷، ابن اثیر:۳/۱۱۱۔۱۱۲)

یہ بدبخت صرف اکیلا ہی نہیں مارا گیا تھا بلکہ اس کے ساتھ اس کا بڑا لڑکا اور اس کا بڑا بھائی رعل بن جبلہ بھی مارا گیا۔ (ابن اثیر:۳/۱۱۲)

کہتے ہیں کہ اس کو ضخیم نامی شخص نے قتل کیا تھا۔ (ابن اثیر:۳/۱۱۲)

اور قتل کیسے کیا؟ طبری نے اس کی تفصیل بھی بیان کی ہے کہ:

فمال راسه فتعلق بجلده فصار وجهه في قفاه

''اس کا سر اس طرح مروڑا کہ ایک طرف سے چمڑے سے لٹکا رہ گیا اور اس کا منہ گدی کی طرف لگ گیا۔'' (طبری:۳/۴۹۰)

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ بصرہ میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے منادی نے اعلان کیا کہ تم میں سے جن لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مدینہ طیبہ میں جا کر جنگ کی تھی۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا یا اس میں معاونت کی تھی انہیں ہمارے پاس لایا جائے تاکہ ہم ان سے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لیں۔ اس آواز کا سننا تھا کہ:

فجئي بهم كما يجاء بالكلاب فقتلوا

''لوگ انہیں کتوں کی طرح گھسیٹ کر لے آئے اور انہیں قتل کر دیا۔''

(طبری:۳/۴۸۸)

ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ نہ صرف حکیم بن جبلہ قاتل عثمان رضی اللہ عنہ مارا گیا بلکہ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ جو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک تھے قتل کیے گئے۔ (ابن اثیر:۳/۲۱۲)

⑦ عبدالرحمٰن بن عدیس:

عبدالرحمٰن بن عدیس بھی سیدنا عثمان کے قاتلین میں سے تھا۔ یہ ان لوگوں کا قائد تھا جو مصر سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کیخلاف یورش کر کے آئے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۲/۷، طبری: ۳۸۵/۳)

پھر مدینہ طیبہ میں ان شورش پسندوں نے جو طوفان بدتمیزی اٹھایا، عبدالرحمٰن بن عدیس بھی ان کے ساتھ برابر کا شریک تھا۔ مصر میں بھی اس بدبخت نے کنانہ بن بشر، عبداللہ بن سباء اور سودان بن حمران کے ساتھ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف نفرت کے جذبات کی آبیاری کی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے کی اجازت دی نے پر اس شقی نے نائلہ رضی اللہ عنہا کو سب وشتم کیا: (طبری: ۴۴۰/۳)

علامہ محب الدین الخطیب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

وكان عبدالرحمن بن عديس في مده الحصار شديد الوطاه على امير المومنين عثمان واهل بيته.

''عبدالرحمٰن بن عدیس محاصرہ کے زمانہ میں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں پر بہت سختی کرتا تھا۔'' (العواصم من القواصم: ۱۲۳، تعلیقہ)

اللہ رب العزت نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے قتل کا اس سے خود انتقام لیا۔ کیسے انتقام لیا اس کو الخطیب نے یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس کا انجام کیا ہوا؟ قتل اور یہ قتل جلیل کے پہاڑ کے قریب ہوا جو حمص میں واقع ہے۔''

اور قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ:

لقيه احد الاعراب، فلما اعتراف بانه من قتله عثمان بادر بقتله.

''اسے ایک بدو ملا۔ جب اس نے اس کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں سے ہے تو اس نے فوری طور پر اسے قتل کر دیا۔''

(العواصم من القواصم: ۱۲۳، تعلیقہ)

⑧ عمرو بن الحمق:

عمرو بن الحمق بھی ان لوگوں میں سے تھا جو دیوار پھاند کر قصر خلافت میں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے داخل ہوئے۔ اور یہی وہ شخص تھا جس نے امام مظلوم کے سینہ پر بیٹھ کر نیزے کے نو وار کیے تھے۔ (طبری: ۳/۴۲۴، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۵)

بعض حضرات نے اسے صحابی لکھا ہے:

(تہذیب التہذیب: ۸/۲۴، تجرید اسماء الصحابہ: ۱/۴۳۶، اصابہ: ۴/۲۹۴)

اس کے اسلام کے بارہ میں دو روایات ہیں:

''ایک یہ کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مسلمان ہوا۔''

''دوسری یہ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر اسلام قبول کیا۔'' (اصابہ: ۴/۲۹۴)

اگر چہ حافظ بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ دیا ہے کہ لہ صحبہ (صحابی ہیں) لیکن دلائل کی روشنی میں ہمیں اس سے اختلاف ہے۔

① حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ان کا صحابی ہونا لکھا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے:

سکن الکوفۃ ثم مصر قتل فی خلافۃ معاویۃ.

''کوفہ میں سکونت اختیار کی پھر مصر میں اور خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں قتل ہوئے۔

(تقریب التہذیب)

② جلیل القدر مورخین اور علماء نے صراحت کے ساتھ اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں کوئی بھی صحابی نہ تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے:

''امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بالاجماع صحیح ہے اور آپ مظلوم قتل ہوئے اور آپ کے قاتل فاسق تھے کیونکہ قتل کے موجبات مضبوط ہونے چاہئیں اور آپ سے ایسی کوئی چیز سرزد نہیں ہوئی۔ (جس کی وجہ سے آپ کو قتل کرنا جائز ہوتا) اور آپ کے قتل میں کوئی صحابی رسول شریک نہیں تھا بلکہ آپ کے قاتلین کمینہ اور ذلیل صفت اور اوباش قسم کے لوگ تھے جو قبائل میں بدی کرنے پر ہروقت تلے رہتے تھے اور اطراف و جوانب کے سفلہ خصلت اور رذیل لوگ

تھے۔" (قره العينين فى تفضيل الشيخين: ۱۴۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شرکت کے بارہ میں علامہ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان احدا من الصحابه لم يسع عليه و لاقعد عنه

"یہ حقیقت ہے کہ کوئی صحابی بھی نہ تو آپ کی مخالفت میں سرگرم عمل ہوا اور نہ ہی آپ کی حمایت وحفاظت کے فریضہ سے کنارہ کش ہوا۔

(العواصم من القواصم: ۱۳۶، ۱۳۷)

اسی طرح علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات سراسر غلط ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم قتل عثمان میں شریک تھے یا وہ آپ کے قتل سے خوش تھے۔ چنانچہ علامہ لکھتے ہیں:

"یہ جو بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو باغیوں کے حوالے کر دیا تھا اور آپ کے قتل سے وہ خوش تھے۔ تو یہ بات کسی بھی صحابی سے صحیح طور پر ثابت نہیں، کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے راضی تھا بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے قتل کو نفرت اور کراہت کی نگاہ سے دیکھا اور قاتلوں سے بہت ناراض ہوئے اور جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا ان کے اس غلط فعل کی وجہ سے ان کو برا بھلا کہا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۹۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو نہایت بلند مقام کے حامل ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کوئی اچھا مسلمان بھی قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک نہ ہوا۔ چنانچہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ اچھے مسلمانوں میں سے ایک بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک نہ ہوا۔ نہ تو خود قتل کیا اور نہ قتل کا حکم دیا۔ بلکہ انہیں مفسدین کی ایک جماعت نے شہید کیا جو اوباش قبائل اور فتنہ پرداز لوگوں پر مشتمل تھی۔

(منہاج السنۃ: ۲/ ۱۸۶)

محققین کی ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن الحمق صحابی نہیں تھا کیونکہ اس کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ہونا بالکل عیاں ہے بلکہ یہ ایسا قاتل تھا جس نے آپ کے سینے پر چڑھ کر نیزے کے نو وار کیے تھے۔ لہٰذا یہ صحابی نہ تھا اور جن لوگوں نے ان کا صحابی

ہونا لکھا ہے ان سے خطاء سرزد ہوئی ہے کیونکہ کوئی صحابی بھی جس کی آنکھوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس کو دیکھا ہے ایک خلیفہ ارشد اور داماد رسول کے قتل کا گھناؤنا جرم نہیں کرسکتا۔

اس شخص سے بھی اللہ تعالیٰ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا انتقام لیا۔ ہوا یہ کہ جب زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی کو گرفتار کرلیا تو اب اس کے ساتھیوں کی تلاش شروع ہوئی۔ عمرو بن الحمق رفاعہ بن شداد کے ساتھ موصل بھاگ گیا اور دونوں وہاں ایک پہاڑی میں روپوش ہوگئے۔ موصل کے گورنر کو جب اس بات کا پتہ چلا تو وہ ان کی طرف روانہ ہوا اور وہ اس کے مقابلے کو نکلے۔ عمرو کو استقاء ہوگیا تھا اس لیے وہ اپنی حفاظت پر قادر نہ تھا۔ مگر رفاعہ بن شداد مضبوط اور توانا آدمی تھا اس نے اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر عمرو بن الحمق کی طرف سے بھی لڑنا شروع کیا۔ عمرو نے کہا کہ تمہارا میری طرف سے لڑنا مجھے کچھ فائدہ نہ دے گا۔ تم اپنی جان بچاؤ۔ عمرو گرفتار ہوگیا۔ سپاہیوں نے اسے گرفتاری کے بعد موصل کے گورنر عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ عنہ ثقفی معروف باابن الحکم جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے، کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے اسے پہچان لیا اور اس کے بارہ میں سیدنا معاویہ کو خط لکھا۔ جواب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ اس شخص نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ایک لمبے پھل والے نیزے سے نو وار کیے تھے۔ تم بھی اس کو اسی طرح نیزے سے چھیدو۔ چنانچہ اسے باہر نکال کر نیزوں کا نشانہ بنایا گیا۔

فمات فی الاولی منھن والثالثة

''چنانچہ وہ پہلے یا تیسرے نیزے سے مرگیا۔''

اس طریقے سے اس نے اپنے کیے کی سزا پائی۔ اس کی قبر موصل میں ہے اور اس کا قتل 51ھ میں ہوا۔ (ابن اثیر: ۳/۱۸۷، طبری: ۳/)

ایک روایت کے مطابق وہ مصر میں قتل ہوا اور اس کی قبر بھی مصر ہی میں ہے۔

⑨ ذریع بن عباد اور ابن المحرش:

ذریح بن عباد اور ابن المحرش بھی بصرہ سے آنے والے باغیوں کے امیر تھے۔ حکیم بن جبلہ جس معرکہ میں مارا گیا تھا یہ دونوں بھی اسی معرکہ میں قتل ہوئے اور اللہ عزیز ذوانتقام نے اس طرح ان دونوں سے انتقام لیا۔ طبری کے بیان کے مطابق ...... ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے

خلاف مدینہ طیبہ جا کر لڑنے والے سارے بصری قتل کر دیئے گئے سوائے حرقوص بن زہیر کے۔'' (طبری:۳/۴۸۶)

⑩ عمیر بن ضابی:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں میں بصرہ اور مصر باغیوں کے علاوہ کوفہ کے کچھ لوگ بھی شامل تھے جن کا سربراہ مالک الاشتر تھا۔ مالک کے بعد عمیر بن ضابی ایک ایسا شخص تھا جس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اور یہ جب کوفہ سے چلا تھا تو اس کا ارادہ ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا تھا۔ یہ اس قدر شقی، بدبخت، اور ظالم تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب شہید کر دیا گیا تو اس بدبخت نے آپ کی نعش مبارک پر بھی حملہ کیا اور آپ کی ایک پسلی توڑ دی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۱، طبری:۳/۴۳۱)

یہ شقی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے تو بچ گیا لیکن 75ھ میں جب امیر المومنین عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ نے حجاج بن یوسف ثقفی کو عراق کا گورنر بنایا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ مہلب بن ابی صفرہ کی مدد کرو کیونکہ وہ خارجیوں سے لڑ رہے ہیں اس پر عمیر بن ضابی اٹھا اور کہا کہ میں ضعیف اور بیمار ہوں اور میرے یہ دو بیٹے جوان ہیں ان میں سے ایک یا دونوں کو لے لو۔ حجاج بن یوسف نے پوچھا۔ ''تم کون ہو'' اس نے کہا کہ ''میں عمیر بن ضابی ہوں۔'' کہا کہ کیا کل تم نے ہماری بات سنی؟ اس نے کہا ''ہاں'' حجاج نے کہا ''کیا تم وہی ہو جس نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ان کے قتل میں شریک ہوئے تھے؟ اس نے کہا ''ہاں'' حجاج بن یوسف نے پوچھا۔ ''تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس شقی نے کہا کہ انہوں نے میرے باپ کو قید کیا تھا یہاں تک کہ وہ قید ہی میں مر گیا۔ حجاج بن یوسف نے کہا کہ اگرچہ تمہارا بیٹا تم سے ہمارے لیے بہتر ہے لیکن میں تیرے قتل کو مصریوں کے حق میں بہتر سمجھتا ہوں۔ چنانچہ حجاج نے اس کی گردن مارنے اور مال ضبط کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

(ابن اثیر:۴/۱۴۶، التمہید والبیان:۲۲۹)

⑪ کمیل بن زیاد:

عمیر بن ضابی کو قتل کرنے کے بعد حجاج نے پوچھا کہ کیا کوفہ میں کوئی اور بھی ہے

جس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تھا۔ کہا گیا ''ہاں کمیل بن زیاد'' حجاج نے اسے دربار میں حاضر ہونے کے لیے کہا لیکن وہ بھاگ کر نخع چلا گیا۔ حجاج نے اس کا محاصرہ کیا لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کی قوم پر زمین تنگ ہو رہی ہے تو وہ خود حجاج کے پاس آ گیا۔ حجاج نے کہا کہ تو وہی ہے جس نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا؟ اس کے اقرار پر حجاج نے اس کی گردن مارنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ ادھم بن الحزر نے اسی وقت اس کی گردن ماردی۔ (طبری:۳/۴۳۲، التمہید والبیان:۲۳۰)

⑫ جہجاہ الغفاری:

آپ کو اذیت پہنچانے والوں میں ایک شخص جہجاہ الغفاری تھا۔ اس نے مدینہ طیبہ پر باغیوں کی یورش کے ایام میں ایک روز جب کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ سے آپ کا عصا چھین کر توڑ دیا تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو منبر رسول سے اتار دیا تھا۔

اللہ رب العزت نے اس کو اس طرح سزا دی کہ جس گھٹنے پر رکھ کر وہ عصا اس نے تڑا تھا اس پر ایک ایسا دنبل اور پھوڑا نکل آیا جو گوشت کو کھاتا جاتا تھا۔ پھر اس میں کیڑے پڑ گئے اور اسی طرح وہ ذلیل و خوار ہو کر مرا۔ (طبری:۳/۴۰۰)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے بارہ سالہ دور خلافت میں جن حضرات کو مختلف صوبوں میں اپنا گورنر مقرر فرمایا ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

① مکۃ المکرمہ...... مختلف مواقع پر چار حضرات گورنر رہے۔

(i) خالد رضی اللہ عنہ بن العاص بن ہشام المخزومی۔ (الاستیعاب تحت ترجمہ خالد بن العاص رضی اللہ عنہ)

(ii) علی رضی اللہ عنہ بن عدی بن ربیعہ (تجرید اسماء الصحابہ:۱/۱۵۶)

(iii) عبداللہ بن عمرو الحضرمی (تاریخ یعقوبی:۳/۱۸۶)

(iv) عبداللہ بن حارث بن نوفل الہاشمی

② طائف...... قاسم بن ربیعہ الثقفی رضی اللہ عنہ

(ابن اثیر:۳/۴۴۵، یعقوبی:۶/۱۷۶ طبری تحت عمال عثمان)

③ صنعا (یمن)...... یعلی بن منیۃ التمیمی رضی اللہ عنہ (طبری:۳/۴۴۵، یعقوبی:۲/۱۷۶)

④ الجند...... (یمن)...... عبداللہ بن ابی ربیعۃ المخزومی رضی اللہ عنہ

(طبری:۳/۴۴۵، ابن اثیر:۳/۱۸۶)

⑤ صنعا (شام)...... ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ

⑥ حمص...... عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (ابن اثیر:۳/۱۸۶)

⑦ قنسرین...... حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ عنہ (طبری:۳/۴۶)

⑧ اردن...... ابوالاعور بن سفیان رضی اللہ عنہ

⑨ فلسطین...... علقمہ بن حکیم الکنانی رضی اللہ عنہ

⑩ قرقیساء...... جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (ابن اثیر:۳/۱۸۶، طبری:۳/۴۴۵)

(۱۱) آذربائیجان......اشعث بن قیس الکندی رضی اللہ عنہ (ابن اثیر:۳/۱۸۶)

(۱۲) حلوان......عتیبہ بن النہاس رضی اللہ عنہ (طبری:۳/۴۴۶)

(۱۳) ماہ......مالک بن حبیب رضی اللہ عنہ (ابن اثیر:۳/۱۸۷)

(۱۴) ہمذان......النسیر (طبری:۳/۴۴۶،ابن اثیر:۳/۱۸۷)

(۱۵) رے......سعید بن قیس رضی اللہ عنہ (ایضا)

(۱۶) اصفہان......سائب بن الاقراع رضی اللہ عنہ (طبری:۳/۴۴۶)

(۱۷) ماسبذان......جیش رضی اللہ عنہ (ابن اثیر:۳/۱۸۷،طبری:۳/۴۴۶)

(۱۸) قومس......جبلہ بن حیوۃ الکنانی رضی اللہ عنہ

(۱۹) موصل......حکیم بن سلامہ رضی اللہ عنہ

(۲۰) بصرہ......عبداللہ بن عامر بن کریز الاموی رضی اللہ عنہ

(ابن اثیر:۳/۱۸۶،مروج الذہب:۲/۳۴۴)

21 کوفہ

(i) پہلے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تھے۔(ابن اثیر:۳/۱۸۶،یعقوبی:۲/۱۷۲)

(ii) پھر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گورنر بنے۔

(iii) پھر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ گورنر مقرر ہوئے۔

(iv) پھر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر بنائے گئے۔

(v) اور آخر میں ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ گورنر ہوئے۔

-22 مصر......

(i) پہلے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر تھے۔(طبری:۳/۴۴۶)

(ii) پھر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ (یعقوبی:۲/۱۷۶،مروج الذہب:۲/۳۴۴)

-23 شام......سیدنا معاویہ بن ابی سفیان الاموی رضی اللہ عنہ

(طبری:۳/۴۴۶،مروج الذہب:۲/۳۴۴)

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل حضرات مختلف عہدوں پر مقرر تھے۔

(i) رئیس البحریہ......عبداللہ بن قیس الکنانی رضی اللہ عنہ

(ii) بیت المال......عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

(iii) قضاء دمشق......ابوالدرداء الانصاری رضی اللہ عنہ

(iv) خراج کوفہ......جابر بن عمرو المزنی اور سماک الانصاری

(v) حرب کوفہ......قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری:۵/۱۴۸، ابن الاثیر:۳/۹۵، تاریخ خلیفہ بن خیاط:۱/۱۵۶، التمہید والبیان:۱۵۰، تاریخ یعقوبی:۲/۱۷۶، البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۵۱، الاصابہ:۲/۳۵۲، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ:۳/۱۹۱، سیر اعلام النبلاء:۳/۱۳)

علاوہ ازیں آپ نے سیدنا مروان بن الحکم الاموی رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب اور منشی مقرر فرمایا۔ ان حضرات میں سے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ لہٰذا قدیم اور جدید سبائیوں نے انہیں اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا اور ساتھ ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو بھی مجروح کرنے کی کوشش کی۔ اور کہا کہ ان لوگوں کو صرف اپنا قریبی رشتہ دار سمجھتے ہوئے گورنر بنایا گیا۔ بذات خود ان حضرات میں کوئی خوبی نہیں تھی۔ لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو ان کی قابلیت کی وجہ سے مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا نہ کہ قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے، اور ان حضرات کی کارکردگی اور خدمات نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ یہ واقعی ان عہدوں کے مستحق اور سزاوار تھے اور انہوں نے اسلام اور اہل اسلام کے لیے وہ خدمات جلیلہ سر انجام دیں جن کے لیے تاریخ کے صفحات تا قیامت ان کی خدمات کو سراہتے رہیں گے۔ ان حضرات کی قابلیت کی وجہ سے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن کی موجودگی میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان کو مختلف خدمات پر مامور فرمایا تھا، کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ کئی مواقع پر ان حضرات کی قیادت وسیادت میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہایت خوش دلی کے ساتھ جہادی خدمات سرانجام دیں۔

چونکہ ان حضرات کو معترضین اپنی تنقید کا ہدف اور ان کی وجہ سے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی مطعون کرتے ہیں لہٰذا ہم آئندہ صفحات میں ان حضرات کی خدمات اور چند فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں تاکہ معترضین اور عام لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ یہ حضرات کوئی معمولی انسان نہیں تھے بلکہ نہایت اعلیٰ کردار کے مالک اور تدین میں اعلیٰ اور بلند مقام کے حامل تھے۔

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان گورنر شام:

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بنو امیہ کے ایک گوہر تابدار اور اسلام کے بطل جلیل تھے۔ آپ بہادری، شجاعت، حلم و بردباری، سخاوت اور اصابت رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے والد ابوسفیان نے آپ کی تربیت بڑے اچھے طریقے سے کی اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ دنیا کی کوئی خوبی ایسی نہ ہو جس سے ان کا بچہ محروم رہے۔

جس طرح آپ کی سیرت و کردار اعلیٰ تھے اسی طرح آپ کی شکل و صورت میں بھی ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی۔ رنگ سرخ سفیدی کا امتزاج، چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی، چتون شیر کی مانند اور چال ڈھال میں ایک خاص قسم کا رعب اور تمکنت تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ چنانچہ اپنے اوصاف حمیدہ اور خصائل رفیعہ کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں ایک بلند مقام کے حامل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص دعاؤں سے انہیں نوازا تھا۔ ایک موقع پر فرمایا:

اللھم اجعله هاديا مهديا واهديا

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دینے والا، ہدایت پر قائم رہنے والا اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔''

(تاریخ بغداد: ۲۰۸، ترمذی: ۲/ ۲۴۷، التاریخ الکبیر لامام البخاری: ۴/ ۳۲۷، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۲۱، اسد الغابہ: ۴/ ۳۸۶، طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۳۶)

ایک اور موقع پر فرمایا:

اللھم علمه الكتاب ومكن فى البلاد

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب کا علم فرما اور مختلف شہروں میں اسے حکومت عطا فرما۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۲۱)

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ رباح بن جراح موصلی کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو معافی بن عمران سے یہ پوچھتے سنا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کیسے ہیں۔ یہ سن کر وہ سخت غصے میں آ گئے اور فرمایا:

لایقاس باصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد، معاویہ صاحبہ وصہرہ وکاتبہ و امینہ علی وحی اللہ عزوجل و قال رسول اللہ علیہ وسلم دعولی اصحابی و اصھاری فمن سبھم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین.

''اصحاب رسول کے ساتھ کسی کا مقابلہ نہ کرو۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور برادر نسبتی، آپ کے کاتب اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے امین تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے اصحاب اور میرے سسرال کو مجھ پر چھوڑ دو۔ جس نے ان میں سے کسی کو بھی برا بھلا کہا...... اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ (تاریخ بغداد: ۱/۲۰۹)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جانے کی باری تھی کہ کسی نے آپ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا کہ ''معاویہ رضی اللہ عنہ'' فرمایا اندر آ جاؤ۔ جب یہ اندر آئے تو ان کے کانوں میں قلم تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیسا قلم ہے؟ عرض کیا یہ قلم میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تمہیں بہترین جزاء عطا فرمائے۔ بخدا! میں نے تجھے لکھنا صرف اس لیے سکھایا تاکہ تو وحی کو قلم بند کرے۔ میں کوئی بھی کام اللہ کی وحی کے بغیر نہیں کرتا۔ اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اللہ تجھے خلافت کی قمیص پہنائے گا؟ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ! ان کو اللہ خلافت کی قمیص پہنائے گا؟ فرمایا ضرور، لیکن اس میں کچھ دشواریاں اور پریشانیاں بھی ہیں۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یارسول اللہ! ان کے لیے دعا فرمائیے!

آپ نے فرمایا:

اللھم اھدہ بالھدی وجنبہ الردی واغفرلہ فی الاخرۃ والاولی

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرما اور پریشانیوں سے دور رکھ اور دنیا و آخرت میں اس کی مغفرت فرما۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۲۰)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ہی نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللھم علمه الکتاب ومکن له فی البلاد وقه العذاب

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اللہ کا علم سکھا اور اس کو شہروں میں حکومت عطا فرما اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۲۱، الاستیعاب: ۳/ ۳۸۱)

امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں اس دعا کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

اللھم علم معاویة الحساب وقه العذاب

''اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو حساب سکھا اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔''

(التاریخ الکبیر: ۴/ ۳۲۸، کنزل العمال: ۷/ ۸۷)

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آپ صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضاء کے درمیان ایمان لائے۔ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے:

اسلم قبل الفتح و کتب الوحی

''معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور وحی کی کتابت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ (تقریب التہذیب: ۳۵۷)

لیکن بعض وجوہ کی بناء پر اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ (فتح الباری: ۷/ ۸۲)

چنانچہ خود فرماتے ہیں:

اسلمت یوم عمرة القضاء ولکنی کتمت اسلامی من ابی الی یوم الفتح.

''میں عمرۃ القضا کے روز اسلام لایا تھا لیکن اپنے والد کے خوف سے فتح مکہ تک اسلام کو چھپائے رکھا۔

(نسب قریش: ۱۲۴، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۲۱، ۱۱۸، تاریخ بغداد: ۱/ ۲۰۷)

آپ نے اگرچہ اپنے اسلام کو مخفی رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن پھر بھی آپ کے والد کو آپ کے اسلام لانے کا علم ہو گیا اور آپ سے کہا:

ھذا اخوک یزید وھو خیر منک علی دین قومه

''تم سے تو تمہارا بھائی یزید رضی اللہ عنہ ہی اچھا ہے جو اپنی قوم کے دین پر قائم ہے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۱۷، طبقات ابن سعد: ۷/ ۱۲۸)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ:

”میں عام القضیہ (قضائے عمرہ کا سال) کو ایمان لایا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اس حال میں کہ میں مسلمان تھا لیکن اپنے اسلام کو والد اور والدہ سے چھپائے رکھا۔“

(اسد الغابہ:۴/ ۳۸۵،تاریخ الاسلام ذہبی:۲/ ۳۱۸،تاریخ بغداد:۱/ ۲۰۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ 6 ھ اور 8 ھ کے درمیان ایمان لائے لیکن اپنے اسلام کا اظہار اس روز کیا جب آپ کے والد محترم سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ بھی دولت ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ چنانچہ آپ کے اسلام کے بارہ میں مشہور مؤرخ مصطفیٰ بک نجیب لکھتے ہیں:

”جہاں تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے ان کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا جو جنگ بدر کے موقع پر ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان آپ نے فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا۔“ (حماۃ الاسلام:۱/۱۶۳)

اسلام لانے کے بعد جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوۃ والتحیات کی بارگاہ میں نہایت اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ آپ نے انہیں ”قوی امین“ (طاقتور اور امانتدار) فرمایا:

(البدایۃ والنہایۃ:۸/۱۲۲)

کبھی فرمایا:

ان معاویۃ لایصاع احدا الاصرعہ معاویۃ

”معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو بھی لڑے گا معاویہ رضی اللہ عنہ اسے پچھاڑ دے گا۔“

(کنز العمال:۷/ ۸۷)

کبھی فرمایا:

یبعث اللہ تعالی معاویۃ یوم القیامۃ وعلیہ رداء من نور الایمان

”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں اٹھائیں گے کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہوگی۔“ (کنز العمال:۶/ ۱۹۰)

آپ کے امین ہونے کی وجہ سے ہی آپ نے انہیں کتابت وحی کے منصب جلیلہ پر سرفراز فرمایا۔

(جوامع السیرہ:۲۷، زاد المعاد:۱/۳۰،الاصابہ:۳/۴۱۲،تقریب التہذیب،۲۵۷، کنز العمال:۲/۲۴۹،البدایۃ والنہایۃ:۸/۱۱۸،اسد الغابہ:۴/۳۸۵)

چنانچہ شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

کان (معاویة) احد کتاب رسول الله صلی الله علیه وسلم

''معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے۔'' (ابن ابی الحدید:۱/۳۳۸)

اسی طرح دوسرا شیعہ مؤرخ ابن طقطقی نے لکھا ہے:

واسلم معاویة وکتب الوحی فی جملة من کتبه بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور دوسرے کاتبان وحی کے ساتھ کتابت کرتے رہے۔'' (الفخری:۷۶)

علامہ الخضری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''معاویہ رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں وحی کی کتابت کے لیے پابندی کے ساتھ حاضر رہتے تھے اوران دونوں کواس کے سوا کوئی اورکام نہ تھا۔ (تاریخ التشریع الاسلامی:۱۲)

ابن حزم الاندلسی نے ''جوامع السیرہ:۲۷اور''برہان الدین الحلبی'' نے ''سیرۃ الحبیلہ:۳/۳۶۴ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

عہد رسالت کے بعد دور صدیقی میں بھی یہ نابغہ اسلام اولین صفوں میں تھا، چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب آپ کے بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ شام بھیجے جانے والے لشکر کے امیر بنائے گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس لشکر کے ہراول دستہ کے علم بردار مقرر ہوئے۔ (''محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ:۴/۴۷۱،فتوح البلدان:۴۸، حیواہ الحیوان الدمیری:۱/۱۷، تاریخ الخمیس:۲/۲۲۵، ہسٹری آف دی عزیز، ہیٹی انگریزی:۱۴۸) خلافت صدیقی میں آپ کو بعض موقعوں پر خود بھی قیادت کے فرائض سرانجام دینے کا موقع ملا۔ (فتوح البلدان:۱۲۳) اور آپ نے نہایت احسن طریق سے اس ذمہ داری کو ادا کیا اور اپنے مافوق لوگوں پر اپنی ثقاہت اور خود اعتمادی اور اپنے ماتحت لوگوں پر اپنی شفقت، حسن تدبر اور حسن انتظام کا سکہ بٹھا دیا۔

یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی آپ کے قوائے عملیہ کی تربیت اور اس پر آپ کے والد ماجد سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بچپن کی بہترین تربیت، ان دونوں تربیتوں نے آپ کو علم وعمل کے لحاظ سے ایک پختہ انسان بنا دیا اور رعیت پر شفقت اور تدبیر مملکت میں دقت نظری اور امور انتظامیہ میں عواقب پر نگاہ رکھنے کا ایک بہترین ملکہ پیدا کر دیا اور اسلام کی برکات نے ان کو باہیبت، عزم واستقلال اور شجاعت وبسالت کا مجسمہ بنا دیا۔ (دول الاسلام: ۱/۲۴)

عہد صدیقی کے تربیتی دور میں جو کمالات آپ نے حاصل کیے ان کے جوہر دکھانے کا موقع آپ کو عہد فاروقی میں میسر آیا۔ شروع شروع میں تو آپ نے اپنے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بہادرانہ کارنامے سرانجام دیے چنانچہ صیدا عرفہ اور بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی مہم میں یزید ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مقدمتہ الجیش کی کمان آپ ہی کے ہاتھوں میں تھی...... اور ان علاقوں کے اکثر وبیشتر حصے کی فتح آپ ہی کی مرہون منت ہے، خصوصی طور پر عرفہ کا علاقہ تو تمام تر آپ ہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ قیساریہ کا معرکہ جس میں پہلے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سترہ ہزار فوج کے ساتھ خود تشریف لے گئے اور بعد میں اپنے بھائی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر واپس فلسطین لوٹ آئے۔

(فتوح البلدان: ۱۴۷)

یہ معرکہ آپ ہی کے ہاتھوں سر ہوا اور اس میں رومیوں کے اسی ہزار سپاہی مارے گئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ قیساریہ کے معرکہ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا تھا اور آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

انی قد ولیتک قیساریة فسر الیها واستنصر الله واکثر من قول لاحول ولاقوة الا بالله

"میں تمہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں۔ تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرو اور لاحول ولاقوہ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا کرو۔" (خط الشام: ۱/۱۲۳)

ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپسی پر دمشق تشریف لے گئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی شان وشوکت سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ شان وشوکت اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ ناپسند فرماتے ہوئے

پوچھا، معاویہ رضی اللہ عنہ! تم نے یہ سادگی کیوں چھوڑ دی ہے؟...... آپ نے جواب میں عرض کیا:

انا بارض جواسیس العدو فیھا کثیرة فیجب ان تظھر من عز السلطان مایکون فیھا عز الاسلام واھلہ ونرھبھم بہ

(''امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس ہر وقت کثیر تعداد میں رہتے ہیں، لہٰذا ان کو مرعوب کرنے کے لیے ظاہری شان وشوکت دکھانا نہایت ضروری ہے...... میں اسلام اور اہل اسلام کی بھی عزت ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۲۴/۸، مقدمہ ابن خلدون: ۲۳۲، کتاب الاعلام: ۵۲/۳)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ حکیمانہ جواب سن کر سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ سے کہا ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! دیکھئے کس احسن طریق سے انہوں نے اپنے آپ کو الزام سے بچالیا ہے۔'' امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''اسی لیے تو ہم نے ان کے کاندھوں پر یہ بارگراں ڈالا ہے۔''

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جو اپنے گورنروں سے معمولی معمولی باتوں پر گرفت فرماتے تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب سے مطمئن ہو جانا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت کی دلیل ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل کی گہرائیوں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کتنا مقام تھا۔ اور انہیں ان کی عقل وفراست پر کس قدر اعتماد تھا چنانچہ الاستاذ مصطفیٰ بک نے لکھا ہے:

''جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عقل وفراست کا تعلق ہے، اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مردم شناس خلیفہ نے شام جیسے اہم صوبے کا گورنر مقرر فرمایا۔'' (حماۃ الاسلام: ۱۶۶/۱)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ کو حمص کی گورنری سے معزول فرما کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ گورنر مقرر فرمایا تو کچھ لوگوں نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض بے جا باتیں کہیں۔ ان کے جواب میں سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لاتذکروا معاویۃ الابخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھدبہ

''معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات اگر کوئی کرنی ہے تو اچھائی اور خیر سے کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو ذریعہ ہدایت بنا۔''
(ترمذی:۲/ ۲۲۵، البدایۃ والنہایۃ:۸/۱۲۲، التاریخ الکبیر:۴/ ۳۲۸)

یہی واقعہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بابت بھی لکھا ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے والے کو یہی جواب دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ:۸/۱۲۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے قلب میں قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو معاہدہ تحریر فرمایا تھا اس پر جن گواہوں کے دستخط کروائے ان میں ایک سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دوسرے گواہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے بہت متاثر تھے اور آپ کی علمی اور فکری صلاحیتوں کا آپ کو اعتراف تھا۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

''جب معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا عقل و دانش کا مجسمہ تم میں موجود ہے تو پھر تمہیں قیصر و کسریٰ کی زیرکی کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

(طبری:۶/ ۱۴۷، ابن اثیر:۳/ ۲۶۲، اسد الغابہ:۳/ ۲۲۳)

ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کچھ نازیبا سے الفاظ کہے۔ آپ نے فرمایا:

''قریش کے اس نوجوان کی برائی سے ہمیں معاف رکھو۔ یہ نوجوان ایسا ہے جو غصہ میں بھی ہنستا ہے اور سوائے اس کی رضا کے اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔''

(البدایۃ والنہایۃ:۸/۱۲۴، ازالۃ الخفاء:۲/ ۷۵)

ان کی علمی صلاحیتوں کے بارہ میں ایک مرتبہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا:

لیس احدنا اعلم من معاویۃ

''ہم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ عالم ہیں۔'' (السنن الکبریٰ بیہقی:۳/ ۲۶)

وہ شخص جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الطاف کریمانہ سے نوازا ہو، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ

نے اس کی خدمات کو اسلام اور اہل اسلام کے لیے مفید سمجھتے ہوئے فائدہ اٹھایا ہو، یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس کی گراں قدر خدمات سے فائدہ نہ اٹھاتے۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمات جلیلہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو انہیں صرف دمشق کے علاقہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی علمی اور فکری صلاحیتوں کے پیش نظر شام، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ ان کے تصرف میں دے دیا۔ خلافت عثمانی میں آپ نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ آپ نے طرابلس الشام کو فتح کیا۔ عموزیہ پر فوج کشی کی، طیطلہ پر قبضہ کیا اور ایشیائے کوچک پر شامی سرحدوں کے قریب دو رومی قلعے فتح کیے اور قبرص پر بحری حملہ کرنے کے لیے بحری بیڑا تیار کیا اور قبرص کی فتح کے بعد تنگنائے قسطنطنیہ پر بڑھتے چلے گئے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صرف ایک منتظم جرنیل اور گورنر ہی نہ تھے بلکہ نہایت متقی، پرہیز گار، حلم و بردباری کا مجسمہ اور عدل و انصاف کا مینار تھے۔ چنانچہ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اہل شام کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے:

ما رایت احدا اشبہ صلوٰۃ بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امامکم ھذا.

''میں نے تمہارے اس امام (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ نماز کسی کی نہیں دیکھی۔'' (منہاج السنۃ: ۳/۱۸۵)

اسی طرح سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران فرمایا کرتے تھے:

ما رایت احدا بعد عثمان بحق من صاحب ھذا الباب

''میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس دروازہ والے صاحب (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) سے زیادہ حق و صداقت کا فیصلہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۳۳، تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/۳۲۱)

مملکت کے انتظام و انصرام کا تو پوچھنا ہی کیا! ہر شخص اس بارہ میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

ما رایت رجلا اخلق بالملک من معاویۃ

''میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کاروبار حکومت میں کسی کو موزوں نہیں دیکھا۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۳۵، التاریخ الکبیر للبخاری: ۴/ ۳۲۷، ابن اثیر: ۳/ ۲۶۳)

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پوری مملکت اسلامیہ کے ہر قبیلہ کے لیے ایک ایک شخص مقرر تھا جو مختلف مجلسوں میں جا کر اور مختلف ذرائع سے یہ معلوم کرتا کہ:

① اس قبیلہ میں کوئی بچہ تو پیدا نہیں ہوا۔

② گزشتہ رات کوئی نیا واقعہ یا حادثہ تو رونما نہیں ہوا۔

③ اس قبیلہ میں کوئی مہمان تو رات فروکش نہیں ہوا۔

یہ ساری معلومات فراہم کر کے اپنے دفتر میں جا کر اس کو رجسٹر میں درج کرتا۔ اس طرح سے لوگوں کی ضروریات زندگی کی فراہمی میں نہایت آسانی ہو جاتی اور بجائے اس بات کے کہ لوگ حکومت کو اپنی ضروریات کی اطلاع دیتے حکومت خود بخود اس سے آشنا ہو جاتی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو''منہاج السنۃ: ۳/ ۱۸۵، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۳۴)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرح آپ نے بھی حکومت پر تنقید کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اس سلسلہ میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''آپ کو ایک آدمی آ کر کہتا معاویہ رضی اللہ عنہ! تم خود بخود درست رہو ورنہ بخدا! ہم تمہیں ٹھیک کر دیں گے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہنس کر فرماتے کس کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ تو وہ شخص کہتا کہ لاٹھی کے ساتھ، پھر فرماتے کہ پھر تو ہم سیدھے ہی رہیں گے۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۰۲، تاریخ الاسلام ذہبی: ۳/ ۳۲۲)

اسی وجہ سے کتابوں میں صاف طور پر مرقوم ہے:

كان (معاوية) ملكا مهيبا شجاعا جواد حليما.

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک ہیبت، عزم واستقلال، شجاعت و بسالت، جود وسخا اور حلم و بردباری کا مجسمہ تھے۔'' (دوالاسلام: ۱/ ۲۴)

اسی سلسلہ میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

انه كان جيد السيرة، حسن التجاوز، جميل العفو، كثير الستر رحمة الله عليه.

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت اعلیٰ سیرت، عفوودرگزر کرنے والے اور لوگوں کے عیوب ونقائص کی پردہ پوشی کرنے والے تھے، آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نچھاور ہوں۔''
(البدایۃ والنہایۃ:۸/۱۸۶)

آپ کی انہی خوبیوں کی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

وكانت سيرة معاوية مع رعيته من خيار سير الولاة و كانت رعيته يحبونه.

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ اچھے حاکموں کے برتاؤ کی طرح تھا اور آپ کی رعایا آپ سے بہت محبت کرتی تھی۔'' (منہاج السنۃ:۳/۱۸۹)

اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

41ھ میں مملکت اسلامیہ کی ساری رعایا آپ کی وفات یعنی 60ھ تک اس پر قائم و دائم رہی۔''

آپ کی خلافت کے اس 20 سالہ دور میں سلطنت کی پہنائیوں میں کیا کچھ ہوتا رہا اس بات کو بھی ابن کثیر رحمہ اللہ ہی کے قلم سے سنئے:

والجهاد في بلاد العدو قائم، وكلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه في راحة وعدل وصفح وعفو.

''دشمن کی سرزمین میں جہاد کا سلسلہ جاری رہا۔ اللہ کا کلمہ (دین اسلام) سربلند رہا اور سلطنت کی پہنائیوں سے مال غنیمت مرکز اسلام کی طرف آتا رہا اور مسلمان عدل وراحت اور عفوودرگزر کی زندگی بسر کرتے تھے۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۸/۱۱۹)

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے آپ کو اصحاب فتویٰ میں شمار کیا ہے: (جوامع السیرہ:۳۲۰)

یہ تھے اس نابغہ اسلام کی کتاب زندگی کے چند اوراق، جس کے بارہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دور خلافت میں شام کا پورا علاقہ ان کے تصرف میں دے رکھا تھا۔ حالانکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس بارہ میں خود فرماتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان معصوما فولاني فادخل في امره ثم استخلف ابوبكر فولاني ثم استخلف عمر فولاني ثم استخلف عثمان فولاني فلم ال الاحد منهم ولم يولني الاوهوراض عني.

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے۔ انہوں نے مجھے والی بنایا اور اپنے کام میں داخل کیا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی انہوں نے بھی مجھے والی اور حاکم بنایا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی مجھے والی بنایا۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی مجھے والی بنایا۔ پس میں ان میں سے جس کا والی بنا اور جس نے مجھے والی بنایا وہ سب مجھ سے راضی رہے۔'' (طبری: ۳/۳۶۳)

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے باہمی تعلقات بڑے مضبوط اور گہرے تھے۔ خواجہ عبدالمطلب نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی کریز بن ربیعہ اور حارث بن حرب کے ساتھ کردی تھی۔ یہ دونوں عزیز بیٹیاں بنوامیہ میں بیاہی تھیں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح دو اموی حضرات سے کیا جن میں ایک ابوالعاص بن ربیع تھا اور دوسرے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے جن کے نکاح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ اسی لیے ان کو ''ذوالنورین'' کہتے تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوسفیان بن حرب اموی کی بہن میمونہ کی بیٹی سے شادی کی اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دادا العاص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دادا حرب کے حقیقی بھائی تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ جو شروع کیا وہ کوئی ایسے نہیں تھا بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اس بارہ میں وحی مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ ابن قتیبہ شیعی نے اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تین باتیں پیش کی تھیں ان میں تیسری بات یہ تھی کہ

اجعلنی لی الطلب بدمک ان قتلت قال نعم، هذه لک، ان قتلت فلابطل دمی (الامامة والسياسة ٢٩)

ہاں اگر میں شہید ہو جاؤں تو تو میرے خون کا مطالبہ کرنے کا تجھے اختیار دیتا ہوں۔ میرا خون رائیگاں نہ جائے۔

اس طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عم زاد بھائی سیدنا عثمان کے ولی الدم اور وحی الدم بھی تھے۔ اور ان کا قصاص عثمان کا مطالبہ درست تھا اور وہ مطالبہ کرنے کے حق دار تھے۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیٹا ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھا۔

سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ:

سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں میں سے تھے۔ آپ نے انہیں 29 ھ میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ آپ 10 ھ میں پیدا ہوئے اور خاندان کے لحاظ سے اموی تھے۔ ان کے آباء واجداد مکہ مکرمہ میں بڑے شکوہ اور دبدبہ کے رئیس تھے۔ ان کے والد عاص جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف لڑ رہے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہاشم کو قتل کیا تھا، اس وجہ سے سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ شک تھا کہ شاید عمر رضی اللہ عنہ نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لم اقتل اباک وانما قتلت خالی العاص بن هاشم

''میں نے تمہارے باپ کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اپنے ماموں عاص بن ہاشم کو قتل کیا تھا۔''

سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایمان کی محبت میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا:

ولو قتلته لکنت علی الحق وکان علی الباطل

''اگر آپ نے قتل بھی کیا ہوتا (تو کیا حرج تھا) کیونکہ آپ یقیناً حق پر تھے اور وہ باطل پر تھا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اس جواب سے بہت حیرت واستعجاب ہوا۔

(اسد الغابہ:۲/۳۱۰)

عہد نبوی اور خلافت صدیقی میں بچے تھے لہٰذا ان کا کوئی کام قابل ذکر نہیں۔ عہد فاروقی کے آخر میں عنفوان شباب تھا لیکن اس زمانہ میں بھی کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں۔

عہد عثمانی میں اپنی جوانی پر تھے لہٰذا اس زمانے میں انہوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ ان کا گھرانا سیادت وقیادت میں تمام قریش میں ممتاز تھا اور اس وجہ سے خاندان کی وہ ساری خوبیاں قدرت نے ان میں بھی ودیعت فرمائی تھیں۔ لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اموی ہونے کی وجہ سے بلکہ ان کی صلاحیتوں کی بناء پر ان کو گورنری کے لیے منتخب فرمایا۔ چنانچہ 29 ھ میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی جگہ ان کو کوفہ کا گورنر

مقرر فرمایا۔ شجاعت و بسالت اور جرأت و بہادری چونکہ ورثہ میں ملی تھی اس لیے گورنری کا چارج لیتے ہی آپ نے خراسان، جرجان اور طبرستان پر لشکر کشی کی۔ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں اس وقت کے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے شرکت کی جن میں سیدنا حسن بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۵۴، طبری: ۳/۳۲۳، ابن اثیر: ۳/۵۴، فتوح البلدان: ۳۴۲)

دوسری طرف سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو ان کی امداد کے لیے بھیجا، لیکن سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے پہلے خراسان پہنچ گئے اور ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔
(طبری: ۳/۳۲۳، ابن اثیر: ۳/۵۴، ابن خلدون: ۲/۱۰۱۸، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۵۴، ۸/۸۴)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے بہت سے شہروں (طمیسہ، نامند، ردبان اور دبادند وغیرہ) پر چڑھائی کی اور وہاں کے حکمرانوں نے بہت سا مال دے کر ان سے صلح کر لی یہاں تک کہ وہ جرجان تک پہنچ گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۵۴)

صرف جرجان کے فرمانروا نے صلح کرنے کے لیے دو لاکھ کی رقم پیش کی اور کوہستانی علاقوں کے حکمرانوں نے بھی صلح کر لی اور بہت سا مال دیا۔ (فتوح البلدان: ۳۴۲)

ان کے علاوہ اور بھی کئی علاقوں کو آپ نے فتح کیا۔

34 ھ میں اہل کوفہ (جن کا معمول تھا کہ وہ اپنے گورنروں کے خلاف ہمیشہ غلط سلط شکایات کرتے رہتے تھے) کی شکایت پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کی گورنری سے معزول فرما دیا۔

سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نہایت عاقل اور فرزانہ شخص تھے۔ بات ہمیشہ ناپ تول کر کرتے، اس وجہ سے ان کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں ضرب المثل ہو گئیں۔ (اصابہ: ۶/۳۱۱)

شجاعت و بسالت تو ورثہ میں ملی تھی، لیکن فیاضی اور جود و سخا میں بھی اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ ہفتہ میں ایک روز اپنے خاندان کے تمام لوگوں کو اپنے ساتھ کھلاتے اور ہر قسم کے کپڑے اور نقدی بھی دیتے اور ان کے گھروں میں گھر کا ساز و سامان بھی پہنچاتے۔
(اسد الغابہ: ۲/۳۱۰)

ہر جمعہ کی رات کو جامع مسجد کوفہ میں غلام کے ہاتھوں درہم و دینار سے بھری ہوئی تھیلیاں نمازیوں میں تقسیم کرانے کے لیے بھیجتے۔ غلام وہ تھیلیاں نمازیوں کے سامنے رکھ دیتا۔ اس وجہ سے مسجد کوفہ میں ہر جمعہ کی رات نمازیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم ہوتا۔

(اسد الغابہ: ۳/۳۱۰)

اللہ تعالیٰ نے طبیعت ایسی بنائی تھی کہ کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ بھیجتے تھے۔ اگر پاس ہوتا تو اسی وقت مرحمت فرما دیتے اور اگر پاس نہ ہوتا تو ایک یادداشت بطور ہنڈی کے دے دیتے کہ جب روپیہ آ جائے تو سائل وصول کر لے۔ چنانچہ ایک مرتبہ گورنری سے معزولی کے زمانے میں مسجد سے واپس آ رہے تھے۔ ایک شخص تنہا سمجھ کر ساتھ ہو لیا۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا کوئی کام ہے؟ اس نے کہا آپ کو تنہا دیکھ کر ساتھ ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کاغذ اور قلم دوات لاؤ اور میرے فلاں غلام کو لیتے آؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ سعید رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار روپے کی یادداشت لکھ کر دے دی اور فرمایا کہ جب میرا وظیفہ ملے گا تو یہ رقم تمہیں مل جائے گی۔ اللہ کی قدرت کہ اس رقم کی ادائیگی سے پہلے آپ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد وہ شخص ان کے بیٹے عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس وہ یادداشت لے کر آیا۔ بزرگوں کی اولاد بھی عموماً بزرگ ہوتی ہے۔ انہوں نے آپ کے خط کے مطابق بیس ہزار کی رقم اس کو دے دی۔ (الاستیعاب: ۲/۵۵۶)

اس واقعہ سے اور اس قسم کے دیگر کئی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شرفاء اہل حاجت کو بلا سوال ہی بڑی بڑی رقمیں دے دیتے، اسی وجہ سے وفات کے وقت اسی ہزار کے مقروض تھے جس کے بارہ میں اپنی اولاد کو وصیت بھی فرمائی۔ انہوں نے پوچھا کہ اتنا بڑا قرض کس طرح ہو گیا، فرمایا:

> ''میرے بیٹو! شریف اور غیرت مند لوگ میرے پاس اپنی حاجتیں لے کر آتے تھے فرط حجالت سے ان کے چہروں کا خون خشک ہوا جاتا تھا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ وہ مجھ سے اپنی حاجت کے بارہ میں سوال کریں میں پہلے ہی انہیں دے دیتا تھا۔'' (اسد الغابہ: ۲/۳۱۰۔۳۱۱، اصابہ: ۳/۳۱۰)

اسی وجہ سے ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

كان يقال له عكة عسل

''لوگ انہیں شہد کا برتن کہا کرتے تھے۔''

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان کی فیاضی اور سخاوت کے بارہ میں بہت سے واقعات نقل کیے ہیں جن کو طوالت کے باعث یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ البتہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک وقت میں ایک ایک شخص کو تیس تیس چالیس چالیس ہزار درہم مرحمت فرمائے۔ اسی وجہ سے وفات کے وقت علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق تین لاکھ درہم اور ایک روایت کے مطابق تیس لاکھ درہم کے مقروض تھے جو ان کے صاحبزادے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے آپ کی زمین فروخت کر کے ادا کیے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ: ۸/۸۱۔۸۳)

شاید اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہیں ''اکرم العرب'' کہا گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر لائی۔ اور عرض کیا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ یہ چادر اس شخص کو دوں جو ''اکرم العرب'' ہو۔ آپ نے اس سے فرمایا:

''اس لڑکے یعنی سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو دے دو۔'' (تہذیب التہذیب: ۴/۴۹)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

لکل قوم کریم و کریمنا سعید

''ہر قوم کا ایک کریم ہوتا ہے اور ہمارا کریم سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ہے۔''

(تہذیب التہذیب: ۴/ ۴۸)

ایک اور موقع پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کریمۃ قریش سعید بن العاص

''قریش میں سب سے زیادہ کریم النفس سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔''

(الاصابہ: ۳/ ۳۱۰، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۸۵)

قرآن پڑھنے کا لہجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا تھا اور بقول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ قرآن کی عربیت سعید رضی اللہ عنہ کی زبان سے ٹھیک بیٹھتی تھی۔ (تہذیب التہذیب: ۴/ ۴۸)

قریش کے رئیس تھے اور لوگ انہیں ''ذوالتاج'' بھی کہتے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ جس روز یہ پگڑی باندھتے اس دن کوئی دوسرا شخص پگڑی نہ باندھتا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۸۳)

ان کی فصاحت و بلاغت کے پیش نظر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں ان افراد کی فہرست

میں رکھا جو کتابت قرآن کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔

(تہذیب التہذیب: ۴/ ۴۸، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۸۳)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

کان اشبه الناس لحيه برسول الله صلى الله عليه وسلم

''ان کی ڈاڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے بہت مشابہ تھی۔'' (ایضاً)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارہ میں لکھا ہے:

كان اميراً شريفاً جواداً ممدوحاً حليماً وقوداً اذا حزم وعقل يصلح للخلاقة

''وہ سردار تھے، شریف اور سخی تھے، لوگوں کے ممدوح تھے، حلیم اور باوقار تھے، سوجھ بوجھ کے حامل اور صاحب عقل ودانش تھے اور خلیفہ بننے کے اہل تھے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۹۴).

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کی خانہ جنگیوں یعنی جمل اور صفین کی جنگوں سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ (تنقیح المقال باب سین، اسد الغابہ: ۲/ ۳۱۰)

30 ھ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی زیر قیادت جنگوں میں حصہ لیا۔

(طبری: ۳/ ۳۲۳، ابن اثیر: ۳/ ۱۰۹، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۵۴)

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ بھی انہوں نے پڑھائی۔

(طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۵، ابن اثیر: ۳/ ۴۶۰، مقاتل الطالبین: ۷۶)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی بیوہ سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما سے منگنی کی اور ایک لاکھ درہم انہیں ارسال فرمائے۔ اس منگنی پر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ دونوں رضا مند تھے لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے اس رشتہ کو ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ جب نکاح کا موقع آیا تو سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابو عبداللہ (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں کافی ہوں۔ فکر نہ کریں۔ لیکن سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ اس رشتہ کو ناپسند کرتے ہیں؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ہاں۔ سیدنا

سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس رشتہ کو ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ ناپسند کرتے ہیں میں اس میں داخل نہیں ہوں گا۔ لہذا سیدنا سعید رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے اور منگنی کے وقت جو ایک لاکھ درہم دیا تھا اس میں سے ایک حبہ بھی واپس نہیں لیا۔ (ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۹۵: البدایۃ والنہایۃ: ۸/۸۶)

بلاذری نے ایک روایت ابومحنف لوط بن یحییٰ او الواقدی کے حوالہ سے نقل کی ہے جس میں لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک لاکھ درہم دیئے تھے...... جس پر علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اعتراض کیا...... اس روایت کے غلط ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے راوی مشہور کذاب الواقدی اور لوط بن یحییٰ ہیں۔ بھلا جو خود لوگوں کو لاکھوں بانٹتا تھا اس کو کسی سے لینے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ تھے وہ فضائل و مناقب اس شخصیت کے، لیکن چونکہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق تھا۔ لہٰذا قدیم اور جدید سبائیوں نے ان کو اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے مطاعن کا نشانہ بنایا۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر بن کریز الاموی القرشی گورنر بصرہ:

سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ 4 ھ یا 5 ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد بھائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی ام حکیم البیضاء کے پوتے تھے، کیونکہ عبداللہ کے والد عامر بن کریز رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی بیضاء کے سگے بیٹے تھے۔ اس لحاظ سے جہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ قریبی تعلق تھا وہاں جنابِ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اتنا ہی قریبی تعلق تھا۔ (اسد الغابہ: ۳/۱۹۱، کتاب المعارف: ۱۳۹)

پیدائش کے تھوڑا عرصہ بعد عمرۃ القضاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حصول برکت کے لیے پیش کیے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا یہ علیہ کا بچہ ہے؟ عرض کیا گیا، جی ہاں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ ہمارا بیٹا ہے اور تم سب میں ہم سے زیادہ مشابہ ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۵/۳۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیے گئے، تو آپ نے بہت پیار فرمایا اور ان کے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔ سیدنا عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لعاب مبارک کو آب حیات سمجھ کر نگل گئے۔ اس کے ساتھ ہی رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

انہ لمسقی

''یہ سیراب کرنے والا ہوگا۔''

(اسد الغابہ:۳/۱۹۱، الاصابہ:۳/۱۶۵، مستدرک حاکم:۳/۶۳۹)

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ آپ بھی زمین پر محنت کرتے تو فوراً پانی ظاہر ہو جاتا۔

(اسد الغابہ:۳/۱۹۱، تنقیح المقال:۲/۱۹۱)

عہد نبوی، خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں کمسن تھے۔ اس وجہ سے اس عہد کا کوئی ایسا واقعہ نہیں جس کو یہاں ذکر کیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آپ عنفوان شباب میں تھے اور روایات کے مطابق آپ کی عمر 25 سال تھی۔ لہٰذا اس عہد میں آپ نے بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ چونکہ نہایت کریم النفس انسان تھے۔ اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں 29 ھ میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جگہ بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا جس سے آپ کو اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع ملا۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کو فرمایا:

''تمہارے پاس قریش کا ایک ایسا نوجوان آرہا ہے جو تم پر دولت کی بارش کرے گا۔ اس کی دادیاں، خالائیں اور پھوپھیاں بڑی کریم النفس ہیں۔''

(طبری:۳/۳۲۱)

جس وقت آپ کو بصرہ کا گورنر بنایا گیا اس وقت ان کی عمر 25 سال تھی۔

(طبری:۳/۳۱۹)

حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی آپ نے عجم میں فتوحات کا دروازہ کھول دیا اور ایران کے ان علاقوں کی طرف پیش قدمی فرمائی جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ اصطخر، جور، کاربان، بجستان، کرمان، زابلستان وغیرہ کو فتح کیا اور مختلف علاقوں کی طرف اپنے نائبین کو بھیج کر ان کو بھی فتح کیا۔ (اسد الغابہ:۳/۱۹۱، فتوح البلدان:۴۱۰)

اس کی تفصیل ہم نے گزشتہ صفحات میں ''فتوحات'' کے باب میں ذکر کر دی ہے۔

البتہ کسریٰ ایران آپ کی گورنری میں قتل ہوا۔

: غیر مفتوحہ علاقوں سے لے کر خراسان، ماوراء النہر اور غزنہ تک سارا علاقہ انہی کی زیر

قیادت فتح ہوا۔ اوران فتوحات میں بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط:۱/۱۴۰۔۱۴۱)

اتنی وسیع فتوحات کے بعد سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے شکرانہ کا حج ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے نیشاپور سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ حج بیت اللہ ادا کرنے کے بعد وہ مدینہ منورہ آئے اور:

فرق فی اهل المدينة اموالا كثيرة جزيلة

''اوراہل مدینہ میں بہت سال مال تقسیم کیا۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۸/۸۰)

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ مہاجرین وانصار میں جب آپ نے مال و دولت تقسیم کیا تو ''فاثنوا عليه'' انہوں نے آپ کی بہت تعریف کی۔ علامہ ابن سعد نے کہا ہے کہ ''جب آپ واپس بصرہ تشریف لے گئے تو لوگوں کی زبانوں پر ان کا چرچا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیس درہم اور پارچات پیش کیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

هو سيد فتيان قريش

''یہ قریش کے نوجوانوں کا سردار ہے۔'' (طبقات ابن سعد:۵/۵۶)

آپ بڑے متمول شخص تھے۔ نہایت وسیع فتوحات کی تھیں۔ ان کو مال غنیمت میں بہت مال و دولت ملا تھا۔ پھر دو مرتبہ بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے اس میں کافی وظیفہ ملا تھا۔ لہٰذا کافی زمینیں اور باغات تھے۔ (اسد الغابہ:۳/۱۹۲)

اس مال و دولت کے ساتھ بہت فیاض اور صاحب جود وسخا بھی تھے۔ چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے:

كان احد الاجواد الممدوحين

''عرب کے مشہور ممدوح فیاضوں میں سے تھے۔'' (اسد الغابہ:۳/۱۹۲)

ابن اثیر نے ان کی سیرت کے بارہ میں لکھا ہے:

كان كريماً ممدوحاً ميمون النقيبة

''آپ نہایت شریف، کریم النفس، ممدوح، مبارک فطرت اور خیالات والے تھے۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۸/۸۸)

جناب رسول اللہ ﷺ نے چونکہ ''مسقی'' ہونے کی دعا فرمائی تھی۔ لہٰذا انہوں نے

عرب کی خشک سرزمین میں کثرت کے ساتھ پانی جاری کر کے اسے لبریز و شاداب بنایا۔ عرفات میں حاجیوں کے لیے بڑے بڑے حوض اور تالاب بنوائے اور ان میں نہروں کے ذریعے پانی ڈلوایا۔(اسد الغابہ:۳/۱۹۲، البدایۃ والنہایۃ:۸/۸۸، طبقات ابن سعد:۳۴)

مملکت اسلامیہ میں مختلف جگہوں پر کنویں بھی کھدوائے۔ چنانچہ لکھا ہے:

وله ابار في الارض كثيرة

''ملک میں بہت سے کنویں کھدوائے۔''(مستدرک حاکم:۳/۶۳۹، نسب قریش:۱۴۸)

بصرہ میں دو نہریں بھی کھدوائیں۔(کتاب المعارف:۱۴۰)

عرب اور خصوصی طور پر عرفات میں پانی کی اس فراوانی کی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔(کتاب المعارف:۱۴۰)

ایک مرتبہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سا مال لے کر مدینہ پہنچے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنی قوم اور قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کیجیے۔ لہٰذا آپ نے قریش اور انصار مدینہ کو بہت سامال اور کپڑے تقسیم فرمائے اور اہل مدینہ کو بھی بہت کچھ دیا۔
(اسد الغابہ:۳/۱۹۰ الاصابہ:۳/۶۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان الفاظ میں ان کے فضائل بیان فرمائے ہیں:

ان له من الحسنات و المحبة في قلوب الناس لاينكر

''آپ میں بے شمار خوبیاں تھیں اور عوام کے دلوں میں آپ کی اتنی محبت تھی کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔(منہاج السنۃ:۳/۱۸۹)

57 اور 58 ھ میں اسلام کے اس بطل جلیل نے مدینہ طیبہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔(تہذیب التہذیب:۵/۲۷۴)

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ گورنر مصر:

سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ ان کی والدہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے۔ اور ہجرت مدینہ بھی فرمائی لیکن پھر اسلام کو چھوڑ کر مشرک ہو گئے تھے۔ معلوم نہیں یہ روایت کہاں تک صحیح ہے۔ لیکن ہمیں اس کی صحت میں شک ہے۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ

مدینہ منورہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کی وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ (اسد الغابہ: ۳/۱۷۳)

یہ بات ہمارے خیال کی مزید تائید کرتی ہے کہ مکے کا قریشی جو ایک بار مسلمان ہو گیا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے کتابت وحی کی امانت بھی اس کے سپرد فرمائی ہو اور وہ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت سے بھی متاثر ہو گیا ہو اور وہ قریش کے شریف الاصل، اہل عقل اور اہل کرم و عطا میں سے بھی ہو، پھر بھی مرتد ہو جائے، یہ بات ناممکن ہے اور نہ ہی تاریخ اسلام میں اس کی کوئی اور مثال ملتی ہے۔ اور اگر وہ منافقت کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ انہیں کتابت وحی کا منصب جلیلہ کبھی بھی عطا نہیں فرما سکتے تھے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے زمین تک آنے میں وحی کی حفاظت فرمائی ہے۔ لہٰذا یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی ایسا شخص کاتب وحی مقرر ہو جو دل و جان سے مومن اور امانت دار نہ ہو۔ اور اگر کسی ایسے شخص کو آپ مقرر بھی فرما دیتے تو اللہ تعالیٰ ضرور اپنے رسول کو اس پر مطلع فرما دیتے۔ پھر ایک ایسے شخص کو جو بقول روایت ''مکہ میں جا کر مشرکین سے کہتا ہو کہ میں محمد کے کلام میں جب بھی چاہتا ہوں تصرف کر دیتا ہوں۔ وہ مجھے ''عزیز حکیم'' لکھواتے ہیں اور میں ''علیم حکیم'' لکھ دیتا ہوں''۔ لہٰذا ہمارے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

بہر حال فتح مکہ تک یہ اسلام نہیں لائے تھے اور اسلام کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے۔ اسی وجہ سے جناب رسالت پناہ نے انہیں اشتہاری مجرم قرار دے دیا اور فرمان جاری کیا کہ عبداللہ بن سعد، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور دوسرے اشتہاری مجرموں کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو۔

ولد وجدوا تحت استار الكعبة

''اگر چہ انہیں کعبہ کے غلاف کے نیچے ہی کیوں نہ پاؤ۔'' (اسد الغابہ: ۳/۱۷۳)

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ یہ فرمان نبوی سن کر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس بھاگ گئے جنہوں نے انہیں اپنے گھر میں چھپا لیا اور خود حضور صلی اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے امان طلب کی۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی درخواست کو قبول فرما لیا۔

(نسب قریش: ۴۳۳، طبقات ابن سعد: ۷/۱۹۰)

سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ جناب رسالت ماب کی خدمت اقدس میں حاضر

ہوئے۔ اسلام قبول کیا:

فحسن اسلامه

''نہایت سچے اور پکے مسلمان ہو گئے۔'' (اسد الغابہ:۳/۱۷۳، استیعاب:۲/۳۶۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا:

حسن اسلامه ولم يعلم منه بعد ذالك الا الخير

''(عبداللہ) پکے مسلمان ہو گئے۔ اور اس کے بعد خیر کے سوا اور کوئی بات آپ کی کسی کو معلوم نہیں۔'' (منہاج السنۃ:۳/۲۳۸، المنتقی:۴۰۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مصر کے گورنر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ انہوں نے ہی مصر کو فتح کیا تھا لہٰذا ان کی عقل و دانش کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وہ کم و بیش چار سال اپنے اس عہدے پر فائز رہے۔ (البدایۃ والنہایۃ:۸/۲۶، الاستیعاب:۲/۴۳۵)

اس کے بعد مصر کے بعض افراد نے ان کے بارہ میں بارگاہ خلافت میں شکایات لکھ کر بھیجنا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ اسکندریہ کو فتح کرنے کے بعد انہوں نے وہاں کے جنگ کے قابل افراد کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اس بات کو معاہدہ کے خلاف سمجھا اور نقض عہد پر محمول کیا اور حکم دیا کہ ان کی بنائی ہوئی لونڈیوں کو واپس کر دیا جائے۔ (استیعاب:۲/۴۳۵)

ان باتوں کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات تھیں جن کی بناء پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول کر کے ان کی بجائے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ یہ اس سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ''جند مصر'' کے عہدہ پر مقرر تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ پر ایک بہترین آدمی کو منتخب فرمایا۔ ان کا یہ انتخاب 25 ھ میں ہوا۔ اور ان کی مابعد کی زندگی نے اس زمانے کے لوگوں اور بعد میں آنے والوں سے یہ کہلوانے پر مجبور کیا:

وكان من عظماء المجاهدين الفاتحين

''وہ دنیا کے عظیم ترین مجاہدین فاتحین میں سے تھے۔''

(المنتقی للذہبی:۳۷۶، تعلیقہ)۔

گورنر بننے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ رب العزت نے ان کے ہاتھ لگا کر ہر گھوڑ سوار کو تین ہزار مثقال اور ہر پیدل کو ایک ہزار مثقال حصہ ملتا تھا۔ ان کی زیر کمان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور سابق گورنر مصر کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی لڑنے والوں میں شریک رہے۔

(فتح البلدان: ۲۲۴، اسد الغابہ: ۳/۱۷۳، تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱/۱۴۴)

آپ نہایت زیرک اور صاحب بصیرت انسان تھے۔ چنانچہ قریباً تمام مؤرخین نے لکھا ہے:

هو احد النجباء العقلاء الكرماء من قريش

''وہ قریش کے شریف النسل، اہل دانش و بینش اور اہل کرم و عطاء لوگوں میں سے تھے۔'' (اسد الغابہ: ۳/۱۷۳)

نظم مملکت کی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے ودیعت کی ہوئی تھیں۔ لہٰذا ان کے بہترین انتظام سے رعایا نہایت خوشحال تھی۔ ملک کی آمدنی بھی پہلے سے دگنی ہوگئی تھی۔ اور لوگ اپنی معاشی اقتصادی اور عمرانی خوشحالی کی وجہ سے ان کی حمد و تعریف میں رطب اللسان تھے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور دوسرے کئی ایک حضرات نے لکھا ہے:

وكان محمودا في ولايته

''اپنی ولایت میں لوگ ان کی بہت تعریف کرتے تھے۔'' (اصابہ: ۲/۳۱۷)

خود فوج ان سے بڑی خوش تھی۔ لہٰذا ہر شخص ان کی فوج میں داخل ہونے کا خواہش مند تھا۔ چنانچہ علامہ محب الدین الخطیب رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

وكان العبادلة على جلالتهم تحت قيادته في هذا الجهاد

''اور عبادلہ (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) باوجود اپنی جلالت شان کے اس جہاد میں ان کی زیر قیادت لڑ رہے تھے۔''

(المنتقى: ۲۷۶، تعلیقہ ابن خلدون: ۲/۱۰۰۳)

اس قدر منتظم، فاتح اور مجاہد ہونے کے باوجود بہت صابر اور ذکر و فکر والے انسان تھے۔ غزوہ صواری میں جو قیصر روم کے خلاف انہوں نے بحری جنگ لڑی، تاریخ کے اوراق ان

کی ان دینی صفات کی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ رومی فوج ساری رات ناقوس بجاتی اور جام وشراب میں مدہوش رہتی اور اس کے مقابلے میں سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی فوج پوری رات اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سربسجود اور دست بدعا رہتی۔ (طبری: ۳/۳۴۱)

جب قیصر روم نے اسلامی فوج پر حملہ کر دیا تو طبری نے لکھا ہے کہ:

کان یامرھم بقراہ القرآن ویامرھم بالصبر

''سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اپنی فوج کو تلاوت قرآن اور صبر وضبط کی تلقین فرما رہے تھے۔'' (طبری: ۳/۳۴۱)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فضائل وکمال اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھے تھے جن کو طوالت کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا لیکن علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی زندگی کے بارہ میں جو جامع تبصرہ کیا ہے۔ ہم اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:

''عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی گورنری میں بہت سے اچھے کام سرانجام پائے۔ جن میں ایک یہ ہے کہ اس طرف کے بہت سے علاقے ان کی زیر قیادت اسلامی مملکت میں شامل ہوئے۔ ان کے فخر کے لیے یہ بات کافی ہے کہ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سابق گورنر مصر کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی ان کی زیر کمان لڑنے والوں میں شامل تھے۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیاست اور تدبیر مملکت میں ان کو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ موزوں پایا۔ ان کی بہترین خوبیوں میں سے ایک نمایاں ترین خوبی یہ بھی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل اگرچہ ان کی تلوار اللہ کے دشمنوں کے لیے ہر وقت برہنہ رہتی تھی لیکن شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی تلوار کسی مسلمان اور کلمہ گو کے خلاف حرکت میں نہیں آئی۔'' (الصواعق المحرقہ: ۶۷)

آپ نہایت مستجاب الدعوات تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوئے اور عرض کی:

اللھم اجعل خاتمۃ عملی الصلوٰۃ

''اے اللہ! میرے عمل کا خاتمہ نماز پر ہو۔''

چنانچہ ایک روز نماز صبح میں کھڑے ہوئے۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ والعادیات پڑھی۔ دوسری رکعت میں بھی سورہ فاتحہ اور سورہ پڑھی۔ اس کے بعد دائیں طرف سلام پھیرا:

ثم ذهب يسلم عن يساره فتوفى

''پھر جب بائیں جانب سلام پھیرنے لگے تو روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔''

(اسد الغابہ:۳/۱۷۴، استیعاب:۲/۳۶۹، الاصابہ:۲/۳۰۹)

عسقلان میں 36 ھ میں، ایک روایت کے مطابق افریقہ میں 57 ھ میں وفات پائی۔ ایک روایت کے مطابق آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر تک زندہ رہے اور 59 ھ میں وفات پائی۔ لیکن پہلی روایت صحیح ہے۔ (اسد الغابہ:۳/۱۷۴)

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے ان فضائل ومناقب اور علمی، فکری اور عملی کارکردگیوں کی وجہ سے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی گورنری پر مقرر فرمایا تھا، نہ کہ اپنا رضاعی بھائی ہونے کے ناطے۔ لیکن سبائیوں کو ان کی اور کوئی فضیلت تو نظر نہ آئی صرف امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے ان کی رشتہ داری نگاہ میں رہی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کردیا کہ انہوں نے فلاں فلاں کو اپنا رشتہ دار ہونے کے ناطے فلاں فلاں عہدے پر متعین فرمایا۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے گورنر مصر مقرر فرمایا تھا۔ تو کیا قابل اور صاحب علم وفضل رشتہ دار کو حکومت میں کوئی عہدہ دینے کی اسلام میں ممانعت ہے؟ اور کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا زاد بھائیوں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، قثم بن عباس رضی اللہ عنہ، تمام بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور اپنے ربیب محمد بن ابی بکر اور اپنے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ کو حکومت میں گورنری کے عہدے نہیں دیئے تھے۔؟

(ملاحظہ ہو منہاج السنۃ:۳/۱۷۳، الاصابہ:۲۳۸، تاریخ یعقوبی' وغیرہ)

اس مسئلہ کے بارہ میں تفصیل اپنی جگہ پر بیان کی جائے گی۔ یہاں بس اتنی بات ذہن میں رہے کہ گورنروں اور دوسرے حکام سلطنت کا عزل ونصب ایک ایسا مسئلہ ہے جو خلیفہ کی صوابدید سے متعلق ہوتا ہے۔ اور عام لوگ ان کے حقائق سے واقف وآشنا نہیں ہوتے۔ لہٰذا اس بارہ میں عام لوگوں کو بعض دفعہ گمراہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ سبائیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف گورنروں کے خلاف عوام میں جھوٹا پراپیگنڈا کیا۔

عزل ونصب کے بارہ میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قاضی ابوبکر ابن العربی الاندلسی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''العواصم من القواصم:۲۴۳ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین:۲۷۲)

سیدنا ولید بن عقبہؓ گورنر کوفہ:

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کے نواسے تھے۔ یعنی جو رشتہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا وہی ان کا بھی تھا۔ فتح مکہ کے روز اسلام لائے۔ ابن ماکول کی روایت کے مطابق ''ھو طفل صغیر'' یعنی فتح مکہ کے روز وہ چھوٹے بچے تھے۔ بچپن ہی سے اللہ رب العزت نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ایمان کی روشنی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں کوئی خاص کارنامہ تاری کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ بعض مؤرخین اور مفسرین نے ان کے بارہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ انہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا تھا لیکن وہ وہاں نہ گئے اور راستہ ہی سے واپس ہو کر بارگاہ رسالت میں آ کر کہہ دیا کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس رپورٹ پر بنی المصطلق کے خلاف کارروائی کرنے کا مصمم ارادہ فرما لیا۔ اسی اثناء میں اس قبیلے کے لوگوں کو اس رپورٹ کا علم ہو گیا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صحیح صورتحال سے آپ کو آگاہ کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یاایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبو اقواما بجھالۃٍ فتصبحوا علی مافعلتھم ندمین. (الحجرات:٦)

یہ واقعہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی جانب غلط منسوب کیا گیا ہے۔ اگر چہ بعض لوگوں نے بڑے شدومد سے ان روایات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جن میں یہ واقعہ ذکر ہے۔ لیکن روایت اور درایت کے اصولوں کے مطابق یہ واقعہ سراسر غلط ہے۔

① جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور اس وقت یہ بچے تھے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے۔ سیدنا ولید بن

عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی لایا گیا لیکن میں نے زرد رنگ کی خوشبو لگائی ہوئی تھی اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ نہ پھیرا۔

(العواصم من القواصم: ۹۰-۹۱، مسند احمد: ۳۲/۴)

ابن اثیر نے اسد الغابہ: ۹۰/۵ اور ابن حجر نے، اصابہ: ۶۳۷/۳ اور ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب: ۶۳۱/۳ پر اس روایت کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں ابو موسیٰ الہمدانی مجہول ہے اور یہ روایت مضطرب ہے۔ جواباً عرض یہ ہے کہ نہ یہ روایت مضطرب ہے اور نہ ہی عبداللہ الہمدانی جو سیدنا ولید بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں۔ مجہول ہیں۔ وہ ثقہ ہیں، اور ابن اثیر جس ابو موسیٰ کو مجہول بتا رہے ہیں ان کا اصل نام مالک بن الحارث ہے۔ وہ واقعی اصحاب الجرح والتعدیل کے نزدیک مجہول ہے اور یہ عبداللہ الہمدانی جو اس روایت کا آخری راوی ہے اس کا اصل نام عبداللہ بن مالک بن الحارث ہے اور یہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہے۔

ابن اثیر اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے عہد نبوی میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو نوجوان ثابت کرنے کے لیے ایک اور روایت کا سہارا لیا ہے اور وہ یہ کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ 7ھ میں اپنے بھائی عمارہ بن عقبہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئے تھے اور رسول اللہ رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ ان کی بہن ام کلثوم کو واپس مکہ بھیج دیں۔ (اسد الغابہ: ۹۱/۵)

اگر یہ روایت صحیح ہے پھر بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے وقت نوجوان تھا۔ کیا صغیر السن بچہ اپنے نوجوان بھائی کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ نہیں آ سکتا؟ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی عمارہ بن عقبہ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔

③ دوسری وجہ اس وقعہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ یہ واقعہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ نقل اس کو بہت سے مفسرین اور مؤرخین نے کر دیا ہے لیکن سوچنے کی زحمت کسی نے گوارا نہیں فرمائی کہ اس کی اسنادی حیثیت مجروح ہے یا صحیح...... یہ روایت اگرچہ متصل بھی مروی ہے لیکن اس کے بہت سے طرق مرسل اور منقطع ہیں جو مجاہد، قتادہ، ابن ابی بعلی، عکرمہ اور یزید بن رومان پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات اگرچہ خود ثقہ ہیں۔ لیکن ہیں تو تابعی...... ان میں کوئی بھی اس واقعہ کا عینی شاہد نہیں ہے بلکہ ہی واقعہ کے وقت موجود تھے یا ان کی طرف بھی کسی نے یہ واقعہ غلط منسوب

کردیا۔ یہ سب باتیں اس روایت کے بارہ میں تصریح سے ثابت نہیں۔ لہٰذا مرسل اور منقطع روایات اتنے اہم اور مشہور واقعہ کے بارہ میں قابل حجت نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ جو طرق اس روایت کے متصل ہیں ان میں ایک روایت ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک ثابت نامی شخص روایات کرتا ہے اور اپنے آپ کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اسماء الرجال کی کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ شخص سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مولیٰ تھا۔

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب، لسان المیزان، میزان الاعتدال)

پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ساری روایات مسند احمد میں نقل ہیں۔ ان میں یہ روایت موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو ثابت نامی شخص سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مولیٰ ہے اور نہ ہی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت بیان کی ہے بلکہ یہ ان کے ذمہ ایک اتہام ہے جو ان حضرت نے لگا دیا ہے۔

اس کے علاوہ ثابت مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے راوی کا نام موسیٰ بن عبیدہ ہے جس کو امام نسائی، ابن المدینی اور ابن عدی، یحییٰ بن عسدی القطان، یحییٰ ابن معین، امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ جرح وتعدیل نے ضعیف اور منکر الحدیث کہا ہے۔

(ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۲۵۷۔۲۵۹، میزان الاعتدال: ۴/۲۱۳، مجمع الزوائد: ۷/۱۱۱)

دوسری متصل روایت اس بارہ میں ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں ''عن ابن سعد عن ابیہ عن عمہ عن ابیہ عن ابن عباس'' کی سند سے نقل کی ہے۔ لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ طبری خود ابن سعد نے نہیں ملا، اور نہ ہی اس سے کوئی علم حاصل کیا یا کوئی روایت سنی ہے۔ کیونکہ ابن سعد 230 ھ میں بغداد میں فوت ہوئے جبکہ طبری کی عمر اس وقت صرف چھ سال کی تھی اور وہ اس وقت تک اپنے شہر آمل (جو کہ طبرستان میں واقع ہے) سے بغداد یا کسی اور شہر نہیں گیا تھا۔

دوسرے اس سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ابن سعد کا باپ کون ہے اور باپ کا چچا کون پھر چچا کا باپ اور دادا کون ہے گویا سب راوی ایسے ہیں جن کا کوئی اتا پتا نہیں۔ ایسی روایت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

بعض روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ طبری جس ابن سعد سے روایت کرتا ہے وہ

طبقات والا ابن سعد نہیں بلکہ یہ محمد بن سعد العوفی ہے اور یہ بذات خود ضعیف ہے۔ اس پر الاستاذ احمد شاکر المصری نے بڑی اچھی بحث کی ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر ''طبری: ۱/۲۶۳۔۲۶۴، مطبوعہ دار المعارف، مصر)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد: ۷/۱۱۰۔۱۱۱ پر اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تفسیر الدر المنثور جلد: ۶/ ۸۸ پر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ''ابن کثیر'' میں اور بھی کچھ متصل روایات نقل کی ہیں لیکن کسی میں عبداللہ بن عبدالقدوس راوی ہے جو ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ رافضی بھی ہے۔ (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب: ۵/۳۰۳، میزان الاعتدال: ۲/ ۴۵۷)

کسی میں یعقوب بن حمید راوی ہے جو جمہور کے نزدیک ضعیف ہے جس کے بارہ میں ائمہ جرح وتعدیل نے لکھا ہے کہ اس کی حدیث لکھ لی جائے لیکن وہ قابل حجت نہیں۔

(ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب: ۹/ ۴۵۷)

غرض اس روایت کے جتنے بھی طرق ہیں خواہ وہ مرسل ہوں یا منقطع یا متصل، وہ سب معلول سیرت ہیں اور ایسے صحابی کو مطعون کرنا جس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافتوں کے زمانے میں اعتماد کیا ہو ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ بعض روایات میں سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص کو ایک قوم کی طرف صدقات لینے کے لیے بھیجا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شخص ہو اور یہ واقعہ ان کی جانب کسی رافضی نے منسوب کر دیا ہو۔ لیکن ہمارا یہ بھی یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اور صحابی بھی ایسا کام نہیں کرسکتا تھا کیونکہ قرآن حکیم کی نص کی روح سے کوئی صحابی فاسق نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (الحجرات:۸)

''بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان سے تمہارے دلوں کو مزین کر دیا۔ اور کفر، فسوق اور عصیان کو تمہارے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔ یہی لوگ راشدین (ہدایت یافتہ) ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان سے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

اس آیت کے بارہ میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑے پتے کی بات فرمائی ہے کہ: ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلاتفصیل ان تمام احکام کی محبت ہو (یعنی فرائض اور مستحبات دونوں کی محبت ہو) اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر کی ہوگی اور بعض مرتبہ صرف فسوق اور عصیان کی حد تک ہوگی۔ مومن کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر ہی سے ہیں بلکہ فسق وعصیان سے بھی نفرت کرے۔'' (کتاب الایمان: ۱۷)

بہر حال یہ روایت بالکل غلط اور موضوع ہے اور یہ واقعہ کسی رافضی نے ان کی جانب منسوب کر دیا حالانکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنی المصطلق کی طرف بھیجا ہی نہیں تھا۔ اس روایت کی اسنادی حیثیت کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(العواصم من القواصم: ۹۰۔۹۳، تعلیقہ)

لیکن اگر بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ''سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بنی المصطلق کے پاس صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا تھا۔ جب آپ اس قبیلہ کے قریب پہنچے تو بعض لوگ ان کے استقبال کے لیے راستہ میں کھڑے ہو گئے۔ ولید رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر واپس بارہ گاہ رسالت میں آ گئے اور رپورٹ دی کہ وہ اسلام سے پھر گئے ہیں اور انہوں نے صدقات دینے سے انکار کر دیا۔ نیز میرے قتل کے درپے ہو گئے...... اس پر حضور علیہ السلام نے ان پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا۔

اس بات کا جواب علمائے اسلام اور مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اس میں سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ جب لوگ ان کے استقبال کے لیے راستہ میں کھڑے ہوئے تو ایک شیطان نے انہیں کہا کہ یہ لوگ آپ کے قتل کے ارادہ سے راستہ میں کھڑے ہیں اور یہ صدقات وغیرہ آپ کو نہیں دیں گے۔ چنانچہ آپ خوف کھا کر واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو آ کر یہ رپورٹ دی کہ وہ صدقات نہیں دیں گے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ان پر لشکر کشی کا ارادہ فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو علامہ ابن القیم کی ''مدارج السالکین: ۱/۳۶۰، تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۰۹، و دیگر تفاسیر وغیرہ)۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس میں سیدنا ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ کا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ جو کچھ اس شیطان نے انہیں بتایا اسی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو بیان کر دیا۔ چنانچہ روایات میں صاف الفاظ ہیں:

فحدثه الشیطان انهم یریدون قتله

''پس شیطان نے ان سے کہا کہ وہ آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عمر کے لحاظ سے اس قابل نہ تھے کہ کوئی ذمہ داری ان کے سپرد کی جاتی۔ لیکن خلافت صدیقی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس نابغہ روزگار کو ثقہ اور باعتماد جانتے ہوئے اس لشکر میں شامل فرمایا جو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیف اللہ کی زیر قیادت ایران میں فتوحات کر کے مملکت اسلامیہ کی وسعتوں اور پہنائیوں میں اضافہ کر رہا تھا۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ 12 ھ میں جنگ مذار میں جو اہل ایران کے ساتھ ہوئی سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت داد شجاعت دے رہے تھے۔ اس جنگ میں فتح کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت دے کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ جب یہ مال غنیمت لے کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے انہیں جنگی امدادی سامان دے کر ایک دوسرے محاذ پر بھیج دیا۔ جہاں سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت جنگ لڑی جا رہی تھی۔

13 ھ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں قضاعہ قبیلے کے صدقات کی وصول یابی کے لیے مقرر فرمایا۔ اس کے علاوہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شام کی فتح کا ارادہ فرمایا تو اس اہم کام کے لیے ان کی نظر انتخاب ایک طرف تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر پڑی اور دوسری طرف سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ولید بن عقبہ کی زیر قیادت ایک لشکر اردن کی طرف روانہ فرمایا۔

15 ھ میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں بلاد بنی تغلب اور عرب الجزیرہ پر مامور فرمایا۔ جزیرہ میں اپنی حکومت کے دوران انہوں نے بنو تغلب کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ جزیرہ میں ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نے ان سے اسلام کے سوا اور کوئی چیز قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب بنو تغلب نے اسلام قبول نہ کیا تو سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نے امیر

المومنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کو اس بارہ میں مفصل رپورٹ ارسال کی۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اگر یہ لوگ اس بات کو تسلیم کرلیں کہ یہ اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے اور اگر ان میں سے کوئی اسلام قبول کرنا چاہے تو اسے اسلام سے نہیں روکیں گے تو آپ قبول کرلیں۔ چنانچہ بنوتغلب میں سے بعض نے اس شرط کو قبول کرلیا اور بعض نے قبول نہ کیا۔ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے بعض رؤسا کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور بڑی ردوکد کے بعد انہوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔ لیکن وہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے جانی دشمن ہوگئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے بغاوت کے خطرہ کے پیش نظر سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کو وہاں سے ہٹا دیا۔ (طبری:۳/۱۵۷۔۱۵۸)

17 ھ کے واقعات میں بھی سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کی جہادی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے جب قیصر روم نے حمص کے مقام پر مسلمانوں کا محاصرہ کرنا چاہا تھا۔

24 ھ میں جب آذربائیجان اور آرمینیہ کے باشندوں نے عہد فاروقی کا خراج بند کردیا تو سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نے ان پر فوج کشی کی اور آذربائیجان والوں کو کچل ڈالا۔ جب انہیں اپنی مکمل ہلاکت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کرلی اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کرلی۔

آذربائیجان کے نواحی علاقوں میں اہل اسلام پر حملہ کرنے کے لیے عبداللہ بن شبیل کو بھیجا اور آرمینیہ کے نواحی علاقوں پر سلمان بن ربیعہ الباہلی کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ حملہ کے لیے روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جرنیلوں کو فتح ونصرت عطا فرمائی اور وہ بہت سا مال غنیمت لے کر سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے جرنیلوں نے جب اس سارے علاقے کو فتح کرلیا تو:

فانصرف الولید وقد ظفر واصاب حاجته

''سیدنا ولید فتح ونصرت حاصل کر کے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوکر کوفہ واپس آ گئے۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۴۹۔۱۵۰،طبری:۳/۳۰۷۔۳۰۸)

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ فتح یاب ہونے کے بعد سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے موصل میں ایک قابل ذکر خطبہ ارشاد فرمایا جو حسب ذیل ہے:

ایھا الناس فان اللہ قد ابلی المسلمین فی ھذا الوجه بلاءً حسنا ردعلیھم بلادھم التی فرت وفتح بلاداً لم تکن افتتحت وردھم

سالمین غانمین ما جورین فالحمد لله رب العالمین.

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو ان جنگوں میں نہایت اچھے طریقے سے آزمایا۔ وہ علاقے اور شہر جو بلاد اسلامیہ سے باغی ہو گئے تھے وہ انہیں پھر لوٹا دیئے اور جو شہر ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے وہ بھی (اپنے فضل عظیم سے) فتح کرا دیئے اور اہل اسلام کو صحیح وسالم، مال غنیمت سے مالا مال اور آخرت کے اجر وثواب سے حظ وافر عطا فرما کر واپس فرمایا۔ پس ساری تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں۔'' (طبری:۳/۳۰۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جب خلافت کا اقتدار سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں آیا تو آپ نے بھی اس با اعتماد اور نابغہ روزگار صحابی کی بہترین صلاحیتوں سے اسلام اور ملت اسلامیہ کی خاطر پورا پورا فائدہ اٹھایا اور چشم فلک نے دیکھا کہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی امیدوں پر پورے اترے اور اسلام کے عدل وانصاف کے فروغ کے لیے انہوں نے دن رات انتھک کوششیں کیں اور لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نکالنے کے لیے انہوں نے سلطنت کی وسعتوں اور پہنائیوں میں بے پناہ اضافہ کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ وہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائے اور فرمایا تھا کہ میں نے انہیں جو معزول کیا تھا وہ کسی خیانت یا کمزوری کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔ (ابن اثیر:۳/۳۴)

آپ کی اس وصیت پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمل کیا اور انہیں کوفہ کا گورنر مقرر فرما دیا، لیکن سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وہاں زیادہ دیر تک حکومت کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اور جلد ہی ان کی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ تلخی ہو گئی۔ جس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی بجائے سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نے کاروبار حکومت اس اچھے طریقے سے سرانجام دیا کہ تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملتی ہے۔

اس بارہ میں آپ نے جو فتوحات کیں اس کی تفصیل ہم نے جلد اول میں فتوحات کے باب میں نقل کر دی ہے لیکن رعایا سے ان کا جو سلوک تھا اس کے بارہ میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا یہ جملہ یاد رکھنے کے قابل ہے:

اقام بها خمس سنين وليس على داره باب وكان فيه رفق برعيته

''آپ کوفہ میں پانچ سال تک رہے اس حالت میں کہ آپ نے گھر کا دروازہ تک نہیں لگوایا ہوا تھا (تا کہ لوگوں کو ان کے پاس آنے میں کوئی دقت نہ ہو) اور رعیت کے لیے ان کے دل میں نرمی تھی۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۱۵۱/۷)

طبری نے لکھا ہے:

وكان احب الناس في الناس وارفقهم بهم فكان بذالك خمس سنين وليس على داره باب

''ولید رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے اور ان کے لیے نہایت نرم خو۔ آپ پانچ سال تک گورنری کے عہدہ پر فائز رہے لیکن حالت یہ تھی کہ ان کے مکان کا کوئی دروازہ نہ تھا۔'' (طبری: ۳/۳۱۲، ۳۲۵)

آپ کو پس ماندہ طبقہ کی بہبود کا بھی خاصا خیال رہتا تھا چنانچہ آپ کوفہ کے ہر غلام کو بیت المال سے تین درہم ماہوار وظیفہ دیتے تھے۔ یہ وظیفہ اس مال کے علاوہ تھا جو انہیں اپنے آقاؤں سے ملتا تھا۔ (طبری: ۳/ ۳۲۸)

آپ شجاعت، جودوسخا اور خلق و مروت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ مزید برآں نہایت بہترین ادیب اور باکمال شاعر بھی تھے۔ چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے:

''آپ قریش کے بہترین آدمیوں میں سے تھے، عالی ظرفی کے لحاظ سے، حلم اور شجاعت کے لحاظ سے اور ایک بہترین ادیب اور باکمال شاعر تھے۔''

(اسد الغابہ: ۹۱/۵، الاصابہ: ۳/ ۶۰۱، تہذیب التہذیب: ۱۱/ ۱۴۶)

اصمعی اور ابوعبیدہ کا قول ہے:

وكان شاعراً كريماً

''اور آپ ایک کریم النفس شاعر تھے۔'' (اسد الغابہ: ۹۱/۵)

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر، عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ولید رضی اللہ عنہ شجاع، بہادر، شاعر اور صاحب جود وسخا آدمی تھے۔ مصعب زبیری کہتے ہیں کہ وہ قریش کے بہترین آدمیوں میں سے تھے اور شعراء میں سے تھے۔''

(اصابہ: ۲/ ۶۰۱، نسب قریش: ۱۳۸)

ایسا ہی علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: (استیعاب:۲/۵۵۶)

جیسا کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ بہت سخی تھے اور اگر کسی سائل کو دینے کے لیے ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ ایک یادداشت بطور ہنڈی لکھ کر دے دیتے اور جب ان کے پاس روپیہ آتا تو سائل وہ یادداشت دکھا کر رقم لے لیتا۔ اور وہ ہر جمعہ کو اپنے غلام کے ہاتھ درہم و دینار کی تھیلیاں بھر بھر کر بھیجتے۔ اسی وجہ سے وہ تین لاکھ درہم یا تیس لاکھ کا قرض چھوڑ کر فوت ہوئے۔ ملاحظہ ہو:

(استیعاب:۲/۵۵۶، اسد الغابہ:۳/۳۱۰، البدایۃ والنہایۃ:۸/۸۱۔۸۳)

یہ سخاوت کی انتہا تھی لیکن مؤرخین نے لکھا ہے:

وكان الوليد اسخى منه واسن والين جانباً

''ولید رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ سخی، زیادہ عمر رسیدہ اور زیادہ نرم خو تھے۔''

(استیعاب:۲/۵۵۶)

سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کو جب کوفہ کی گورنری سے معزول کیا گیا اور ان کی جگہ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا گیا تو کوفہ کے بعض شاعروں نے کہا۔

يا ويلتا ذب الوليد

وجاء نا من بعده مجوعاً سعيد

ينقص فى الصاع ولايزيد

''ہائے ولید رضی اللہ عنہ چلا گیا اور ان کے بعد سعید، جو بھوکا مارنے والا ہے۔ گورنر بن کر آیا ہے وہ پیمانہ میں کمی کرتا ہے زیادتی نہیں کرتا۔'' (استیعاب:۲/۵۵۶)

علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کو جب معزول کیا گیا تو کوفہ کی لونڈیاں سیاہ لباس پہن کر یہ اشعار پڑھتی تھیں:

يا ويلتا قد عزل الوليد

ينقص فى الصاع ولايزيد

وجاء نا مجوعا سعيد

فجوع الاماء والعبيد

''ہائے ولید رضی اللہ عنہ معزول ہو گئے اور سعید جو بھوکوں مارنے والا ہے ہمارا گورنر بن

کر آیا ہے۔ وہ پیمانہ میں کمی کرتا ہے زیادتی نہیں کرتا۔ پس اب لونڈیاں اور غلام بھوکے مر گئے۔'' (طبری: ۳/۳۴۰)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کس قدر سخی اور صاحب حلم و مروت انسان تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ سخاوت اور مروت ان کے ماں جائے بھائی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی آئینہ دار تھی۔

اسی طرح کے اور کئی واقعات تاریخ کی کتابوں میں سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمیں ملتے ہیں جن سے ان کی ذاتی شرافت اور نسبی شرافت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن تعصب سے اندھے حضرات نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی ہونے کے ناطے ان کی شخصیت کو بھی مختلف اعتراضات سے مجروح کیا۔ جن میں ایک شراب نوشی کا الزام بھی ہے اس الزام کا جواب دوسری جگہ دیا گیا ہے۔

سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ:

سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کی والدہ آمنہ بنت علقمہ بن صفوان تھیں۔ ان کی کنیت ام عثمان تھی۔

(تہذیب التہذیب: ۱۰، ۹۱)

آپ کے والد حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے۔ کیونکہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ 2 ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے فتح مکہ کے وقت آپ کی عمر 6 سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت آٹھ سال۔

(الاصابہ: ۳/ ۴۷۷، استیعاب: ۳/ ۴۲۵، تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۹۱)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے والد حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ناشائستہ حرکات کی وجہ سے طائف جلاوطن کر دیا تھا۔ لیکن یہ روایت درایت اور روایت کے اصولوں کے بالکل خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے کیونکہ اس واقعہ کی تمام اسناد منقطع ہیں۔ کسی صحابی رسول نے اس واقعہ کو نقل نہیں کیا اور نہ ہی معتبر تواریخ میں اس کا کوئی اتا پتا ملتا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اس واقعہ کو بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: (الاستیعاب: ۱/ ۳۱۷)

ابن اثیر اور ابن قتیبہ نے بھی حکم رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی کی روایت کو بغیر کسی سند ہی کے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (اسد الغابہ: ۲/۳۴، کتاب المعارف: ۱۵۴)

علامہ بلاذری نے جو سند اس واقعہ کی نقل کی ہے اس میں کذاب اور مجہول راوی ہیں اور ایسے راوی بھی ہیں جو رافضی اور شیعہ ہیں۔ ملاحظہ ہو: (انساب الاشراف: ۵/۲۷)

اسی وجہ سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس واقعے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اکثر اہل علم نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے طائف گئے تھے اور ان کی جلاوطنی کے واقعہ کی کوئی سند بھی نہیں ہے۔''

(منہاج السنۃ: ۳/۱۸۹)

بنو امیہ اور ان کے افراد کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے جیسی اور روایات وضع کیں۔ ویسے ہی یہ روایت بھی گھڑی ہے۔ جلاوطنی کی یہ روایت صحیح کیسے ہوسکتی ہے۔ کیونکہ واقعات اس کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی نے لکھا ہے کہ ان کے والد حکم رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت بھی کی ہے اور حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی میں چند روز ہی رہے ہیں۔ ان ایام میں آپ نے انہیں جلاوطن نہیں کیا۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کے والد کے لیے بددعا اور لعنت کی تھی۔ لیکن ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے السکن کے حوالے سے لکھا ہے:

''حکم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بددعا کرنا ثابت نہیں ہے۔'' (اصابہ: ۱/۳۴۵)

ابن اثیر اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے بلکہ بخاری میں بھی یہ روایت ہے کہ جب سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے اکابر مدینہ کو جمع کر کے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولی عہدی کی بات ان کے سامنے پیش کی تو پورے اجتماع میں سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہی جس پر مروان رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس اجتماع کو چھوڑ کر چلے گئے۔ (بخاری: ۲/۷۱۵)

تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا:

یامروان فاشهدان رسول الله علیه وسلم لعن اباک و انت فی صلبه

''اے مروان! میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے باپ پر لعنت فرمائی تھی جب کہ تو اس کی پیٹھ میں تھا۔'' (اسد الغابہ: ۳۴/۲)

یہ روایت مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر غلط ہے:

① روایت میں سیدہ عائشہ گواہی دے رہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم رضی اللہ عنہ پر لعنت کی تھی۔ بقول مؤرخین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت سے پانچ چھ سال بعد پیدا ہوئیں۔ ہجرت نبوی کے وقت ان کی عمر چھ سات سال تھی۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم رضی اللہ عنہ پر لعنت اس وقت کی جب مروان رضی اللہ عنہ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ جیسا کہ مستدرک حاکم میں ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان رضی اللہ عنہ کے والد حکم رضی اللہ عنہ پر لعنت کی جبکہ مروان رضی اللہ عنہ ابھی ان کی صلب میں تھے۔'' (مستدرک حاکم: ۴۸۱/۴)

روایات سے ظاہر ہے کہ مروان رضی اللہ عنہ 2 ھ میں پیدا ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حکم رضی اللہ عنہ پر لعنت ہجرت سے قبل ہی فرمائی ہوگی اور ہجرت سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ہی کتنی تھی کہ وہ اس واقعہ کی گواہی دے رہی ہیں۔

② ایسی تمام روایات جن میں حکم رضی اللہ عنہ پر لعنت کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر کے منقول ہیں یا تو مجہول اور کذاب راویوں سے منقول ہیں یا وہ روایات منقطع ہیں۔

(ملاحظہ ہو تلخیص ''مستدرک حاکم'' ۴۸۱/۴، میزان الاعتدال ذہبی: ۱/تحت احمد بن محمد الرشید بنی)

③ بخاری اور رجال کی بعض کتابوں میں سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے مابین گفتگو میں لعن طعن کے الفاظ بالکل مذکور نہیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لعن طعن کے الفاظ بعد کے وضع کردہ ہیں اور جن روایات میں لعن کے الفاظ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے ہیں وہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ایسی روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''جن روایات میں یہ مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان رضی اللہ عنہ کو زجر و توبیخ کی اور ایک ایسی خبر دی کہ جس میں ان کے لیے اور ان کے والد کے لیے مذمت کے

الفاظ مرقوم ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۸/۸۹)

④ یہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت بیان فرمائی جب یزید کی ولی عہدی کا معاملہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کے سامنے پیش کیا اور یزید کی ولی عہدی کا واقعہ 56 ھ میں پیش آیا۔ (طبری: ۴/۲۲۴) بلکہ مسعودی نے تو 59 ھ میں لکھا (مروج الذہب: ۳/۳۶۔۳۷) اور سیدنا عبدالرحمٰن کی وفات ۵۳ھ میں ہو چکی تھی وہ تو اس واقعہ کے وقت زندہ نہیں تھے۔

(ملاحظہ ہو مستدرک حاکم: ۳/۴۷۵، المعارف، لابن قتیبہ: ۲۶، تہذیب التہذیب: ۶/۱۴۷، الاصابہ: ۲/۷، الاستیعاب: ۲/)

لہٰذا اس روایت سے مروان رضی اللہ عنہ اور ان کے والد پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بددعا اور لعنت ثابت نہیں ہوتی۔

مستدرک حاکم میں ایک اور روایت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ جب پیدا ہوئے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دعا و برکت کے لیے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا:

هو الوزغ ابن الوزغ الملعون بن الملعون

''یعنی یہ گرگٹ کا بیٹا گرگٹ ہے اور ملعون کا بیٹا ملعون ہے۔''

(مستدرک حاکم: ۴/۴۷۹)

یہ روایت بھی بالکل غلط ہے۔ کیونکہ:

① سیدنا مروان رضی اللہ عنہ 2 ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تھے۔ کیا ان کے والد مکہ سے مدینہ طیبہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا و برکت کے لیے لائے تھے؟ جو کہ محال اور ناممکن ہے۔

② سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے والد الحکم رضی اللہ عنہ اس وقت تک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی ایمان ہی نہیں لائے تھے۔ لہٰذا کافر ہونے کے ناطے وہ دعا و برکت کے لیے انہیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں کیسے پیش کر سکتے تھے؟

③ اس روایت کو اگرچہ حاکم نے صحیح کہا ہے لیکن یہ روایت بالکل غلط ہے کیونکہ اس روایت کا ایک راوی میناء ہے جو کہ غالی شیعہ تھا، جس کی وجہ سے علماء نے اس کی

حدیثوں سے انکار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو" تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۳۹۷)

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں منکر روایات روایت کرتا تھا اور کذاب تھا۔

کان یکذب

''وہ جھوٹ بولتا تھا۔'' (کتاب الجرح والتعدیل' لابن ابی حاتم: ۴/ ۳۹۵)

④ خود صاحب مستدرک حاکم نیشاپوری بھی شیعہ تھا اس وجہ سے اس نے ایسی روایات اپنی کتاب میں خاص طور پر درج کی ہیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ مثال کے طور پر حاکم نے ایک روایت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین قبیلوں کو ناپسند فرماتے تھے۔

1- بنوامیہ 2- بنوحنیفہ 3- ثقیف

حاکم نے یہ روایت عبداللہ بن احمد بن حنبل سے اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ حالانکہ مسند احمد میں ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں تین قبائل کا ذکر نہیں بلکہ دو قبائل کا ذکر ہے۔ (مسند احمد: ۴/ ۴۲)

معلوم ہوتا ہے بنوامیہ کے الفاظ حاکم نے بنوامیہ سے اپنے قلبی بغض کی وجہ سے بڑھا دیئے ہیں۔

ان سب دلائل سے معلوم ہوا کہ مروان رضی اللہ عنہ اور ان کے والد رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لعنت ثابت نہیں ہوتی اور جو روایات مختلف کتابوں میں اس بارہ میں ہیں وہ بالکل وضعی اور مجہول، کذاب اور شیعہ راویوں کی تنگ نظری کا نتیجہ ہیں۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ صغار صحابہ میں سے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس زمرہ میں شامل ہیں جن میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وهو صحابی عند طائفة کثیرة لانه ولد فی حیاه النبی صلی الله علیه وسلم

''اور اکثر لوگوں کے نزدیک وہ صحابی ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ

میں پیدا ہوئے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۲۵۷)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس قسم میں ثابت کیا ہے جنہیں سماع کا شرف تو حاصل نہیں۔ البتہ رویت کا شرف حاصل ہے۔

(ہدی الساری مقدمہ فتح الباری: ۴۴۳)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''آپ کے والد نے لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا، اس وجہ سے آپ (مروان رضی اللہ عنہ) نے حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوگا اور شاید وہ مدینہ طیبہ بھی گئے ہوں۔ پس یقین کے ساتھ ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کی نفی نہیں کی جاسکتی۔

(منہاج السنۃ: ۳/ ۱۸۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی قابل ذکر واقعہ ان کی طرف منسوب نہیں ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی علمی اور فکری قابلیتوں کی وجہ سے اپنے دور خلافت میں انہیں اپنا کاتب مقرر فرمایا۔ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے داماد بھی تھے اور آپ کی صاحبزادی ام ابان رضی اللہ عنہا بنت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے نکاح میں تھیں۔ (۴) حکم رضی اللہ عنہ آپ کے چچا تھے اس لحاظ سے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ آپ کے چچا زاد بھائی بھی تھے۔ ہمارے ارباب تواریخ بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی سیکرٹری شپ کے زمانہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ برپا کیا تھا، حالانکہ یہ بات از سرتاپا غلط ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اکثر خود فیصلے فرماتے تھے اور خود ہی پالیسی متعین کرتے تھے۔ صرف سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو املاء کروا دیتے تھے۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پالیسی بنانے والے نہیں تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ پر فتنہ برپا کرنے کا سب سے بڑا الزام یہ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے والی مصر کے نام خط میں لکھا تھا کہ جب حامل خط آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قتل کردیں۔ اول تو یہ خط ہی بالکل غلط ہے کیونکہ گورنر مصر اس وقت مصر میں موجود ہی نہیں تھے بلکہ وہ مدینہ طیبہ آرہے تھے۔ لہٰذا ان کو آپ یہ خط کیسے لکھ سکتے تھے۔ اور اگر اس خط کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کی عبارت وہ نہیں جو ظاہر کی جاتی ہے بلکہ آپ نے یہ لکھا تھا کہ جب حامل مکتوب ہذا آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قبول کیجئے۔ اس ''قبول کیجئو'' کے مفہوم کو انہوں نے ''فاقبلوا'' کے لفظ سے تعبیر کیا تھا لیکن فتنہ پرداز سبائیوں نے اس کو 'فاقتلوا ''قتل کردیجئو'

بنا دیا۔ اور جان بوجھ کر اس کو فتنہ کا نکتہ آغاز بنا دیا۔ (تدریب الراوی)

حالانکہ وہ ایک سازش تھی جو نہ صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھی بلکہ پورے دین اسلام کے خلاف تھی۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو بھی اس سازش کا ہدف بنایا گیا اور آج تک بنایا جا رہا ہے۔ آپ کے خلاف اور بھی بہت سی غلط روایتیں نقل کی جاتی ہیں لیکن محققین کے نزدیک وہ روایات پایہ ثقافت سے گری ہوئی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت نبوی کو ایذا دینے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہر جمعہ منبر مدینہ پر کھڑے ہو کر سب وشتم کرنے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اہانت کے بارہ میں روایات کے بارہ میں صاف اور صریح الفاظ میں لکھا ہے:

''ان میں سے کوئی شئے بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمہیں پتہ چلے گا اور جن روایات میں ایسی باتیں مرقوم ہیں ان کی سند معلوم نہیں۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ان کی روایات کو نقل نہیں کیا ہے اور نہ محدثین نے ایسی روایات کی تخریج کی ہے۔ اگر یہ روایات صحیح ہوتیں تو حفاظ حدیث ان کو نقل کرتے اور ان پر کلام کرتے۔'' (تطہیر الجنان:۲۶)

مشہور محدث ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی سب روایات کو موضوع قرار دیتے ہوئے بڑے پتہ کی بات لکھی ہے:

''انہی موضوعات میں سے وہ احادیث بھی ہیں جو معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کی مذمت میں ہیں اور منصور عباسی اور سفاح عباسی کی مدح وتعریف میں ہیں اور اسی طرح یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ اور ولید رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کی مذمت میں جو روایات ہیں وہ بھی موضوع ہیں۔ (کیونکہ وہ بنو عباس کے زمانہ میں ان لوگوں کو بدنام کرنے کے لیے وضع کی گئی تھیں)۔''

(الموضوعات الکبیر:۱۶۹۔۱۷۰، المنا المنیف لابن القیم:۱۱۷)

سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ روایت صحیح کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ امت مسلمہ کے اکابر اور فقہاء مسلمین میں سے تھے، چنانچہ علامہ ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

مروان رجل عدل، من کبار الامه عند الصحابه والتابعین وفقهاء الاسلام (العواصم من القواصم: ۸۹)

''مروان رضی اللہ عنہ ایک عادل انسان تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور فقہائے اسلام کے نزدیک امت کے بڑے آدمیوں میں سے تھے۔''

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

کان یعد فی الفقھاء (اصابہ: ۳/۴۷۷)

ان کی دینی محبت اور ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جس زمانہ میں وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ اس زمانے میں وہ پیش آمدہ مشکل مسائل کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے اور جس رائے پر وہ اتفاق کرتے اس پر عمل کرتے۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۲۵۸)

وہ دینی مسائل میں کس قدر محتاط تھے، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بارہ میں ان کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ مروان رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔ سیدنا ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (جو اس واقعہ کے راوی ہیں) اپنے والد کے ساتھ ان کے پاس گئے اور ان کی مجلس میں کسی شخص نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ وہ یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ ''جو شخص صبح صادق کے وقت جنبی ہو وہ اس دن کا روزہ نہیں رکھ سکتا۔'' مروان رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فوراً میرے باپ عبدالرحمٰن کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے بھیجا۔ ہم دونوں باپ بیٹا ان ازواج مطہرات کی خدمت میں گئے اور ان سے اس مسئلہ کی وضاحت چاہی۔ انہوں نے فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ مسئلہ درست نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب باشی کرنے کے باوجود اسی حالت میں روزہ رکھتے تھے اور صبح صادق ہونے کے بعد غسل فرماتے تھے۔ ہم نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو واپس جا کر ازواج مطہرات کی یہ وضاحت بیان کی تو انہوں نے ہمیں اسی وقت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تاکہ انہیں بھی اس مسئلہ کی صحیح نوعیت کے بارہ میں بتا دیا جائے۔ ہم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جا کر ازواج مطہرات کے اس مسئلہ کی نوعیت کے بارہ میں وضاحت بیان کردی۔ انہوں نے فرمایا کہ ''میں نے بذات خود اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا۔ مجھ سے کسی اور نے اس طرح مسئلہ بیان کیا تھا۔ (کتاب الام: ۸/ ۴۰۰)

حافظ ابن کثیر اور ابن سعد نے بھی لکھا ہے کہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ ہر مشکل مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب رجوع فرماتے اور مسئلہ کا حل ان کی رائے سے

تلاش کرتے۔ (ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۲۵۸، طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۰)

بلکہ حافظ ذہبی نے امام احمد کا قول نقل فرمایا ہے کہ:

کان مروان یتبع قضاء عمر

''مروان رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کی پیروی کرتے تھے۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۷۷، البدایۃ: ۸/ ۲۵۸)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ قریش کے سرداروں میں سے تھے:

کان مروان من سادات قریش وفضلائها

''مروان رضی اللہ عنہ قریش کے سرداروں اور فضلاء میں سے تھے۔''

(سیر اعلام النبلا: ۳/ ۴۷۷)

شاید اسی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ آپ اس منصب پر کئی سال تک فائز رہے اور اس زمانہ میں ان کے خاندان نبوت کے ساتھ بہت اچھے تعلقات رہے۔ بعض دفعہ ایک لاکھ درہم سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ان سے بطور قرض حسنہ لیے اور بعد میں وہ قرض حسنہ واپس نہ لیا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۲۵۸)

یہی نہیں بلکہ خاندان نبوت نے ان کے ساتھ رشتہ داری کے تعلقات بھی قائم کیے چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ بنت علی رضی اللہ عنہما بن ابی طالب سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے معاویہ بن مروان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۶۹، جمہرہ الانساب: ۸۷، نسب قریش: ۴۵)

اس پر بس نہیں بلکہ قیام مدینہ کے دوران سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے اور انہیں لوٹاتے نہیں بلکہ صحیح سمجھتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۲۵۸، سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۷۸، تاریخ صغیر بخاری، ۵۷، بحار الانوار ملا باقر مجلسی: ۱۰/ ۱۳۹)

خاندان نبوت کے ساتھ باہمی محبت ومودت کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر نے سیدنا علی ابن الحسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین رضی اللہ عنہ) کے بارہ میں لکھا ہے:

احبهم الی مروان وابنه عبدالملک

''وہ مروان رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبدالملک کے ہاں سب سے زیادہ محبوب تھے۔''

(البدایۃ والنہایۃ:۹/۱۰۶، تاریخ صغیر بخاری:۱۰۴)

فضیلت علمی کا یہ حال تھا کہ کتاب اللہ کے قاری اور شریعت اسلامی کے مزاج شناس تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''چالیس سال سے کتاب اللہ کا قاری ہوں پھر ان حالات میں گھر گیا جن میں گھرا ہوا ہوں۔ خونریزی اور یہ تمام باتیں۔''

(البدایۃ والنہایۃ:۸/۲۵۸، سیر اعلام النبلاء:۳/۴۷۹)

ایک موقع پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی علمی عظمت و فضیلت کے بارہ میں یہ ریمارکس دیئے:

القاری لکتاب اللہ، الفقیہ فی دین اللہ، الشدید فی حدود اللہ

''یہ کتاب اللہ کے قاری، اللہ کے دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود کے قائم کرنے میں سخت ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۸/۲۵۷، سیر اعلام النبلاء:۳/۴۷۷)

''آپ کا خود اپنا دعویٰ تھا کہ میں نے کبھی قرآنی احکامات کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔'' (انساب الاشراف:۵/۱۲۵)

اور آپ کے اس دعویٰ کو کبھی کسی نے چیلنج نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علمی طور پر ان کا مقام اس قدر بلند تھا کہ:

''ان کا شمار فقہائے امت میں سے ہوتا تھا۔'' (الاصابہ:۳/۴۷۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ان کے علمی مقام کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

اخرج اهل الصحاح عده احادیث من مروان وله قول مع اهل الفتیا

''اہل صحاح نے ان کی کئی احادیث کی تخریج اور وہ اہل فتویٰ میں سے ہیں''

(منہاج السنۃ:۳/۱۸۹)

آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن الاسود رضی اللہ عنہ اور سیدہ بسرہ بن صفوان رضی اللہ عنہا سے احادیث روایت کی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آپ کی کچھ روایات احادیث کی کتابوں میں

مروی ہیں لیکن محققین کے نزدیک وہ روایات مرسل ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے آپ کی رویت تو ثابت ہے لیکن روایت (سماع) ثابت نہیں۔ (الاصابہ:۳/۴۷۷)

آپ سے صحابی رسول سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، علی بن الحسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، ابوبکر بن عبدالرحمن الحارث رضی اللہ عنہ، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ، مجاہد رضی اللہ عنہ، ابوسفیان رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے بیٹے عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث روایت کی ہیں۔

(تہذیب التہذیب:۱۰/۹۱، الاصابہ:۳/۴۷۷، سیر اعلام النبلاء:۴/۴۷۶)

ایک صحابی رسول سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کا ان کے صدق پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے روایت کرنا ان کی علمی اور اخلاقی عظمت کی بین دلیل ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حدیث اور ان کی رائے پر کامل اعتماد کیا ہے۔

(ہدی الساری مقدمہ فتح الباری:۶/۱۶۴)

علامہ محب الدین الخطیب نے ان سے مروی کچھ احادیث بھی ذکر کی ہیں جو بخاری، موطا امام مالک، موطا امام محمد، مسند احمد اور احادیث کی دیگر کتابوں میں درج ہیں۔

(ملاحظہ ہو: العواصم من القواصم:۸۹ تعلیقہ)

جنگ جمل اور صفین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جنگ جمل میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ انہی کے تیر سے شہید ہوئے لیکن یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

آپ کی وفات رمضان المبارک 65ھ میں واقع ہوئی۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر 63 سال تھی اور مدت خلافت قریباً 9 ماہ۔

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی ہم نے اس تفصیل سے اس لیے لکھے ہیں تاکہ قارئین کو ان کی زندگی کے نقوش و تاثرات معلوم ہو سکیں، کیونکہ دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے کردار کو اس قدر مسخ کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی مرکزی وجہ وہی تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اپنے چچا زاد بھائی مروان رضی اللہ عنہ کو اپنا سیکرٹری بلکہ

چیف سیکرٹری بنالیا۔ مزید یہ کہ مروان رضی اللہ عنہ کا معتوب باپ الحکم رضی اللہ عنہ زندہ تھا اور وہ اپنے اس بیٹے کے ذریعہ حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہوتا تھا۔

سیکرٹری یا چیف سیکرٹری کا تو کوئی عہدہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں نہیں تھا البتہ خلیفہ کا ایک کاتب ہوتا تھا جو اس کے فرامین کو لکھ کر مختلف صوبوں اور لوگوں کو بھیجا کرتا تھا۔ اس کو آپ آج کل کی اصطلاح کے لحاظ سے اسٹینوگرافر کہہ لیں یا پرسنل اسسٹنٹ۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کاتب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ ابو جعفر بغدادی نے لکھا ہے کہ:

كان عثمان بن عفان كاتبا لابى بكر الصديق

''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کاتب اور منشی تھے۔'' (کتاب المجر: ۳۷۷)

اسی طرح سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص معیقیب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کاتب اور منشی تھے۔

چنانچہ لکھا ہے کہ:

و كاتب عمر زيد بن ثابت وقد كتب له معيقيب

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کاتب زید بن ثابت اور معیقیب تھے۔''

(تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱۳۰)

جس طرح آپ سے قبل شیخین نے اپنے فرامین وغیرہ کے اجراء کے لیے کاتب رکھے ہوئے تھے۔ اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے آخری ایام میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو جو اتفاق سے آپ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور آپ کی صاحبزادی ام ابان کبریٰ کے شوہر نامدار بھی، علم و ادب میں ایک خاص مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ بحرین کے گورنر اور افریقہ کی فوجی مہمات میں ایک اہم کردار ادا کر چکے تھے، اپنا کاتب مقرر کرلیا جس کو یارلوگ پوری سلطنت اسلامیہ کے چیف سیکرٹری کے لفظ سے تعبیر کرنے لگے۔ حالانکہ پرسنل اسسٹنٹ اور چیف سیکرٹری میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ مؤرخین نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی صحیح پوزیشن کو واضح کیا ہے...... حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

كان كاتب ابن عمه عثمان.

''وہ اپنے چچازاد بھائی عثمان رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے۔'' (سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۴۷۷)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

كان كاتب الحكم بين يديه.

''وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے فرامین اور فیصلے لکھا کرتا تھا۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۲۵۹)

ابن سعد نے لکھا ہے:

كان كاتباله.

''سیدنا مروان رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان کے کاتب تھے۔''

ایسا ہی حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ: ۳/ ۴۷۷ میں لکھا ہے۔

اب اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان رضی اللہ عنہ کو اپنے فرامین اور فیصلے لکھنے کے لیے اپنی خلافت کے آخری ایام میں کاتب اور منشی مقرر کرلیا تو اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے جس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ہدف تنقید بنایا جارہا ہے۔

''یہ آخری ایام میں'' ہم نے اس لیے لکھا کیونکہ اس سے قبل سیدنا مروان رضی اللہ عنہ ایک زمانہ تک بحرین کے گورنر رہے۔'' (ملاحظہ ہو تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱۵۹)

علاوہ ازیں آپ نے مختلف اوقات میں افریقہ کی مختلف مہموں میں بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک صحابہ کے ساتھ شمولیت کی۔ آپ کوئی ساری زندگی مدینہ طیبہ ہی میں نہیں رہے اور نہ ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سریر آرائے خلافت ہوتے وقت انہیں اپنا کاتب یا منشی بنالیا تھا۔ بلکہ جب وہ بحرین کی گورنری اور افریقہ کی مہمات میں شمولیت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے تجربے اور علمی قابلیت کے پیش نظر اپنی خلافت کے آخری ایام میں ان کو کاتب اور منشی مقرر کیا گیا۔

اور یہ جو بعض نام نہاد مفکرین اور دشمنان صحابہ کہتے ہیں کہ وہ اس عہدے کے ذریعہ ملکی سیاست پر اثر انداز ہوتے تھے سراسر غلط ہے۔ یہ کوئی ایسا عہدہ نہیں ہے جس سے ملکی سیاست پر کوئی اثر انداز ہوسکے اور نہ ہی ملکی پالیسی کوئی کاتب یا منشی بناتا ہے بلکہ ملکی پالیسیاں خلیفہ یا مجلس شوریٰ بناتی ہے اور یہ جو محمد ابن ابی بکر کے قتل کے خط کا واقعہ ان کی جانب منسوب

کیا جاتا ہے یہ بھی ایک بہتان اور جھوٹ ہے۔ نہ انہوں نے کوئی ایسا خط لکھا اور نہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسا خط لکھوایا۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے سبائیوں کے سامنے اس کا حلف بھی اٹھایا اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی سبائیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ خط تم نے اپنی طرف سے بنایا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک شورائی نظام میں تھا۔ چنانچہ آپ نے ہر اہم معاملہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ اگرچہ آپ مشورہ کرنے کے مکلّف نہیں تھے کیونکہ آپ نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ کی روشنی میں نہیں بلکہ وحی کی روشنی میں چلتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے تعلیم امت کی خاطر اہم امور میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا۔ جس کے جواب میں سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان نثاری کا اظہار فرمایا اور ان کے بعد سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ اپنی سرفروشی کے جذبے کا اظہار فرمایا کہ:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا ہے وہ کر گزریئے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ بخدا! ہم بنی اسرائیل کی طرح ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم بنی اسرائیل کے برخلاف یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد اور قتال کریں۔ ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد وقتال کریں گے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ الفاظ بھی نقل فرمائے ہیں:

ولکنا نقاتل عن یمینک وعن شمالک و بین یدیک و خلفک.

''بلکہ ہم آپ کے دائیں آپ کے بائیں اور آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے لڑیں گے۔'' (بخاری:۱/۵۶۴)

یہ روایت ''زرقانی'' ۱/۴۱۲، ''عیون الاثر لابن سید الناس'': ۱۱۴ اور ''سیرت ابن ہشام'': ۲/۱۲ پر بھی نقل کی گئی ہے۔

اسی طرح غزوہ احد کے موقع پر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا کہ ہمیں مدینہ طیبہ میں پناہ گزیں ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے یا باہر نکل کر اس سے دو دو ہاتھ

کرنے چاہئیں۔ اس پر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ طیبہ ہی میں پناہ گزیں ہو کر ہمیں دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ لیکن جو نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل نہ کر سکے تھے اور شوق شہادت میں بے تاب تھے ان کی رائے یہ تھی کہ ہمیں مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے اور بارگاہ نبوی میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تو اب جانفزا دن کے متمنی اور خواہش مند تھے اور خدا سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اب جب وہ دن آ گیا ہے تو ہمارے جذبہ شوق شہادت کو ٹھنڈا نہ فرمائیں۔ اس مشورہ میں بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے جن میں ایک سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ پر یہ مقدس کتاب نازل فرمائی، میں اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا جب تک مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر اپنی تلوار سے دشمنوں کا مقابلہ نہ کرلوں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۱۲/۴، زرقانی: ۲/۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ مہاجرین وانصار سے بعض جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس مشورہ میں ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شریک ہیں تو آپ نے بھی یہی عزم فرمالیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

آپ حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے اس اثناء میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکل کر حملہ کرنے پر مجبور کیا ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آپ کو اپنی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔ اتنے میں آپ دو زرہیں پہن کر اور اسلحہ سے لیس ہو کر باہر تشریف لائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی مرضی فرمایئے ہم نے جو آپ کی مرضی مبارک کے خلاف آپ کو مجبور کیا ہے وہ درست نہ تھا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ ہتھیار لگا کر اتار دے یہاں تک کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرے۔ اب اللہ کے نام پر چلو اور میں جو حکم دوں اس کی تعمیل کرو۔ اور اگر تم صابر اور ثابت قدم رہے تو نصرت خداوندی تمہارے ہی لیے ہے۔

یہ تو سیرت نبوی سے صرف دو مثالیں مشورہ کے بارے میں پیش کی ہیں۔ اس طرح کی کئی مثالیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد ہائے خلافت میں بھی ملتی ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد عرب میں جب نفاق پھیل گیا اور لوگ مرتد ہونے لگے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا اور

تقریر فرمائی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے صحابہ رضی اللہ عنہم پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ حیران ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے اگرچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑے زور سے اپنے موقف کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش فرمایا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شرح صدر فرمایا تھا۔ میرا بھی اس پر شرح صدر ہوگیا۔ (''کنز العمال'': ۱۴۲/۲)

اسی طرح خلافت فاروقی میں بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے، کیونکہ اسلامی حکومت مشورہ پر مبنی ہوتی ہے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ شوریٰ سے مشورہ کے بعد ہر معاملہ میں حکم جاری کرتا ہے، چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، احقر کی کتاب ''فتنہ جمہوریت'')۔

اپنے پیش رِووں کی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے عہد خلافت میں مختلف معاملات کے بارے میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف وقتوں میں مشورے لیتے رہے اور اسلامی نظام حکومت کی اساس ''شورائیت'' کو برابر قائم رکھا۔

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی آپ کے سامنے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقدمہ پیش ہوا۔ جنہوں نے جذبات میں آ کر ہرمزان اور جفینہ وغیرہ کو قتل کر دیا تھا۔ آپ اگرچہ نہایت صاحب بصیرت بزرگ تھے، لیکن پھر بھی مہاجرین وانصار کو جمع کر کے فرمایا:

اشیر واعلی فی ھذا.

''مجھے اس معاملہ کے بارے میں مشورہ دو۔'' (طبری: ۳۰۲/۳)

پھر ان لوگوں نے جو مشورہ دیا وہ اگرچہ اختلاف پر مبنی تھا جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں ہم نے اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے لیکن آپ نے اپنی بصیرت اور علم و دانش سے جس جماعت کی رائے قرآن وسنت اور استحسان کے زیادہ قریب تھی اس پر عمل فرمایا۔

اس سلسلہ میں آپ نے ایک مجلس شوریٰ (ADVISORY COUNCIL) بھی قائم کی ہوئی تھی جس سے ہر معاملہ میں مشورہ لیتے تھے۔ اس کے لیے تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی پیش کرتے ہیں کہ آپ نے بعض معاملات میں اپنے گورنروں کو بھی شریک مشورہ

کیا۔ چنانچہ اپنی خلافت کے آخری ایام میں آپ نے اس شورش کے بارے میں جو سبائیوں نے برپا کررکھی تھی اپنے گورنروں کی ایک مجلس مشاورت بلائی جس میں گورنر کوفہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، گورنر بصرہ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور گورنر شام سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے شرکت فرمائی۔ آپ نے سبائیوں کے سب معاملات اور ان کی تخریبی کارروائیاں مجلس مشاورت کے سامنے پیش کیں اور فرمایا:

اشیرو اعلی

''مجھے اس بارے میں مشورہ دو۔'' (''البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۲۷''طبری'': ۳/ ۲۷۲، ۲۸۰)

غرض ہر معاملہ میں ارباب حل وعقد اور اہل دانش وبینش حضرات سے مشورہ کیا جاتا اور رائے عامہ کا پتہ چلایا جاتا۔ چنانچہ شورش کے ایام ہی میں جب حالات کے زیادہ دگرگوں ہونے کا خدشہ محسوس ہونے لگا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مشورہ فرمایا جس پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف صوبوں میں تحقیقات حال کے لیے وفود بھیجے جائیں اور وہ وہاں کا آنکھوں دیکھا حال اور وہاں کے باشندوں سے کانوں سنی باتیں دربار خلافت میں آ کر بتائیں تاکہ رائے عامہ کا پتہ چلے اور ان وفود کی رپورٹ پر پھر آپ مناسب کارروائی کریں۔ آپ کو سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز پسند آئی اور آپ نے 35ھ میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسرے صوبوں میں تحقیق حال کے لیے روانہ فرمایا۔

(ابن اثیر: ۳/ ۷۸)

لیکن ان سب لوگوں کی رپورٹ جو تاریخ کے رپورٹرز ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں...... یہ تھی:

ما انکرنا شیئا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم وقالوا جمیعا الامر المسلمین الا ان امرائھم یقسطون بینھم ویقومون علیھم۔

''ہم نے وہاں کوئی بری بات نہیں دیکھی، عام اور خاص مسلمان دونوں نے کوئی بری بات نہیں معلوم کی۔ مسلمانوں کا معاملہ ٹھیک چل رہا ہے اور مسلمانوں کے حکام ان میں عدل وانصاف کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے ادا کرتے ہیں۔''

(''ابن اثیر'': ۳/ ۷۸، طبری: ۳/ ۳۷۹، ابن خلدون: ۲/ ۱۰۲۷)

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رائے عامہ کا کس قدر خیال رکھتے تھے اور ہر معاملہ میں کس طرح اپنے گورنروں، مشیروں اور رفقائے کار سے مشورہ لیتے تھے اور اسی مشورہ پر ان کی حکومت کی بنیاد تھی۔

عمال سے احتساب:

اسلام کا نظم مملکت جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ نہ تو جمہوری ہے اور نہ ہی آمرانہ بلکہ شورائی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ خلیفہ وقت اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا اور نہ ہی اپنی مرضی سے کسی کا احتساب کرسکتا ہے۔ اسلام نے مشورہ کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو پورے اختیارات دیئے ہیں وہ اگر اپنی بصیرت سے کسی بات کو صحیح سمجھتا ہے اور شوریٰ کا مشورہ اسکے خلاف ہے تو وہ شوریٰ کی بات کو رد بھی کرسکتا ہے۔ تاریخ میں خلفائے راشد کے باب میں اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اور خلیفہ اگر کسی شخص کے خلاف کوئی شکایت سنتا ہے تو وہ اپنی مرضی اور اختیار سے اس کا محاسبہ بھی کرسکتا ہے۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ خلیفہ اسلام کے فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گورنروں اور سلطنت کے دوسرے عمائدین کی کڑی نگرانی کرے اور اگر ان کے خلاف ذرا سی بھی کوئی شکایت ملے تو فوراً ان کا محاسبہ کرے۔ سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

① سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح فارس، عشرہ مبشرہ کے صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں لیکن جنگ نہاوند سے چند روز قبل ایک شخص جراح بن سنان الاسدی اور اس کی قوم کے چند افراد نے ان کی نماز، دین اور عدل کے بارے میں بارگاہ خلافت میں شکایت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لیے بھیجا۔ یہ آپ کے نہایت معتمد اور انسپکٹر جنرل تھے اور تحقیقات کے متعلق تمام امور آپ انہیں کے سپرد فرمایا کرتے تھے۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فوراً پہنچے، تحقیقات شروع کردی۔ تحقیقات پوشیدہ طور پر نہیں کی بلکہ اس عظیم سپہ سالار کو ساتھ لیے مسجد مسجد پھرے اور لوگوں سے علانیہ ان کی سیرت کردار اور ان الزامات کے بارے میں دریافت کیا جو ان پر لگائے گئے تھے، سب نے یہی کہا:

''ہم نے تو ان میں بھلائی ہی دیکھی ہے۔ ہم ان کے بدلے کسی اور شخص کو نہیں چاہتے۔''

محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں تک پہنچے جنہوں نے بارگاہ خلافت میں ان کی شکایت کی تھی لیکن وہ بھی کوئی برائی پیش نہ کر سکے۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر مسجد بنی عبس میں لے گئے اور حاضرین کو قسم دے کر کہا کہ جس کسی کو ان کے بارے میں کوئی بات معلوم ہو وہ بتائے۔

اس پر ایک شخص قتادہ بن عامر بولا:

''جب آپ نے خدا کی قسم دلائی ہے تو میں کہے دیتا ہوں کہ یہ شخص مساویانہ تقسیم نہیں کرتا، رعایا کے ساتھ عدل نہیں کرتا اور میدان جنگ میں لڑتا نہیں۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بولے:

''اے اللہ! اگر اس شخص نے یہ بات جھوٹ، ریا اور میری بدنامی کے لیے کہی ہے تو اسے اندھا کر دے، اس کو کثیر الاولاد بنا اور اسے گمراہ کن فتنوں میں پھنسا دے۔''

چنانچہ یہ شخص اندھا ہوا، دس بیٹوں کا باپ بنا اور جب بھی کسی عورت کے بارے میں سنتا تو اس کے پاس جاتا اور اسے ٹٹولتا۔ اگر کوئی شخص معترض ہوتا تو کہتا کہ ''مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بد دعا لگ گئی ہے۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستے میں مشرکین کا خون بہایا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فداک ابی و امی'' میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں'' نہیں فرمایا۔ مگر بنو اسد کہتے ہیں کہ میں نماز ٹھیک نہیں پڑھتا اور شکار کا دھنی ہوں۔''

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور شکایت کرنے والوں کو لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور رپورٹ پیش کی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تجھ پر افسوس ہے تو کیسے نماز پڑھتا ہے''؟ انہوں نے جواب دیا: ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! پہلی دو رکعت میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملاتا ہوں اور آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھتا ہوں''۔ آپ نے فرمایا: ''میرا بھی تمہارے متعلق یہی خیال تھا۔ میں نے یہ تحقیقات صرف احتیاط کی وجہ سے کی ہیں، ویسے مجھے یقین تھا کہ سعد رضی اللہ عنہ ان الزامات سے بری ہے۔''

اسی طرح کا ایک اور واقعہ سیدنا سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے کہ سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں حمص میں گورنر بنا کر بھیجا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب حمص تشریف لائے تو پوچھا اے اہل حمص! تمہارا گورنر کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں ان سے چار شکایتیں ہیں:

① جب تک دن نہیں چڑھ جاتا یہ گھر سے باہر نہیں نکلتے۔

② رات کے وقت کبھی کسی کی پکار نہیں سنتے۔

③ مہینے میں ایک دن تو بالکل باہر تشریف نہیں لاتے۔

④ کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور لوگوں کی یہ شکایتیں ان کے سامنے بیان کیں اور ان سے ان کے بارے میں جواب طلبی کی۔

پہلے اعتراض کے بارے میں گورنر حمص سیدنا سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا، امیر المومنین! میں اس بارے کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن اب یہ چاروں باتیں آپ کے سامنے بطور شکایت پیش کی گئی ہیں لہٰذا ترتیب وار ان کے جوابات سنیں:

① پہلا اعتراض کہ جب تک دن نہیں چڑھ جاتا میں گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میری اہلیہ کے پاس کوئی خادمہ نہیں ہے۔ لہٰذا میں خود آٹا گوندھتا ہوں پھر اس کے خمیر ہونے کے انتظار تک بیٹھا رہتا ہوں۔ پھر روٹی پکاتا ہوں، بعد ازاں وضو کرتا ہوں اس کے بعد باہر آتا ہوں۔

② دوسرا اعتراض کہ میں رات کے وقت کسی کی بات کا جواب نہیں دیتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے دن عوام کے لیے اور رات اللہ کیلئے ٹھہرائی ہوئی ہے۔

③ تیسرا اعتراض کہ میں ہر ماہ ایک دن باہر نہیں نکلتا۔ اس کا جواب ہے کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں جو میرے کپڑے دھوئے اور نہ ہی میرے پاس دوسرے کپڑے ہیں۔ لہٰذا میں کپڑے دھونے اور انہیں خشک کرنے کے لیے بیٹھا رہتا ہوں پھر دن کے آخری حصے میں باہر آتا ہوں۔

④ چوتھا اعتراض کہ میں کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں سیدنا خبیب انصاری رضی اللہ عنہ کی موت کا منظر دیکھا تھا کہ اہل مکہ نے ان

کی بوٹیاں اڑا کر انہیں کھجور کے تنے پر لٹکا دیا اور پوچھا: ''کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ آج محمد تیری جگہ ہوتے۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''واللہ! مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے اہل وعیال میں آرام سے ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک ذرا سا کانٹا بھی چبھے۔'' مجھے جب بھی وہ دن یا آتا ہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس گناہ کی وجہ سے کبھی نہ بخشے گا کیونکہ میں نے اس حالت میں خبیب کی مدد نہ کی تھی کیونکہ میں ان دنوں مشرک ہونے کی وجہ سے خدا پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ لہٰذا میں بے ہوش ہو جاتا ہوں۔''

گورنر کے یہ جوابات سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری رائے کو غلط ثابت نہ ہونے دیا۔''

عمال سے جس طرح سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں محاسبہ کیا جاتا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی ان سے اسی طرح احتساب ہوتا تھا کیونکہ عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جرم اگر بڑے سے بڑا آدمی بھی کرے تو اس کو بھی معاف نہ کیا جائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی بھی یہی تعلیمات ہیں۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا چوری کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر چوری کی حد جاری فرمانے کا حکم فرمایا۔ چونکہ وہ عورت اپنے قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھی لہٰذا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جناب رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرنے کے لیے کہا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بہت چہیتے تھے۔ (مسند احمد:۵/۲۰۵، ''بخاری'':۵۲۸)

لہٰذا وہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اس عورت پر حد نہ جاری کرنے کی سفارش کی۔ آپ کو اسامہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات ناگوار گزری، لہٰذا فرمایا:

شفع فی حد من حدود اللّٰہ.

''اے اسامہ رضی اللہ عنہ! کیا تو اللہ کی حدود میں میرے پاس سفارش کرتا ہے۔''

پھر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں فرمایا:

انما اھلک الذی قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیه الحدود وایم اللّٰہ لو ان فاطمه

بنت محمد سرقت لقطعت يدها.

''تم سے پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی بڑا شخص چوری کرتا تو اس پر حد جاری نہ کرتیں اور جب کوئی کمزور اور چھوٹا آدمی چوری کرتا تو اس پر وہ حد جاری کرتیں۔ بخدا! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں۔'' (بخاری:۱/۴۹۴، ۵۲۸)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جناب رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم کو عملی جامہ پہنایا اور احتساب کے معاملہ میں کسی کی بزرگی اور عہدے کا کوئی لحاظ نہ کیا۔

اس سلسلہ میں گورنر کوفہ سیدنا ولید بن بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ آپ کے احتساب کی ایک اہم مثال ہے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ ایک نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ خلافت عثمانی میں کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ حالت یہ تھی کہ ان پانچ سالوں میں جب وہ کوفہ کے گورنر تھے اپنے مکان کا دروازہ تک نہ لگوایا تا کہ مظلوموں اور دادخواہوں کو آنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ نہایت سخی، نرم خو اور محبوب ترین گورنر تھے۔ (طبری:۳/۳۱۲، ۳۲۵، ''البدایہ والنہایہ:۷/)

جیسا کہ اہل کوفہ کا شعار تھا کہ وہ اپنے گورنروں پر ہر وقت الزام تراشتے رہتے تھے، انہوں نے سیدنا ولید کو بارگاہ خلافت سے معزول کروانے کے لیے ان پر شراب نوشی کی تہمت لگائی اور اس کے لیے اشرار کوفہ سے چند جھوٹے گواہ بھی مہیا کیے۔ دربار خلافت میں جب خبر پہنچی تو گواہوں کو طلب کیا گیا۔ گواہوں نے سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے خلاف گواہی دی جس پر آپ نے انہیں کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔ دوسرے حکومت کے تعزیرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ 80 کوڑے ماریں۔ (بخاری:۱/۵۲۲)

بخاری کی دوسری روایت میں چالیس کوڑوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ روایت کے الفاظ ہیں:

فجلدا لوليد اربعين جلده وامر عليا ان يجلده و كان هو يجلده.

''آپ نے ولید رضی اللہ عنہ کو چالیس کوڑے مروائے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ جو کہ حد نافذ کرتے تھے ان کو حکم دیا کہ وہ انہیں کوڑے ماریں۔'' (۳) (بخاری:۱/)

سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ گورنر کوفہ ہیں لیکن شرعی طور پر جب ان کے خلاف شہادتیں مل گئیں اگرچہ وہ جھوٹی تھیں لیکن آپ نے بغیر کسی رعایت کے قانون کے تقاضے کو پورا کیا اور سیدنا ولید رضی اللہ عنہ پر حد جاری فرمائی اور ان کو گورنری کے عہدے سے

بھی معزول فرمادیا۔

اسی طرح سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی رسول ہیں۔ رشتہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔ (''اسد الغابہ'': ۲/۲۹۱)

اسلام میں قریباً آٹھویں مسلمان ہیں۔ پھر اسلام میں کافروں کی پہلی خونریزی انہی کے ہاتھوں ہوئی۔ (''اسد الغابہ'': ۲/۲۹۱)

غزوہ احد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: یا سعد ارم فداک ابی و امی'' ''اے سعد رضی اللہ عنہ! تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔'' اس کے علاوہ اور بھی بے شمار مناقب کے حامل ہیں۔ پھر عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ انہوں نے گورنر کوفہ ہونے کی حیثیت سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مہتمم خزانہ سے کچھ رقم قرض لی۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جب واپسی کا تقاضا کیا تو بقول ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ دونوں بزرگوں کے مابین کچھ تلخ کلامی ہوگئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس معاملہ کا پتہ چلا تو تحقیقات سے معلوم ہوا کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا موقف غلط ہے۔ لہٰذا آپ نے انہیں گورنری سے معزول فرمادیا۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۵۱)

آپ کی خلافت کے آخری ایام میں جب سبائیوں نے آپ کے گورنروں پر مختلف قسم کے الزامات عائد کیے تو اگرچہ آپ کو معلوم تھا کہ الزامات سراسر غلط ہیں کیونکہ ان گورنروں کا سابقہ کردار ان الزامات کے غلط ہونے کی ایک بین دلیل تھا لیکن آپ نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی خاطر مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے وفود کو تحقیق حال کے لیے بھیجا تاکہ اگر کوئی الزام صحیح ثابت ہو تو اس گورنر کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام اور دوسرے کئی اور لوگوں کو دوسرے علاقوں میں ان الزامات کی تصدیق کے لیے روانہ کیا۔ جنہوں نے رپورٹ دی کہ:

''ہم نے اور ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عوام الناس نے کوئی قابل اعتراض بات ان گورنروں میں نہیں پائی۔ مسلمانوں کا معاملہ ٹھیک چل رہا ہے اور مسلمانوں کے حکام ان میں انصاف کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔''

(طبری: ۳/۳۷۹، ابن اثیر: ۳/۷۸، ابن خلدون: ۲/۱۰۲۷)

اس کے علاوہ آپ نے سارے ملک میں ایک فرمان جاری فرمایا کہ:

''تمام گورنر ہر سال حج کے موقع پر آیا کریں اور جن لوگوں کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہو وہ بھی آئیں تا کہ گورنروں کا محاسبہ کیا جا سکے۔'' (طبری:۳/ ۴۲۷)

طبری اور دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ نے پورے ملک میں ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں پبلک سے کہا گیا:

''جس کو میرے کسی گورنر کے خلاف کسی قسم کی کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر آئے وہ مجھ سے یا میرے گورنروں سے اپنا حق لے لے یا معاف کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو بہترین بدلہ دیتا ہے۔'' (طبری:۳/۳۸۰)

یہ صرف آپ کے احتساب کے بارے میں چند مثالیں تھیں جو پیش کی گئیں ورنہ اس قسم کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے گورنروں سے احتساب کے بارے میں اگر اپنے پیش رو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں تھے تو پیچھے بھی نہیں تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلامی سلطنت کے موسس اول سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے اپنے دس سالہ دور خلافت میں امور سلطنت میں وہ ساری اصطلاحات نافذ کر دیں جو ضروری تھیں اور بعد میں آنے والوں کیلئے بہت کم کام چھوڑا۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر اور فلسطین کو 20ھ میں صوبوں کا درجہ دے دیا۔ (یعقوبی:۱/۲۰۰)

اس کے علاوہ جو علاقے فتح ہوئے ان کی پہلی تقسیم کو برقرار رکھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانے میں حکومت کی اسی تشکیل اور تقسیم کو برقرار رکھا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں کی تھی البتہ اس میں کچھ ردوبدل کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں دمشق، اردن، حمص اور فلسطین کے علاقوں کو ملا کر شام کے صوبہ میں مدغم کر دیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قبرص، آرمینیہ، طبرستان اور طرابلس کو الگ الگ صوبے کی حیثیت دے دی جس سے حکومت کے انتظام وانصرام میں کافی سہولت پیدا ہوگئی لیکن صوبے کا ہر گورنر بارگاہ خلافت میں جواب دہ تھا۔

جوہر قابل کا انتخاب:

جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ جوہر شناس تھی اور آپ نے سلطنت کے ہر شعبہ میں اس کے لیے موزوں آدمیوں کا انتخاب کیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں سے بڑھ کر اس کام کے لیے اور کوئی موزوں آدمی نہ تھا۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں چار شخص "دھاۃ العرب" یعنی فن سیاست وتدبیر میں لاجواب اور بے مثل سمجھے جاتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زیاد ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا زیاد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کچھ زیادہ ہی کم عمر تھے، صرف 16، 17 سال کے۔ اس لیے ان کے علاوہ باقی تین بزرگوں کو آپ نے بڑے بڑے عہدے دے کر ان کی قابلیت سے فائدہ اٹھایا اور زیاد رضی اللہ عنہ کے بارے میں گورنر کوفہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ ان کی قابلیت اور استعداد سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ انہوں نے زیادا بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو اپنا مشیر کار اور پرائیویٹ سیکرٹری مقرر فرمالیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو فوج کا سپہ سالار مقرر فرما کر محاذ جنگ پر ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ جیسے ادیبوں اور صاحب قلم لوگوں کو بیرونی خط وکتابت کا قلمدان تفویض فرمایا جس سے ان کی ساری صلاحیتیں ملک وملت کے لیے وقف ہوگئیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پیش رو کی پالیسی پر عمل کیا اور سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ ابھرتے ہوئے نوجوانوں سے وہ کام لیا جو بعض عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگ بھی سرانجام نہیں دے سکتے تھے۔ یہ سارے حضرات نہ صرف جہاں بانی اور ملک گیری کے اصولوں سے واقف وآشنا تھے بلکہ تقویٰ اور پرہیز گاری، اخلاص اور نیک نیتی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

کان محمودًا فی ولایته.

"وہ اپنے صوبے میں لوگوں کی نگاہ تحسین وتعریف کے حامل تھے۔"

(الاصابہ: ۲/۱۷۴)

تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے دعا کی تھی کہ میرا سب سے آخری عمل نماز ہو۔ چنانچہ صبح کی نماز پڑھ کر جب سلام پھیرا تو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ (اسد الغابہ: ۳/ ۱۷۶، ''استیعاب: ۳/)

یہی حال سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا تھا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

كان مشهورا بالكرم والبر.

''جود وسخا اور نیکی میں بہت مشہور تھے۔'' (الاصابہ: ۳/ ۱۷۴)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں جو ریمارکس دیئے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں، فرماتے ہیں:

كان من سادات المسلمين والاجواد المشهورين.

''سعید رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سردار جود وسخا میں نہایت شہرت کے حامل تھے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۸۱)

عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھیوں سے ان اوصاف حمیدہ میں کم نہ تھے۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

كان عبدالله بن عامر سخياً كريماً حليماً ميمون النقيبة كثير المناقب.

''عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سخی، شریف النفس، صاحب حلم، مبارک خیالات کے حامل اور بہت سی خوبیوں والے تھے۔'' (استیعاب'': ۳/ ۳۵۱)

ایسا ہی علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''البدایہ والنہایہ: ۸/ ۸۸ پر لکھا ہے اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا تو پوچھنا ہی کیا۔ علمائے اسماء الرجال اور مؤرخین ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ (ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ: ۸/ اصابہ: ۳/ ۶۳۷، طبری: ۳/ ۳۲۸، ۳۳۰)

ان گورنروں کے تفصیلی حالات ہم اس کتاب میں الگ بھی لکھ چکے ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی کئی حضرات ایسے تھے جن کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مردم شناس نگاہ نے کاروبار حکومت کے لیے منتخب کرلیا اور جو خلافت عثمانی میں بڑے مفید ثابت ہوئے۔ جنھوں نے سلطنت کی پہنائیوں میں دور دور تک اضافہ کیا اور وہاں کے انتظام و انصرام میں بھی کامیاب رہے۔

آپ نے ان گورنروں کو بالکل آزاد ہی نہیں چھوڑ دیا ہوا تھا، بلکہ وقتاً فوقتاً ان کو بارگاہ خلافت میں بلا کر اور اکثر و بیشتر خطوط کے ذریعے گائیڈ لائن کے طور پر ان کو ہدایات بھی فرماتے رہتے۔ چنانچہ ان کے وہ خطوط آج بھی تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

حج میں گورنروں کی طلبی:

آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اُن گورنروں کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا ہوا تھا کہ وہ موسم حج میں ضرور آیا کریں تا کہ ان کے خلاف الزامات کی صحیح تحقیق ہو سکے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں آپ کا یہ گشتی مراسلہ مرقوم ہے کہ آپ نے سلطنت کے تمام علاقوں میں یہ گشتی مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا:

''میں ہر سال حج کے موسم پر اپنے گورنروں کا محاسبہ کیا کروں گا، اور جس عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جائے گی اس کی فوراً تحقیقات کر کے پورا تدارک کیا جائے گا، کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ بے وجہ تنگ کرتے ہیں۔ ویسے جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر پڑی ہے۔ تب سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار اور فریضہ بنا رکھا ہے اور میں ان الزامات کے تدارک کے لیے پوری پوری کوشش کرتا ہوں جو مجھے یا میرے گورنروں کو پہنچائے جاتے ہیں۔ رعایا کے مصارف میں سے جو مال بچ جائے اس میں میرا اور میرے اہل و عیال کا حق ہے۔ جس کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے گورنروں سے اپنا حق مانگ لے یا پھر معاف کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔''

(طبری:۳/۳۸۰، ابن اثیر:۳/۷۸)

ایک اور مقام پر طبری ہی نے لکھا ہے کہ آپ نے سلطنت کے تمام شہروں میں یہ گشتی مراسلہ بھیجا کہ:

ان یوافیه العمال فی کل موسم ومن یشکوهم.

''سب گورنر ہر سال حج کے موقع پر ضرور آیا کریں اور جن لوگوں کو ان کے خلاف شکایت ہو، وہ بھی آئیں۔'' (طبری:۳/۴۲۷)

تاریخ کے ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صحیح معنوں میں اسلامی قانون کی حکمرانی تھی اور بڑے سے بڑا شخص بھی قانون کی گرفت سے مستثنیٰ نہ تھا لیکن قدیم اور جدید سبائیوں نے ان کی خلافت راشدہ میں بھی کیڑے نکالنے شروع کر دیئے اور وہ کیڑے نکالے جو اس وقت کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نظر نہ آئے جن کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

اس بات میں بھی کوئی مبالغہ نہیں ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ جدید سبائیوں نے اہل سنت والجماعت کے لبادہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر وہ اتہامات لگائے جو قدیم سبائیوں کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھے۔ اہل بیت نبوت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تعلقات کو اس طرح بیان کیا گیا اور خلافت اور ملوکیت کے عنوانات کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار اس طرح بتایا گیا، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے بارے میں کذاب اور شیعہ راویوں کی روایات سے اس طرح تصویر کشی کی گئی جیسا کہ وہ آج کل کے پیشہ ور سیاستدانوں کی حکومت تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) کوئی پیشہ ور سیاستدان تھے جن کے نزدیک اپنی پارٹی کی ہر بری سے بری چیز اچھی اور جمہوری ہوتی ہے اور مخالف پارٹی کی ہر اچھی سے اچھی بات بری اور غیر جمہوری ہوتی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، احقر کی کتاب ''اہل بیت نبوت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلقات اور رشتہ داریاں)

اصلاحات:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہری زمانہ تھا کیونکہ اس زمانہ میں کثرت فتوحات کی وجہ سے اسلامی مملکت کی پہنائیوں میں اس قدر اضافہ ہوا جو اس سے قبل کی دونوں خلافتوں میں نہیں ہوا تھا اور اسلام افریقہ اور یورپ کے براعظموں تک پہنچ گیا جیسا کہ جلد اول میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دور خلافت میں مسلمانوں کی سطوت ایک طرف بلاد نوبہ تک اور دوسری طرف ہندوستان کی حدود تک پھیل گئی۔ یہاں تک کہ ان کا دمامہ دولت ہرات تک بجنے لگا۔ سلطنت کسریٰ جس کی حدود کی وسعت اور جس کی ہیبت و سطوت دنیا کی دوسری اقوام کے قلوب پر مستولی تھیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قعر عدم میں چلی گئی۔ 28ھ میں

جزیرہ قبرص فتح ہوا اور 30 ھ میں نیشاپور، طوس، سرخس، مرو وغیرہ مقامات اسلامی قلم رو میں شامل ہو گئے۔

فتوحات کی اس کثرت سے مدینۃ الرسول میں سیم و زر کا سیلاب آ گیا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر وہ زر و مال رعایا میں تقسیم کیا، لہٰذا پوری سلطنت اسلامیہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جسے مال و دولت کی خواہش ہو۔ مال و دولت کی فراوانی اس قدر ہوئی کہ مدینۃ الرسول میں ایک ایک گھوڑا ایک ایک لاکھ درہم میں فروخت ہونے لگا۔

(الاستیعاب:۳/۷۳)

ان ایام میں مدینۃ الرسول نہایت آباد و معمور تھا۔ ہر طرف سے ملکوں کا خراج اور مال غنیمت سمٹا ہوا مدینۃ الرسول میں پہنچ رہا تھا اور ساری دنیا کی نگاہیں اس کو دیکھ کر خیرہ ہو رہی تھیں۔

مال کی اس بہتات کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے لیے بہت سے کام کیے جن کی وجہ سے مدینہ منورہ کی ریاست ایک مثالی فلاحی ریاست بن گئی اور اسلام کا وہ نظام مملکت جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب و سنت میں بتایا تھا، عملی طور پر لوگوں کے سامنے آ گیا اور کوئی شخص اپنی روز مرہ کی زندگی میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا تھا۔ مرفہ حالی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اصلاحات کی وجہ سے ملک کے ہر صوبے میں ترقی او خوشحالی کی لہریں دوڑنے لگیں۔

رفاہ عامہ کے کام:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت ہی میں رفاہ عامہ کے لیے بہت کچھ کیا تھا اور اس کے لیے بہت سے ادارے قائم کیے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب اداروں کو اسی طرح قائم رکھا بلکہ ان میں عوام الناس کی بہتری کے لیے کچھ ترامیم بھی کیں اور زمانہ کے حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ان میں کچھ ردوبدل بھی کیا۔ تواریخ کی کتابوں میں اس قسم کی بکثرت روایات ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں نہ صرف مدینہ طیبہ کے بلکہ پوری مملکت اسلامیہ کے لوگ نہایت مرفہ حالی اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہی خراج، فئے اور غنیمت کا مال مملکت کے مختلف گوشوں سے سمٹ کر بیت المال میں آیا۔ آپ نے اسے رفاہ عامہ میں خرچ کر کے لوگوں

کی خوشحالی میں مزید اضافہ کیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شروع ہی سے داد و دہش میں اپنی مثال آپ تھے۔ چاہ رومہ کی خریداری، غزوہ تبوک میں اسلامی لشکر کی امداد، فاقہ کش لشکر کے لیے سامان خوراک کی فراہمی، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے قرض کی معافی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق مہر کی رقم کی عطا وغیرہ، آپ کی کتاب سخاوت کے اہم ترین باب ہیں۔ مہاجرین وانصار کی مالی امداد آپ زندگی کے آخری سانسوں تک کرتے رہے اور سریر خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی اپنی طرف سے اور اپنی حکومت کی طرف سے آپ نے اس جود وسخا کے وطیرہ کو برابر جاری وساری رکھا۔ چنانچہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس بات کے باوجود کہ بعض لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی کیا کرتے تھے لیکن میں نے دیکھا۔

''لوگوں پر ہر روز سیم وزر اور رزق و مال تقسیم ہوتا رہتا تھا۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۳)

پوچھا گیا کہ وہ مال ورزق لوگوں پر کیسے تقسیم ہوتا، فرمایا:

''انہیں کہا جاتا اے مسلمانو! اپنے عطیات صبح سویرے حاصل کرلو۔ چنانچہ لوگ وافر مقدار میں اپنے عطیات حاصل کرلیتے۔ پھر انہیں کہا جاتا کہ اپنے روزینے حاصل کرلو۔ چنانچہ وہ اپنے روزینے وافر تعداد میں حاصل کرلیتے۔ پھر کہا جاتا کہ اپنے حصے کا گھی اور شہد لے لو۔ چنانچہ وہ اپنے حصے کا گھی اور شہد ایک بڑی مقدار میں حاصل کرلیتے کیونکہ حالت یہ تھی کہ اس وقت مملکت اسلامیہ میں رزق کے دریا بہہ رہے تھے، دشمن مارے خوف کے دبکا ہوا تھا، اہل اسلام باہم الفت ومحبت کی تصویر بنے ہوئے تھے، خیر وبرکت کی فراوانی تھی اور حالت یہ تھی کہ کسی مومن سے ذرہ برابر کوئی خوف وہراس نہیں تھا۔ بلکہ جب وہ کسی دوسرے مسلمان کو ملتا تو اسے اپنا بھائی سمجھتا اور اس کی الفت ومحبت اور خیر خواہی کا طالب ہوتا۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۳، استیعاب ۳/۷۳۔۷۴)

میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی اصلاح جو انہوں نے اپنی رعایا میں جاری وساری کی وہ یہی تھی کہ انہوں نے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں ایمان اور انسانی اقدار کو فروغ ملا۔ باہم الفت ومحبت کے رشتے استوار ہوئے۔ اخوت و برادری کا دور دورہ ہوا

اور ساری مملکت اسلامیہ کے مسلمان بلکہ انسان آپس میں بھائی چارے کے ماحول میں اطمینان وسکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔ کیونکہ رعایا کے لیے اگر سب کچھ بھی مہیا کر دیا جائے اور بڑے بڑے ادارے بھی قائم کر دیے جائیں اور پبلک ورکس اور رفاہ عامہ کے خواہ کتنے محکمہ جات کیوں نہ کھول دیئے جائیں لیکن ملک میں امن وامان اور دلی یگانگت کا فقدان ہو۔ بھائی چارہ اور خیر خواہی کے ماحول کے بجائے منافقت اور تشتت وافتراق کا ماحول پیدا کر دیا جائے تو رفاہ عامہ کے یہ سارے ادارے بیکار محض ہو کر رہ جاتے ہیں، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انسانی اور ایمانی اقدار معاشرے میں پیدا کرنے کے باوجود رفاہ عامہ کے بھی سارے کام کیے جن سے ان کی اس مادی زندگی کے ایام بھی خوشی ومسرت اور سکون واطمینان سے گزرنے لگے۔

تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عوالی کے عمال کو یہ حکم فرمایا تھا کہ عوالی میں رہنے والے لوگوں کی فہرست انہیں بھیجی جائے۔ جب وہ فہرست دربار فاروقی میں پہنچی تو آپ نے ان سب کے روزینے جاری فرما دیے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان روزینوں میں اضافہ کر دیا اور نہ صرف روزینوں میں اضافہ کیا بلکہ لباس اور پوشش بھی انہیں دینا شروع کر دی۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تو اس بارے میں یہاں تک لکھ دیا کہ کثرت فتوحات کی وجہ سے جب سلطنت کی پہنائیوں سے دولت کے انبار سمٹ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے ان کے لیے خزانے تعمیر کروائے اور مستحق اور قلاش لوگوں کو اتنا مال دیا کہ ہر آدمی کو ایک ہزار تھیلی اور ہر تھیلی میں چار ہزار اوقیہ تھا، یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم۔ (تاریخ الخلفاء")

روزینوں میں اضافہ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں پبلک کے جو روزینے مقرر فرمائے تھے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان روزینوں میں فی کس سو درہم کا اضافہ کیا۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے:

اول خلیفۃ زاد الناس فی اعطیاتھم ماۃ عثمان۔

"سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے لوگوں کے وظائف اور روزینوں میں سو درہم فی کس کا اضافہ کیا۔" (البدایۃ والنھایۃ: ۷/ ۱۴۸، طبری: ۳/ ۳۰۷)

سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عوام الناس کے لیے جو مال فئے سے امداد کا مستحق ہوتا، ایک ایک درہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے دو دو درہم روزانہ بیت المال سے جاری فرمایا ہوا تھا۔ آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ کھانا پکوا کر ان لوگوں کو کھلایا کریں تو یہ بہتر ہو۔ فرمایا کہ آدمی اپنے گھر میں دل جمعی کے ساتھ پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے۔ لہٰذا سید عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سب روزینے نہ صرف اسی طرح برقرار رکھے بلکہ رمضان المبارک میں مسجد کے عبادت گزاروں، مسافروں اور گداگروں کو کھانا کھلانا اس پر مستزاد فرما دیا۔

(طبری: ۳/ ۲۰۷، فتوح البلدان: ۲۲۳، ''البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۴۸)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں کہ:

واتخذ سماطاً فی المسجد ایضا للمتعبدین والمعتکفین وابناء السبیل والفقراء والمساکین.

''اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں عبادت گزاروں، اعتکاف کرنے والوں، مسافروں، مساکین وغیرہ کے لیے عام دسترخوان بھی بچھا دیا۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۴۸)

وظائف اور روزینوں کے بارے میں آپ میں اس قدر ذمہ داری کا احساس تھا کہ اپنے ایام محاصرہ میں جب شورش پسندوں نے آب و دانہ تک آپ پر بند کر دیا، آپ نے اس بارے میں اپنے فرائض میں ذرہ برابر غفلت نہ برتی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ہی بیان فرماتے ہیں کہ محمد بن ہلال اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ محاصرہ کے ایام میں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتی تھی۔ ایک روز جب میں نہ آئی آپ نے میری غیر حاضری کے بارے میں استفسار فرمایا۔ بتلایا گیا کہ اس کے ہاں بچہ (ہلال) پیدا ہوا ہے۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے میرے پاس درہم اور کپڑے بھیجے، اور کہلا بھیجا کہ یہ تمہارے بچے کا وظیفہ ہے۔ جب اس کی عمر ایک سال ہو جائے گی تو اس کا وظیفہ دوگنا کر دیا جائے گا۔

(البدایۃ النہایۃ: ۷/ ۲۱۲)

کنویں:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں کنویں اور پانی

کے چشمے بنوائے، کیونکہ ملک کے بعض حصوں میں لوگوں کو پینے اور کھیتی باڑی کے لیے پانی کی سخت تکلیف تھی۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ نے ایک کنواں بئر اریس خریدا اور اس کو اس علاقے کے فقراء، مساکین، یتامیٰ اور ذوالقربیٰ کے لیے وقف کر دیا۔

(''وفاء الوفاء'' ج:۲/ ۲۱۷)

نجد کے راستے میں مدینہ طیبہ سے قریباً 24 میل دور آپ نے عام لوگوں کی سہولت کے لیے ایک کنواں کھدوایا جس کا نام بئر السائب تھا۔ (''وفاء الوفاء'' ۴/ ۱۱۳۸)

علامہ طبری نے ایک اور کنویں کا ذکر بھی کیا ہے جو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں عوام الناس کی بہتری کے لیے کھدوایا۔

فحضر بئراً بالمدينة شرباً للمسلمين.

''آپ نے مدینہ طیبہ میں اہل اسلام کے پانی پینے کے لیے ایک کنواں کھدوایا۔''

(طبری:۳/ ۳۳۵)

کنوؤں کے علاوہ آپ نے کچھ چشمے بھی جاری کروائے جن میں ایک چشمہ فید کے مقام پر جو عراقی حاجیوں کا ایک پڑاؤ تھا، جاری کروایا، جس سے ایام حج اور غیر ایام حج میں لوگ فائدہ اٹھاتے تھے۔ (وفا الوفاء:۳/ ۱۱۰۲)

مدینہ منورہ اور دوسرے کئی ایک مقامات کو سیلاب سے روکنے کے لیے آپ نے بند بھی بنوائے۔ چنانچہ بئر مدری کے قریب ایک بند بنوایا جس سے اس سیلاب کا رخ مدینہ منورہ سے پھر گیا جس کی وجہ سے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اور مسجد نبوی کو سیلاب کا سخت خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ بند باندھ کر آپ نے وہاں ایک نہر بھی کھدوائی تاکہ بارشوں کے زمانہ میں سیلاب کا پانی اس نہر کے ذریعے مدینہ طیبہ کی طرف آنے کی بجائے دوسری جانب چلا جائے۔ اس بند کو ''بند مہزور'' کہتے ہیں۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (وفا الوفاء:۲/ ۱۲۷)

سرائیں اور بند:

سلطنت اسلامیہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی تھی اور مختلف جگہ کے لوگ اپنی شکایات کے لیے اور صورت حال سے آگاہ ہونے کے لیے آئے دن مدینہ طیبہ آتے۔ اس زمانے میں ذرائع آمد و رفت اتنے تیز نہیں تھے جتنے آج کل ہیں، لہٰذا آنے والوں کو راستہ

میں کئی کئی مختلف جگہوں پر ٹھہرنا پڑتا۔ ان کی سہولت اور آسائش کے لیے امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف آنے والے راستوں پر مختلف قسم کی سرائیں اور چوکیاں بنوائیں۔ جہاں لوگ رات کو آرام کرتے۔ انہیں وہاں کھانے پینے اور آرام و آسائش کی ہر شئے میسر آتی۔ چنانچہ مدینہ طیبہ سے چوبیس میل دور نجد کے راستہ میں آپ نے ایک نہایت شاندار اور آرام دہ سرائے تعمیر کروائی۔ ساتھ ہی ایک چھوٹا سا بازار بھی تھا جہاں ضروریات زندگی کی ہر شئے میسر آتی۔ وہاں بئر السائب کے نام سے میٹھے پانی کا ایک کنواں بھی بنوایا گیا جس کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔

(''وفاء الوفاء'': ۲/ ۲۱۷)

امیر المومنین سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قریباً اکثر شہروں میں سرکاری اور عوامی مہمان خانے بنائے گئے تھے لیکن پھر بھی کئی ایک شہر ایسے تھے جہاں کوئی مہمان خانہ نہیں تھا۔ خصوصی طور پر کوفہ جس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تعمیر کروایا تھا، وہاں ابھی تک کوئی مہمان خانہ نہیں بنا تھا۔ چنانچہ ابو سمال الاسدی اپنے گھر کو ان لوگوں کے لیے مہمان خانے کے طور پر استعمال کرتے جن کا کوفے میں قیام کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔ کوفہ کے چیف جسٹس سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مکان جو رمادہ کے مقام ہذیل میں واقع تھا، مہمان خانے کے طور پر استعمال ہوتا۔ طبری کے الفاظ ہیں:

وكان الاضياف ينزلون داره في هذيل اذا ضاق عليهم ماحول المسجد.

''مہمانوں پر جب مسجد کے اردگرد کی جگہیں تنگ ہو جاتیں تو وہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر واقع ہذیل میں قیام پذیر ہو جاتے۔'' (طبری: ۳/ ۲۲۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب لوگوں کو اس تکلیف کا پتہ چلا تو آپ نے عقیل اور ابن ہبار کے مکانات کو بطور مہمان خانہ کے لیے خرید کر وقف کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ:

فاتخذ عثمان للاضياف منازل.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مہمانوں کے لیے کئی مہمان خانے بنوائے۔''

(طبری: ۳/ ۲۲۷)

بصرہ میں سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بھی لکھا کہ بصرہ میں ایک مہمان خانہ

بنایا جائے جس میں مدینہ کے مسافر اور دوسرے لوگ ٹھہر سکیں۔ وہ خود تعمیرات اور رفاہ عامہ کے کاموں کا بڑا ذوق رکھتے تھے، لہٰذا امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا حکم ملتے ہی انہوں نے ایک ہی جگہ دو مہمان خانے تعمیر کروائے جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر "قصر عثمان رضی اللہ عنہ" اور دوسرے کا ان کی بیوی کے نام پر "قصر رملہ" رکھا گیا۔
(معجم البلدان: ۷/ ۹۸)

مہزور کا بند:

مدینہ طیبہ میں دو وادیاں تھیں ایک کا نام مہزور اور دوسری کا نام مذنیب تھا۔ ان سے کبھی کبھی مدینہ طیبہ کی طرف سیلاب آجاتا تھا جو کہ مدینہ کے لوگوں کے لیے پریشانی اور تکلیف کا باعث ہوتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی حین حیات میں اس کی جانب توجہ دلائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

يمسک حتى الكعبين ثم يرسل الاعلى الاسفل.

"ان وادیوں کا پانی ٹخنوں تک روک کر نشیب کی طرف بہادیا جائے۔"

(موطا امام مالک باب القضاء فی الماء: ۵۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کی تکمیل میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک بند بنوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس بند کا نام "سد مہزور" تھا۔ (وفاء الوفاء: ۲/ ۲۱۷)

علاوہ ازیں وادی عسفان میں اور مدینہ کے مابین پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے وہاں میٹھے پانی کے کنوؤں میں سے ایک کنواں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بنوایا ہوا ہے۔
(ابن بطوطہ: ۱۲۹)

بنجر زمین کی زرخیزی:

جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ عرب کی زمین غیر آباد، ریگ زار اور بنجر ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسے زرخیز اور مرغزار بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ چنانچہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر کیے گئے، اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر بیت المال سے ذاتی تعمیرات اور باغات وغیرہ کی خریداری کرنے کا الزام سراسر دروغ اور افتراء ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو تکثیر مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص علم عطا فرمایا گیا تھا۔''

جنت البقیع کی توسیع:

''حش کوکب'' ایک باغ تھا جو مدینہ طیبہ میں جنت البقیع کے مشرقی جانب واقع تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ جنت البقیع کا قبرستان روز روز چھوٹا ہوتا جا رہا ہے، کیونکہ مدینہ طیبہ کی آبادی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ آپ نے ''حش کوکب'' کو خرید کر اس کو جنت البقیع کے قبرستان کے ساتھ شامل کر دیا۔ بعد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے درمیانی دیوار گرا کر اس کو جنت البقیع میں داخل کر دیا۔

(وفاء الوفاء: ۹۱۳/۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہادت کے بعد اسی حش کوکب میں دفن کیا گیا تھا۔

مسجد الحرام کی توسیع:

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ 26ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد الحرام کی توسیع فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے حرم کی توسیع کی غرض سے اردگرد کے مکانات کو خریدنے کی کوشش فرمائی۔ اکثر لوگوں نے اپنے مکانات حکومت کے ہاتھ فروخت کر دیئے لیکن بعض لوگوں نے اپنے مکانات بیچنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ حرم کی توسیع نہایت ضروری تھی جو ان لوگوں کی ناجائز ضد کی وجہ سے روکی نہیں جا سکتی تھی لہٰذا امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان کے مکانات قبضہ میں لے کر گرا دیئے اور ان کے مکانات کی قیمتیں بیت المال میں جمع کروا دیں تاکہ جب وہ چاہیں وہاں سے لے لیں۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر ان لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر شور اور ہنگامہ کرنے کی کوشش کی جس پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا۔

اتدرون ماجراکم علی؟ ماجراکم علی الاحلمی قد فعل هذا بکم عمر فلم تصیحوا به.

''کیا تم جانتے ہو کہ میرے بارے میں تمہیں کس چیز نے جری اور گستاخ بنا دیا۔ سوائے میرے حلم کے تمہیں کسی اور چیز نے میرے بارے میں جری اور گستاخ نہیں کیا۔ تمہارے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی معاملہ کیا تھا لیکن تم نے ان کے سامنے نہ ہی شور مچایا اور نہ ہی کوئی ہنگامہ کیا۔'' (طبری: ۳/۳۱۰)

ان لوگوں کی گرفتاری کے بعد سیدنا عبداللہ بن خالد بن اسید نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے ان کی رہائی کے بارے سفارش کی جس پر آپ نے ان سب کو رہا کر دیا۔

(طبی: ۳/۳۱۰، ابن اثیر: ۳/۴۴-۴۵، فتوح البلدان: ۵۳)

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع:

آپ نے اپنے ۱۲ سالہ دور خلافت میں مملکت اسلامیہ کے مختلف گوشوں میں کئی مساجد تعمیر کروائیں لیکن مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر اور توسیع کا داعیہ مدت سے آپ کے قلب میں اٹھکیلیاں لے رہا تھا۔ چنانچہ جب زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر و توسیع بھی کی اور تزئین و آرائش بھی۔

مسجد نبوی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قبا کے بعد تعمیر کروائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت الٰہی کی خاطر ایک مسجد کی ضرورت کو محسوس کیا جس جگہ مسجد نبوی تعمیر ہے یہ جگہ اس زمانے میں ''مربد'' تھی (مربد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجوروں کو خشک کر کے چھوہارے بنائے جاتے ہیں) یہ جگہ دو یتیم انصاری بچوں کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جگہ ان سے دس دینار میں خرید لی۔ حالانکہ وہ دونوں بچے اس جگہ کو بلا معاوضہ دینا چاہتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا معاوضہ لینے پر راضی نہ ہوئے۔ (فتوح البلدان: ۱۰)

جگہ کے انتخاب اور اس کی خریداری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معاونت کے ساتھ اس کی تعمیر شروع کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تعمیر میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ مسجد کی تعمیر میں پہلا پتھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوسرا پتھر رکھا، پھر آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تیسرا پتھر تم اس

کے ساتھ رکھو، پھر عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پہلو چوتھا پتھر تم رکھو، پھر فرمایا:

هو لاء الخلفاء من بعدی

''یہ اسی ترتیب کے ساتھ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔''

مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی اور اس کے ستون کھجور کے تنوں سے ۷ھ میں نمازیوں کی کثرت کے باعث مسجد میں کچھ تنگی محسوس ہونے لگی۔ مسجد کے جوار میں ایک شخص کا مکان تھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ اس کو خرید کر مسجد میں شامل کرلیا جائے۔ چنانچہ ایک روز آپ نے اپنے خطبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دی اور جنت کا وعدہ فرمایا، جس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس یا پچیس ہزار درہم میں وہ مکان خرید لیا اور آپ کو اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۷۸)

وقت کے مہ و سال گزرتے گئے اور مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ مسجد کی وسعت میں مزید اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ ۱۷ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اردگرد کے مکانات خرید کر مسجد کو وسیع کرنا چاہا۔ اور لوگوں نے تو اپنے مکانات حکومت کے ہاتھ فروخت کردیئے لیکن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اپنا مکان فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئے، سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں عباس رضی اللہ عنہ کو بڑے سے بڑا معاوضہ دیتا ہوں لیکن وہ اپنا مکان فروخت نہیں کرتے۔ لہٰذا آپ کسی طریقے سے انہیں راضی کریں تاکہ مسجد کی جلد از جلد توسیع ہو سکے۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حکومت کو کسی شخص کا مکان جبراً خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ اس پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا وہ مکان بلا معاوضہ حکومت کو دے دیا۔

یہ روایت عام کتابوں میں ہے لیکن علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے اس کو صحیح نہیں جانا اور لکھا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے اپنا مکان فروخت کرنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے وہ مکان بجائے فروخت کرنے کے جملہ اہل اسلام کے نام ہبہ کردیا۔ علامہ بلاذری رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

وكلم العباس بن عبدالمطلب فی بیع داره لیزید فیه فوهبها العباس لله وللمسلمین.

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مکان فروخت کرنے کے بارے میں بات کی تا کہ مسجد کو وسیع کیا جاسکے۔ پس آپ نے اپنا وہ مکان اللہ اور جملہ اہل اسلام کے نام وقف کردیا۔'' (''فتوح البلدان:۱۳'')

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا مکان فروخت کرنے سے انکار کرنا اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ثالث بننا یہ سب بعد کی وضعی روایات ہیں۔ حقیقت کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر فوراً مکان ہبہ کردیا۔

مسجد نبوی کے ساتھ ایک مکان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو مرحمت فرمایا ہوا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مکان پچاس ہزار درہم میں خرید لیا۔ اس کے علاوہ دوسرے کئی ایک اور ملحقہ مکانات آپ نے خرید لیے تا کہ مسجد کی توسیع کی جاسکے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے جو توسیع کی اس میں صرف لکڑی کے ستون تبدیل کیے۔ باقی دیواریں پہلے کی طرح کچی اینٹوں اور چھت کھجور کی شاخوں کی رہنے دی۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی چھت کھجور کے پتوں اور شاخوں کی ڈلوائی اور صحن کچا ہی رکھا جس کی وجہ سے جب کبھی مدینہ طیبہ میں بارش ہوتی تو بارش تو ایک روز ٹپکتی لیکن مسجد کی چھت دو تین روز تک ٹپکتی رہتی جس سے مسجد کے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے عہد خلافت میں مسجد کی توسیع فرمارہے تھے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کی چھت اور صحن پختہ بنانے کی تحریک پیش کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر ان کی تحریک کو رد کردیا کہ:

''بیت المال مجاہدین اور غازیان اسلام کی اعانت و کفالت کے لیے ہے نہ کہ مسجد کی چھتوں اور صحنوں کو پختہ کرنے کے لیے۔ نیز فرمایا، عثمان رضی اللہ عنہ! اگر تمہیں نمازیوں کی تکلیف کا اتنا ہی احساس ہے تو اپنی جیب خاص سے ان دونوں چیزوں کو پختہ بنادو۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وقت تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ادب کیلئے خاموش ہوگئے۔ لیکن اس بات کو آپ نے اپنے دل میں چھپائے رکھا، یہاں تک کہ زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی۔

24ھ میں جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو لوگوں نے مسجد کی تنگی کی شکایت کی، کیونکہ اسلام کی روز افزوں ترقی کے باعث اہل اسلام کی تعداد میں برابر اضافہ

ہو رہا تھا اور مسجد کی تنگ دامانی شکوہ سنج تھی۔ چنانچہ آپ نے مسجد کی توسیع اور اس کی پہلی عمارت کو گرا کر پوری عمارت کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لیے آپ نے اردگرد میں رہنے والوں سے کہا کہ وہ اپنے اپنے مکانات حکومت کے ہاں بیچ دیں تاکہ مسجد کی توسیع کی جاسکے۔ آپ نے انہیں کافی معاوضہ بھی پیش کیا لیکن وہ کسی صورت اپنے مکانات فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ آپ نے انہیں اس بات پر آمادہ کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر کی لیکن ہر تدبیر بے سود رہی۔ لہٰذا توسیع وتعمیر کا معاملہ پانچ سال تک تعطل والتواء میں رہا۔ جب آپ نے اپنے اس ارادے کو پورا ہوتے نہ دیکھا تو ایک جمعہ کو آپ نے نہایت موثر خطبہ دیا اور لوگوں کو نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگ دامانی کی طرف نہایت دردانگیز لہجے میں توجہ دلائی۔ جمعہ کی مبارک گھڑی اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے دردانگیز لہجے نے حاضرین پر خاص اثر کیا اور وہ سب لوگ جو ابھی تک اپنے مکانات حکومت کے ہاتھ فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئے تھے فوراً اپنے مکانات بیچنے پر راضی ہوگئے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اس بات کی بڑی مسرت ہوئی۔ چنانچہ آپ نے انہیں منہ مانگے دام دے کر وہ سارے مکانات خرید لیے۔

عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کا ایک مکان مسجد نبوی کے قریب واقع تھا۔ مسجد کی توسیع کے لیے اس کا خریدنا بھی نہایت ضروری تھا لیکن یہ اپنا مکان فروخت کرنے پر راضی نہیں ہو رہے تھے۔ آخر آپ نے انہیں اس مکان کے بدلہ میں بصرہ میں نہر کے کنارے وہ مکان دے کر راضی کرلیا جو ''شط عثمان کے'' کے نام سے مشہور ہے۔

اب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کو منہدم کروایا اور اس کو اس طریقے سے پختہ بنوانا شروع کیا جس میں تزئین وآرائش کا پہلو بھی نمایاں ہو۔ مدینہ منورہ میں چونا نہیں ملتا تھا۔ وہ مدینہ طیبہ سے چند میل دور بطن نخلہ سے منگوایا۔ دیواروں کیلئے منقش پتھر منگوائے گئے۔ چھت کے لیے ساگوان کا انتظام کیا گیا۔ چنانچہ ابن اثیر کا بیان ہے:

''چونا کو بطن نخلہ سے جو مدینہ کے قریب بصرہ کے راستہ پر ایک گاؤں ہے، لانے کا انتظام کیا گیا، اور مسجد کو منقوش پتھروں سے بنایا گیا۔ اس کے ستون پتھر کے تھے جن میں سیسہ بھرا گیا تھا اور چھت ساگوان کی تھی۔''

(ابن اثیر: ۳/ ۵۱، البدایۃ والنھایۃ: ۷/ ۱۵۴)

مسجد کی تعمیر تقریباً دس ماہ میں مکمل ہوئی۔ تعمیر کے دوران آپ اکثر اوقات وہاں

رہتے اور بہ نفس نفیس کام کی نگرانی فرماتے۔ چنانچہ سیدنا صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسجد نبوی تعمیر کروارہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ امیرالمومنین رضی اللہ عنہ:

''کام کی نگرانی کے لیے اپنے دونوں پاؤں پر کھڑے رہتے جبکہ کام کرنے والے مسجد میں کام کرتے ہوتے یہاں تک کہ نماز کا وقت آجاتا پھر آپ انہیں نماز پڑھاتے۔ بعض اوقات آپ گھر میں سو کر مسجد میں تشریف لے آتے اور بسا اوقات مسجد ہی میں سوجاتے۔'' (وفاء الوفاء:۲/۵۰۵)

اس دوران آپ کاریگروں کو اپنی جیب خاص سے انعام و اکرام سے نوازتے اور کھانے اور کپڑے سے بھی ان کو خوش وخرم رکھتے تاکہ وہ کام میں گہری دلچسپی لیں۔ اس طریقے سے ربیع الاول 29ھ سے محرم الحرام 30ھ تک برابر کام کی نگرانی فرماتے رہے اور کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے چھ دروازے رکھے، آپ نے بھی اتنے دروازے رکھوائے۔ (ابن اثیر:۳/۵۱)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد کی جو توسیع فرمائی تھی اس کے بعد مسجد کی لمبائی 140 ہاتھ اور چوڑائی 120 ہاتھ ہوگئی تھی۔ لیکن آپ نے اپنے زمانہ میں اس کی جو توسیع کی اس سے مسجد کا طول 160 ہاتھ اور عرض 150 ہاتھ ہوگیا۔

(ابن اثیر:۳/۵۱، البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۵۴)

گویا عہد عثمانی میں مسجد طول میں بیس ہاتھ اور عرض میں تیس ہاتھ بڑھی لیکن بعض روایات میں ہے کہ عرض میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا مگر طول میں پچاس ہاتھ کا اضافہ ہوا۔

(خلاصۃ الوفاء:۱۲۴)

غرض آپ نے شبانہ روز انتھک کوششوں سے اپنی نگرانی میں مسجد کی تعمیر نو اور توسیع کروائی اور اس کی تزئین و آرائش میں ذاتی دلچسپی لی۔ چنانچہ مسجد کی یہ عمارت اپنی مضبوطی، خوبصورتی اور تزئین و آرائش کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی۔

مدینہ طیبہ کے ماحول کی خوشگواری:

مدینہ طیبہ اس زمانے میں مملکت اسلامی کا دارالخلافہ تھا۔ ساری مملکت کے لوگوں کی

نگاہیں مدینہ طیبہ کے لوگوں پر تھیں۔ اس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کوشش تھی کہ مدینہ طیبہ میں شر وفساد کے جراثیم پیدا نہ ہوں اور یہاں کا ماحول دینی، اخلاقی، فکری اور معاشرتی لحاظ سے پاکیزہ اور خوشگوار رہے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے ایک خطبہ اس بات کی طرف اشارہ بھی فرمایا۔ آپ نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے اہل مدینہ! تم اسلام کی اصل ہو، اگر تم بگڑ گئے تو تمہارے بگڑنے سے دوسرے لوگ بھی بگڑ جائیں گے اور اگر تم درست رہے تو دوسرے لوگ بھی درست رہیں گے۔ خدا کی قسم (آپ نے تین بار قسم اٹھائی) جس کے متعلق بھی مجھے پتہ چلے گا کہ وہ فتنہ کا بیج بو رہا ہے میں اسے مدینہ طیبہ سے چلتا کر دوں گا۔''

(طبری:۳/۴۲۸)

سیدنا سالم بن عبداللہ جو راوی ہیں، بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس پر برابر عمل کیا، اور اگر کسی شخص کے بارے انہیں پتہ جاتا کہ وہ مدینہ طیبہ میں شر وفساد کی تخم ریزی یا اس کی آبیاری کر رہا ہے تو آپ اس کا سختی سے محاسبہ فرماتے اور اگر اس کو جلاوطن بھی کرنا پڑتا ہے تو اس سے بھی نہ چوکتے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ میں اس بارے میں چہ میگوئیاں ہونی شروع ہو گئیں۔

اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ ایک شخص ضابی بن الحرث البرجمی نے چند انصار سے ایک شکاری کتا مستعار لیا...... لیکن بعد میں اس کتے کو واپس کرنے میں پس و پیش کی۔ انصاری لوگوں نے اس سے وہ کتا زبردستی چھین لیا۔ ضابی کو اس بات پر سخت غصہ آیا۔ وہ شاعر تھا لہٰذا اس نے انصار کی ہجو لکھ دی۔ انصار نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ضابی کو قید کر دیا۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ قید خانہ میں مر گیا۔ (ابن اثیر:۳/۱۸۳)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ طبری نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ آپ نے اس کو مارا، کسی پوچھنے والے نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ تو اپنے چچا کی عزت و توقیر کریں اور یہ شخص اس کی توہین کرے، میں اسے کیسے برداشت کر سکتا ہوں جو شخص ایسا کرے یا جو اس بات پر

راضی ہوا اس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی۔'' (طبری: ۴۲۹/۳، ابن اثیر: ۱۸۲/)

گویا کہ آپ نے ہر ممکن طریقے سے کوشش کی کہ مدینہ طیبہ کا دینی اور معاشرتی ماحول خوشگوار رہے تاکہ مملکت اسلامیہ کے دوسرے شہروں پر اس کے خوشگوار اثرات پڑیں۔

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے باہر آباد ہونے کی اجازت:

جیسا کہ ہم نے دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسیوں کو جاری رکھا اور جس نہج پر انہوں نے امور مملکت کو ترتیب دیا تھا، آپ نے اکثر معاملات کو اسی طرح چلنے دیا۔

لیکن بعض امور ایسے بھی تھے جس کے بارے میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسیوں کے خلاف بھی کیا۔ کیونکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حالات کا تقاضا کچھ اور تھا اور آپ کے عہد خلافت میں حالات نے نئی کروٹ لی تھی۔ مملکت کی پہنائیوں میں معتد بہ اضافہ ہوا تھا۔ دولت کے ڈھیر مدینہ طیبہ میں سمٹ کر آ رہے تھے۔ نئی نسل نئے زمانے کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا چاہتی تھی، لہٰذا آپ نے دینی اور سیاسی مصالح کے تحت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعض معاملات اور ان کی پالیسیوں میں تبدیلی کی۔ کیونکہ حالات و ظروف کا یہی تقاضا تھا۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ تھا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ قدغن اور پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ خلیفۃ المسلمین کی اجازت کے بغیر مدینہ طیبہ سے باہر سکونت اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ طیبہ سے باہر سکونت پذیر ہونے کی اجازت دے دی اور ان میں سے کئی حضرات باہر دوسرے ملکوں میں جا کر آباد ہو گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو باہر سکونت کیوں اختیار نہیں کرنے دیتے تھے اس کی ایک وجہ تھی جس کو آپ نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمایا جس کا ذکر امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ آپ نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''یاد رکھو! میرے نزدیک اسلام کی عمر کے مدارج وہی ہیں جو ایک اونٹ کی زندگی کے مدارج ہوتے ہیں۔ اونٹ پہلے جذع کہلاتا ہے۔ پھر ثنائی، پھر رباعی اور پھر سدیس۔ لیکن جب وہ 9 سال کا ہو جاتا ہے تو پھر اس کو بازل کہتے ہیں۔ یہ اونٹ کی

نشوونما کا نقطہ عروج ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ترقی کی منزلیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ زوال کی منازل کی طرف رجوع کرتا ہے۔

یاد رکھو! اسلام بھی اب بازل ہو گیا ہے۔ یعنی اپنے نقطہ عروج پر ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ قریش اب یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو نظر انداز کر کے اموال پر اب خود قبضہ کر لیں۔ یعنی دوسرے شہروں میں آباد ہو کر جاگیریں اور مال بنائیں۔ لیکن وہ حضرات سن لیں کہ جب تک ابن الخطاب رضی اللہ عنہ زندہ ہے وہ ایسا ہرگز نہیں ہونے دے گا۔" (طبری:۳/۴۲۶)

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باہر کے شہروں میں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔

فلما ولی عثمان لم یاخذھم بالذی کان یاخذبه عمر، فانسا جوافی البلاد.

"جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سریر آراء خلافت ہوئے تو آپ نے ان پر وہ پابندی نہ لگائی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لگاتے تھے۔ لہٰذا وہ مختلف شہروں میں سکونت پذیر ہو گئے۔"

(طبری:۳/۴۲۶)

اگرچہ طبری اور دوسرے کئی ایک ان جیسے مؤرخین نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس پالیسی کو صحیح نہیں بتایا اور ان کے آخری ایام خلافت میں جو فتنہ مملکت اسلامیہ میں پھیلا اس کے اسباب و وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے لیکن ہمیں ان کی اس رائے سے اختلاف ہے۔

محکمہ افتاء و قضاء:

افتاء و قضاء کے دونوں محکمے شروع سے چلے آرہے تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان دونوں محکموں کو کافی ترقی دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان محکموں کو مزید ترقی دی۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت کے چیف جسٹس سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے اور شام کی صوبائی عدالت کے جج سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے۔ (طبری:۳/۴۴۶)

افتاء کے محکمہ کے آپ کے صدر مفتی امام ذہبی رحمہ اللہ کے مطابق سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ (سیر اعلام النبلاء:۱/۳۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دل میں سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی کتنی قدر تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی انہی ملکی اصلاحات کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانہ میں اسلامی مملکت ایک فلاحی مملکت تھی جس میں تنگ دستی اور افلاس بالکل ختم تھا۔ مملکت کا ہر فرد خوشحال زندگی بسر کرتا تھا۔ روزگار سے معذور، ضرورت مند اور محتاج لوگوں کی ضروریات کی کفیل خود ریاست تھی۔ کسب معاش کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے تھے۔ کسی پر کوئی پابندی اور قدغن نہ تھی۔ بچہ پیدا ہوتے ہی پچاس درہم ماہانہ اس کا وظیفہ لگ جاتا تھا جو ایک سال کے بعد دگنا یعنی ایک سو درہم ماہانہ ہو جاتا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۴)

اور ہر شخص کو اپنی شکایات امیر المومنین رضی اللہ عنہ تک پہنچانے کی پوری آزادی تھی جس کے لیے مختلف انتظامات ریاست اسلامی سے کیے گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی کرتے ہیں حالانکہ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کا عہد خلافت دیکھا ہے۔ حال یہ تھا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جب اہل حاجت میں عطیات تقسیم نہ ہوتے ہوں۔ آپ کے عہد خلافت میں روزانہ منادی ہوتی تھی کہ اے لوگو! اپنے روزینے لے جاؤ اور لوگ جھولیاں بھر بھر کر اپنے روزینے لے جاتے۔ اسی قسم کی منادی اشیائے خوردنی، گھی اور شہد کے بارے میں بھی تھی اور لوگ ہر شئے وافر مقدار میں لے جاتے تھے۔ فیاخذونھا وافرہ۔
غرض کہ اس دور خلافت میں امن وامان کا دور دورہ تھا۔ ہر طرف خوشحالی کی جوئے شیریں بہہ رہی تھی، دشمن خوف زدہ تھا، لوگوں کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے، ہر طرف نیکی اور پاکیزگی ہی نظر آتی تھی، کوئی مومن کسی دوسرے مومن سے نہیں ڈرتا تھا (بلکہ اس کو اپنا محافظ اور خیر خواہ سمجھتا تھا) جو اسے ملتا اسے اپنا بھائی سمجھتا اور وہ سب آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔"

سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ سب کچھ نتیجہ تھا اس الفت ومحبت اور خیر اندیشی اور خیر سگالی کے جذبے کا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سب لوگوں کے ساتھ رکھتے تھے۔"

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۴، الاستیعاب: ۳/۷۳۔۷۴)

گمشدہ اونٹوں کے بارے اصلاح:

آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے ہٹ کر ایک اصلاح یہ فرمائی کہ آپ کے زمانہ خلافت میں لاوارث اور گم شدہ اونٹوں اور جانوروں کے بارے میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ ان کو پکڑ کر سرکاری حفاظت میں رکھا جائے اور ان کے متعلق باقاعدہ اعلان کیا جائے کہ وہ اونٹ کن کی ملکیت ہیں۔ اگر ان کا کوئی دعویدار نہ آئے تو ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔ اور اگر اونٹ کو فروخت کرنے کے بعد اس کا کوئی مالک آ جائے تو بیت المال سے اس کی قیمت نکلوا کر اونٹ کے مالک کو دے دی جائے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ قاعدہ تھا کہ گمشدہ اونٹ یا جانور کو پکڑ کر سرکاری حفاظت میں رکھا جاتا۔ پھر اس کو سرکاری خزانہ سے کھلایا پلایا جاتا اور اس کی نسل بڑھتی، کوئی شخص ایسے اونٹ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ (موطا امام مالک: ۵۳۸)

فوجی اصلاحات

امیر المومنین سیدنا عثمان نے نہ صرف اندرون ملک ہی رفاعی اور فلاحی امور کی طرف توجہ دی بلکہ مملکت اسلامیہ کے استحکام کے لیے ایک بہترین عسکری نظام قائم فرما کر ملکی دفاع کو اتنا مضبوط اور مستحکم کر دیا کہ پھر دشمن کو کبھی بھی مملکت اسلامیہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرات نہ ہوئی۔ جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں واضح کیا گیا ہے کہ قریش کے عسکری نظام کی باگ ڈور شروع ہی سے بنوامیہ کے ہاتھ میں رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں ان میں سپہ سالاری کے فرائض بنوامیہ ہی نے انجام دیے۔ اس کے علاوہ انتظامی امور میں بھی بنوامیہ کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حین حیات میں سب سے زیادہ بنوامیہ ہی کے لوگوں کو گورنری کے عہدوں پر فائز فرمایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی چونکہ اموی تھے لہٰذا یہ سب خصوصیتیں آپ میں بھی دوسرے امویوں کی طرح بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ لہٰذا آپ نے اپنے عہد خلافت میں مملکت کے عسکری نظام میں خاص طور پر دلچسپی لی اور اس میں بڑی مفید اصلاحات فرمائیں۔

فوجی مراکز:

بری فوج کا انتظام سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے بڑا مستحکم تھا۔ مفتوحہ علاقوں کو زیر اثر رکھنے، انہیں بغاوت سے روکنے اور مختلف محاذوں پر کمک بہم پہنچانے کے لیے آپ نے جگہ جگہ چھاؤنیاں قائم کی ہوئی تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان سب فوجی مراکز کو قائم رکھا۔ لیکن ان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان، آرمینیہ اور دوسرے کئی ایک شہروں میں جو آپ کے عہد خلافت میں زیر نگیں ہوئے تھے۔ فوجی مراکز قائم کیے اور وہاں

فوجی چھاؤنیاں قائم کیں تا کہ کوئی شخص کسی کے اکسانے پر بغاوت کا علم بلند نہ کر سکے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فوج کا شعبہ انتظامیہ کے تحت ہی ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں تمام صدر مقامات میں فوج کے شعبہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے مستقل فوجی افسروں کے تحت کر دیا۔ ایسا کرنے سے بھی فوجی نظام میں ایک خاص قسم کا استحکام پیدا ہوا اور فوج کے افسر بغیر کسی پابندی کے مستقل طور پر فوج کو مستحکم کرنے کے لیے تجاویز سوچنے لگے۔

تنخواہوں میں اضافہ:

اس زمانہ میں چونکہ دولت کی ریل پیل ہو چکی تھی اور مختلف مفتوحہ علاقوں کے مال غنیمت نے بیت المال کو بھر دیا تھا۔ لہٰذا جہاں آپ نے عوام الناس پر اس دولت کو تقسیم کیا وہاں اپنے فوجیوں کو بھی اس سے ایک خاص حصہ دیا۔ چنانچہ آپ نے اس وظیفہ یا تنخواہ پر جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کی مقرر فرمائی تھی، ہر سپاہی کے وظیفہ میں 100 درہم کا اضافہ فرما دیا، کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ یہی وہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں جن کی جانثاری اور جرات و ہمت سے اگر ایک طرف سلطنت کی پہنائیوں میں اضافہ ہو رہا ہے تو دوسری طرف دولت سمٹ کر اہل اسلام کے قدموں میں آ رہی ہے۔ (البدایۃ النہایۃ: ۷/ ۱۴۸، طبری: ۳/ ۲۶۶، ۲۰۵)

نہ صرف یہ کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کی تنخواہوں اور وظیفوں میں سو درہم فی کس کا اضافہ کیا بلکہ ان کی تحسین اور حوصلہ دہی اور حوصلہ افزائی کے لیے مختلف مواقع پر انہیں گراں قدر انعامات سے نوازا، چنانچہ ایک مرتبہ گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے قطعن بن عوف الہلالی کو کرمان کی مہم پر امیر بنا کر بھیجا۔ وہ چار ہزار کی فوج کا ایک دستہ لے کر وہاں گئے۔ راستہ میں ایک ندی بہہ رہی تھی جس نے ان کا راستہ روکا۔ مہم پر جانا ضروری تھا اور اس وادی سے گزرنا دشوار تر۔ لہٰذا امیر لشکر نے کہا جو اس وادی کو عبور کر لے گا اس کو ایک ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ انعام حاصل کرنے کی لیتا امیر لشکر قطعن بن عوف الہلالی حکم دیتے کہ اس کو ایک ہزار دے دو۔ یہاں تک کہ چار ہزار کے پورے لشکر نے اس وادی کو عبور کر لیا۔ اب کل فوج کا انعام چالیس لاکھ درہم بنا۔ گورنر بصرہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے اتنی بڑی رقم منظور کرنے سے انکار کر دیا اور یہ معاملہ امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لکھ بھیجا۔ جناب خلافت ماب رضی اللہ عنہ نے جواب میں گورنر بصرہ کو لکھا:

ان احسبها له، فانه انما اعان المسلمين في سبيل الله.

''یہ رقم اسے دے دو۔ کیونکہ اس نے جہاد فی سبیل اللہ میں مسلمانوں کی مدد کی ہے۔''

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اس دن سے اجازت وادی (وادی کے عبور کرنے) کی وجہ سے انعامات کو ''جوائز'' کے لفظ سے یاد کیا جانے لگا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۵)

فوجی چراگاہیں:

موجودہ زمانے کے اسلحہ میں جس طرح فوجی گاڑیاں اور جیپیں (JEEPS) نہایت ضروری ہیں اسی طرح اس زمانے میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑوں اور اونٹوں کا ہونا نہایت ضروری تھا۔ لہٰذا گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لیے چراگاہوں کی اشد ضرورت تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام مملکت اسلامیہ میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائیں۔ خود دارالخلافہ مدینہ منورہ کے اطراف و نواح میں متعدد چراگاہیں تھیں۔ سب سے بڑی چراگاہ ربذہ میں تھی جو مدینہ طیبہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور دس میل چوڑی تھی۔ ایک اور چراگاہ مقام نقیع میں تھی جو مدینہ طیبہ سے بیس میل کے فاصلے پر تھی۔ اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضربہ میں تھی جو 36 مربع میل میں پھیلی ہوتی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کی وسعت میں اور اضافہ کیا گیا اور چراگاہ کی سرسبزی اور شادابی کے لیے اس کے قریب چشمے اور تالاب تیار کروائے گئے۔ چنانچہ ضربہ کے مقام پر بنی ضبیہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کے لیے مخصوص کردیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی زیر نگرانی ایک دوسرا چشمہ تیار کروایا۔ چراگاہ میں جو لوگ کام کرتے تھے یا اس کے منتظم تھے ان کی رہائش کے لیے کوارٹرز اور مکانات تعمیر کیے گئے۔ (خلفائے راشدین: ۲۴۵)

جب چراگاہوں کی وسعت کا یہ عالم تھا تو اس سے گھوڑوں کی کثرت اور فوج کی تعداد کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ صرف مقام ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ اور گھوڑے پرورش پاتے تھے۔ اب دوسری چراگاہوں میں کس قدر گھوڑے

اور اونٹ زیر پرداخت تھے، اس کا صحیح اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے اور تواریخ کے رپورٹر اس بارہ میں خاموش ہیں۔

بحری بیڑا:

بری فوج کا انتظام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں بہت مستحکم تھا۔ آپ نے ۱۵ھ میں فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کے لیے آپ نے مخترمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ، جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ اور عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جو علم الانساب میں بہت ماہر تھے، بلا کر فرمایا کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصل درج ہو جس میں ان کے اہل و عیال کی تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کی بیویوں کی تنخواہ 200 سے 400 درہم اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو ہزار درہم مقرر ہوئی تاکہ یہ لوگ فارغ البال ہو کر فوجی خدمات سر انجام دے سکیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بری فوج کو اسی ترتیب سے ترقی دی جس ترتیب کے ساتھ خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مرتب کیا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے ایام خلافت میں بحری فوج بھی مرتب کی جو کہ آپ کا ایک خاص کارنامہ ہے۔ یہ اسلامی بحریہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی تحریک پر وجود میں آئی۔

روایات میں آتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریک پیش کی تھی کہ ہمیں اسلامی بحریہ ترتیب دینی چاہیے تاکہ دشمن کو نہ صرف خشکی پر بلکہ سمندر میں بھی شکست فاش دی جا سکے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس تجویز سے اتفاق نہ فرمایا اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جنہیں بحری سفر کا خاصا تجربہ تھا، لکھ بھیجا کہ مجھے سمندر اور اس میں سفر کے بارے تفصیلات لکھ کر بھیجیں کیونکہ میرا دل اس پر مطمئن نہیں ہے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''میری رائے میں ایک عظیم مخلوق پر ایک ننھی سی مخلوق اس طرح سوار ہوتی ہے کہ سوائے پانی اور آسمان کے وہاں اور کوئی شے نظر نہیں آتی۔ اگر وہ رک جائے تو دل پھٹنے لگتے ہیں اور اگر حرکت کرے تو دل اڑنے لگتے ہیں۔ ساحل تک پہنچنے کا یقین کم اور شک زیادہ ہوتا ہے اور وہ سمندر میں ایسے ہوتے ہیں جیسے کیڑا لکڑی پر سوار ہو اور

وہ ایک طرف پلٹ جائے تو غرق ہو جائے اور اگر صحیح و سالم ساحل پر پہنچ جائے تو حیران وسراسیمہ ہو جائے۔'' (طبری:۳/۳۱۶، ابن اثیر:۳/۴۸)

اس خط کو پڑھ کر آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''اس خدا کی قسم جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں مسلمانوں کو سمندر پر کبھی سوار نہیں کروں گا۔'' (ابن اثیر:۳/۴۸)

آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بھی لکھا:

''مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ شام کا سمندر دنیا میں سب سے زیادہ طویل ہے اور وہ ہر شام و پگاہ اللہ تعالیٰ سے زمین کو غرق کرنے کا اذن مانگتا ہے۔ لہٰذا میں اس کافر سمندر پر اپنے لشکر کو کس طرح سوار کروں اور بخدا! ایک مسلمان مجھے رومی مچھلی سے بہت زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا اس بات کا آئندہ مجھ سے مطالبہ نہ کرنا۔ میں اس سے قبل بھی تمہیں کہہ چکا ہوں کہ اس بات کا ارادہ ترک کر دو اور میں کسی حالت میں بھی اس متلاطم سمندر پر سوار ہونے کا حکم نہیں دے سکتا۔''

(طبری:۳/۳۱۶، ابن اثیر:۳/۴۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کے موصول ہونے کے بعد آپ نے پھر کبھی ان سے اجازت طلب کرنے کی جرات نہ کی لیکن اس جذبہ کو دل کی گہرائیوں میں چھپائے رکھا کہ جب کبھی مجھے موقع ملا تو میں دشمنان اسلام کی ہلاکت کے لیے اسلامی بحریہ ضرور بناؤں گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے دل میں وہ دبی ہوئی چنگاری ایک بار پھر شعلہ بار ہوئی اور دشمن کو سطح سمندر پر شکست دینے کا جذبہ پھر ہرا ہوا۔ چنانچہ آپ نے بیم درجا کی حالت میں جزیرہ قبرص پر بحری حملے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ شرائط کے ساتھ اجازت مرحمت فرما دی۔ آپ نے اجازت ملتے ہی اپنی پوری توجہ بحریہ کی تشکیل کی جانب مرتکز کر دی اور جلد ہی پانچ سو جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑا تیار کیا اور جزیرہ قبرص کو فتح فرمایا۔

گویا اسلامی بحریہ کی تشکیل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ آپ نے سیدنا عبدالرحمن بن قیس الحارثی رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر البحر مقرر فرمایا، جنہوں نے پچاس بحری لڑائیاں لڑیں لیکن نہ کوئی ان لڑائیوں میں سمندر میں غرق ہوا اور نہ ہی ہلاک ہوا۔

(طبری:۳/۳۱۷)

اہل اسلام نے بحریہ کا مرکز بحر روم کو ٹھہرایا اور اس کے لیے جو بحری فوج تشکیل دی گئی اس میں شامی، افریقی اور اندلسی مسلمان بھی شامل کیے گئے۔ اسلامی بحریہ کی کشتیاں بازنطینیوں کی کشتیوں سے قامت میں زیادہ ضخیم تھیں لیکن رفتار میں کم تھیں۔ پھر ہر جنگی جہاز کا ایک قائد مقرر کیا گیا جسے ''مقدم'' کہا جاتا۔

اس بحری بیڑے کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قبرص کو فتح کیا گیا۔ پھر جزیرہ اردا کو فتح کر کے اس پر اسلامی علم لہرایا گیا۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق اس جزیرہ کو ۵۴ھ میں سیدنا معاویہ نے فتح کیا۔ (معجم البلدان: ۱/ ۲۰۷)

طبری، ابن اثیر اور بلاذری کا بھی یہی خیال ہے لیکن ابن اعثم الکوفی کا بیان ہے کہ یہ جزیرہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوا۔ (کتاب الفتوح: ۲/ ۱۴۶)

پھر اسی بحری بیڑے کا نتیجہ تھا کہ دور دور کے علاقوں میں مسلمانوں کے گھوڑے ہنہنانے لگے اور اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔ چنانچہ جزیرہ روڈس (RHODES) بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوا۔ ابن اعثم الکوفی نے لکھا ہے کہ جزیرہ قبرص کو فتح کرنے کے بعد:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ سمندر (بحر روم) میں ایک اور جزیرہ ہے جس کا نام روڈس (RHODES) ہے۔ مجھے اس کو بھی فتح کرنے کی اجازت دی جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس شوریٰ سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ قبرص کی فتح نے مسلمانوں کے حوصلہ کو بلند کیا ہے اور انہیں بحری جنگ کا تجربہ بھی ہو چکا ہے اس لیے ہماری رائے یہ ہے کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اجازت مرحمت فرما دیں۔''

مجلس شوریٰ کی اس رائے کے پیش نظر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''جس چیز کی تم نے اجازت مانگی تھی میں اس کی تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ اب تم حق تعالیٰ سے ڈرنا اور حزم واحتیاط اور دور اندیشی کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا کیونکہ سمندر کا ہول بہت زیادہ ہوتا ہے۔''

(فانّ هوله عظيم)

''امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس جزیرہ کو فتح کیا۔''

(کتاب الفتوح: ۲/ ۱۴۷)

بحری بیڑے ہی کی وجہ سے ۳۲ھ میں جزیرہ صقلیہ بھی مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔
صقلیہ پر حملے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے 300 جنگی جہازوں کا بیڑا استعمال کیا، جن میں اس زمانہ کا ہر قسم کا اسلحہ موجود تھا۔ (ہسٹری آف دی عربز، ہٹی: ۱۶۷)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بحری بیڑے کی وجہ سے رومی سلطنت کے بحری مراکز پر مکمل قبضہ کر لیا اور بحر روم مکمل طور پر مسلمانوں کے جہازوں کا بازیگاہ بن گیا۔ قیصر روم کو اس بحری بیڑے سے اپنے اقتدار کی کشتی ہچکولے کھاتی نظر آنے لگی۔ چنانچہ اس نے بقول ابن اثیر 600 بحری جہازوں اور بقول ابن اعثم الکوفی ایک ہزار جہازوں پر مشتمل بحری بیڑا مسلمانوں پر آخری ضرب لگانے کے لیے سواحل شام کی طرف روانہ کیا۔ ادھر گورنر شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا مقابلہ کرنے کو لکھا اور ساتھ ہی گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے لکھا۔ چنانچہ مصر اور شام کی فوج پورے فوجی ساز و سامان سے لیس ہو کر عکہ پہنچیں اور مشترکہ قیادت میں مسلمانوں کا پانچ سو جہازوں پر مشتمل بحری بیڑا قیصر روم کے بیڑے کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔ دونوں فوجوں میں بڑی خوں ریز جنگ ہوئی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور کشت و خون کی ارزانی کی وجہ سے سمندر کا پانی سرخ ہو گیا۔ بازنطینی فوج کی قیادت خود شہنشاہ روم کر رہا تھا جو اس جنگ میں شدید زخمی ہوا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح و نصرت سے نوازا۔ اس جنگ کی تفصیل جلد اول میں گزر چکی ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بحری بیڑے کا قیام ایک خاص کارنامہ تھا جس کے لیے داد و تحسین کے مستحق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جن کی تحریک پر یہ بیڑا تیار کیا گیا اور اس کی وجہ سے نہ صرف کرہ ارضی بلکہ کرہ بحری بھی مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔

دینی خدمات

اسلام میں خلیفہ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے لیے روٹی، کپڑا اور مکان کا بندوبست کرے بلکہ اس کے اولین فرائض میں سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی دینی تعلیم، دین اسلام کی اشاعت، زندگی کے ہر شعبہ میں اس پر عمل، صفائی قلب، توجہ الی اللہ اور دینی فکر کی طرف پوری پوری توجہ دے۔ بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلامی اور غیر اسلامی حکومت میں یہی ایک چیز ملبہ الامتیاز ہے جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾

''یہ لوگ وہ ہیں جنہیں اگر ہم تمکین فی الارض (یعنی حکومت) عطا فرمائیں تو یہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔'' (حج:۴۱)

اس آیت میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے قیام کی غرض و غایت کو بیان فرمایا، لیکن اگر اس آیت کے سیاق و سباق پر غور کیا جائے تو دراصل اس میں خلفائے راشدین کی حکومت کا خصوصی طور پر اور بعد میں آنے والی اسلامی حکومتوں کا عمومی طور پر نصب العین اور لائحہ عمل بیان کیا گیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے کی دو تین آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا ذکر فرمایا گیا کہ انہیں ظلم و جبر کے ساتھ اپنے گھروں سے نکال دیا گیا۔ ان کو اب اذن جہاد و قتال دیا جا رہا ہے اور بطور خبر کے بتایا کہ اگر ان کو زمین میں اقتدار مل جائے تو یہ ظلم و جور جبر و استبداد، فسق و فجور اور کبر و غرور سے کام نہیں لیں گے بلکہ اللہ کے دین کی اشاعت اور صلوٰۃ و

زکوۃ کا نظام دنیا میں برپا کریں گے کیونکہ اس کرہ ارضی پر بسنے والوں کی مادی اور روحانی اصلاح کا دارومدار انہی باتوں پر ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ بھی ظلم واستبداد کے ساتھ اپنے گھر سے نکالے گئے تھے۔ بلکہ آپ تو صاحب ہجرتین (دو ہجرتوں والے) تھے اور کفار کے جورواستبداد کی چکی میں آپ بھی دوسرے مظلوم صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح پیسے گئے تھے۔

اس لیے حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی یہ خبر دی جارہی ہے اور رب العزت نے جیسی خبر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ راشد نے اسی طرح اس کو پورا کر دکھایا اور اسلام کو براعظم افریقہ اور براعظم یورپ تک پہنچا دیا۔ ان کے مخلص گورنروں، بہادر جرنیلوں، صاحب تقویٰ مبلغوں اور صاحب ہمت سپاہیوں نے اپنی شبانہ روز جدوجہد سے لاکھوں انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور ان کی زندگیوں میں اس دین کامل کو رچا دیا۔ چنانچہ جس روز آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے اس روز اس ربع مسکون کے نصف سے زائد ملکوں میں اسلام کی ہیبت وسطوت کا دمامہ بجتا تھا اور اللہ کی توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔

آپ نے دین کی اشاعت اور نظام صلوٰۃ وزکوۃ قائم کرنے کے لیے کیا کیا خدمات انجام دیں ان کا احاطہ کرنا تو بہت مشکل ہے کیونکہ بنوامیہ کے دشمن مؤرخین نے اپنے قلبی عناد کی وجہ سے ان کی ان سب خدمات کو تاریخ کے اوراق میں ایک تو درج ہی کم کیا ہے۔ دوسرے اگر کیا بھی ہے تو منتشر اوراق میں تاکہ ان کو بمشکل اکٹھا کیا جا سکے۔ لہٰذا جو کچھ تاریخ کے اوراق میں سے ہمیں مہیا ہو سکا ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور بات بھی ذہن میں رہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پیش رو سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی قریباً قریباً تمام اصلاحات کو بعینہٖ رہنے دیا۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دس سالہ دور خلافت میں جو کچھ دین اسلام اور مملکت اسلامیہ کی بہتری کے لیے کیا اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مشورہ اور رائے بھی شامل تھی۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جب زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئے تو آپ اسے یک قلم منسوخ کر دیں یا انہیں تبدیل کر دیں۔ البتہ بعض معاملات میں حالات کے بدلنے کی وجہ سے جس تبدیلی کی ضرورت تھی وہ آپ نے ضرور کی بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ساری پالیسیاں اور حکومت کے معاملات جس نہج پر چل رہے تھے آپ نے اسی طرح انہیں چلنے دیا۔ کیونکہ وہ ساری پالیسیاں اور اصلاحات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی مجلس شوریٰ

نے جس کے ایک اہم رکن خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے، بڑے غور وفکر کے بعد وضع کی تھیں۔ لہٰذا ان پالیسیوں اور اصلاحات کو اسی طرح قائم رکھنا اور ان کو جاری رہنے دینا، اس کا کریڈٹ بھی آپ کی خلافت کو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک خط میں جو سرحدی کمانڈروں کے نام لکھا اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

اما بعد! فانکم حماة المسلمين وزادتهم وقد وضع لكم عمر مالم يغب عنابل كان عن ملامنا ولايبلغني عن احد منكم تغيير ولا تبديل فيغير الله ما بكم و يستبدل بلكم غير كم فانظروا كيف تكونون فاني انظر فيما الزمني الله الظرفيه والقيام عليه

''واضح ہو کہ تم مسلمانوں کے حامی وناصر اور حافظ ونگران ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ حضرات کے لیے جو ضابطہ عمل مقرر فرمایا تھا، وہ ہم سے مخفی نہیں بلکہ ہمارے ہی مشورہ سے مقرر ہوا تھا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ حضرات کی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہ ہو۔ اگر آپ لوگوں نے اس میں کوئی تبدیلی کی تو اللہ تعالیٰ تمہاری دلی کیفیت میں تبدیلی پیدا فرمادے گا اور تمہاری جگہ تم سے بہتر لوگ لے آئے گا۔ غور کیجئے کہ تم لوگ اپنی ذمہ داریوں کے بار دوش سے کس طرح سبکدوش ہوتے ہو اور بحیثیت خلیفۃ المسلمین مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں میں ان کو ضرور سرانجام دوں گا۔'' (طبری:۳/۳۰۶)

اسی طرح اور بھی کئی مواقع پر آپ نے اپنی اس پالیسی کا اظہار فرمایا کہ سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے نظام حکومت کے بارے میں جو لائحہ عمل اختیار کیا تھا وہ ہمارے ہی مشورہ سے ہوا تھا، لہٰذا میں اس کو قائم رکھوں گا۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جتنا عرصہ اس جہان فانی میں رہے ہر سال حج کیا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی اسی طرح حج کروایا جس طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ انہیں حج پر بھیجا کرتے تھے۔ سوائے آخری سال کے، کیونکہ اس سال شورش پسندوں کی وجہ سے آپ حج پر تشریف نہ لے جاسکے اور اپنی جگہ پر آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرما کر بھیجا۔ (طبری:۳/۴۳۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال (گورنروں) کی خاص طور پر نگرانی فرمایا کرتے تھے تاکہ

لوگوں کو ان کے بارے میں کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے گورنروں کے کاموں کی کڑی نگرانی فرمائی اور ان پر خاص نظر رکھی۔ آپ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ جن لوگوں کو گورنروں سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر انہیں ملیں اور ان کے کسی گورنر کے خلاف اگر کوئی شکایت ہو تو انہیں پیش کریں۔

گورنروں کے علاوہ آپ نے عام مسلمانوں کو بھی ایک گشتی مراسلہ جاری فرمایا، جس میں لکھا:

ان آمروا بالمعروف وتناهوا عن المنكر ولايذل المومن نفسه، فاني مع الضعيف على القوى مادام مظلوماً ان شاء الله تعالى.

''تم سب لوگ معروف پر قائم رہو اور منکر سے بچو اور کوئی مومن اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے، میں قوی کے مقابلے میں ہر کمزور کا اس وقت تک ساتھ دوں گا جب تک وہ مظلوم ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔'' (طبری: ۳/۴۲۷)

آپ نے اپنے گورنروں کی نگرانی کی تا کہ وہ کوئی غلط کام نہ کر سکیں۔ ویسے آپ کے گورنروں کی اکثریت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مبنی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم تو زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے خود بطور مثال پیش کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فان امنو بمثل ما آمنتم به فقدا هتدوا.

لیکن اس کے باوجود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک احتساب کا محکمہ قائم کیا ہوا تھا جو عوام کے اخلاق اور معمولات کی بھی نگرانی کرتا اور گورنروں پر بھی کڑی نظر رکھتا۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں کبوتر بازی کا رواج پڑنے لگا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو روکا اور ایک شخص کو اس کی نگرانی کیلئے مقرر فرمایا۔ (طبری: ۳/۴۲۷)

اسی طرح بعض لوگوں کے بارے میں جب آپ کو پتہ چلا کہ انہوں نے ایسی نبیذ پینی شروع کی ہے جس سے نشہ ہونے کا احتمال ہے تو طبری کے الفاظ میں:

فارسل عثمان طائفاً يطوف عليهم بالعصاء فمنعهم من ذالك

''تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چند آدمی ایسے مقرر فرمائے جو مدینہ کے گلی کوچوں میں لاٹھیاں لے کر گشت کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے منع کرتے تھے۔''

لیکن جب بعض لوگ اس طرح بھی باز نہ آئے تو آپ نے ارباب رائے کے مشورہ

سے نبیذ کے استعمال پر سزا کا اعلان فرما دیا اور جو لوگ پکڑے جاتے ان کو کوڑے لگائے جاتے۔
(طبری:۳/۴۲۷)

اسی سلسلہ میں روایات میں مرقوم ہے کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے ملک کے اطراف و اکناف کی خبریں پوچھتے اور جو کچھ وہ بتاتے اسے توجہ سے سنتے۔'' (مسند احمد ابن حنبل رحمہ اللہ ۱/۷۳)

اس طریقے سے آپ کو پتہ چل جاتا کہ ملک کے دور دراز گوشوں میں کیا ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ ابن ذی الحبکہ نامی ایک شخص ٹونے ٹوٹکے سے علاج کرتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنر کوفہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس سے اس بارے میں پوچھا جائے، اگر وہ اقرار کرے تو اس کی گوشمالی کی جائے۔ راوی کا بیان ہے:

وتعجبوا من وقوف عثمان علی مثل خبره.

''لوگوں کو تعجب ہوا کہ اتنی دور سے اس بارے میں خبر رکھتے ہیں۔''

(طبری:۳/۴۳۱)

قرآنی تعلیم کا انتظام:

قرآن حکیم کی تعلیم اور تدریس کی طرف آپ نے خصوصی توجہ کی اور تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ اس کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے باتنخواہ معلم اور قاری مقرر فرمائے، چنانچہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

ان عمر بن الخطاب و عثمان بن العفان کانا یرزقان الموذنین ولائمة والمعلمین.

''بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے موذنوں، اماموں اور استادوں کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔'' (سیرۃ العمرین:۱۶۶)

تنخواہ اتنی تھی جتنی سے ان کی ضروریات زندگی آسانی کے ساتھ پوری ہو جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ مختلف حضرات کو سلطنت کے مختلف گوشوں میں قرآن حکیم کی تعلیم کے لیے بھیجا۔

جمع القرآن:

آپ کے عہد خلافت کا سب سے بڑا کارنامہ ''جمع القرآن'' کا ہے۔ اسی وجہ سے تاریخ میں آپ کو ''جامع القرآن'' کہا جاتا ہے! آپ نے قرآن کو کس طرح جمع کیا اور کس وجہ سے آپ کو ''جامع القرآن'' کہا جاتا ہے اور کیا رسول اللہ ﷺ کے عہد رسالت میں اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قرآن حکیم جمع نہیں کیا گیا تھا؟ ہم چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کو ذرا تفصیل سے قاری کے ذہن نشین کردیا جائے تاکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ''جامع القرآن'' ہونے کی حقیقت صحیح طور پر سمجھ میں آسکے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن حکیم جناب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کتابی شکل میں موجود تھا یا صرف حفاظ کے سینوں ہی میں تھا؟

اس سوال کا صاف اور سیدھا جواب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن حکیم کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے سینوں میں بھی محفوظ تھا اور رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کو کتابت کے ذریعہ بھی محفوظ کیا ہوا تھا، چنانچہ قرآن سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿رسول من الله يتلوا صحفاً مطهرة فيها كتب قيمةٌ﴾

''اللہ کا رسول ﷺ مقدس اوراق پڑھ کر سناتا ہے جن میں مضبوط کتابیں ہیں۔'' (البینۃ:۲)

ان مقدس اوراق سے مراد قرآن حکیم کے اوراق ہیں اور کتب قیمہ اس کی سورتیں ہیں۔ سورہ الواقعہ میں جو کہ ابتدائی مکی سورتوں میں سے ایک ہے..... فرمایا:

انه لقرآن كريم في كتاب مكنون لايمسه الا المطهرون.

''یہ (قرآن) بڑی قدر ومنزلت والا قرآن ہے، ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور اسے نہیں چھوتے مگر وہ لوگ جو پاک ہیں۔'' (الواقعہ)

ان آیات میں دو باتوں کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

① ایک یہ کہ قرآن حکیم ایک محفوظ و مصئون کتاب ہے جس میں کسی قسم کی تحریف اور ردوبدل نہیں ہوسکتا۔

② دوسری یہ کہ قرآن کریم ابتدائی زمانہ ہی میں لکھا جاچکا تھا۔ یعنی جوں جوں آیات

جناب رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتیں آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معرفت انہیں لکھوا لیتے، تبھی تو ناپاک لوگوں کو منع کیا گیا کہ وہ اسے ہرگز مس نہ کریں اور مس (چھونا) وجود جسمانی کا مقتضی ہے۔ غیر کتابت شدہ الفاظ کو کوئی نہیں چھو سکتا ہے۔ اس چیز کی تائید سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو احادیث کی مختلف کتابوں میں سند جید کے ساتھ درج ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی تو آپ غصے سے بھرے ہوئے ان کے گھر گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے ایک صحیفہ رکھا ہوا تھا جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اور سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ انہیں پڑھا رہے تھے۔ (زاد المعاد: ۱/۸۶، دار قطنی: ۱/۱۲۳)

قرآن کے ان مختلف صحیفوں کا ذکر حق تعالیٰ نے ایک اور مقام میں بھی کیا ہے، فرمایا:

كلا انها تذكرة، فمن شاء ذكره، في صحف مكرمة مرفوعة مطهرة، بايدي سفرة، كرام بررة.

''قرآن سراپا نصیحت ہے، پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے اور (وہ قرآن) صحیفوں (اوراق) میں (لکھا) ہے جن کی تکریم کی جاتی ہے اور وہ اونچی جگہ رکھے ہوئے ہیں اور پاک اور مطہر ہیں اور ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں جو بزرگ اور نیکوکار ہیں۔'' (عبس)

عہد نبوی میں ان لکھے ہوئے مقدس اوراق اور صحیفوں کا ثبوت بخاری کی اس حدیث سے بھی ملتا ہے جس میں بقول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان يسافر بالقرآن الى ارض العدو.

''رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کو ساتھ لے کر دشمن کی سرزمین میں سفر کرنے سے منع فرمایا۔'' (بخاری: ۱/۴۱۹)

عہد نبوی میں قرآن حکیم کی کتابت کا ثبوت کاتبان وحی کے مقرر کرنے سے بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحی الٰہی، (قرآن حکیم) کی کتابت کے لیے کئی کاتبان وحی مقرر فرمائے ہوئے تھے جن کی تعداد بقول بعض ۴۳ تھی، ''بقول الکتانی'' ۴۲ (''التراتیب الاداریہ

:۱۱۶، ۱۲۴)، بقول صبحی صالح ۴۰، علوم القرآن :۷۰ بقول ابن اسید الناس ۳۸ (''عیون الاثر'' ۲/ ۳۱۵ اور بعض حضرات کے مطابق ۲۰ تھی۔ (السیرۃ الحلبیۃ :۲/ ۳۶۶)

ان کاتبانِ وحی میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

(1) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (2) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (3) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (4) سیدنا علی رضی اللہ عنہ (5) سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (6) سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ (7) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (8) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (9) سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (10) سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ (11) سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ (12) سیدنا ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ (13) سیدنا عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ (14) سیدنا حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ (15) سیدنا شرحبیل بن حسنہ الکندی رضی اللہ عنہ (16) سیدنا حنظلہ بن الربیع الاسدی رضی اللہ عنہ (17) سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ (18) سیدنا معقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ (19) سیدنا علاء بن عقبہ رضی اللہ عنہ (20) سیدنا علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ (21) سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (22) سیدنا جہیم بن الصلتِ رضی اللہ عنہ (23) زید بن ثاب الانصاری رضی اللہ عنہ (24) سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (25) سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ (26) سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (27) سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (28) سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ۔ (زاد المعاد:۱/ ۳۰)

ان حضرات میں سے بعض حضرات تو وہ تھے جو صرف وحی کی کتابت کے لیے پابندی کے ساتھ بارگاہ نبوی میں حاضر رہتے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے:

کان معاویة و زید بن ثابت ملازمین لکتابة بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الوحی وغیره لاعمل لهما غیر ذالک.

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں وحی اور اس کے سوا دوسری چیزوں کی کتابت کے لیے پابندی کے ساتھ حاضر رہتے تھے اور ان دونوں کو اس کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا۔''

(تاریخ التشریع الاسلامی:۱۲)

سیدنا حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ کے بارے میں ابن عبد ربہ نے لکھا ہے:

ان حنظلة بن الربیع کان خلیفه کل کاتب من کتابه علیه اذا غاب.

''حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ آپ کی بارگاہ میں آپ کے تمام کاتبوں کے خلیفہ یا نائب

تھے جب یہ کاتب غیر حاضر ہوتے تو یہ کام سرانجام دیتے۔" (عقد الفرید:۲/۱۴۴)

اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتی ہے جس کو امام احمد رحمہ اللہ، ابوداود رحمہ اللہ، ترمذی رحمہ اللہ، نسائی رحمہ اللہ، ابن حبان رحمہ اللہ اور حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ جب آپ پر کچھ قرآن نازل ہوتا تو آپ وحی لکھنے والوں میں سے کسی کو بلوا کر فرماتے کہ ان آیات کو اس سورت میں درج کردو جس میں ایسا ایسا مذکور ہے۔" (فتح الباری:۹/۱۹)

اسی طرح کی کچھ روایات سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں کہ جونہی آپ پر کسی سورۃ یا آیت کا نزول ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فوری طور پر اپنے کاتبین میں سے کسی سے لکھوا دیتے۔ (ملاحظہ ہو: "مجمع الزوائد:۱/۱۵۲، بخاری، باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اس زمانے میں جزیرہ نما عرب میں کاغذ کمیاب تھا۔ اس وجہ سے جب کوئی سورت یا آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تو آپ کے کاتبین وحی اس کو کھجور کی شاخوں، چمڑے کے پارچوں، پتھر کی سلوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھ لیتے تھے، لیکن روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن حکیم کی اہمیت اور عمومیت مفاد کے لحاظ سے بعد میں اسے مختلف ٹکڑوں اور پارچوں سے کاغذ یا ہرن کی کھال یا جھلی پر نقل کرلیا جاتا۔ نقل کا یہ کام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں آپ ہی کی زیر ہدایت اور زیر نگرانی کاتبان وحی کی ایک تعداد سرانجام دیا کرتی تھی۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم نولف القرآن من الرقاع.

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں قرآن حکیم مختلف ٹکڑوں سے مرتب کرتے تھے۔" (مستدرک حاکم:۲/۶۱۱، ہذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین)

یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام حاکم نے بطور فیصلہ لکھا ہے:

وفيه الدليل الواضح ان القرآن انما جمع فى عهد رسول اللهﷺ.

"اس روایت میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں جمع ہو چکا تھا۔" (مستدرک حاکم:۲/۶۱۱)

ایسا ہی ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "فتح الباری" :۹/۹، السیوطی رحمہ اللہ نے "الاتقان" ۶۲

اور الزرکشی نے ''البرہان فی علوم القرآن ۲۵٦ پر لکھا ہے۔

لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن حکیم کی ترتیب اور تالیف جو کچھ ہوئی اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ یا تو الگ الگ صحیفوں میں یا سفید پتھروں کی تراشی ہوئی تختیوں پر یا سفید کپڑوں پر لکھا ہوا تھا۔

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

كان القرآن مكتوباً في صحف لكن كانت مفرقة فجمعها ابوبكر في مكان واحد.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن حکیم مختلف صحیفوں پر لکھا ہوا تھا چونکہ یہ صحیفے الگ الگ تھے۔ لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک جگہ یعنی یکجائی شکل میں جمع کر دیا۔ (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کو صحف سے مصحف میں تبدیل کر دیا۔''

(فتح الباری: ۱۰/۹)

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پانچ دس سورتیں تھیں۔ بعض کے پاس بیس، پچیس، کسی کے پاس بعض سورتوں کے ساتھ کچھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان سب منتشر حصوں کو ایک جگہ پر محفوظ کر دیا۔ چنانچہ امام محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فہم السنن میں لکھا ہے کہ:

''قرآن حکیم کی کتابت کوئی نئی چیز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے اسے کتابت کروایا تھا۔ لیکن یہ مختلف ٹکڑوں، پارچوں اور ہڈیوں پر منتشر تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سب مختلف ٹکڑوں سے جہاں قرآن حکیم منتشر اوراق میں لکھا ہوا تھا اس کو ایک جگہ جمع فرما دیا اور اس کو ایک لڑی میں پرو دیا حتیٰ کہ کوئی حرف اس میں سے ضائع نہ ہوا۔'' (البرہان فی علوم القرآن: ۲۳۸، صفوۃ الصفوۃ: ۲/۲۰۷)

لیکن اس کام کے اصل محرک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ:

''جب جنگ یمامہ میں ۷۰ حفاظ اور قراء شہید ہوئے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا، جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں

اور کہتے ہیں کہ جنگ کی تیزی میں بہت قاری اور حفاظ شہید ہو گئے ہیں۔ اگر قراء کی شہادت کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو قرآن کے اکثر حصوں کا ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا ہے کہ ہم ایسا کام کیوں کریں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا اسی میں بہتری ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ بات بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا۔'' (بخاری: ۲/ ۷۴۵)

اسی روایت کے دوسرے حصے میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ہی فرمایا کہ ''تم نوجوان سمجھ دار آدمی ہو اور ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی بھی نہیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر نگرانی بھی کام کرتے رہے ہو، لہٰذا تم ہی اسے جمع کرو۔'' سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کام مجھے پہاڑ ڈھونے سے بھی زیادہ گراں معلوم ہوا۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار نے میرے سینے کو بھی کھول دیا اور میں نے اس گراں بار کام کو سرانجام دینے کے لیے کمر ہمت باندھ لی۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک صحابہ حافظ قرآن تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اپنے حافظے کی مدد سے یا ان کی املا سے اس کام کو پورا نہیں کیا بلکہ بڑی چھان بین، مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توثیق اور ان سب اوراق سے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی کتابت کروائی تھی اسی ترتیب کے ساتھ اسے ایک کتابی شکل میں جمع کیا۔ لیکن قرآن کا یہ مرتب شدہ نسخہ ساتوں حروف پر مشتمل تھا۔ یہ نسخہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کی شہادت کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہو گیا۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مملکت اسلامیہ کی پہنائیوں میں اضافہ ہوا اور اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تو جن مسلمانوں نے قرآن حکیم کی آیات کو جن اساتذہ سے جس طرز تلفظ اور قرأت سے سیکھا تھا ان میں اور دوسرے مسلمانوں میں جن کو دوسری قرأت کی تعلیم دی گئی تھی، اختلاف پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتوحات کے دوران اس قسم کے کئی تجربات ہوئے۔ لہٰذا انہوں نے وہاں سے واپسی پر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی:

ادرک هذه الامه قبل ان تختلفوا اختلاف الیهود والنصاری.

''اس امت کو سنبھالو قبل اس کے کہ ان کے مابین یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف پیدا ہو۔'' (بخاری: ۲/۷۴۶، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۶)

اختلافات قرأت کی بات یہاں تک بڑھی کہ خود مدینہ طیبہ کے معلموں اور متعلموں کے مابین بھی فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ان الفاظ میں اس بات کی نشاندہی کی، فرمایا:

انتم عندی تختلفون فمن نای من الامصار اشد اختلافاً.

''جب تم میرے پاس ہوتے ہوئے یہ اختلاف رکھتے ہو تو جو لوگ دور دراز رہتے ہیں ان میں تو زیادہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔''

(فتح الباری: ۹/۱۴۔۱۵، مناہل العرفان: ۱/۲۴۹)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے شہروں میں اس بارے میں جو کیفیت بیان کی اور وہاں کے اختلاف قرأت کی جو صورت دیکھی اس کا نقشہ بھی فتح الباری کے الفاظ میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کچھ یوں بیان فرمایا کہ:

''میں نے آرمینیہ کے علاقہ فرج میں لڑائی لڑی تو میں نے دیکھا کہ شامی لوگ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھنے میں بعض الفاظ اس طرح ادا کرتے ہیں جس سے عراقی قطعاً آشنا نہیں۔ ادھر عراقیوں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کو اپنا رکھا ہے اور وہ بھی بعض الفاظ اس طرح ادا کرتے ہیں کہ شامیوں نے سنے تک نہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی تکفیر کر رہے ہیں۔''

''امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے طریق کے مطابق روایت ہے کہ ایک آدمی قرآن حکیم کی قرأت کرتا تو اس کا ساتھی ہی اسے کہہ دیتا، سن لو، سن لو! اس طرح پڑھنے والے کو میں کافر سمجھتا ہوں۔ یہ بحث لوگوں میں خوب پھیل گئی۔ چنانچہ اس کے حل کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صلاح و مشورہ شروع کیا۔''

(فتح الباری: ۹/۱۴۔۱۵)

اہل علم حضرات بخوبی آشنا ہیں کہ اختلاف قرأت خود جناب ختمی مرتب علیہ الصلوۃ والسلام کے مبارک عہد میں بھی تھا۔ جزیرہ نما عرب میں بہت سے قبائل آباد تھے۔ ہر قبیلہ کی

زبان میں بعض الفاظ کی ادائیگی وغیرہ کا اختلاف ایک بدیہی امر ہے جس کے لیے کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہیں۔ اسی اختلاف کی بناء پر بعض قبیلوں کو دوسرے قبیلے کا لغت پڑھنا نہایت شاق گزرتا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی موجودگی اور زمانہ کی رفتار نے اس دشواری کو برداشت کرنے کی ہمت وجرأت دے دی تھی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اتقان فی علوم القرآن'' میں علامہ ابن التین کے حوالہ سے یہ باتیں نقل کی ہیں۔ لیکن دورِ عثمانی میں اس اختلاف کو پھر سے ابھرنے کا موقع ملا، اور معاملہ کی نوعیت کافی حد تک خراب ہو چلی تھی، اس وجہ سے اگر حالات وواقعات کی نزاکت کا احساس نہ کیا جاتا تو خطرہ تھا کہ:

مختلف قرأتوں کے مطابق قرآن حکیم کے مختلف نسخے لکھے جاتے اور کچھ عرصہ بعد ایک قرأت کے مطابق لکھنے اور پڑھنے والے دوسروں کی قرأت قرآن کو قرآن نہ مانتے۔ چنانچہ اس بات کی ابتداء بقول سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہو چکی تھی۔ نہایت خطرہ تھا کہ اس اختلاف کی کوکھ سے ایک ایسا بڑا فتنہ جنم لیتا جس کا انسداد ناممکن ہو جاتا اور امت مسلمہ قرآن حکیم کی قرأت پر بھی دست وگریبان ہو کر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتی۔

عرب میں سات مشہور لغات کے حوالے سے مفسدین اور فتنہ پرداز اس بات کی کوشش کرتے کہ غیر مشہور لغت میں قرآن حکیم کی قرأت کو فروغ دیا جائے جو فصاحت و بلاغت میں ان سات مشہور قرأتوں سے کہیں کم تھی اور ہر شخص اپنی پسند اور اپنے مزاج کے مطابق جس طرح چاہتا قرآن حکیم کے الفاظ کو توڑ موڑ کر پڑھتا اور لکھتا اور اس طریقہ سے قرآن حکیم میں تحریف کا ایک ایسا راستہ کھل جاتا جس کا بند کرنا آئندہ آنے والوں کے لیے مشکل ہو جاتا۔

تاریخ کی ورق گردانی سے اس بات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ مختلف قبائل میں اختلاف صرف قرأت اور لغت کا اختلاف ہی نہ تھا بلکہ لب ولہجہ اور تلفظ کا اختلاف بھی تھا کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسی آبادیاں اسلام میں داخل ہو گئیں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔ عربی الفاظ وحروف کے صحیح تلفظ کی قدرت ظاہر ہے ان میں نہیں ہو سکتی تھی۔ خود عرب کے مختلف قبائل کے لب ولہجے الگ الگ تھے۔ اس سے بھی قرأت قرآن میں اختلاف پیدا ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نقل وتحریر میں بھی اختلاف شروع ہو گیا۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ قبیلہ بنی ہذیل ''حتیٰ'' کو ''عتیٰ'' پڑھتا تھا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ''حتیٰ حین'' کو ''عتیٰ عین'' پڑھتے تھے۔ بنو

اسد ''تعلمون'' کی ت کو زیر کے ساتھ ''تعلمون'' پڑھتا تھا۔ مدینہ کے لوگ ''تابوت'' کا لفظ ''تابوہ'' کرتے تھے۔ قبیلہ قیس کی تانیث کا تلف...... سے کرتے تھے اور قرآنی آیت کو قد جعل ربش تحتش سریا پڑھتے تھے، اسی طرح قبیلہ تمیم ان کے لفظ کو عن کی شکل میں ادا کرتے تھے۔...... اور عسی اللہ عن یاتی بالفتح پڑھتے تھے۔ ایک قبیلہ س کو ت کی شکل میں ادا کرتا تھا اور اعوذ برب النات، ملک النات الہ النات پڑھتا تھا۔ ان حالات میں سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے کہنے پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کرنے کے لیے اور مختلف فتنوں کی پیش بندی کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنا شروع کیا تاکہ فتنے کی آگ کو پھیلنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان کے سامنے اس خطرہ کو رکھا جس کی طرف سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کی توجہ دلائی تھی اور فرمایا کہ مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے کو یہ کہتے ہیں کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے اور یہ بات کفر کی حد تک پہنچ سکتی ہے۔ لہٰذا آپ حضرات کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔'' آپ نے فرمایا: میری رائے تو یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ مستقبل میں اختلاف کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو پسند فرمایا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ سے قرآن حکیم کا وہ نسخہ منگوایا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لکھا گیا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو جس میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن الحارث رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ اس کام پر مامور کیا کہ وہ عہد صدیقی کے مرتب شدہ اس نسخے سے اس کی نقول تیار کریں۔ ان چاروں حضرات میں صرف سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری تھے اور باقی تین حضرات قریشی۔ اس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تینوں حضرات سے فرمایا کہ اگر تمہارا زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ قرآن کے کسی حصہ میں اختلاف ہو کہ کون سا لفظ کس طرح لکھا جائے تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن حکیم انہی کی زبان میں اترا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اگرچہ املاء اور نقول کا یہ کام مندرجہ بالا چار صحابہ رضی اللہ عنہم کے سپرد کیا تھا لیکن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، کثیر بن افلح رضی اللہ عنہ،

انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان کی مدد اور تعاون کے لیے مقرر فرمایا۔

ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب عہد صدیقی کے اس نسخہ سے قریش کی قراءت سے متعدد نقلیں تیار کر لیں تو وہ مصحف صدیقی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے:

وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا.

''پھر مملکت اسلامیہ کے ہر افق میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس تیار شدہ نقل کی ایک ایک کاپی بھیج دی۔'' (بخاری: ۲/ ۷۴۶، ''الاتقان'': ۱/۱۰۲)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''فتح الباری'': ۹/ ۱۳۔۱۵، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۲۱۶)

علامہ ابوعمر الدانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن حکیم کے چار نسخے تیار کروائے۔ ان میں سے ایک کوفہ بھیجا اور ایک ایک بصرہ اور شام میں اور ایک نسخہ اپنے پاس رکھا لیکن بعض حضرات کا قول ہے کہ سات نقلیں کروائیں اور ان صوبوں کے علاوہ ایک ایک نقل مکہ، یمن اور بحرین بھیجی لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

(''المقنع فی رسم القرآن'': ۱۰، البرہان: ۱/ ۲۴۰)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی نسخوں کی تعداد سات لکھی ہے۔ (فتح الباری: ۹/ ۱۷)

اس واقعہ کی تفصیل علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۲۱۶ پر بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ ان مصاحف کے لکھوانے کے بعد سیدنا ابوہریرہ رحمہ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

اصبت ووفقت.

''آپ نے صحیح بات کی اور حق درست بات کی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو توفیق دی گئی۔''

اس نیک کام کی توفیق کی تصدیق پر آپ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دس ہزار درہم اپنی جیب خاص سے بطور انعام مرحمت فرمائے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۲۱۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کی جمع و ترتیب میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا:

① سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو مصحف تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ جامعین

نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ لکھا۔

(۲) مصحف میں وہ آیات درج کی گئیں جن کے قرآن ہونے کا قطعی یقین تھا۔

(۳) بنیادی طور پر اسی نسخہ قرآن کو پیش نظر رکھا گیا جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مرتب کروایا تھا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھا، دوبارہ منگوایا تھا اور عہد صدیقی میں مرتب شدہ نسخے کے ساتھ ازسر نو مقابلہ کیا گیا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حارث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر میں امیر ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔'' (اتقان:۱/۶۰)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب خلافت اسلامیہ کی طرف سے قراۃ قریش پر قرآن حکیم کا نسخہ مرتب فرمالیا تو اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ وہ صحیفے جو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس موجود ہیں اور جن میں الفاظ قرآن کے ساتھ کچھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے ہیں اور مختلف قرأتوں میں مرقوم ہیں کہیں امت کے لیے پھر فتنہ اور اختلاف کا سبب نہ بن جائیں لہٰذا آپ نے ان تمام صحیفوں کو منگوا کر نذر آتش کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۷)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سراہا اور ان کے ساتھ اس معاملہ میں ہر قسم کا تعاون کیا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی تحسین فرمائی۔ (البدایۃ والنہایۃ:۲۱۶)

اور دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی تائید وحمایت کی، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

لاتقولوا فی عثمان الاخیرا فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الاعن ملامنا، قال ماتقولون فی ھذہ القراۃ فقد بلغنی ان بعضم یقول ان قرأتی خیر من قراتک وھذا یکاد ان یکون کفراً، قلنا فما تری قال اری ان نجمع الناس علی مصحف واحد فلاتکون فرقۃ ولااختلافاً قلنا فنعم مارایت۔

''عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہ کہو، کیونکہ مصاحف کے بارے میں جو کچھ انہوں نے کیا وہ ہمارے مشورے ہی سے کیا۔ انہوں نے ہم سے پوچھا کہ تم اس قرأت کے بارے کیا کہتے ہو کیونکہ مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری قرأت تمہاری قرات سے بہتر ہے۔ اور ڈر ہے کہ کفر تک نوبت نہ

پہنچ جائے۔ہم نے کہا کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کردیں تاکہ کوئی تفرقہ یا اختلاف نہ رہے۔ہم نے کہا کہ آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔"

(فتح الباری:۹/۱۵''اتقان فی علوم القرآن:۱/۶۱)

ایک الزام اور اس کا جواب:

بعض حضرات اس بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآنی نسخوں کو جلا دیا جو کہ قرآن کریم کی ایک بہت بڑی توہین ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے واقعی ان قرآنی مصاحف کو جلانے کا حکم دیا تھا جو لغت قریش میں نہیں تھے تاکہ فتنے کا مکمل سدباب ہوسکے اور ان کو جلوانا نہایت ضروری تھا۔اسی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے جواب میں ارشاد فرمایا جو اس بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے تھے،فرمایا:

لاتقولو لعثمان فی احراق المصاحف الاخیرا.

"سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس مختلف قرأتوں کے نسخے جلانے کا جو حکم دیا تھا اس حکم کے بارے میں عثمان رضی اللہ عنہ کو اچھا ہی کہو۔"

(فتح الباری:۹/۱۷)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ نسخے ایسے ہی نہیں جلا دیئے تھے کہ جلتی آگ میں ان کو ڈال کر راکھ کردیا بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

"جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کتابت قرآن حکیم سے فارغ ہوئے تو آپ نے مختلف شہروں کے لوگوں کو لکھا۔میں نے یہ کام کیا ہے اور جو میرے پاس پہلے سے لکھے ہوئے نسخے تھے ان کو میں نے تلف کردیا ہے۔لہٰذا تم بھی انہیں تلف کردو۔(اور جو نسخہ میں تمہیں بھیج رہا ہوں ان کی نقول تیار کرکے دوسروں تک پہنچاؤ)۔

یہ روایت درج کرکے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمحو عمّ ان یکون بالغسل او التحریق.

"یہاں مٹانے کا حکم عام ہے...... چاہے پانی سے دھو کر محو کردیا جائے یا آگ میں

جلا کر......

ابن حجر رحمہ اللہ نے قاضی عیاض رحمہ اللہ کی روایت یوں نقل کی ہے:

وقد جزم عیاض بانهم غسلوها بالماء ثم احرقوها مبالغة فى اذهابها.

''قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے یہ بات بڑے یقین اور جزم سے کہی ہے کہ ان حضرات نے پہلے پانی سے قرآنی حروف کو دھویا تھا پھر دھلے ہوئے اوراق وغیرہ کو جلا دیا تھا تاکہ نئے جمع شدہ صحیفہ کے ہوتے ہوئے ان کا نام ونشان تک نہ رہے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع شدہ قرآن میں فرق:

اب آخر میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے...... کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کو جمع کیا تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی جامع قرآن ہیں۔ لیکن ان دونوں کے جمع قرآن میں کیا فرق ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآن حکیم ایک مصحف کی شکل میں بین الدفتین موجود نہ تھا بلکہ یہ مختلف صحیفوں کی شکل میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس موجود تھا لیکن تھا سارا لکھا ہوا۔ دوسرے لفظوں میں قرآن حکیم مرتب تو تھا لیکن اس کے اجزاء یکجا نہیں تھے بلکہ مختلف حفاظ وقراء کے پاس متفرق اجزاء تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے سلسلے میں جو کام کیا وہ یہ تھا کہ قرآن حکیم کے متفرق اجزاء کو ایک مصحف کی شکل میں یکجا کر دیا۔ (ملاحظہ ہو: ''فتح الباری: ۹/۱۰) آپ نے اس سلسلہ میں اختلاف قرأت سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔

اس کے برعکس سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اسی مصحف ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بنیاد قرار دے کر قرأتیں متعین کر دیں جو سبعہ قرأت کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ باقی قرأتوں کو غیر مستند قرار دے دیا۔ اور قرآن کی کتابت قرأت قریش میں کروادی اور اس کے علاوہ دوسری قرأتوں میں جو نسخے تھے ان کو تلف کروادیا، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے قاضی ابوبکر رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نفس قرآن کو لوحین کے درمیان جمع کرنے کا جو کام کیا تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو قرأتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور معروف ہیں ان پر مسلمانوں کو جمع کر دیں اور ان کے علاوہ

جو دوسری قرأتیں ہیں ان کو ضائع کر دیں۔'' (اتقان:۱/۱۰۳)

ہمارے خیال میں یہ کام کئی لحاظ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کام سے بھی بڑا کام تھا، کیونکہ جو صورت پیدا ہو چکی تھی وہ ایسی تھی کہ اگر اس کا سد باب نہ کیا جاتا تو پورے قرآن کا حلیہ بگڑ جاتا۔ صورتحال یہ تھی کہ:

عرب میں بہت سے الفاظ کا تلفظ تمام قبائل کا ایک نہیں تھا بلکہ مختلف قبائل کا مختلف تلفظ تھا۔ اس بناء پر قرآن حکیم کا نزول اگرچہ لغت قریش میں ہوا تھا لیکن دوسرے قبائل کے لیے یہ ایک نہایت مشکل شئے تھی کہ وہ اپنے قبیلہ کے تلفظ کو چھوڑ کر ان الفاظ کا تلفظ قریش کے تلفظ اور لہجہ میں کریں۔ وقتی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی تھی کہ وہ ان الفاظ کا تلفظ اپنے اپنے قبیلے کے لہجہ میں کر لیا کریں۔

ایک صورت یہ تھی کہ کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یا کسی اور صحابی کے ذریعہ قرآن حکیم کا کوئی حصہ سنا اور اپنے صحیفہ میں اسے لکھ لیا، لیکن اس میں کوئی لفظ لغت قریش کا ایسا تھا جس کے معنی سے وہ آشنا نہ تھا۔ اس نے اس حرف کے ساتھ اس کے معنی کی وضاحت کے لیے ایک حرف اپنی زبان کا بھی لکھ لیا۔ مثال کے طور پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں سورہ القارعہ کے العھن کے ساتھ القطن بھی لکھا ہوا تھا اور بعض لوگ ''القطن'' کو بھی منزل من اللہ حرف سمجھنے لگے تھے۔

اس بارے میں ایک صورت یہ بھی تھی کہ قبائل میں اختلاف صرف قرأت اور تلفظ الفاظ کا نہیں تھا بلکہ خود الفاظ کا بھی تھا۔ مطلب یہ کہ ایک معنی اور مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ایک قبیلہ ایک لفظ استعمال کرتا تھا جبکہ دوسرا قبیلہ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے دوسرا لفظ بولتا تھا۔ اس وجہ سے کسی قبیلہ کے کسی شخص کو لغت قریش پر نازل شدہ آیت میں اگر کوئی لفظ نامانوس اور زبان پر ثقیل معلوم ہوتا تو وہ بے تکلف اس لفظ کے بجائے اپنے قبیلہ کی زبان کا لفظ تلاوت کرنے لگتا۔

قرآن حکیم کی قرأت اور اس کی کتابت میں جو عظیم اختلافات رونما ہوئے اس پر دوسرے علماء کے علاوہ ابن قتیبہ نے تاویل مشکل القرآن میں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''اتقان فی علوم القرآن'' میں کافی بحث کی ہے۔ یہ اختلافات صرف قرأت ہی کے نہیں تھے بلکہ قرآن حکیم میں کمی بیشی کے بھی تھے۔ مثال کے طور پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورہ

فاتحہ اور معوذتین کا اندراج نہیں تھا۔ فوج میں چونکہ ملک کے مختلف حصوں کے لوگ سب ایک ساتھ ہوتے تھے، لہٰذا اس قسم کے اختلافات سب سے پہلے فوج میں ظاہر ہوئے اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی فوج میں اس کو محسوس کرتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کو دور کرنے کی درخواست کی تھی۔

اس تجزیہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اختلافات کتنے شدید تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی شدت کا احساس فرماتے ہوئے اور مصحف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بنیاد بناتے ہوئے ایک مستند مصحف لغت قریش میں ایڈٹ کروایا اور اس کی بہت سی نقلیں کروا کر مملکت اسلامیہ میں بھیجا اور مختلف صوبوں کے گورنروں اور بڑے بڑے لوگوں کو ہدایت کی کہ اس ایڈیشن کی نقول کروا کر لوگوں کو مہیا کریں اور اس نسخے کے علاوہ اور جتنے نسخے مختلف قراٗتوں میں لوگوں کے پاس موجود ہیں ان کو لے کر تلف کر دیا جائے تا کہ لغت وقراٗت کا یہ اختلاف ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہوا اور آج جو قرآن حکیم دنیا میں موجود ہے وہ وہی ہے جو لغت قریش میں ہے اور جس کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں مرتب کروایا تھا۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے امام محمد بن سیرین کے حوالے سے لکھا ہے:

القراة التى عرضت على النبى صلى الله عليه وسلم فى العام الذى قبض فيه القراة التى يقروها الناس اليوم.

"وہ قراٗۃ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سال پیش کی گئی جس سال آپ کا انتقال ہوا، وہ یہی قراٗت تھی جس کو آج سب لوگ پڑھتے ہیں۔" (اتقان: ۱/۵۱)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی امت مسلمہ قیامت تک ان کی زیر بار احسان ہے کہ انہوں نے امت کو لغت وقراٗت قریش پر جمع کر کے قیامت تک کے لیے ایک بہت بڑے انتشار اور فتنے سے محفوظ فرما لیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو خدا بہتر جانتا ہے کہ امت میں کیا کیا اختلافات رونما ہوتے......؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جمع قران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سال بعد انجام پایا تھا جب کہ مصحف عثمان کی ترتیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ سال بعد ہوئی۔

آخر میں تیسری صدی کے مشہور عالم حارث المحاسبی کا قول نقل کرتا ہوں جس سے عوام الناس کی ایک غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

المشهور عند الناس ان جامع القرآن عثمان وليس كذالك انما حمل عثمان الناس على القراة لوجه واحد.

''لوگوں میں مشہور ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جامع القرآن ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ انہوں نے صرف یہ کیا کہ لوگوں کو قرآن حکیم کی ایک قرأت پر جمع کردیا۔''

(الاتقان:۱/۶۱)

تحریف القرآن:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چونکہ قرآن حکیم کو جمع کیا۔ اول الذکر نے قرآن کو صحف سے مصحف کی شکل میں جمع کیا اور ثانی الذکر نے لغت قریش پر مرتب کیا اور یہی قرآن کروڑوں اربوں کی تعداد میں دور عثمانی سے لے کر آج تک متواتر چلا آرہا ہے، لیکن صحابہ دشمنی اور خصوصی طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عداوت کی بناء پر شیعہ حضرات نے اس قرآن کو محرف قرار دیا اور لکھا کہ ان حضرات نے قرآن میں تحریف کردی ہوئی ہے اور موجودہ قرآن حکیم میں سے وہ سب آیات نکال دی ہوئی ہیں جن میں اہل بیت، نبوت اور خصوصی طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کے احکام تھے۔ شیعہ اکابر میں سے صرف چار حضرات شریف مرتضیٰ، شیخ صدوق، ابوجعفر طوسی اور ابوعلی طبرسی کو چھوڑ کر باقی تمام حضرات تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ اس مسئلہ پر کتابیں لکھیں اور دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے خدا نے جو وعدہ کیا تھا کہ ہم اس قرآن کے محافظ ہیں۔ (انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون) وہ غلط ہے۔ مسلمانوں کا خدا (معاذ اللہ) بہت کمزور ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اس سے طاقتور ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدۂ حفاظت کے باوجود قرآن حکیم میں تحریف کردی۔

آج کل کے شیعہ حضرات مسلمانوں سے عاجز آکر یہ کہتے ہیں کہ ہم تو تحریفِ قرآن کے قائل نہیں بلکہ ہم موجودہ قرآن کو اصلی اور وہی قرآن مانتے ہیں جو حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام پر نازل ہوا تھا، لیکن جب ان سے یہ کہا جائے کہ یہ تو تمہارے ائمہ اور اکابر کی تعلیمات کے خلاف ہے اور اگر تم واقعی تحریف قرآن کا عقیدہ نہیں رکھتے تو کیا تم برملا یہ اعلان کرسکتے ہو کہ جو شخص قرآن کے محرف ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے

خارج ہے تو موجودہ قرآن کو اصلی کہنے والے یہی لوگ بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے قرآن میں کتنی تحریف کی اس کا اندازہ ''اصول کافی'' کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان القرآن الذی جاء به جبرئیل علیه السلام الی محمد صلی الله علیه وسلم سبعة عشره الف آیه.

''وہ قرآن جو جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر آئے وہ سترہ ہزار آیات پر مشتمل تھا۔'' (اصول کافی: ۲/۶۳۴، تہران)

اب موجودہ قرآن کی کتنی آیات ہیں۔ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

جمیع آیات القرآن سته الاف آیة ومائتا وست و ثلاثون آیه.

''قرآن حکیم کی کل آیات چھ ہزار دو سو چھتیس ہیں۔''

(تفسیر مجمع البیان: ۵/۴۰۶، تہران)

''اصول کافی'' کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں تھوڑی بہت تحریف نہیں کی گئی بلکہ قرآن حکیم کا دو تہائی حصہ غائب کر دیا گیا۔ یہ بات کسی معمولی آدمی نے نہیں کہی بلکہ شیعہ حضرات کے امام معصوم سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے کہی ہے جن کی بات بقول شیعہ حضرات غلط نہیں ہو سکتی۔

یہ تو صرف ایک روایت ہم نے ذکر کی۔ وگرنہ شیعہ حضرات کے ایک عظیم المرتبت مجتہد علامہ حسین محمد ترقی نوری طبرسی نے تو اس بارے میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہوئی ہے جس کا نام ہے۔ ''فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب۔'' اس کتاب میں مصنف نے دلائل کے انبار لگا کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن حکیم تورات وانجیل کی طرح محرف ہے۔ چنانچہ مصنف نے لکھا ہے کہ:

''اور چوتھی بات ہے اثنا عشریہ کی ان روایات کا تذکرہ جو صراحتاً یا اشارتاً یہ بتلاتی ہیں کہ تحریف کے اعتبار سے قرآن تورات وانجیل ہی کی طرح ہے اور جو یہ بتلاتی ہیں کہ جو منافقین امت پر غالب آ گئے تھے (ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ) وہ قرآن میں تحریف کرنے کے بارے میں اسی راستہ پر چلے جس پر چل کر بنی

اسرائیل نے تورات و انجیل میں تحریف کی تھی اور یہ ہمارے دعوائے تحریف کے ثبوت کی مستقل دلیل ہے۔" (فصل الخطاب:۷۰)

ایک مقام پر علامہ نوری طبرسی نے اپنے علمائے متقدمین میں سے سب سے پہلے ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی کا تذکرہ کیا کہ وہ قرآن کے محرف ہونے کے قائل تھے۔ اس کے بعد پورے پانچ صفحات میں دوسرے ان متقدمین شیعہ علماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اپنی تصانیف میں تحریف قرآن کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کی تعداد تیس چالیس سے کم نہ ہوگی بلکہ زیادہ ہی ہوگی۔ پھر لکھا:

"اور ہم نے اپنی محدود تلاش اور محدود مطالعہ سے (تحریف کے بارے میں شیعہ علمائے متقدمین) کے جو اقوال نقل کیے ہیں، ان کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے متقدمین کا یہی مذہب عام طور پر مشہور تھا (کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے) اور اس کے خلاف رائے رکھنے والے بس چند افراد تھے۔

(فصل الخطاب:۳۰)

پھر بارہویں دلیل قرآن حکیم کی تحریف کے بارے میں دیتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے:

"بارہویں دلیل ائمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جو قرآن کے خاص خاص مقامات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اور جو یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن کے بعض کلمات اور اس کی آیات اور سورتوں میں ان صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی تبدیلی کی گئی ہے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور وہ روایات بہت زیادہ ہیں یہاں تک کہ ہمارے سید نعمت اللہ الجزائری نے بعض تصانیف میں کہا ہے جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ قرآن میں اس تحریف اور تغیر و تبدل کو بتلانے والی ائمہ اہل بیت کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے اور ہمارے علماء کی ایک جماعت نے مثلاً شیخ نصیر اور محقق داماد اور علامہ مجلسی نے ان احادیث کے مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے...... بلکہ ہمارے علماء کی ایک جماعت نے ان روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔" (فصل الخطاب:۲۲۷)

پھر مصنف نے ان علماء کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے قرآن کی تحریف اور ان کے تغیر و

تبدل کی روایات کو متواتر کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ''فصل الخطاب'' ۳۲۸۔۳۲۹)

اس کتاب کے مطالعہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ کسی شیعہ کے شیعہ رہتے ہوئے قرآن میں تحریف کے عقیدہ سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ''فصل الخطاب'' کا یہ مصنف علامہ نوری طبرسی شیعی دنیا کا ایک بہت بڑا عالم، مجتہد اور محدث شمار ہوتا ہے۔ اس کا انتقال 1330ھ میں ہوا اور اس کو نجف اشرف میں ''مشہور مرتضوی'' کی عمارت میں دفن کیا گیا جو شیعہ حضرات کے نزدیک روئے زمین کا مقدس ترین مقام (اقدس البقاع) سمجھا جاتا ہے۔

ویسے بھی عقلی طور پر شیعہ حضرات کا موجودہ قرآن پر ایمان ممکن نہیں کیونکہ جب ان کے علماء کے نزدیک ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مومن ہی نہ تھے تو یہ قرآن کیسے صحیح اور غیر محرف ہو سکتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو ''الکافی'' میں منافق کہا گیا۔

(ملاحظہ ہو: ''کتاب الروضہ'': ۶۲، لکھنو)

پھر ملا باقر مجلسی نے یہاں تک لکھا کہ:

''آں دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا اور رسول نیاوردہ بودند یعنی ابوبکر و عمر۔

(جلاء العیون: ۱۹۰، حق الیقین: ۵۰۹)

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھا:

''ہیچ عاقل را مجال آں نیست کہ شک کند در کفر عمر۔ پس لعنت خدا و رسول بر ایشاں بادو بر ہر کہ ایشاں را مسلمان داند و ہر کہ در لعن ایشاں توقف نماید۔''

(جلاء العیون: ۴۵)

خمینی صاحب نے بھی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اسی قسم کی باتیں لکھی ہیں:

(ملاحظہ ہو: خمینی کی کتاب ''کشف الاسرار'' ۱۱۳۔۱۲۰)

جب شیعہ حضرات کا ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ ہے تو ان کا روایت کردہ قرآن ان کے نزدیک کیسے صحیح اور غیر محرف ہو سکتا ہے؟

شیعہ حضرات کے ایک اور بزرگ سید نعمت اللہ الجزائری نے بھی حسین نوری کی اس بات کی مکمل تائید کی اور بتایا کہ اخبار متواترہ اس بارے میں موجود ہیں کہ موجودہ قرآن محرف ہے۔ چنانچہ لکھا:

الاخبار المستفيضة بل المتواترة الدالة يصريحها على وقوع

التحریف فی القرآن کلاماً ومادة واعراباً.

''اخبار مستفیضہ مشہورہ بلکہ متواتر روایات اس بات پر صریحاً دلالت کرتی ہیں کہ قرآن حکیم کلام، مادہ اور اعراب کے اعتبار سے محرف ہے۔''

(انوار النعمانیہ:۲/ ۲۵۷)

تفسیر صافی کے مصنف ملا فیض کاشانی شیعی لکھتے ہیں:

واما اعتقاد مشائخنا فی ذالک فالظاهر من ثقة الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی طاب الله ثراه انه کان یعتقد التحریف والنقصان فی القرآن لانه کان روی روایات فی هذا المعنی فی کتابة الکافی ولم یتعرض لقدح فیها مع انه ذکر فی اول الکتاب انه کان یثق بما رواه فیه وکذالک استاذه علی بن ابراهیم القمی فان تفسیره مملوء منه وله غلو فیه وکذالک الشیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی فانه ایضا نسج علی منوالهما فی کتاب الاحتجاج.

''قرآن حکیم کی تحریف اور تبدیل کے بارے میں ہمارے مشائخ کا اعتقاد ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی سے ظاہر ہے کہ وہ اس میں تحریف ونقصان کے قائل و معتقد تھے۔ کیونکہ انہوں نے اس موضوع پر اپنی کتاب ''الکافی'' (۱) میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کسی روایت پر کوئی اعتراض نہیں کیا، حالانکہ انہوں نے اپنی کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے کہ وہ اس کتاب میں صرف ثقہ اور جید روایات ذکر کریں گے۔ اسی طرح ان کے استاذ علی بن ابراہیم القمی بھی اسی عقیدہ کے قائل تھے۔ ان کی تفسیر بھی اس قسم کی روایات سے بھری پڑی ہے۔ اس موضوع پر ان کا کردار حد سے بڑھ کر ہے۔ ان دونوں کی طرح شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی اپنی کتاب ''الاحتجاج'' میں ان دونوں کے نقش قدم پر چلے ہیں۔'' (تفسیر صافی: ۱/ ۳۴، المقدمہ السادسۃ، تہران)

معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد میں تحریف قرآن کا عقیدہ شامل ہے۔ یہ عقیدہ بھی صحابہ دشمنی پر مبنی ہے۔ شیعہ حضرات کو جب اپنے مذہب کی تائید قرآن و حدیث سے نہ ملی تو انہوں نے احادیث کی کتابیں تو الگ بنالیں جن کو ''اصول اربعہ'' کا نام دیا

گیا، لیکن قرآن حکیم وہ اور بنا نہیں سکتے تھے۔ لہٰذا یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ موجودہ قرآن محرف ہے۔ اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ نے کمی بیشی کی ہے بلکہ دو تہائی قرآن حذف ہی کر دیا گیا ہے۔ بعض آیات سے بعض الفاظ نکال دیے گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قریباً 40 ہزار قرآن جلا دیے تھے تا کہ اہل بیت کا نام دنیا سے ختم ہو جائے۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے:

''مشہور یہ ہے کہ قرآن حکیم کا وہ حصہ جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب تھے اور وہ حصہ بھی جس میں قریش کی مذمت اور ان کی برائیوں کو ظاہر کرنے والی آیات تھیں اور وہ آیات جن میں منافقین کی مذمت کی گئی تھی ان تمام کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم سے نکال دیا۔ اس کی مثال یہ آیت ہے:

یالیتنی لم اتخذفلاناً خلیلاً۔

''کاش کہ میں فلاں کو اپنا دوست اور ہم راز نہ بتاتا۔''

یہ آیت دراصل اس طرح تھی: **یالیتنی لم اتخذ ابابکر خلیلاً۔** ''کاش کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا دوست نہ بتاتا۔'' مشہور یہ ہے کہ اس آیت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام تھا جو نکال دیا گیا۔

یہ لکھنے کے بعد ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

وبعد از آں کہ عثمان از ہمہ ولایات مصاحف راجمع کرد وعلامان آں را بہ مدینہ فرستادند قریب بہ چہل ہزار بود ہمہ راگفت تا سوختند۔

''اور اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام صوبوں سے قرآن کے نسخہ جات کو جمع کیا اور ان کے گورنروں نے ان نسخہ جات کو جن کی تعداد قریباً 40 ہزار تھی، مدینہ طیبہ بھجوایا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں نذر آتش کر دیا۔'' (تذکرۃ الائمہ: ۱۷/ایران)

غرضیکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جو قرآن جمع کیا وہ شیعہ مذہب کے مقاصد پورا نہیں کرتا تھا کیونکہ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کے بارے میں آیات ہیں۔ اس میں امامت وخلافت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ نہیں ہے۔ اس میں اہل بیت نبوت نبی کی ازواج مطہرات کو کہا گیا ہے، اس میں پاؤں کا دھونا ہے۔ اس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صحابہ ہونے کے بارے میں نص قطعی ہے۔ لہٰذا شیعہ حضرات کے لیے اس

کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ اس قرآن کو محرف قرار دیا جاتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور شیعہ حضرات نے اپنے عقائد میں اس کو شامل کیا کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے بلکہ اس کا دو تہائی حصہ نکال دیا گیا ہے۔ اس کے اثبات کے لیے کتابیں لکھی گئیں اور ائمہ سے لے کر چھوٹے چھوٹے لوگوں تک نے روایات کا انبار لگا دیا، جن کو کتابوں میں ''الاخبار المتواترہ'' کا نام دیا گیا تا کہ تحریف قرآن کا مسئلہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کا مقام حاصل کر لے۔ شیعہ حضرات کے تحریف قرآن کا قائل ہونے کے بارے میں انہی کی کتابوں میں اتنا مواد موجود ہے کہ اس بارے میں ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مصحف قرآنی 25ھ میں سیدہ حفصہ بنت عمر ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس سے منگوا کر اس کی کتابت کروائی گئی اور اس کے نسخہ جات ملک کے مختلف گوشوں میں بھیجے گئے۔ یہ مصحف بعد کی صدیوں میں انتہائی صحت کے ساتھ نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پریس دور میں پہنچ گیا۔ جس کے بعد کسی ضیاع یا تغیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس ابتدائی نسخہ کے بعد کے نسخوں کی مطابقت کا کتنا زیادہ اہتمام کیا گیا اس کا اندازہ چھوٹی سی مثالوں سے کیا جا سکتا ہے۔

سورہ مومنون کی آیت 108 میں قال (الف کے ساتھ) لکھا ہوا ہے۔ یہی لفظ اسی سورت کی اگلی آیت ۱۱۲ میں قل (بغیر الف) لکھا گیا ہے۔ گویا ابتدائی مصحف میں جو لفظ جس شکل میں لکھا ہوا تھا ٹھیک اسی طرح اس کو لکھا جاتا رہا، خواہ ایک ہی لفظ دو جگہ دو املاء کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح سورہ قیامہ کی آیت وقیل من کے بعد روایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تھوڑا سا وقف کیا تھا۔ قرآن حکیم میں اس طرح کے دوسرے متعدد مقامات ہیں مگر کبھی قرآن حکیم پڑھنے والوں کو یہ خیال نہیں ہوا کہ بطور خود دوسرے مقامات پر بھی اسی طرح وقفہ دے کر پڑھنا شروع کر دیں۔

آج جو قرآن حکیم مسلمانوں کے درمیان رائج ہے اس کی صحت پر تمام امت مسلمہ مجتمع ہے یہاں تک کہ غیر مسلم محققین بھی اس کی صحت پر متفق ہیں سوائے شیعہ حضرات کے...... ان میں صرف چند حضرات ایسے ہیں جو قرآن کو غیر محرف مانتے ہیں اور موجودہ قرآن کی صحت کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور اور محقق شیعہ عالم علی بن موسیٰ جو ابن طاؤ نام سے مشہور ہیں، اپنی کتاب سعد السعود میں شہرستانی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں

نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ سوید بن علقمہ (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ:

''اے لوگو! اللہ! عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو سے بچو۔ یہ نہ کہو کہ انہوں نے قرآن حکیم کو جلایا۔ بخدا انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو اکٹھا کیا اور پوچھا کہ تم قرآن میں اختلاف قرأت کے بارے میں کیا کہتے ہو''؟

اس سوال کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا:

یلقی الرجل الرجل فیقول قرأتی خیر من قرأتک وھذا یجر الی الفکر.

''ایک شخص دوسرے شخص سے ملتا ہے اور کہتا ہے کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے اور اس قسم کی بات کفر تک جاتی ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا:

ارید ان اجمع الناس علی مصحف واحد فانکم ان اختلفتم الیوم کان من بعد کم اشد اختلافا، فقلنا نعم ما رایت.

''میں چاہتا ہوں کہ تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کردوں، کیونکہ تم اگر آج اختلاف میں پڑ گئے تو تمہارے بعد کے لوگ اور زیادہ اختلاف میں پڑ جائیں گے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا، ہاں آپ کی رائے سے ہمیں اتفاق ہے۔''

(''تاریخ القرآن: ۴۶، ابوعبداللہ الزنجانی شیعی)

یہ امام الائمہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رائے ہے۔ معلوم نہیں ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی، نعمت اللہ الجزائری، حسین بن محمد نوری اور دوسرے شیعہ علماء نے دوسرے ائمہ کی روایات کہاں سے لے لیں، جن میں قرآن حکیم کی تحریف کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایات سبائی ٹکسال کی بنائی ہوئی ہیں۔

افسوس اس بات کا ہے کہ اس قسم کے لوگ مسلمان کہلاتے ہوئے بھی تحریف القرآن کے قائل ہیں جبکہ غیر مسلم محققین آج بھی قرآن کو غیر محرف اور غیر مبدل سمجھتے ہیں، گویا کہ

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

لین پول (LANPOL) عقیدتاً عیسائی ہونے کے باوجود قرآن حکیم کو تمام

تبدیلیوں سے محفوظ و مصئون ہونے کا قائل ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے:

''قرآن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ قریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبدل رہا ہے۔'' (Selections from the Quran P.118)

ایک اور عیسائی مؤرخ جس نے ساری زندگی اپنی تحریروں سے مسلمانوں کے عقائد میں رخنہ اندازی کی کوشش کی ہے۔ قرآن حکیم کے بارے میں لکھتا ہے۔

''محمد ﷺ کی وفات کے ربع صدی بعد ہی سے مناقشات اور فرقہ بندیاں ہوگئیں جس کے نتیجہ میں (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں۔ مگر ان سب فرقوں کا قرآن ایک ہی ہے۔ ہر زمانہ میں یکساں طور پر سب فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی مصحف ہے جو اس بدقسمت خلیفہ (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کے حکم سے تیار کیا گیا تھا۔''

(William Muir, Life of Muhammad. 1912, Foreward)

سر ولیم میور کو دراصل غلطی لگی ہے۔ قرآن حکیم کا پڑھنا اور چیز ہے اور اس کے غیر محرف اور غیر مبدل ہونے کا اعتقاد رکھنا دوسری چیز۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ شیعہ حضرات کے علماء اور ائمہ تحریف قرآن کے قائل ہیں لیکن تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن حکیم میں کوئی تحریف نہیں ہوئی اور نہ کوئی تحریف کر سکتا ہے اور موجودہ قرآن وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔

فضائل ومناقب

قریباً ساری امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ساری امت مسلمہ میں افضل ترین شخصیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے اوران کے بعد سیدنا عمر لفاروق رضی اللہ عنہ کی۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ:

ای الناس خیر من بعد النبی صلی الله علیه وسلم ، قال ابوبکر قال ثم من؟ قال عمر و خشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت؟ قال ما انا الا رجل من المسلمین۔

"رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں بزرگ ترین اور بہترین شخص کون تھا؟ آپ نے فرمایا، ابوبکر رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ ان کے بعد کون......؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ پھر مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ بعد میں عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے لہٰذا میں نے پوچھا پھر آپ؟ فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔"

(بخاری:۱/۵۱۸ ج:۲/۸۸

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا:

خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر وعمر

"اس امت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہترین ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تھے۔" (مسند احمد:۱/۱۱۵)

اسی طرح کی اور بہت سی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد پوری امت میں سب سے افضل اور بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ ان دونوں حضرات

انتقال کے بعد افضلیت میں تیسرا نمبر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ہے، چنانچہ بعض روایات میں ہے۔

خیر هذه الامة بعد نبيها ابی بکر ثم عمر ثم عثمان.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، پھر عمر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔'' (فضائل ابی بکر لابی طالب العشاری: ۱۰)

اور ''بخاری'' کی اس حدیث سے جو ہم نے اوپر نقل کی ہے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کا درجہ اور مقام ہے اس کے علاوہ بھی ''بخاری'' میں کئی احادیث ایسی ملتی ہیں جن میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ شیخین (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پوری امت میں افضل ہیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كنا نخير بين الناس فی زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم فنخير ابابكر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان.

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دیا کرتے تھے ہم ان میں سے سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے۔'' (بخاری: ۱/۵۱۶)

''بخاری'' کی ایک اور حدیث میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كنا فی زمن النبی صلی الله عليه وسلم لا تعدل بابی بکر احد ثم عمر ثم نترک اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم لانفاضل بينهم.

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے پھر عمر رضی اللہ عنہ کو پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو پھر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔''

(بخاری: ۱/۵۲۳)

اس مضمون کی کئی اور روایات احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ساری امت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ کوئی صحابی نہیں تھا۔

یہ کسی ایک دو صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے نہیں ہے بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد

پوری امت کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کیونکہ شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ کے تقرر کے لیے جو پینل بیٹھا اس سے جب سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے تقرر کے اختیارات لیے تو مجلس شوریٰ کے دوسرے حضرات سے وعدہ فرمایا تھا کہ

واللہ، علی ان لا آلوا عن افضلکم

''اللہ کی قسم! میں افضل شخص کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کروں گا۔''

(بخاری:۱/۵۲۴)

وعدہ کے مطابق آپ نے مسلسل تین دن رات ہر چھوٹے بڑے اور آنے جانے والے سے پوچھا یہاں تک کہ گھروں میں جا جا کر مستورات سے پس پردہ رائے معلوم کی۔ اس کے بعد آپ نے جو اپنی رائے نہ صرف شوریٰ کو بلکہ مسجد نبوی میں موجود مہاجرین وانصار کو دی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے سب لوگ بالاجماع سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے خلافت کے دوسرے امیدوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

یاعلی! انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارھم یعدلون بعثمان.

''اے علی رضی اللہ عنہ! میں نے لوگوں کے امر میں کافی غور وخوض کیا، میں نے دیکھا کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔'' (بخاری:۲/۱۰۶۹)

قریباً یہی الفاظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''تاریخ الامم والملوک'': ۳/۲۹۴، ۲۹۷ اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۴۶ پر نقل کیے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا کہ:

فلم یجد اثنین یختلفین فی تقدم عثمان بن عفان.

''سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مقدم اور افضل ہونے میں اختلاف کرتے ہوں۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۴۵)

گویا قرن رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا اس بات پر اجماع تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا:

اجمع الصحابہ واتباعھم علی افضلیہ ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی.

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ساری امت سے افضل ہیں پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔'' (فتح الباری: ۷/۱۳)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بارے میں لکھا ہے:

''وافضلیہ خلفائے اربعہ ثابت است بترتیب خلافت بادلہ بسیار۔''

''خلفائے اربعہ کی افضلیت خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے۔'' (ازالۃ الخفاء: ۱/۶۶)

اس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا یہ ایک سنہری باب ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت مسلمہ میں افضلیت اور برتری کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر تھے۔

یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت مسلمہ کا فیصلہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ افضلیت کے لحاظ سے امت میں تیسرے نمبر پر ہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا رسول اللہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فیصلہ ہے کیونکہ افضلیت کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پر موقوف ہے۔ چنانچہ جب احادیث اور تواریخ کی کتابوں کی ورق گردانی کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں ایمان وعمل کے لحاظ سے سب سے بہتر سمجھتے تھے جس کا اظہار ان روایات سے ہوتا ہے۔

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کنا نقول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی اضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان.

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ کہا کرتے تھے کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔''

طبرانی کی ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

فیسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاینکرہ.

''ہماری یہ بات رسول اللہ رضی اللہ عنہ سنتے اور آپ انکار نہ فرماتے۔''

(فتح الباری: ۷/۱۳)

② علامہ ابن حجر [illegible] نے ایک اور روایت اسی مضمون کی نقل فرمائی ہے کہ سیدنا

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے جاتے تو ہم کہتے: ”اب سب لوگ برابر ہوگئے ہیں۔“

فیسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذالک فلاینکرہ.

”پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس بات کو اپنے کانوں سے سنتے لیکن اس کا انکار نہ کرتے۔“ (فتح الباری: ۱۳/۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کو سن کر انکار نہ فرمانا اس بات کی تائید تھی، کیونکہ اگر یہ بات غلط ہوتی تو آپ فوراً اس کا رد فرما دیتے کیونکہ غلط بات پر خاموش رہنا منصب نبوت کے خلاف ہے۔

③ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا اظہار اپنا یہ خواب بیان کرنے سے بھی فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ:

”ایک پلڑے میں میں رکھا گیا اور دوسرے میں میری ساری امت رکھی گئی (اور وزن کیا گیا) تو میں پوری امت کے برابر رہا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک پلڑے میں رکھا گیا اور باقی پوری امت کو دوسرے پلڑے میں رکھا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ میری امت کے برابر رہا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ کو ایک پلڑے میں رکھا گیا اور میری باقی ساری امت کو دوسرے پلڑے میں رکھا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ میری باقی امت کے برابر رہا۔“

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی مرتبہ فرمایا:

ثم وضع عثمان فی کفتہ وامتی فی کفۃ فعدلھا.

”پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک پلڑے میں رکھا گیا اور باقی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھا گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ میری باقی امت کے برابر رہا۔“ (البدایۃ والنہایۃ: ۲۰۴/۷)

④ اسی مضمون کی ایک اور حدیث سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز نماز صبح سے فراغت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں نے دیکھا ہے کہ:

”آسمان سے ایک ترازو اتاری گئی اور آپ کو اس کے ایک پلڑے میں رکھا گیا اور

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دوسرے پلڑے میں تو آپ کا پلڑا بھاری تھا۔ پھر آپ اٹھا لیے گئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ رکھا گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ وزنی نکلے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ عمر رضی اللہ عنہ کو رکھا گیا اور دوسرے پلڑے میں عثمان رضی اللہ عنہ کو رکھا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ وزنی نکلے۔ پھر وہ ترازو اوپر اٹھا لی گئی۔''

(ازالۃ الخفاء:۲/۴۷۶)

⑤ اسی مضمون کی ایک اور حدیث سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''ایک مرد صالح کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ لٹکے ہوئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، اور عمر رضی اللہ عنہ لٹکے ہوئے ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور عثمان رضی اللہ عنہ لٹکے ہوئے ہیں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔'' (ازالۃ الخفاء:۲/۴۷۷، ''البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۰۴)

اس حدیث سے جہاں ترتیب خلافت ثابت ہوتی ہے وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کا مقام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ساری امت میں افضل واعلیٰ ہے۔

ان سب احادیث سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری امت مسلمہ کا یہ فیصلہ کہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ساری امت میں سب سے افضل ہیں، دلائل اور حقائق پر مبنی ہے، اسی وجہ سے آپ کے فضائل اس قدر ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔

① امیر المومنین رضی اللہ عنہ (مومنوں کے امیر) اور ان مومنوں کے امیر جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القادر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

② ذوالنورین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے حبالہ عقد میں تھیں اور قریش کی عورتیں ان میاں بیوی کی محبت میں یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔

احسن زوجھا رآہ انسان　　　رقیۃ وزوجھا عثمان

''سیدنا رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر جوڑا کسی

انسان نے کبھی نہیں دیکھا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۹، ''تفسیر قرطبی: ۴/۲۴۲)

یہاں تک کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اشارتاً ان کے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں سے حسن سلوک کی بذات خود تعریف وتحسین فرمائی جیسا کہ ''بخاری'' کی روایت میں آتا ہے کہ:

''جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ سے نکاح کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں:

ذکر صهرا له من بني عبد شمس واثنى عليه في مصاهرته اياه.

(بخاری: ۱/۴۳۸، ۵۲۸)

''آپ نے بنو عبدشمس سے اپنی رشتہ داری کا ذکر کیا اور تحریف فرمائی۔''

اگرچہ اس حدیث کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ یہ تحسین آپ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند سیدنا ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ کی فرمائی تھی اور ''بخاری'' میں ایک اور مقام پر ان کا نام بھی لیا ہے۔ (ملاحظہ ہو، ''بخاری'': ۱/۵۲۸) لیکن حدیث کے الفاظ میں ''بنی عبد شمس'' کے الفاظ ہیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی چونکہ ''بنی عبدشمس'' میں سے تھے لہٰذا اس تحسین وتعریف میں وہ بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

''اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو ان سب کی یکے بعد دیگرے تم سے شادی کر دیتا۔''

(''العقد الفرید'': ۱/۷۸)

ایک روایت ہے کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ نے فرمایا کیا تم عثمان رضی اللہ عنہ اور رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے؟ میں نے عرض کی کہ ہاں...... آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے ان سے اچھا کوئی جوڑا دیکھا، میں نے کہا: ''نہیں۔'' (التمہید والبیان'' ۱۵۵'' کنز العمال: ۲/۳۸۰)

ایک اور حدیث میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لو كن لي عشرة لزوجتهن عثمان.

''اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہ دیتا۔''

پھر فرمایا:

ما زوجت الابوحی من السماء.

''میں نے وحی الٰہی کے کہنے پر اس کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہا ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے:

لو کان لنا ثالثة لزوجناک بهایا عثمان.

''اے عثمان رضی اللہ عنہ! اگر ہماری تیسری صاحبزادی ہوتی تو وہ بھی ہم تجھ سے بیاہ دیتے۔'' (التمہید والبیان: ۱۵۶، اسد الغابہ: ۳/۳۷۶)

پھر فرمایا:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے آپ کے حبالہ عقد میں آنا آپ کی کتاب مناقب وفضائل کا ایک نہایت اہم باب ہے جو خلقت آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک کسی شخص کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ محمد بن الحسین الاجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اول فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بعد الایمان بالله عزوجل وبرسوله صلى الله عليه وسلم، ان الله عزوجل اكرمه بان زوجه ابنتي رسول الله صلى الله عليه وسلم، واحدة بعد واحدة ولم يجمع بين ابنتي نبي منذ خلق الله عزوجل عليه السلام الى قيام الساعة الاعثمان بن عفان.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد سب سے پہلی اور بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے رشتہ ازدواج میں مرحمت فرمائیں اور خلقتِ آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک کسی نبی کی دو بیٹیاں کسی شخص کے حبالہ عقد میں نہیں آئیں، سوائے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے، کہا:

لانه لم يزوج رجل من الاولين والاخرين ابنتي نبي غيره.

''اس لیے کہ اولین وآخرین میں سے آج تک کوئی شخص بھی نبی کی یکے بعد دیگرے دو بیٹیوں سے بیاہا نہیں گیا۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۲)

گویا آپ کی یہ فضیلت ایسی ہے کہ جس میں آپ پوری کائنات میں ایک منفرد

مقام رکھتے ہیں۔اور یہ شرف ایسا ہے جو اس پوری دنیا میں آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا۔ بعض حضرات آپ کے داماد رسول ہونے سے انکار کرتے ہیں لیکن یہ انکار جہالت اور تعصب پر مبنی ہے اور جہالت اور تعصب سے تو لوگوں نے اللہ کی توحید اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تک کا انکار کیا ہے جو کہ عقلاء کے نزدیک قابل التفت نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں کے ساتھ رشتہ ازدواج ہونے کی وجہ سے آپ کا لقب ''ذوالنورین'' ہوا، یعنی دو نوروں والا۔:

فلذالک کان یلقب ذوالنورین.

''اسی وجہ سے آپ کا لقب ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہو گیا تھا۔'' (اصابہ:۲/۴۵۵)

اور یہ لقب آپ کا نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھا بلکہ ملاء الاعلیٰ میں بھی آپ کا یہی لقب تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے مین کچھ بیان فرمایئے، آپ نے ارشاد فرمایا:

ذالک امرء یدعلی فی الملاء الاعلیٰ ذوالنورین کان ختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من له بیتافی الجنة.

''(عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا پوچھنا)، وہ ایک ایسے آدمی ہیں جو ملاء اعلیٰ میں ''ذوالنورین'' کے لقب سے ملقب ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے شوہر نامدار تھے اور آپ نے ان کے لیے جنت میں محل کی ضمانت دی تھی۔''

(اسد الغابہ:۳/۳۷۹، فتح الباری:۷/۴۳)

③ آپ کے فضائل کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ آپ ''صاحب ہجرتین'' یعنی دو ہجرتوں والے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شرکت فرمائی۔ پھر مکہ مکرمہ واپس لوٹے اور پھر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لانهما لاول من هاجرا الی الله بعد لوط.

''یہ دونوں میاں بیوی لوط علیہ السلام کے بعد پہلے مہاجر الی اللہ ہیں۔''

(طبقات ابن سعد:۳/۵۵)

④ آپ کے فضائل و مناقب میں سے یہ فضیلت بھی آپ کے لیے بہت اہمیت رکھتی

ہے کہ آپ نے باوجود اس بات کے جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں شرکت نہ فرمائی۔ لیکن اس کے اجر وثواب اور مال غنیمت میں ان کو برابر کا حصہ دیا گیا۔ (اسد الغابہ:۳/۳۷۷، بخاری مع فتح الباری:۷/۴۸)

⑤ آپ کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جن کو اسی دنیا میں بشارتیں دی گئیں یعنی آپ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کو ''عشرہ مبشرہ'' کہتے ہیں۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ان سے راضی تھے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا۔

(اسد الغابہ:۳/۳۷۷، ۳۸۱، طبقات ابن سعد:۳/۶۱)

چنانچہ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سوائے بئر رومہ کے وہاں میٹھے پانی کا اور کوئی کنواں نہ تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی...... آپ نے فرمایا:

من يحضر بئر رومه فله الجنه فحضرها عثمان.

(بخاری مع فتح الباری:۷/۴۳)

جنگ تبوک جس کو جنگ عسرت بھی کہتے ہیں، کے موقع پر اسلامی لشکر کو ساز وسامان کی سخت ضرورت تھی۔ کیونکہ مسلمانوں پر عسرت وتنگی کا ایک عجیب عالم طاری تھا...... آپ نے فرمایا:

من جهز جيش العسرة فله الجنة فجهزه عثمان.

''جس نے لشکر عسرت کے لیے ساز وسامان مہیا کیا اس کے لیے جنت ہے۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ ساز وسامان مہیا کیا۔'' (بخاری مع فتح الباری:۷/۴۳)

۷ھ میں نمازیوں کی کثرت کے باعث مسجد نبوی میں کچھ تنگی محسوس ہونے لگی۔ مسجد کے پڑوس میں ایک شخص کا مکان تھا۔ سرور کشور رسالت ﷺ کی خواہش تھی کہ مکان کو خرید کر مسجد میں شامل کرلیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنی اس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

من يوسع لنا بهذا البيت في المسجد ببيت له في الجنة.

''جو شخص یہ مکان خرید کر اس مسجد کو وسیع کردے اس کے لیے جنت میں ایک محل ہے۔''

(مسند احمد حدیث:۴۲۰، اسد الغابہ:۳/۳۸۰، البدایہ والنہایہ:۷/۱۷۸)

یہ ارشاد نبوت سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس یا پچیس ہزار درہم میں یہ مکان خرید لیا اور آپ کو اطلاع دی، آپ بہت خوش ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فلاں کے باغ میں ایک مرتبہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ دروازہ بند تھا۔ ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا، اے عبداللہ اٹھ کر دروازہ کھول، اور جو شخص آیا ہے اس کو جنت کی بشارت دے دے۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے جو کچھ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وہ انہیں بتا دیا۔ انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اندر داخل ہوئے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ اور میں نے دروازہ پھر بند کر دیا۔ پھر کسی نے دروازہ کھولنے کیلئے کہا۔ آپ نے مجھے پھر فرمایا عبداللہ! اٹھ کر دروازہ کھول اور جو شخص آیا ہے اسے جنت کی بشارت دے دے۔ میں نے پھر اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے انہیں جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بتا دیا، انہوں نے بھی اللہ کی تحمید و تقدیس کی، اندر داخل ہوئے اور بیٹھ گئے۔ میں نے پھر دروازہ بند کر دیا، پھر دروازہ کھٹکا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پھر فرمایا، عبداللہ! اٹھ اور دروازہ کھول۔

وبشره بالجنة على بلوى تكون.

''اور اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو ان مصائب پر جو اسے درپیش ہوں گے۔''

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اٹھا اور دروازہ کھولا تو دیکھا:

فاذا انا بعثمان بن عفان.

''کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔''

میں نے انہیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بشارت سنا دی۔

(اسد الغابہ: ۳/۳۷۶، بخاری مع فتح الباری: ۷/۴۳، البدایہ: ۷/۲۰۱)

اسی طرح کی ایک اور روایت سیدنا عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ جنت میں ہے، عمر رضی اللہ عنہ جنت میں ہے، عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں ہے، علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہے۔'' (اسد الغابہ: ۳/۳۷۷، ۳۷۸)

فضائل و مناقب عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں محمد بن یحییٰ بن ابی بکر رحمہ اللہ نے ایک

حدیث ''مسند احمد'' کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے جو احنف سے مروی ہے۔...... احنف کہتے ہیں کہ:

''ہم حج کے لیے جاتے ہوئے مدینہ طیبہ سے گزرے۔ ہم اپنے پڑاؤ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص ہمارے پاس یہ خبر لے کر آیا کہ مسجد میں کچھ جھگڑا ہو رہا ہے۔ یہ سن کر میں اور میرا ایک ساتھی مسجد کی طرف دوڑے ہوئے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں لوگوں کی بھیڑ تھی اور کچھ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں۔ ان میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ میں لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا اندر پہنچا۔ ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چل کر وہاں پہنچے۔ آپ نے آتے ہی پوچھا، کیا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں؟ پھر پوچھا کیا زبیر رضی اللہ عنہ آگئے ہیں؟ جب کہا گیا کہ یہ دونوں حضرات آگئے ہیں تو آپ نے پوچھا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ بھی آگئے ہیں جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ بھی تشریف لے آئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سب کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع میں وہ کنواں خرید کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تو آپ نے فرمایا، تم اسے عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دو، تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ اس بات کی سب نے یک زبان ہو کر تصدیق کی۔''

پھر آپ نے فرمایا، میں تمہیں اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس نے بئر رومہ خریدا اسے یہ اجر ملے گا۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع میں وہ کنواں خرید کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تو آپ نے فرمایا، تم اسے عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دو، تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ یہ بات سن کر سب نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''میں تمہیں اللہ، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آیا تم جانتے ہو کہ جب جیش عسرت تیار ہو رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا کہ جو اسے ضروری ساز و سامان مہیا کر دے گا اس کی اللہ تعالیٰ بخشش فرما دے گا'' چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں جیش عسرت کے لیے ساز و سامان مہیا کیا، حتیٰ کہ اونٹ کی

نکیل اوراس کی ٹانگیں باندھنے کی رسی کی بھی کمی نہ رہی۔ یہ سن کربھی ان حضرات نے تصدیق فرمائی۔ پھرآپ اللھم اشھد اللھم اشد۔''اے اللہ گواہ رہنا،اے اللہ گواہ رہنا''فرماتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے۔'' (التمہید والبیان:۱۵۷، ۱۵۸،''کنز العمال:۱۳: ۶۹-۷۰)

اس مضمون کی بے شمار احادیث ہیں جن میں سرور کشور رسالت ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی ہے۔''محصور ہونے کے زمانے میں بھی آپ نے دریچے میں سے جھانک کرلوگوں سے ان کی خوشخبریوں کی تصدیق کروائی جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف دینی خدمات کے صلے میں آپ کو جنت کے بارے میں دی تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ خود محاصرہ کرنے والوں نے بھی ان باتوں کی تصدیق کی جس کی وجہ سے آپ کو بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یقین تھا کہ باغی آپ کو شہید نہیں کریں گے۔ چنانچہ محصور ہونے کے زمانے میں ایک شخص نے ان کو یہ کہتے سنا:

لم یقتلوننی انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لایحل دم امراء مسلم الاباحدی ثلاث، رجل کفر بعد اسلامہ، اوزنی بعد احصانہ اوقتل نفسا فیقتل بھا.

''یہ لوگ مجھے ہرگز قتل نہیں کریں گے (یعنی مسلمان ہوتے ہوئے ایسا ہرگز نہیں کرسکتے) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین قسم کے لوگوں کے علاوہ اور کسی کا خون بہانا جائز نہیں ہے۔ پہلا وہ جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہوجائے دوسرا وہ جو شادی شدہ ہوکرزنا کا مرتکب ہو اور تیسرا وہ جس سے ارتکاب قتل کا قصاص لیا جائے۔''

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ نے جب سے مجھے ہدایت دی ہے، تبدیلی مذہب کا خیال تک کبھی میرے دل میں نہیں آیا۔ میں نے زمانہ اسلام تو کیا زمانہ کفر میں بھی کبھی زنا نہیں کیا اور میں نے کبھی کسی کو قتل بھی نہیں کیا۔ پھر یہ لوگ کس وجہ سے مجھے قتل کریں گے۔''

(التمہید والبیان:۱۵۸)

⑥ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک منقبت یہ بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر انہیں اہل مکہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ حالانکہ وہاں اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم

موجود تھے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایسے صاحب کو جو مکہ کے قریش ہوں اور اہل مکہ کی نگاہ میں صاحب عزت ہوں۔ قریش کے پاس بھیجیں اور انہیں بتائیں کہ ہمیں لڑنا نہیں اور ساتھ ہی مکہ کے مفلوک الحال مسلمانوں کو بھی تسکین دی جائے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اس خدمت پر مامور فرمانا چاہا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی۔ یارسول اللہ! آپ کا فرمان سر آنکھوں پر لیکن عرض یہ ہے کہ اہل مکہ کو مجھ سے خاص طور پر عداوت اور دشمنی ہے اور میرے خاندان بنو عدی میں بھی میرا کوئی حامی اور بہی خواہ نہیں۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سفارت پر اگر مامور کیا جائے تو نہایت مناسب ہوگا، کیونکہ سردار قریش ابو سفیان رضی اللہ عنہ بھی ان کا قریشی رشتہ دار ہے اور یہ اپنے خاندان میں بھی سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔

سرور کشور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو پسند فرمایا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور انہیں مکہ کے مفلوک الحال اور مقید مسلمانوں کی تسکین اور تسلی کی بھی تاکید فرمائی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عم زاد بھائی ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور رؤسائے مکہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ اس عرصہ میں قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر موقع کا انتظار کریں اور موقع پاکر (معاذ اللہ) آپ کو قتل کر دیں۔ یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و نگرانی پر مامور سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سب کو گرفتار کر لیا اور قید کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ دوسری طرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جو مکہ میں تھے اور ان کے ساتھ قریباً دس اور مسلمان مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے۔ ان سب کو انتقاماً اپنے پاس روک لیا۔ اس اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے یہ خبر پہنچا دی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سن کر بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا اور اپنے ہاتھ پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص لیے جہاد کی بیعت لی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو فرمایا۔ ''یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔'' پھر اسی ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا:

''یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے۔'' (بخاری:۱/۵۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دینا، فضیلت عظمیٰ ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم میں صرف آپ کے حصے میں آئی۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے فخر سے یہ فرمایا کرتے تھے:

''میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔''(زرقانی:۲/ ۲۰۸)

⑦ آپ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے ایک منقبت آپ رضی اللہ عنہ کو یہ بھی حاصل ہوئی کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں چوتھا پتھر رکھنے کی سعادت عطا فرمائی۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی تو سب سے پہلا بنیادی پتھر آپ نے اپنے دست مبارک سے رکھا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ پتھر لے کر آئے اور اس کو رکھا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے پتھر رکھا، پھر عثمان رضی اللہ عنہ پتھر لے کر آئے اور اس کو رکھا۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حکمت کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هم امراء الخلافه من بعدی.

''یہ میرے بعد خلافت کے امیر یعنی خلیفہ ہوں گے۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۰۴)

⑧ آپ کے فضائل میں یہ فضیلت بھی خاص اہمیت رکھتی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ باحیا تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:

ارحم امتی ابوبکر، واشدهم فی دین الله عمر، واشدها حیاء عثمان، واعلمها بالحلال والحرام معاذ بن جبل واقروها لکتاب الله ابی واعلمها بالفرائض زید بن ثابت ولکل امة امین وامین هذه الامة ابو عبیدة بن الجراح.

''میری امت میں سب سے زیادہ رحیم ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اللہ کے دین میں سب سے زیادہ سخت عمر رضی اللہ عنہ اور سب سے زیادہ باحیا عثمان رضی اللہ عنہ، حلال وحرام کے مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، کتاب اللہ کے سب سے زیادہ قاری ابی

بن کعب رضی اللہ عنہ، علم فرائض (وراثت) کے سب سے زیادہ عالم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہیں۔'' (البدایۃ النہایۃ: ۲۰۴/۷)

اس سلسلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پانی والی جگہ پر تشریف فرما تھے، آپ نے دونوں زانوں یا ایک زانو کھول رکھا تھا......لیکن:

فلما دخل عثمان غطاها.

''جب عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو آپ نے زانو مبارک کو چھپالیا۔'' (بخاری: ۵۲۳/۱)

اسی طرح کی کئی ایک روایات ''مسند احمد'' سے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی نقل فرمائی ہیں کہ ایک مرتبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر پہنے اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ سے گفتگو کی اور چلے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح رہے پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی لیکن اسی حالت میں رہے۔ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے واپس چلے گئے۔ سیدنا عثمان فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اجازت طلب کی۔ آپ نے مجھے اجازت تو دے لیکن خود اٹھ بیٹھے اور اپنا کپڑا ٹھیک کرلیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے لیے آپ نے وہ پروا نہیں کی جو عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان عثمان رجل حيي، واني خشيت ان اذنت له على تلك الحالة لايبلغ الى حاجته.

''عثمان رضی اللہ عنہ حیادار آدمی ہیں، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اسی حالت میں ان کو اذن باریابی دے دیا تو وہ (حیا کی وجہ سے) مجھ سے گفتگو نہیں کرسکیں گے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۲۰۲/۷)

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں:

الا استحی ممن تستحی منه الملائكة.

''کیا میں اس سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۲۰۲/۷، ''اسد الغابہ: ۳۸۰/۳، ۳۸۱)

(۹) ایک فضیلت آپ کی یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی زندگی میں شہد کے لفظ سے یاد فرمایا۔ گویا بشارت دی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہادت کے منصب پر فائز ہوں گے۔ چنانچہ احادیث نبویہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جبل احد پر چڑھے جبل احد ہلنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں اس پر مار کر فرمایا احد ٹھہر، تو نہیں جانتا کہ ''تم پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید چڑھے ہوئے ہیں۔'' (بخاری: ۱/۵۲۳، ''اسد الغابہ: ۳/۳۷۸)

(۱۰) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا ولی اور رفیق فرمایا۔ جیسا کہ ابو یعلی رحمہ اللہ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا اور کہا:

انت ولی فی الدنیا وولی فی الآخرة.

''تو دنیا میں بھی میرا ولی ہے اور آخرت میں بھی میرا ولی ہے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۲، قرۃ العینین شاہ ولی ۱۳۸)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

لکل نبی رفیق و رفیقی فی الجنة عثمان.

''ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور جنت میں میرا رفیق عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔''

(ترمذی، البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بڑے مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر آدمی اپنے کفو کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔'' چنانچہ آپ خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے۔

(قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین: ۱۳۸)

(۱۱) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا مقام تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی آپ کی خصوصیت میں سے ایک اہم چیز ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک جنازہ لایا گیا تا کہ آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ لیکن

آپ نے اس کا جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ پوچھا گیا..... یارسول اللہ ﷺ! اس سے قبل تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی کی نماز جنازہ سے اس طرح اعراض برتا ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نے اس لیے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی:

انه كان يبغض عثمان فابغضه الله عز وجل.

''کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض اور کینہ رکھتا تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بھی وہ مبغوض تھا۔'' (البدایہ والنہایہ:۷/۲۱۱)

''کنزالعمال'' میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان هذا كان يبغض عثمان فلم اصل عليه.

''وہ چونکہ عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا لہٰذا میں نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔''

(کنزالعمال:۱۳/۳۶)

فضل وکمال

کتابت وحی:

اسلام کے ابتدائی سالوں میں گنتی کے چند لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تحریر وکتابت میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ اس وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وحی کی کتابت پر مامور فرمایا۔ ویسے تو اور بھی کئی کاتبان وحی تھے جن کی تعداد علماء نے مختلف بیان کی ہے۔ یہ تعداد زیادہ اس وجہ سے تھی تا کہ وقت پر جو صاحب مل جائیں انہیں سے وہ سورت یا آیات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں لکھوالی جائیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے اور یہ روایت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم تنزل عليه السور ذات العدد فكان اذا نزل عليه الشئى دعا بعض من كان يكتب فيقول ضعوا هولاء الآيات فى السورة التى يذكر فيها كذا كذا.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ جب آپ پر کچھ قرآن نازل ہوتا تو آپ وحی کی کتابت کرنے والوں میں سے کسی کو بلوا کر فرماتے کہ ان آیات کو اس سورت میں درج کردو جس میں ایسا ایسا مذکور ہے۔''

(کنز العمال برحاشیہ مسند:۲/۴۸، ''فتح الباری:۹/۱۸)

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے وحی کی کتابت کرنے والوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد 40 تھی۔ (''علوم القرآن''، ''صبحی صالح''۸۸) بعض کے نزدیک 42 تھی۔ (''التراتیب الاداریہ لکتانی ج۱/۱۱۶) بعض کے نزدیک ۴۸ تھی (عیون الاثر لابن سید

الناس'' ۲/ ۳۱۵) لیکن سیرۃ حلبیہ میں صرف بیس کاتبانِ وحی کے نام درج ہیں۔

(السیرۃ الحلبیہ :۲/ ۳۶۶)

بہرحال آپ کے کاتبان وحی کی تعداد جتنی بھی ہو ہمیں اس سے بحث نہیں لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ کاتبان وحی میں سے تھے۔ (ملاحظہ ہو، ''فتح الباری'':۹/ ۱۸، ''زاد المعاد لابن القیم'':۱/)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے۔ آپ نے لکھنے کا حکم فرمایا اور انہوں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں فوراً اس کو لکھ لیا۔ (کنز العمال:۶/ ۳۷۷)

کتابت وحی کا منصب کوئی معمولی منصب نہیں۔ کیونکہ وحی لانے والا فرشتہ بھی امین

﴿نزله به روح الامين﴾

''اس پیغام کو روح الامین لے کر اترے۔'' (شعراء)

اور جس پیغمبر پر وحی نازل ہوتی ہے وہ بھی امین ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿انی لكم رسول امين﴾

''میں تمہارے لیے امین رسول ہوں۔'' (شعراء)

لہٰذا یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کی کتابت کا فریضہ جس شخص کے سپرد کیا جائے وہ بھی ''امین'' ہوتا کہ اس کی کتابت میں کوئی خیانت نہ کر سکے۔ جبرائیل علیہ السلام کو ''امین'' اس لیے کہا کہ وہ وحی کی حفاظت اور تبلیغ میں کوئی خیانت نہیں کرتا۔ اب ایک مرحلہ کتابت کا ہے۔ وہ بھی پیغمبر کسی امین کے سپرد ہی کرتا ہے تاکہ وہ اس کی کتابت میں کوئی خیانت نہ کرے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وحی بنانے پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے جواب دیا:

استكتبه فانه امين.

''آپ انہیں کاتب وحی بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ :۸/ ۱۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ کاتب وحی ہونے کے لیے ''امین'' ہونا سب سے بڑی کوالیفیکیشن (Qualification) ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی چونکہ کاتب وحی تھے، لہٰذا وہ امین بھی تھے۔ ''بخاری'' اور دوسری کئی کتابوں سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''ایک نصرانی شخص مسلمان ہوگیا اور البقرہ اور آل عمران کی سورتیں اس نے پڑھ لیں، پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی کتابت کرنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ دوبارہ عیسائی ہوگیا اور کہنے لگا کہ محمد ﷺ صرف اسی قدر جانتے ہی جتنا میں نے لکھ دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے موت دے دی اور نصرانیوں نے اسے دفن کردیا۔ جب صبح کو دیکھا تو زمین نے اسے اگل دیا تھا۔ نصرانیوں نے کہا کہ یہ سارا کام محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کا ہے اس لئے کہ ان میں سے بھاگ آیا تھا اس وجہ سے انہوں نے اس کی قبر کھود کر اس کو باہر زمین پر پھینک دیا ہے۔ انہوں نے پہلے سے زیادہ گہری قبر کھود کر اس کو دفن کیا لیکن جب صبح کو دیکھا تو زمین نے اسے دوبارہ اگل دیا تھا۔ انہوں نے پھر کہا کہ یہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کا فعل ہے اور یہ چونکہ ان سے بھاگ آیا تھا لہٰذا انہوں نے اس کی قبر کھود کر اس کو نکال باہر پھینک دیا ہے۔ انہوں نے اب کی بار جتنی گہری قبر وہ کھود سکتے تھے کھودی اور اس کو پھر دفن کیا لیکن جب صبح کو پھر دیکھا تو زمین نے اسے باہر اگل دیا ہوا تھا۔ اب وہ جان گئے کہ یہ کسی آدمی کا کام نہیں اور انہوں نے اس کو زمین پر پڑا ہی چھوڑ دیا۔''

(بخاری:۱/۵۱۱)

''بخاری'' کی یہ روایت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ابن ابی داوٗد رحمۃ اللہ علیہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے یہی روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے کہ:

''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی کتابت کیا کرتا تھا۔ جب آپ اس کو سمیعا بصیرا املا کرواتے تو وہ سمیعاً علیماً لکھ دیتا تھا اور جب آپ اس کو سمیعا علیما املا کرواتے تو وہ سمیعا بصیرا لکھ دیتا تھا۔ اس شخص نے البقرہ اور آل عمران کی سورتیں اور بہت سا قرآن پڑھ لیا تھا۔ پھر یہ شخص نصرانی ہوگیا اور کہنے لگا کہ محمد ﷺ کے پاس میں جو چاہتا لکھ دیتا تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص مر گیا اور دفن کردیا گیا تو زمین نے اسے اگل دیا، پھر دفن کیا گیا پھر زمین نے اسے اگل دیا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا میں نے اسے زمین پر پڑے ہوئے دیکھا ہے۔'' (کتاب المصاحف:۳)

ہماری نگاہ میں یہ روایت غلط ہے اور وحی الٰہی اور کتابت وحی کو مشکوک بنانے کے

لیے دشمنان اسلام نے اس کو گھڑا ہے۔ اگر چہ یہ روایت ''بخاری'' کی ہے لیکن محدثین کے قائم کردہ روایت و درایت کے اصولوں کے مطابق یہ قابل قبول نہیں ہے۔

اس روایت کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں ذہن میں رکھیں:

① اگر چہ روایات میں یہ مذکور نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں وحی کی کتابت کرتا تھا، یا مدینہ منورہ میں، لیکن قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے اس لیے کہ سورہ بقرہ اور آل عمران دونوں مدنی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۵، بخاری: ۲/ ۷۴۷)

اور بقول ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ آل عمران کی ابتدائی 83 آیات تو وفد نجران کی آمد پر یعنی 9ھ میں نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۴۳)

دوسری وجہ اس واقعہ کے مدنی ہونے کی یہ ہے کہ اس کے راوی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی عمر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے وقت صرف دس سال کی تھی۔

(فتح المغیث: ۳۹۲، اسد الغابہ: ۱/ ۱۲۸)

اور یہ انصاری تھے اور بقول شاہ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ ان کی عمر آٹھ یا نو سال تھی۔

(''اشعۃ اللمعات: ۱/ ۵۰)

② جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ واقعہ مدنی ہے اور 9ھ کے بعد کا ہے کیونکہ سورہ آل عمران کی ابتدائی 83 آیات 9ھ میں نازل ہوئیں۔ 10ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ساتھ قریباً ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ تھے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو بعض مجبوریوں کی وجہ سے آپ کے ساتھ نہ جا سکے ہوں۔ مہاجرین اور انصار کی اچھی خاصی تعداد کتابت و تحریر کی ماہر ہو چکی تھی۔ لہٰذا ہمارے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک نو مسلم نصرانی کو جس کے قلب میں اسلام ابھی پختہ بھی نہیں ہوا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت جیسا اہم کام سپرد کر دیا ہو۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے اسلام قبول کر کے اور کاتب وحی بن کر اور پھر ان دونوں چیزوں کو چھوڑ دیا ہو، راوی حدیث اس کے نام تک سے واقف نہیں اور نہ ہی اور کوئی صحابی اس کا نام ذکر کرتا ہے۔

④ پھر اس حدیث کی مختلف روایات کے متن میں بہت اضطراب ہے۔

⑤ صحابہ میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس کو روایت کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک ایسا اہم واقعہ تھا کہ اسے بہت سے صحابہ کو ذکر کرنا چاہیے تھا۔

⑥ اس مرتد نصرانی کی لاش کا بار بار زمین سے باہر نکلنا اہم ہونے کے ساتھ ساتھ محیر العقول بھی تھا جسے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جانا چاہیے تھا۔ لیکن کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے سوائے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے والد ماجد سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس کی لاش کو زمین پر پڑے ہوئے دیکھا، کسی اور نے نہ دیکھا اور نہ ہی ان عیسائیوں میں سے کوئی ایمان لایا جو پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کا یہ فعل قرار دیتے تھے، لیکن بعد میں اس بات کا اقرار کیا کہ یہ انسانی کام نہیں۔

ان سب باتوں کی روشنی میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہ واقعہ غلط ہے اور یہ روایت دشمنان اسلام نے ہماری کتابوں میں گھسیڑ دی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع احادیث کے قرائن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یا اس راوی کا تنہا کسی ایسی بات کا بیان کرنا جس کا علم اور لوگوں کو ہونا لازم تھا جیسا کہ الخطیب نے الکفایہ میں بیان کیا ہے یا اس راوی کا تنہا کسی ایسے اہم امر کا بیان کرنا جس کے نقل کے کثیر اسباب موجود ہوں، مثلاً کسی دشمن کا حج بیت اللہ سے لوگوں کو روک دینا۔'' (فتح المغیث: ۱۱۴)

یہ تو ایک شبہ کا ازالہ تھا۔ مقصد یہ تھا کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے اور اس وجہ سے امین بھی تھے کیونکہ کاتب وحی کا امین ہونا نہایت ضروری ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ قرآن حکیم کی کتابت سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کی۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

وروی من طرق متعددۃ المصریین لما دخلوا علی عثمان کان المصحف بین یدیہ فضربوہ بالسیف علی یدیہ فجری الدم علی فسیکفیکھم اللہ وھوا السمیع العلیم فقال عثمان اللہ! انھا لاول ولی یدٍ خطت المفصل.

''اور متعدد طریقوں سے مروی ہے کہ مصر والے باغی جب گھر میں داخل ہو کر سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوئے تو قرآن حکیم آپ کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے آپ کے ہاتھوں پر تلوار ماری تو اس آیت پر خون جاری ہوا۔ فسیکفیکھم اللہ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا، خدا کی قسم! یہ سب سے پہلا ہاتھ ہے جس نے قرآن حکیم کی کتابت کی تھی۔'' (ازالۃ الخفاء'' ۲:۱۴/)

ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں اپنی کتابت سے قرآن حکیم کو جمع فرمایا تھا۔ چنانچہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے حافظ ابن عساکر کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جس زمانہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہوا تھا تو آپ نے محاصرین کو مخاطب کر کے اپنی کچھ فضیلتیں بیان فرمائی تھیں جن میں ایک فضیلت یہ بھی تھی۔

ولقد جمعت القرآن علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم.

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کو جمع کیا تھا۔''

(الصواعق المحرقہ:۱۱۰)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دونوں پیش رووں کی طرح قرآن حکیم کی قراءت نماز میں طویل کرتے تھے تاکہ مقتدی سن کر اپنا تلفظ درست کرلیں۔ چنانچہ ایک صحابی قرانصہ بن عمیر حنفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نماز فجر میں سورہ یوسف اس کثرت سے پڑھتے تھے کہ مجھے سنتے سنتے یاد ہوگئی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم کامل عطا فرمایا تھا اس وجہ سے آپ نے پوری زندگی مختلف طریقوں سے قرآن کی خدمت فرمائی۔ آپ کی خدمات میں سے جہاں آپ نے پوری امت کو ایک مصحف پر جمع فرما دیا، وہاں آپ نے قرائے تابعین کو بھی قرآن حکیم کی قرأت اور فہم کی تعلیم دی۔ چنانچہ مشہور قاریوں نے اپنی قرأتوں کو مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب فرمایا:

الف۔ عبداللہ بن کثیر رضی اللہ عنہ اور نافع نے اپنی قرأت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی۔

ب۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی قرأت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی۔

ج۔ عاصم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کی۔

د۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کی۔
اور ان سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کی یہ قرأت براہ راست جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھیں۔

کثرت تلاوت:

کتابت قرآن کے ساتھ ساتھ آپ کو قرأت میں بھی خاص شغف حاصل تھا۔ آپ قرآن حکیم کے حافظ تو تھے ہی لیکن کثرت تلاوت کی وجہ سے اپنے خطبات اور خط و کتابت میں اکثر قرآن حکیم کی آیات کا حوالہ دیتے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

"اگر ہمارے دل پاک و صاف ہو جائیں پھر بھی ہم اپنے رب کے کلام سے سیر نہیں ہوں گے۔"

ایک اور موقع پر فرمایا:

انی لاکرہ ان یاتی علی یوم الاانظر فی المصحف.

"مجھے یہ ناپسند ہے کہ مجھ پر ایک دن بھی ایسا گزرے جس میں میں نے قرآن کو نہ دیکھا ہو۔"

کثرت تلاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں:

واللہ لقد یحیی اللیل بالقرآن فی رکعة.

"بخدا! وہ پوری رات میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔"

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۵)

قرآن حکیم خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

وهو افضل من قراء القرآن علی النبی صلی اللہ علیه وسلم.

"وہ قرآن پڑھنے والوں میں سب سے افضل تھے۔ جنہوں نے حضور ختمی مرتب صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن حکیم پڑھا تھا۔" (تذکرۃ الحفاظ: ۱/۹)

اس بارے میں تفصیل کے لیے "البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۴۔۲۱۵ کا مطالعہ ضروری ہے۔

روایت حدیث:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جس طرح قرآن حکیم سے ایک خاص شغف تھا۔ اسی طرح حدیث رسول کا شوق بھی آپ کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کی روایت کردہ حدیث کی کل تعداد 146 ہے جن میں تین روایات ''بخاری'' اور ''مسلم'' دونوں میں ہیں۔ آٹھ صرف ''بخاری'' میں اور پانچ صرف ''مسلم'' میں موجود ہیں، اس طرح صحیحین میں آپ کی کل 16 حدیثیں ہیں۔

آپ سے جن لوگوں نے حدیث روایت کی ان کی تعداد تو بے شمار ہے لیکن ان میں سے چند نام یہ ہیں:

(1) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (2) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (3) عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (4) ابو قتادہ رضی اللہ عنہ (5) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (6) انس بن مالک رضی اللہ عنہ (7) سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (8) سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ (9) ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ (10) ابو امامہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ (11) طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ (12) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (13) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (14) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (15) ابوعبید رضی اللہ عنہ مولی ابی ازہر (16) احنف بن قیس رضی اللہ عنہ (17) ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ (18) سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ (19) عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ (یہ تین آپ کے صاحبزادے ہیں) (20) حمران رضی اللہ عنہ (21) ہانی بربری رضی اللہ عنہ (22) ابو صالح رضی اللہ عنہ (23) ابو سہلہ رضی اللہ عنہ (24) یوسف ابن دارہ رضی اللہ عنہ (25) ابو وائل (26) شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ (27) ابوعبدالرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہ (28) علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ (29) عبیداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ (30) عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (31) مالک بن اوس بن عدنان رضی اللہ عنہ (32) مالک بن ابی عامر اصحی رضی اللہ عنہ (33) محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ المعروف بہ محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ (34) محمد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ (35) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''تذکرہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ)

داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہمیشہ رہنے والا ایک صحابی بھلا صرف 146 احادیث کیسے روایت کرسکتا ہے۔ حدیث کی یہ تعداد تو بہت کم ہے۔ اس کی ایک عام وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ روایت حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح سخت محتاط

تھے اور وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط منسوب نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ خود ہی بیان فرماتے ہیں:

ما یمنعنی ان احدث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لا اکون اوعی اصحابه عنه ولکنی اشهد لسمعته یقول من قال علی من لم اقل فلیتبوا مقعده من النار.

"رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرنے میں مجھے یہ چیز نہیں روکتی کہ میں دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں حدیثوں کے یاد رکھنے میں کچھ کم ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں کی تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے۔" (مسند احمد: ۶۵)

لیکن حدیث روایت کرنے میں یہ احتیاط اپنی وجہ سے نہیں تھی کیونکہ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ "میں احادیث یاد رکھنے میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں کم نہیں ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرا حافظہ تیز اور اچھا ہے۔ یہ نہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ یاد نہیں یا ان میں کچھ کمی بیشی ہونے کا احتمال ہے بلکہ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جب ہر طرح کے لوگ ان سے حدیث رسول اللہ ﷺ سنیں گے وہ اگرچہ ان سے صحیح الفاظ بیان کریں گے لیکن اس کا کیا بھروسہ ہے کہ ان سے سننے والے بھی صحیح طور پر وہی الفاظ رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کریں گے اور ان میں کوئی کمی بیشی نہیں کریں گے۔ آپ کو اندیشہ تھا کہ اس طریقہ سے رسول اللہ ﷺ کی جانب..... کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔ خود ان کا حدیث روایت کرنا نہایت خوبصورت اور عمدہ تھا، چنانچہ عبدالرحمٰن بن حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما رایت احداً من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا حدث اتم حدیثا ولا احسن من عثمان بن عفان.

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۷، تاریخ الخلفاء: ۱۴۸)

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ اتنے خوبصورت انداز اور احسن طریق سے حدیث بیان کرنے کے باوجود حدیث روایت کرتے وقت ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ ترساں ولرزاں رہتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۷)

اجتہاد:

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث کے عالم ہونے کے ساتھ مجتہدانہ شان کے بھی حامل تھے۔اور نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی ان کے قول وعمل سے استناد کرتے تھے۔

(بخاری:۱/۴۳،مسند احمد:۱/۶۰۔۷۰)

① مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ سب سے پہلا مقدمہ آپ کے پاس سیدنا عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا آیا۔(جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے) جس کا آپ نے جو فیصلہ دیا وہ آپ کے مجتہد ہونے کی ایک بین دلیل ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے شدید زخمی ہونے کے بعد آپ کے صاحبزادے عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان، جفینہ اور ابولولو کی ایک چھوٹی لڑکی کو قتل کردیا۔ ہرمزان کسروی خاندان کا ایک گورنر تھا جو 17 ھ میں مسلمان ہوکر مدینہ طیبہ ہی میں آباد ہوگیا تھا۔جفینہ عراق کا ایک عیسائی عرب تھا وہ بھی بظاہر ہرمزان کی طرح مسلمان ہوگیا تھا اور مدینہ کے بچوں کو عربی لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا۔ابولولوان دونوں سے ملتا جلتا تھا۔سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بیان کرنے پر کہ ہم نے ابولولو جیسا خنجر ہرمزان اور جفینہ کے ہاتھ میں دیکھا تھا یہ کوئی قطعی شہادت نہ تھی۔ بہرحال سیدنا عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جذبات سے مشتعل ہوکر تین افراد کو قتل کردیا۔آپ کو مسند خلافت پر بیٹھے ابھی چند گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ چند لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو قتل کی سزادی جائے کیونکہ انہوں نے عمداً تین خون کیے ہیں۔ لیکن ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ عبیداللہ کو قتل نہ کیا جائے۔

آپ نے اس مقدمہ کا جو فیصلہ فرمایا وہ یہ تھا کہ اگر کسی مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو خلیفہ وقت اس کا والی اور وارث ہوتا ہے اور خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ چاہے قاتل کو قتل کردے یا دیت لے لے۔ چونکہ مقتولین کا کوئی وارث نہیں تھا۔ اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بحیثیت امیر المومنین رضی اللہ عنہ ولی مقتول ہوکر قصاص کی بجائے دیت قبول کرلی، اور وہ رقم اپنے مال سے ادا کرکے بیت المال میں جمع کردی۔

② آپ کے اجتہاد کی ایک اور مثال جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہے یہ ہے کہ

دیت 100 اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم یا دو ہزار بکری یا دو سو گھوڑے یا دو سو گائے تھی، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے معطی کو اختیار دیا کہ خواہ اونٹ دے یا ان کی قیمت۔ (کتاب الخراج:۱۸۵)

③ جمعہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کی جس سیڑھی پر بیٹھتے تھے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں ادب واحترام نبوی میں اس سے نیچے والی سیڑھی پر بیٹھنے لگے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا تو آپ بھی از راہ ادب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک سیڑھی اور نیچے اتر آئے لیکن سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ خیال کر کے کہ یہ سلسلہ کہاں تک چلے گا اور سنت نبوی کی اتباع میں پھر اسی سیڑھی پر بیٹھنا شروع کر دیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے۔

(''البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۴۸)

④ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت سے قبل جمعہ کی نماز میں ایک اذان اور ایک اقامت ہوتی تھی۔ آپ کے عہد خلافت میں آبادی کی کثرت ہوگئی اور مدینہ طیبہ کے مکانات دور تک پھیل گئے تو آپ نے مقام زوراء میں ایک اور اذان کا اضافہ فرما دیا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں ان سے اتفاق کیا۔

(بخاری: کتاب الجمعہ:ج۱)

⑤ ربیع بن معوذ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ تم لے لو اور اس کے عوض میرا پیچھا چھوڑ دو۔ چنانچہ میرے شوہر نے میرا بستر لے لیا۔ اب جب میں شکایت لے کر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

''تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ میری ہر شئے لے لو اور آپ نے اس کے شوہر سے فرمایا، اس کی سب اشیاء لے لو۔'' (سیر اعلام النبلاء:۳/۱۳۲)

⑥ ائمہ اربعہ میں ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو مرض الموت میں طلاق دے دے تو وہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ وہ طلاق واقع نہیں ہوگی (اگرچہ ان

حضرات میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے لیکن مجموعی فیصلہ یہی ہے) لہٰذا شوہر کے انتقال کے بعد مطلقہ بیوی کو شوہر کی میراث میں سے ضرور حصہ ملے گا۔

اس کے برعکس امام شافعی رحمہ اللہ اور ابن حزم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور مطلقہ بیوی وراثت شوہر سے محروم رہے گی۔ اس مسئلہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے بھی وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ کی ہے۔

آپ کے زمانہ میں اس طرح کے دو تین واقعات پیش آئے جن میں آپ نے مطلقہ بیوی کو شہر کی وراثت سے حصہ دلایا۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی کو مرض الموت میں طلاق دے دی، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ متوفی کی بیوی کو اس کی میراث میں سے حصہ دیا جائے اور آپ نے اس طلاق کو معتبر نہ جانا۔ اس پر ایک شخص نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بیوی کو طلاق نہ تو نقصان دہی اور ضرر رسانی کے ارادہ سے دی اور نہ ہی ان کا مقصد حکم الٰہی سے فرار تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

> ''اس حکم سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں ایک ایسا قانون بنا جاؤں جس کی وجہ سے لوگ اللہ کے حکم سے فرار میں خوف محسوس کریں۔'' (المحلی ابن حزم: ۱۰/ ۲۱۸)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تفقہ اور اجتہاد کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے عزت و وقار کی نظر سے دیکھتے تھے اور ہر مشکل مسئلہ میں ان ہی سے آ کر رائے لیتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے کئی مسائل کتابوں کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اجتہادی مسائل مختلف کتابوں میں ذکر کیے گئے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی بھی تھے۔ چنانچہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں 130 کے لگ بھگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل فتویٰ تھے جن میں سب سے زیادہ فتوے سات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہیں۔

① عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ② علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ③ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ④ سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ⑤ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ⑥ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ⑦ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

ان سے دوسرے نمبر پر جن کو ابن القیم نے ''المتوسطون'' کہا ہے 13 صحابہ رضی اللہ عنہم تھے

جن میں ابوبکر رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (''اعلام الموقعین :۱/۱۲)

ایک اور مقام پر علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

و كان من المفتيين عثمان بن عفان.

''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اصحاب فتویٰ میں سے تھے۔'' (اعلام الموقعین :۱/۲۰)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہ صرف خلافت شیخین (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) میں مفتی تھے بلکہ عہد رسالت میں بھی آپ اصحاب فتویٰ میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ان چودہ مفتیوں میں شمار کیا ہے جن کو عہد رسالت میں بھی فتویٰ دینے کی اجازت تھی اور وہ مفتی شمار ہوتے تھے۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں:

(1) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (2) سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ، (3) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (4) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (5) سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (6) سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (7) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (8) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (9) سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (10) سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ (11) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (12) سیدنا سلمان فارسی (13) سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (14) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ)

(تلقیح فهوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر ۱۵۲)

علم الفرائض:

علم الفرائض جس کو علم وراثت بھی کہتے ہیں ایک نہایت مشکل علم ہے کیونکہ اس میں علم حساب کو بڑا دخل ہے اور وہ شخص جو علم الحساب کا ماہر نہ ہو علم الفرائض کا ماہر نہیں ہوسکتا۔ اس فن کی تدوین کا سہرا سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سر ہے۔ (کنز العمال:٦/١٥)

لیکن روایات میں آتا ہے کہ اس فن کی ترتیب و تدوین میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا بھی پورا پورا تعاون ہے۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں فرائض کے بارے میں جو مسائل درپیش ہوتے ان کا حل یہی دو صحابہ رضی اللہ عنہم تلاش کرتے۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان دونوں حضرات کے انتقال کے بعد خدانخواستہ یہ فن ہی کہیں ختم نہ ہو جائے۔ (کنز العمال:٦/٣٧٢)

علم المناسک:

علم المناسک اس علم کو کہتے ہیں جس میں حج کے مسائل اور طریقے بیان ہوں۔ اس علم میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ چنانچہ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

كانوا لايرون اعلمهم بالمناسك عثمان بن عفان ثم ابن عمر بعده.

''تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مناسک میں سب سے زیادہ عالم سمجھتے تھے اور اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ کو۔'' (اعلام الموقعین: ۱/ ۱۸)

علامہ ابن سعد نے طبقات میں بھی محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۳/ ۶۰)

سیوطی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

كان اعلمهم بالمناسك عثمان و بعده ابن عمر

''تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں عثمان رضی اللہ عنہ مناسک کے سب سے بڑے عالم ہیں اور ان کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ۔'' (تاریخ الخلفاء: ۱۴۹)

فرامین و خطبات:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے نام کئی خطوط اور گشتی مراسلے تحریر فرمائے جن سے آپ کے سیاسی شعور، بلند فکری، ژرف نگاہی اور قلبی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

اور جہاں تک آپ کے خطبات کا تعلق ہے آپ کو خطبات میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے جس قدر خطبات ملتے ہیں ان کے ایک ایک حرف سے آپ کی علمی قابلیت، فصاحت و بلاغت اور زور خطابت کا پتہ چلتا ہے اور یہ جو بعض ناہنجار لوگوں نے لکھ دیا ہے کہ آپ تقریر و خطابت میں کمزور تھے اور آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس میں دوران تقریر آپ کانپنے لگے...... اور فرمایا:

ايها الناس انا اول مركب صعب وان اعش فستاتيكم الخطبة على وجهها.

''اے لوگو! بے شک پہلی دفعہ ہر سواری مشکل ہوتی ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو آئندہ تمہارے سامنے ٹھیک طور پر خطبہ دوں گا۔''

یہ کسی ایسے شخص کا قول ہے جس کا قلب بغض عثمان رضی اللہ عنہ سے بھرا ہوا تھا۔ وگرنہ یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنی یہ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اصول جہاں بانی سے نا آشنا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بات صرف صاحب ''العقد الفرید'' نے کہی ہے۔''

ولكن لم ار باسنادتسكن النفس اليه.

''یہ روایت کسی ایسی سند کے ساتھ میری نظر سے نہیں گزری جس سے تسکین قلب حاصل ہو۔'' (البداية والنهاية: ۷/ ۱۴۸)

آپ کا ایک خطبہ ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں نقل کیا ہے۔ دوسرے خطبات بھی زور بیان اور فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ طوالت کی خاطر انہیں یہاں نقل نہیں کیا جا رہا۔

شعروشاعری

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فصاحت و بلاغت میں ایک نہایت اونچا مقام رکھتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں آپ کے فرامین اور مکتوبات اس بیان کی شہادت ہیں۔ الفاظ کی فصاحت اور کلام کی بلاغت پڑھنے والے کے دل پر ایک خاص اثر ڈالتی ہے۔ اپنے ایک خطبہ میں نہایت بہترین اسلوب اور فصیح و مؤثر الفاظ میں دنیا کی بے ثباتی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

ایھا الناس ان بعض الطمع فقروان بعض الاس غنی وانکم تجمعون مالاتکون وتاملون مالاتدرکون وانتم موجلون فی دارغرور.

''اے لوگو! بعض طمع اور حرص فقرو احتیاج ہے۔ اور بعض ناامیدی اور یاس تونگری ہے اور بیشک تمہاری حالت یہ ہے کہ تم ایسی اشیاء کو جمع کرنے کے پیچھے لگے ہوئے ہو جن کو تم کھا نہیں سکتے اور نہ ہی ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اور ایسی امیدیں باندھتے ہو جو پوری نہیں ہوسکتیں حالت یہ ہے کہ تم ایک خاص وقت تک کے لیے دھوکے کے اس گھر میں چھوڑے گئے ہو۔'' (طبری:۳/)

آپ کو شعروشاعری سے بھی ایک خاص لگاؤ تھا۔ آپ کو اشعار اس کثرت سے ازبر تھے کہ موقع و محل کی مناسبت سے دو دو اور پانچ پانچ اکٹھے پڑھ جاتے تھے۔ (طبری:۳/)

مسعودی شیعی کا بیان ہے:

وکان عثمان کثیراً ما ینشد ابیاتا قالها ویطیل ذکرها لاتعرف لغیره.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس کثرت سے اشعار پڑھتے، جتنا اور کوئی نہ پڑھتا۔''

اور آپ خود بھی شاعر تھے، چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا۔

لفنی اللذاذہ ممن قال صفوتها
من الحرام و یبقی الاثم والعار
یلقی عواقب سوء من مغبتها
لاخیر فی لذۃ من بعدها النار

''جو شخص حرام چیزوں سے لذت اور لطف حاصل کرتا ہے اس کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ان اشیاء کی لذت تو فنا ہو جاتی ہے لیکن ان کا گناہ اور ننگ و عار باقی رہ جاتے ہیں۔

حرام کی لذت غائب ہو جانے کے بعد اس کے برے نتائج و عواقب نا نہیں ہوتے تو پھر اس لذت کا کیا فائدہ جس کا انجام جہنم کی آگ ہو۔'' (مروج الذہب: ۲/۳۵۶)

غرضیکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اسلوب بیان نہایت فصیح و بلیغ تھا اور شعر و شاعری میں بھی آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

اخلاق و عادات

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں واضح کیا گیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ صفت موصوف بنایا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ میں وہ سب اوصاف تھے جو کسی شخص میں طغرائے امتیاز وشراف سمجھے جاتے تھے اور کوئی قوم یا قبیلہ اس پر ناز کر سکتا ہے۔ ریاست وافسری کے اوصاف تو خاندانی طور پر آپ کو ملے تھے اور تمول اور تو انگری کا کیا کہنا۔ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ فصاحت و بلاغت، بہادری، فن سپہ گری میں مہارت، شاعری، یوں تو ساری عرب قوم کو ان میں پوری دنیا میں ایک امتیاز حاصل تھا لیکن کچھ لوگ ان میں ممتاز مقام کے حامل تھے جن میں ایک سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان سب اوصاف میں ایک خاص جلاء پیدا ہوئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خوف خدا، اطاعت وانقیاد، زہد واتقاء، جود وسخا، صبر وشکر اور شرم وحیاء کا مزید اضافہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور شرف دامادی نے ان میں اور زیادہ پختگی اور چمک پیدا کی۔ ویسے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت نے ہر صحابی کو گوہر تابدار بنا دیا تھا لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اوصال جمیلہ میں جو تابش اور چمک پیدا ہوئی ''وہ صلۂ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ'' کی مصداق تھی بلکہ دوسرے لفظوں میں ان کو ''فنا فی الرسول'' کا مقام حاصل ہوا۔ چنانچہ سرور کائنات علیہ افضل الصلوۃ والتحیات نے فرمایا تھا:

عثمان من اشبه اصحابی بی خلقا.

''اخلاق کے لحاظ سے عثمان رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہیں۔''

(تاریخ الخلفاء:۱۵۳)

دنیا میں اخلاق ہی ایک ایسی چیز ہے جو دوسرے انسان کو متاثر کرتی ہے۔ چنانچہ اسی

لیے ایک موقع پر سرور کائنات نے فرمایا تھا کہ تم اپنے نماز روزہ کی وجہ سے دنیا پر غالب نہ آؤ گے بلکہ اپنے اخلاق کی وجہ سے غالب آؤ گے۔

کیونکہ نماز روزہ کو تو آدمی اس وقت دیکھتا ہے جب کسی کے قریب آ جائے اور ایک انسان کو دوسرے سے قریب لانے والی چیز صرف اور صرف اخلاق ہے۔ اسی وجہ سے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے تو انہوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن.

''آپ کے اخلاق قرآن تھے۔''

یعنی جو کچھ قرآن حکیم میں تھیوری (Theory) اور عبارت میں ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اخلاق قرآن کے مشابہ۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ قرآن حکیم کی تلاوت اکثر فرمایا کرتے تھے اور جب باغیوں نے قصر خلافت کو گھیرا ہوا تھا اور اس لمحہ کی تلاش میں تھے کہ آپ کو شہید کر دیا جائے تو تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ اس وقت بھی آپ تلاوت قرآن میں نہایت سکون واطمینان کے ساتھ مصروف تھے بلکہ روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں:

فوالله كان يحيى الليل بالقران في ركعة

''بخدا! وہ رات کو ایک رکعت میں قرآن پڑھا کرتے تھے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۲۱۴/۷)

یوں تو اخلاق کا لفظ پانچ حروف پر مشتمل ہے لیکن اسلام میں اس کے اندر معانی کا ایک سمندر موجزن ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ پورے دین کی غرض و غایت ہی اخلاق حسنہ پیدا کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ ایک پیغمبر کو صرف اور صرف اس لیے بھیجتا ہے کہ وہ بداخلاقی کی اتھاہ گہرائیوں میں گری ہوئی انسانیت کو اخلاق حسنہ کے بام عروج پر پہنچا دے۔ چنانچہ نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جو تقریر فرمائی تھی اس کے یہ الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا:

''اے بادشاہ! ہم ایک جاہل اور اجڈ قوم تھے بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے یہاں تک کہ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیردستوں کو ہڑپ

کر جاتے تھے۔ اسی اثناء میں ایک شخص (جناب رسول اللہ ﷺ) ہم میں سے پیدا ہوا...... اس نے ہمیں سکھایا کہ ہم بتوں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ صدق و راست بازی سے کام لیں، آپس کی خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کو ہر قسم کا آرام دیں اور پاک باز عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔"

(مسند احمد: ۱/۲۰۲، مستدرک حاکم: ۲/۱۳۰)

اندازہ فرمائیں کہ اخلاق کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے اور اسلام نے اس پر کس قدر زور دیا ہے۔ چنانچہ بعض مرتبہ پیغمبر علیہ السلام کی پوری تعلیم ہی کو "اخلاق" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بھائی کو جناب رسول اللہ ﷺ کے حالات کی تحقیق کے لیے بھیجا تو انہوں نے واپس جا کر آپ ﷺ کا تعارف جن لفظوں میں کروایا، وہ یہ تھے:

رایته یامر بمکارم الاخلاق.

"میں نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں۔"

(صحیح مسلم: باب مناقب ابی ذر)

ایک روایت میں تو اخلاق حسنہ کو تکمیل ایمان کا باعث بتایا گیا ہے:

اکمل المومنین ایماناً احسنهم خلقاً

"تم میں سے کامل ایمان اس کا ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔" (ترمذی)

ان روایات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو پھر غور سے پڑھیں کہ:

"عثمان رضی اللہ عنہ خلق کے لحاظ سے میرے سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہے۔"

تو آپ کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں کتنا جامع جملہ ارشاد فرما دیا ہے۔

خوف خدا:

انسان کی زندگی میں اس کی طبیعت اور جذبات کو جو چیز سب سے زیادہ کنٹرول کرتی ہے اور اس کو عقل و شعور بلکہ شریعت کے صراط مستقیم پر چلاتی ہے وہ خوف خدا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو ہر قسم کی برائیوں سے انسان کو روکتی ہے کیونکہ دنیا کا کوئی قانون برائیوں اور جرائم کو نہیں

روک سکتا مگر اللہ تعالیٰ کا خوف۔ کیونکہ قانون تو انسان کی بیرونی اور ظاہری زندگی پر قدغن لگاتا ہے لیکن اس کی گھریلو زندگی اور پوشیدہ اور مخفی زندگی میں جو جرائم اس سے سرزد ہوتے ہیں، قانون کے سخت ہاتھ اس کو کبھی نہیں پکڑ سکتے۔ اگر دل میں اللہ کا خوف نہیں تو بڑے سے بڑا جرم کر کے بھی انسان اپنے کو بچا سکتا ہے لیکن اگر اللہ کا خوف دل میں موجود ہے تو اول تو کوئی گناہ اور جرم انسان سے سرزد ہی نہیں ہوتا لیکن اگر کسی وجہ سے سرزد ہو بھی جائے تو پھر ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی طرح دنیا ہی میں اس کا حساب چکا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ خوف خدا ہی کے اثرات ہیں کہ بادگللکوں ہاتھ میں پکڑا ہوا توڑا جاتا ہے۔ اور ایک ''اتق اللہ'' کا لفظ سننے کے ساتھ ایک بااختیار صدر مملکت ظلم و تشدد کی پالیسی سے توبہ کر کے عدل و انصاف کا مجسمہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک مقام پر فرمایا۔

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾

''اور جو کوئی ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے روکا ہو اس نے اپنے نفس کو خواہش سے، سو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔''

(النازعات: ۴۰۔۴۱)

گویا بتایا یہ کہ جس شخص کو دنیا میں ہر کام کے وقت یہ خوف لگا رہا کہ مجھے ایک روز اپنے رب کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور اپنے نفس کو قابو میں رکھا (کیونکہ نفس کو قابو میں رکھنے والی چیز ہی خوف خدا ہے) اور ناجائز خواہشات سے اس کو روک دیا تو اس کو ٹھکانہ جنت ہے۔

احادیث و تواریخ کی روایات پر اگر غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف طاری رہتا تھا اور وہ ہر وقت اپنے نفس کو خواہشات سے بچائے رکھتے تھے۔ آپ نے صرف اپنے نفس کی تسکین کے لیے کبھی حدود اللہ کو نہیں توڑا۔ ذرا غور فرمائیں کہ سبائیوں نے مدینہ طیبہ میں قصر خلافت کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ اور آپ کے خون کے پیاسے ہو کر وہ آپ کے قتل کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قصر خلافت میں موجود حضرات آپ سے نہایت الحاح و زاری سے التجاء کرتے ہیں کہ ہمیں ان باغیوں سے نپٹنے کی اجازت دیں لیکن آپ انہیں اجازت نہیں دیتے بلکہ انہیں قسم دیتے

ہیں کہ واپس چلے جاؤ۔ (ابن اثیر:۳/۸۶)

روایات میں یہ بھی مرقوم ہے کہ خوف خداوندی کے باعث آپ اکثر آبدیدہ رہتے اور قبر اور آخرت کا خیال اکثر آپ کے ذہن و قلب میں خلش پیدا کر کے آنکھوں کو نمدار بنا دیتا۔ کبھی کبھی موسلا دھار بارش کی طرح آپ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے۔ چنانچہ آپ کے غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ:

''عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس جا کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ ڈاڑھی تر ہو جاتی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر رونے لگتے ہیں۔''

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

القبر اول منزل من منازل الآخرة فان نجامنه فما بعده اليسره منه وان لم ينج منه فما بعده اشد منه.

''قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر آدمی اس سے بخیر و خوبی گزر گیا تو اس کے بعد کی منزلیں آسان تر ثابت ہوتی ہیں اور اگر اس میں پھنس گیا تو اس سے بعد کی منزلیں اس سے بھی زیادہ دشوار ہو جائیں گی۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما رايت منظرا الا والقبرا فظع منه.

''میں نے جتنے بھی مناظر دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ ہولناک چیز عذاب قبر ہے۔'' (کتاب الخراج لابی یوسف:۱۵، مسند احمد:۱/۶۳)

آپ کی زندگی کے اعمال اور مختلف مواقع پر دیئے گئے خطبات سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کے دل میں ہر وقت خوف خدا کا جذبہ موجزن رہتا۔ چنانچہ آپ نے جو سب سے آخری خطبہ دیا اس کا ایک ایک لفظ اس بات کی غمازی کرتا ہے، آپ نے اس میں فرمایا تھا:

ان الله انما اعطاكم الدنيا لتطلبوابها لاخرة، ولم يعطكموها لتركنوا اليها، ان الدنيا تفنى وان الاخرة تبقى، لاتبطرنكم الفانية ولاتشغلنكم عن الباقية واثر وامايبقى على ما يغنى، فان الدنيا منقطعة وان المصير الى الله، اتقوا الله فان تقواه جنة من باسه و

سیلة عنده، احذروا من الله الغیروا لزموا جماعتکم لاتصیروا احزابا واذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمة اخوانا.

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اس لیے دی ہے تاکہ تم اس سے آخرت طلب کرو اس لیے نہیں دی کہ تم اس میں منہمک ہو جاؤ کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے (فانی دنیا) تمہیں آخرت کی باقی رہنے والی زندگی سے غافل نہ کر دے۔ لہٰذا تم باقی کو فانی پر ترجیح نہ دو کیونکہ دنیا ختم ہونے والی ہے اور آخری ٹھکانہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہے۔ اللہ سے ڈرو کیونکہ اس کا ڈر اس کے عذاب سے بچنے کی ایک ڈھال ہے اور اس کی ذات تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ غیر اللہ سے بچو اور جماعت کو لازم سمجھو اور گروہ بندی اختیار نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اللہ کی اپنے اوپر اس نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی اور تم اللہ کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔'' (طبری:۳/۴۱۶، البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۱۵)

اسی طرح کئی اور مواقع پر بھی آپ نے لوگوں کو خوف خدا کی تلقین کی اور دنیا کی طرف راغب نہ ہونے کی تعلیم دی۔ کیونکہ خوف خدا ہی انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھتا ہے اور اسی کی وجہ سے انسان مختلف گناہوں، برائیوں اور حق تعالیٰ کی نافرمانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر انسان کے دل سے خوف خدا نکل جائے تو پھر انسان اور حیوان کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا بلکہ یہ دو ٹانگوں والا جانور چار ٹانگوں والے جانور سے زیادہ بے حیاء، زیادہ نافرمان اور بدمعاش ہو جاتا ہے۔''

محبت رسول ﷺ:

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے خوف کا لازمی نتیجہ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے کیونکہ ذات واجب سے روشناس کرانے والی ذات صرف رسول اللہ ﷺ ہیں۔ لہٰذا کوئی شخص اللہ کے قرب، اس کی محبت اور اس کے خوف کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ اس کے قلب میں رسول اللہ ﷺ کی محبت نہ ہو۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس کا اظہار آپ کے ہر عمل سے ہوتا تھا۔ یہ محبتِ رسول ہی تھی جس کی وجہ سے آپ نے بئر رومہ کو خرید کر رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر عامۃ المسلمین کے لیے وقف فرما دیا۔ (بخاری: ج۱)

یہ محبت رسول ﷺ ہی کا جذبہ تھا جس کی وجہ سے آپ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کی سفارت قبول کی، حالانکہ اس وقت قریش مکہ کے پاس پیغامبر ہو کر جانا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ اس کام کے لیے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! قریش میرے سخت دشمن ہیں کیونکہ انہیں میری عداوت اور شدت کا حال معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی ایسا آدمی مکہ مکرمہ میں نہیں جو میری حمایت کرے اس لیے میں آپ کے سامنے ایک ایسے شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں...... اپنے قبیلہ کی وجہ سے خاص قوت وعزت رکھتا ہے اور وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے پسند آئی اور آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کے لیے مامور فرمایا، جس کو آپ نے محبتِ رسول کے تقاضا کے تحت نہایت خوشی اور مسرت سے قبول کیا۔

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی سپرد کی ہوئی ڈیوٹی سے فارغ ہوئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پیش کش کرنے والوں کو فرمایا:

''میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک سرورِ کائنات ﷺ طواف نہ فرمائیں۔''

یہ جملہ وہی کہہ سکتا ہے جو محبتِ رسول ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہو۔ انسان کو دنیا میں مال سے فطری محبت ہوتی ہے۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال محبت رسول ﷺ میں قربان کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

من جهر جيش العسرة فله الجنة.

''جو جیش عسرت کے لیے سامان جنگ مہیا کرے، اس کے لیے جنت ہے۔''

تاریخ کے اوراق گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے آدھے لشکر کا سفر خرچ اور تمام ساز و سامان محبت رسول ﷺ کے جذبہ کے تحت مہیا فرما دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ ہزار اونٹ اور دس ہزار دینار دیئے۔

یہ محبت رسول ﷺ ہی تھی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب گورنرز کانفرنس کے اختتام پر واپس شام جارہے تھے تو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا، مجھے آپ پر حملہ کا سخت خطرہ ہے لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ آپ میرے ساتھ شام چلیں۔ اہل شام بہت وفادار ہیں وہ آپ کی حفاظت خود کریں گے لیکن آپ کا جواب الفت ومحبت رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا تھا......فرمایا:

انی لاابیع جوا رسول الله صلی الله علیه وسلم بشئی وان کان فیه قطع خیط عنقی.

''میں رسول اللہ ﷺ کی ہمسائیگی کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا خواہ اس میں مجھے قتل ہی کیوں نہ کردیا جائے۔''

جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات بارگاہ خلافت میں نہ مانی گئی تو انہوں نے عرض کیا کہ میں پھر آپ کی حفاظت ونصرت کے لیے اہل شام سے ایک لشکر آپ کو بھیج دیتا ہوں جو مدینہ طیبہ میں آپ کی حفاظت کرے گا لیکن محبِ رسول سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب یہ تھا:

انا اقتر علی جیران رسول الله صلی الله علیه وسلم الارزاق بجند مساکنهم واضیق علی دار الهجرة والنصرة.

''معاویہ! میں رسول اللہ ﷺ کے پڑوس میں رہنے والوں پر (مدینہ میں لشکر رکھ کر) کمی رزق نہیں کرنا چاہتا......اور نہ ہی دارالہجرت والنصرت میں رہنے والوں پر لشکر رکھ کر تنگی کرنا چاہتا ہوں۔'' (طبری:۳/۳۸۲-۳۸۳)

اندازہ فرمائیں کہ اپنی جان کو داؤ پر لگا دیا لیکن محبت رسول ﷺ کی وجہ سے نہ ہی جوار رسول ﷺ کو چھوڑا اور نہ ہی مدنیہ کے رہنے والوں پر مدینہ کو تنگ کیا۔

محبت ایک باہمی جذبہ ہے جو دونوں طرف سے پیدا ہوتا ہے۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے محبت تھی تو آپ ﷺ کو بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت تھی۔ چنانچہ کئی مواقع پر آپ ﷺ نے اس کا اظہار فرمایا۔ اپنی دو صاحبزادیوں کو یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دینا اور پھر دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال پر آپ کا یہ فرمانا:

لو کان لی اربعون ابنة لزوجتهن بعثمان واحدة بعد واحدة حتی لایبقی منهن واحدة.

''اگر میری چالیس لڑکیاں ہوتیں تو میں انہیں یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہ

دیتا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہتی۔" (البدایۃ والنہایۃ: ۲۱۲/۷)

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کتنے خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کی اور احرام کھول لیا ہوگا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما کان یعفل

"عثمان رضی اللہ عنہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔"

چنانچہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے تو جناب ختمی مرتب صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، عثمان رضی اللہ عنہ! کیا تم نے بیت اللہ کا طواف کیا؟ محب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا:

ما کنت اطوف بالبیت ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یطف بہ.

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کروں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ فرمائیں۔" (فروع کافی: ۱۵۱/۳، نول کشور)

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال محبت کا ایک مظاہرہ تھا کہ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

ھذہ ید عثمان

"یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔"

پھر اس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا:

ھذہ لعثمان

"یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے۔" (بخاری: ۱/ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ۶۸)

اسی وجہ سے آپ نے ان کو اپنا "ولی" (دوست) اور رفیق فرمایا۔ چنانچہ آپ نے ایک موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انت ولی فی الدنیا و ولی فی الاخرۃ

"عثمان رضی اللہ عنہ! تو دنیا میں بھی میرا ولی (دوست ہے) اور آخرت میں بھی۔"

(البدایۃ والنہایۃ: ۲۱۲/۷)

ایک اور موقع پر آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

لکل نبی رفیق و رفیقی فی الجنة عثمان.

''ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور جنت میں میرا رفیق عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۱)

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے کیونکہ بغیر اطاعت کے محبت صرف ایک بڑ ہے اور اطاعت اسی کی جاتی ہے جس سے محبت ہو۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کی۔ جنگ بدر کے موقع پر اگرچہ جہاد کی شرکت اجر عظیم کا باعث تھی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے حکم فرمایا تو فوراً تعمیل ارشاد کی۔ اسی طرح 4ھ میں غزوہ ذات الرقاع میں بھی اپنے کو غزوہ کی شرکت کے اجر سے محروم کرلیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل کی اور مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقامی کا اعزاز حاصل کیا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۵۶)

آپ کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مظاہرہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ جب سبائیوں نے قصر خلافت کو گھیرا ہوا تھا اور وہ آپ کی جان کے دشمن بنے بیٹھے تھے اور مطالبہ کر رہے تھے کہ یا تو آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں یا ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ آپ نے شہید ہونا منظور کرلیا لیکن خلافت سے دست بردار نہ ہوئے۔

اس کی وجہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جس میں آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

یا عثمان! ان اللہ عسی ان یلبسک قمیصاً فان ارادک المنافقون علی خلعه فلاتخلعه حتی تلقانی.

''اے عثمان رضی اللہ عنہ! عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا اور منافقین اس کو اتارنا چاہیں گے۔ تم اسے ہرگز نہ اتارنا یہاں تک کہ مجھ سے آملو۔''

(البدایۃ والنہایۃ ۷/۲۰۷)

''قمیص'' سے مراد خلافت تھی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت سے دستبردار ہونے سے منع فرمایا تھا اس وجہ سے آپ نے شہید ہونا منظور فرمالیا۔ لیکن قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاع و اتباع میں خلافت سے دستبردار نہ ہوئے۔

جب کسی شخص سے محبت کا رشتہ استوار ہو جائے تو پھر ہر اس شخص اور ہر اس چیز سے

بھی محبت ہو جاتی ہے جس سے اس کا تعلق ہو۔ آل رسول ﷺ رسول ﷺ کے تعلق کی وجہ سے ہمارے لیے واجب الاحترام بھی ہے اور اطاعت و محبت کا مرکز بھی۔ اس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ازواج مطہرات سے شدید محبت تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں رمضان المبارک کے وظائف جب مقرر فرمائے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا وظیفہ دوسرے لوگوں سے دگنا مقرر کیا۔ (طبری: ۳/ ۳۰۷)

اسی طرح ایک دفعہ آل رسول ﷺ نے چار روز تک فقر و فاقہ سے بسر کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور رسول اللہ ﷺ کی زاہدانہ زندگی دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ فوراً اٹھے اور اسی وقت بہت سا خورونوش کا سامان اور تین سو درہم خدمت نبوی میں بطور ہدیہ پیش کیا۔

''محبت کا ایک جذبہ ادب بھی ہے۔ آپ کو محبت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ ادب رسول ﷺ کا بھی بہت خیال تھا۔ ویسے تو سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی شمع نبوت کے پروانے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک ادا پر متاع زیست قربان کرنے کے لیے تیار تھے، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جذبہ احترام رسول ایک خاص نوعیت کا تھا۔ ادب رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ جس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی ساری زندگی اس ہاتھ کو عضو خاص سے مس نہیں کیا۔''

(کنز العمال: ۵/ ۲۸)

اہل بیت نبوت کا احترام:

جناب رسول اللہ ﷺ سے غیر معمولی محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل بیت نبوت سے بھی بہت محبت تھی۔ چنانچہ آپ ہر اس شخصیت کا احترام کرتے تھے جس کا سرور کشور رسالت ﷺ عزت و احترام فرماتے تھے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چچا سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا نہایت اجلال و احترام فرماتے تھے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

وقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجله ويعظمه وينزله منزلة الوالده من الولد ويقول هذا بقيه آبائي.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی نہایت تعظیم وتکریم فرماتے تھے جیسے اولاد اپنے والد کی عزت واحترام کرتی ہے اور آپ فرماتے تھے کہ عباس رضی اللہ عنہ ہمارے بقیہ السلف یعنی ہمارے آباؤ اجداد کے بقیہ ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۶۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام فرمانے کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا نہایت احترام واکرام فرمایا کرتے تھے۔ جب کبھی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سے آپ سوار ہوکر گزرتے تو احترام میں سواری سے اتر جاتے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ہی نے لکھا ہے:

ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان كانا اذا مرا بالعباس وهمارا كبان ترجلا اكراماله.

''سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب سواری پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرتے تو سواری سے اتر جاتے اور پیادہ پا چلنے لگتے۔ یہ سب کچھ وہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے اجلال واحترام کے پیش نظر کرتے تھے۔ کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۶۲، تہذیب التہذیب: ۵/۱۲۳)

روایات میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل ۳۲ھ میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا 88 سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

صلى عليه عثمان

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۶۲، الاستیعاب: ۳/۱۰۰)

اہل بیت نبوت کے اسی احترام ہی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی سیدہ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ کے شوہر نامدار سیدنا مغیرہ بن نوفل بن الحارث رضی اللہ عنہ ہاشمی کو قاضی مقرر فرمایا۔ یہ بڑے زیرک اور مدبر تھے۔

وكان المغيرة بن نوفل قاضياً فى خلافة عثمان.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سیدنا مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ قاضی تھے۔''

(الاستیعاب: ۳/۳۶۶، اسد الغابہ: ۴/۳۰۸)

اسی طرح عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب ہاشمی کو آپ نے قاضی مکہ مقرر فرمایا۔ یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ ام حبیبہ ام المومنین کی ہمشیرہ ہند بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے:

انه كان على مكة زمن عثمان.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہ مکہ کے گورنر تھے۔''

(طبقات ابن سعد: ۵/ ۱۵، تہذیب التہذیب: ۵/۱۸۱)

اسی طرح عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد حارث رضی اللہ عنہ بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں بعض اہم کاموں میں متعین فرمایا تھا جن کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان کاموں پر برقرار رکھا۔

(طبقات ابن سعد: ۴/ ۳۹)

اتباع سنت:

ایک مومن کی زندگی کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ہے جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله.

''اے پیغمبر! ان لوگوں کو کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرد اللہ تعالیٰ تمہیں محبت کرے گا۔'' (البقرۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی سنت ہے جس کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی ساری زندگیاں تج دیں۔ اتباع سنت بھی دراصل نتیجہ ہے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکہ اتباع اور پیروی اسی کی جاتی ہے جس سے محبت ہو۔ دشمن کی کبھی کسی نے تابعداری نہیں کی۔ پھر اتباع بھی کسی خاص بات میں نہیں بلکہ اپنے قول وفعل، کردار و عمل اور حرکات وسکنات سب چیزوں میں سرکار دو عالم کی اتباع کرے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، معیشت و معاشرت، عمرانیات و سیاست سب اسی طرح ہونی چاہئیں جیسی سرور کشور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیں۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ سے سرشار تھے لہٰذا زندگی کے ہر قول وعمل میں وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اپناتے اور اس کو اسی طرح

سرانجام دیتے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا بلکہ خلیفۃ المسلمین ہونے کی حیثیت سے دوسروں کو بھی اس کی تلقین و تعلیم فرماتے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے لیے وضو کا پانی لایا گیا، آپ ایک جگہ پر بیٹھے اور نہایت اچھے طریقے سے وضو فرمایا...... پھر فرمایا:

رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضا وھو فی ھذا المجلس فاحسن الوضو.

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے اسی بیٹھنے والی جگہ پر بیٹھ کر وضو فرمایا اور نہایت اچھا وضو کیا۔''

(بخاری کتاب الرقاق باب قول اللہ یاایھا الناس ان وعدہ اللہ حق)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ''بخاری'' ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر آپ مزدلفہ میں تشریف فرما تھے۔ نماز فجر کے وقت کافی روشنی پھیل گئی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا، اگر آپ اس وقت منیٰ کے لیے چل پڑیں تو یہ عین سنت نبوی کے مطابق ہے۔ یہ سننا تھا کہ راوی کے بیان کے مطابق اتنی جلدی منیٰ کی طرف چل پڑے کہ نہ معلوم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبان سے بات پہلے نکلی تھی یا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پہلے روانہ ہوئے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قربانی کے دن رمی جمرۃ العقبیٰ کرنے تک برابر تلبیہ کرتے رہے۔ (بخاری، کتاب الحج متی یصلی الفجر بجمع)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بارے میں کئی روایات نقل فرمائی ہیں۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر آپ نے ایک اور صحابی کے ساتھ طواف کرتے وقت رکن یمانی کا بوسہ لیا، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا۔ اس صحابی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان سے بھی استلام کرانا چاہا۔ آپ نے اس سے پوچھا، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکن یمانی کا بوسہ لیتے دیکھا ہے تو انہوں نے جواب دیا...... نہیں...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سب سے بہتر نہیں ہے؟ انہوں نے کہا، بے شک! (مسند احمد: ۱/۷۰)

آپ ایک دفعہ وضو سے فارغ ہو کر مسکرائے۔ جب مسکرانے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ (مسند احمد: ۱/۵۸)

اسی طرح آپ جب مسجد میں استراحت فرماتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح پاؤں

پر پاؤں رکھ کر لیٹتے تھے۔ (بخاری کتاب الصلوہ باب فی المسجد)

غرضیکہ ہر معاملہ میں اتباع سنت نبوی کو حرز جان بنانے کی کوشش کرتے کیونکہ اتباع سنت کو ایک بہت بڑی نعمت سمجھتے تھے۔

شرم وحیاء:

حیاء انسان کا وہ فطری جذبہ اور وصف ہے جس سے اس کی بہت سی اخلاقی خوبیوں کی پرورش ہوتی ہے۔ عفت و پاکبازی کا دامن اسی کی وجہ سے ہر داغ سے پاک رہتا ہے۔ آپس میں باہمی مروت، بردباری اور چشم پوشی اسی کا ثمرہ ہے اور بہت سے گناہوں سے پرہیز اسی کی برکت سے ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ تین شخص جناب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آئے۔ آپ کے اردگرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حلقہ تھا، ایک شخص کو وہاں ذرا سی جگہ ملی وہ وہاں بیٹھ گیا۔ دوسرا شخص شرما کر پیچھے ہٹ گیا اور تیسرا شخص جگہ نہ پا کر واپس چلا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان تینوں شخصوں کے متعلق تمہیں نہ بتاؤں، فرمایا...... جو حلقہ کی جگہ میں آ کر بیٹھا وہ خدا کی پناہ میں آیا، تو اللہ تعالیٰ نے پناہ کی جگہ دی اور جو پیچھے جا کر بیٹھا وہ شرمایا اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی حیاء کی، یعنی معاف کر دیا اور جو واپس چلا گیا اس نے خدا سے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ (بخاری:۱/۱۶)

یہ وصف انسان میں فطری ہے اور بچپن ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس کی اچھے طریقے سے تربیت کی جائے تو نہ صرف قائم رہتا ہے بلکہ اس میں ایک قسم کا حسن پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے لیکن اگر اس کو غلط ماحول اور بری صحبت میسر ہو جائے تو بے حیائی پیدا ہوتی ہے جو نہ صرف ایمان کے منافی ہے بلکہ تمام اعمال صالحہ کو بھی غارت کر دیتی ہے۔ اسلام نے اس وصف اور جذبے کی بڑی نگہداشت کی ہے۔ ستر عورت، غض بصر (نگاہ نیچی رکھنا) بے حیائی کی باتیں کرنے اور دیکھنے سے روکنا اور مادر زاد برہنگی کی ممانعت، یہاں تک خلوت کدہ اور غسل خانہ میں بھی اس کی اجازت نہ دینا اسی وجہ سے ہے تاکہ اس فطری جذبہ کو قائم رکھا جا سکے۔ چنانچہ پیغمبر انسانیت ﷺ نے فرمایا:

"برہنگی سے بچو، کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے فرشتے رہتے ہیں جو صرف بول و براز اور

مباشرت کے وقت تم سے الگ ہو جاتے ہیں۔ تم ان سے حیاء کرو اور ان کا خیال رکھو۔" (ترمذی)

خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ:

كان النبی صلی الله عليه وسلم اشد حياء من العذراء في خدرها.

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیاء تھے۔" (بخاری:۲/۹۰۳)

حیاء ایمان کا ایک جزو ہے، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

الحياء من الايمان.

"حیاء ایمان کا ایک جز ہے۔" (بخاری:۲/۹۰۳)

ایمان کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام فواحش و منکرات سے اجتناب کیا جائے۔ حیاء بھی چونکہ منکرات اور فواحش سے انسان کو روکتی ہے اس لیے یہ دونوں چیزیں آپس میں اصل اور فرع اور کل اور جزو کا حکم رکھتی ہیں۔

ایمان کا یہ تقاضا یعنی حیا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ودیعت فرمایا تھا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دیگر امتیازات کے علاوہ اس وصف میں بھی آپ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا۔

اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں بھی کر آئے ہیں۔

(ملاحظہ ہو "مسند احمد حدیث نمبر ۵۱۴، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۰۲)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب ومناقب عثمان رضی اللہ عنہ میں آپ کی حیاء کے بارے میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے: (بخاری:۱/)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عثمان حی تستحی منه الملائكة.

"عثمان رضی اللہ عنہ باحیا ہے اس سے ملائکہ بھی حیاء کرتے ہیں۔"

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۰۳)

ایک اور روایت میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف فرما تھے اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے تھیں۔ اسی اثناء میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے، پھر عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، پھر سعد بن مالک رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ عثمان رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے لیکن ان کے اندر داخل ہونے سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس حال میں گفتگو فرما رہے تھے کہ آپ کا گھٹنا کھلا ہوا تھا۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کے لیے اجازت طلب کی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو اپنے گھٹنے کو ڈھانپ لیا اور دوسرے اپنی زوجہ محترمہ کو اندر بھیج دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے۔ نہ ہی آپ نے اپنے گھٹنے پر اپنا کپڑا درست فرمایا اور نہ ہی آپ نے مجھے اندر جانے کو کہا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الااستحی من رجل تستحی منه المائكه؟ والذي نفسي بيده ان الملائكه لتستحي من عثمان كما تستحي من الله ورسوله ولو دخل وانت قريب مني لم يتحدث ولم يرفع راسه حتى يخرج.

''کیا میں اس شخص سے حیاء نہ کروں جس سے اللہ کے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، عثمان رضی اللہ عنہ سے فرشتے اسی طرح حیاء کرتے ہیں جس طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء کرتے ہیں۔ اگر وہ گھر میں داخل ہوتے اس حال میں کہ تو میرے قریب ہوتی تو وہ نہ تو مجھ سے کوئی بات کرتے اور نہ حیاء کی وجہ سے اپنا سر اٹھاتے اور اسی حال میں واپس چلے جاتے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۰۳، مسند احمد: ۱/۷۱)

ایک اور روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف خصوصی بیان فرماتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

واشدها حياء عثمان.

''ان میں سب سے زیادہ باحیاء عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۰۳، ترمذی)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ان کی حیاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

اذا غسل لا يرفع المنزر عنه، وهو في بيت مغلق عليه، ولا صلبه جيدا

من شدة حيائه.

''آپ جب غسل فرماتے تو اپنا تہہ بند نہ اٹھاتے حالانکہ آپ بند مکان میں ہوتے اور شدت حیاء کی وجہ سے اپنی پشت سیدھی نہ کرتے۔'' (البدایۃ والنہایۃ :۷/۲۱۴)

آپ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''بند کمرے اور تنہائی میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے۔'' (مسند احمد:۱/۷۱)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کی ایک باندی تھی۔ وہ بیان کرتی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب غسل سے فراغت فرماتے اور میں ان کے کپڑے لے کر حاضر ہوتی تو آپ مجھ سے فرماتے:

لاتنظری الی فانه لایحل لک.

''میرے جسم کی طرف مت دیکھنا کیونکہ یہ تیرے لیے جائز نہیں ہے۔''

(طبقات ابن سعد:۳/۵۹)

تمام زندگی تہ بند باندھا لیکن شہادت کے روز پاجامہ پہن لیا اس وجہ سے کہ شہید ہونے کے بعد کہیں شرم گاہ نہ کھل جائے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

كان شديد الحياء، كان تستحى منه ملائكة السماء كما نطق بذالك النبيصلى الله عليه وسلم .

''آپ شرم وحیاء کے مجسمہ تھے اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان کے فرشتے بھی آپ سے حیاء کرتے تھے۔'' (البدایۃ والنہایۃ :۷/۱۸۳)

تواضع وخاکساری:

بڑائی اللہ رب العزت کی ایک صفت ہے اور اسی کو زیبا ہے بندے کا کام تو تواضع و خاکساری ہے اور یہی اس کو سزاوار ہے۔ عبد اس وقت تک عبد (بندہ) نہیں جب تک اس میں شان عبدیت نہ ہو اور عبدیت اور عبادت کا معنی ''غایت تذلل'' ہے لہٰذا بندوں کا کام ہی عاجزی وفروتنی اور تواضع وانکساری کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کا ایک مقام پر ذکر فرماتے ہوئے کہا ہے:

وعباد الرحمن الذين يمشون على الارض هوناً واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما.

''اور رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے (جہالت کی) باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کریں (اور الگ ہو جائیں)۔ (الفرقان)

قرآن حکیم کا انداز بیان بھی کیا خوب ہے کہ بندوں کو تواضع و انکساری کی تعلیم دینی تھی تو ان کو رحمٰن کے بندے کہہ کر نصیحت فرمائی۔ گویا یہ بتایا کہ جب خداوند قدوس رحمٰن و رحیم ہے اور اتنا صاحب اختیار ہونے کے باوجود بھی اپنے کمزور و ناتواں بندوں پر رحم فرماتا ہے تو اس کے بندوں کو بھی اپنے ہم جنسوں کے ساتھ تواضع و خاکساری کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی تواضع و خاکساری کی بہت تحسین و تعریف فرمائی۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ:

''جو شخص عمدہ کپڑے پہننے کی استطاعت رکھتا ہے لیکن وہ انکساری کی وجہ سے اس کو نہیں پہنتا تو اللہ رب العزت قیامت کے روز اس کو سب لوگوں کے سامنے بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا کہ ایمان کا جو لباس وہ پسند کرے، پہن لے۔''

(ترمذی:۲/۲۴)

تواضع و انکساری جس کی اسلام نے اس قدر تعریف فرمائی ہے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس میں بھی ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ حالانکہ آپ ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ باپ بہت بڑا تاجر تھا۔ خود بھی تجارت ہی کو اپنا پیشہ بنایا اور ڈھیروں دولت کمائی۔ طبیعت میں کبھی بھی کبر و نخوت پیدا نہ ہوئی۔ خود کو عام انسانوں سے کبھی بھی بالاتر نہ سمجھا۔ اگر ایک معمولی حیثیت کے آدمی نے بھی دعوت پر بلایا تو فوراً اس دعوت کو سنت نبوی سمجھتے ہوئے قبول فرما لیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے۔

قد اجاب عثمان عبدالللمغیرہ بن شعبه.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے (حاکم ہوتے ہوئے) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام کی دعوت کو قبول کیا۔''

اس جگہ یہ بات ذہن میں رہے کہ تواضع و انکساری اور دنائت میں بہت فرق ہے۔ تواضع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان میں عجب اور تکبر و نخوت پیدا نہ ہو اور ہر شخص ایک دوسرے کی عزت و توقیر کرے۔ اس کے مقابلہ میں دنائت و پستی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بعض ذلیل اغراض

کے لیے آدمی اپنی خودداری اورعزت نفس کو ضائع کردے۔ (بخاری:۲/۱۰۶۳)

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب گھر میں خادم وغیرہ ہوں تو آدمی اپنے آرام کے لیے ان کو مشقت اور تکلیف میں ڈال دیتا ہے اورنہیں تو اہل خانہ پر اپنی بڑائی جتاتے ہوئے انہیں بعض دفعہ بے آرام کرتا ہے۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ تو کبھی اپنے خادموں پر اور نہ ہی اپنے گھر والوں پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں مشقت میں ڈالا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان کے اخلاق حسنہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ان کی تواضع وانکساری کے بارے میں لکھا ہے:

انـه کان لایوقظ احداً من اهله اذا قام من اللیل لیعینه علی وضوئه الا ان یجده یقظانا.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو وضو کیلئے اپنے اہل وعیال میں سے کسی کو نہ جگاتے مگر یہ کہ کسی کو جاگتا ہوا پاتے۔''

جب آپ سے یہ کہا گیا:

لو ایقظت بعض الخدم.

''اگر آپ کسی خادم کو جگالیا کریں تو اس میں کیا حرج ہے؟''

لیکن آپ کا جواب یہ ہوتا:

لا! اللیل لهم لیستریحون فیه.

''بالکل نہیں......رات ان کے آرام واستراحت کے لیے ہے۔''

(البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۱۴، طبقات ابن سعد:۴/۶۰، التمہید والبیان:۱۵۳)

ایثار:

ایثار فیاضی کا سب سے آخری درجہ ہے۔ اس کے معنی ہیں دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینا اور انہیں مقدم رکھنا، یعنی خود ننگا رہنا لیکن دوسروں کو پہنانا، خود بھوکا رہنا لیکن دوسروں کو پیٹ بھر کر کھلانا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کی تعریف میں قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

''اور (یہ انصار مدینہ) اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگ دست ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا، پس وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' (حشر:۹)

یہ ایثار بھی نبوت کا خاصا ہے اور نبوت ہی کے فیضان نظر سے یہ امت میں منتقل ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے بارے حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان عورت نے نہایت اخلاص و محبت کے ساتھ ایک چادر بن کر بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے اس نیک دل عورت کے اس تحفہ کو قبول فرمالیا، ایک غریب مسلمان نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یہ چادر مجھے عطا ہو۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت وہ چادر اسے مرحمت فرمادی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو ملامت کی کہ تم نے آپ ﷺ سے یہ چادر کیوں مانگی کیونکہ تمہیں علم تھا کہ آپ ﷺ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ وہ بولا، میں نے یہ چادر برکت کے لیے لی ہے اور یہی میرا کفن ہے۔ (بخاری:۱/ص، باب المناقب انصار)

احادیث اور تواریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایثار کی صفت انصارِ مدینہ میں بدرجہ کمال تھی۔ حدیث میں ایک انصاری کے ایثار کا واقعہ منقول ہے اور خدا شاہد ہے کہ نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک بھوکا شخص بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں حاضر ہوا۔ کاشانہ نبوی ﷺ میں اس وقت کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جو شخص اس آدمی کو اپنا مہمان بنائے اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے۔ ایک انصاری اس شخص کو اپنے گھر لے گئے۔ بیوی سے پوچھا کہ گھر میں کچھ ہے؟ نیک بخت بیوی نے جواب دیا، صرف بچوں کا کھانا...... انصاری بولے...... بچوں کو سلادو اور چراغ گل کردو۔ ہم دونوں بھی رات بھر بھوکے رہیں گے، لیکن یہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے لہٰذا اس کو پیٹ بھر کر کھانا ملنا چاہیے۔ چنانچہ اس انصاری کی بیوی نے ایسا ہی کیا اور جب مہمان کے سامنے کھانا رکھا گیا تو انہوں نے چراغ بجھا دیا۔ مہمان یہ سمجھا کہ صاحب خانہ بھی ساتھ کھا رہے ہیں لیکن وہ صرف ایسے ہی منہ ہاتھ ہلاتے رہے، اور سارا کھانا مہمان کھا گیا۔ صبح جب وہ انصاری خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا ہے۔''

(بخاری:۲/۲۵ ۷ـ ۷۲۶، مسلم:۲/۱۸۳ـ۱۸۴)

ان تعلیمات کی روشنی میں اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی پر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی ایثار کے مرقع تھے۔ آپ نے پوری زندگی ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کی ضرورتوں کو اپنی ذاتی ضرورت پر ترجیح دی اور جب بھی وقت آیا اپنا مال و دولت بے دریغ اہل اسلام کی فلاح و بہبود کے لیے صرف کیا، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے۔

اس سے زیادہ ایثار اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ نے 12 سالہ دور خلافت میں مسلمانوں کے بیت المال سے ایک پائی بھی تنخواہ کے طور پر نہیں لی بلکہ جب بھی ضرورت پڑی آپ نے اپنے ذاتی مال سے اسٹیٹ کی اور اسٹیٹ کے کارکنان کی خدمت کی۔ قدیم اور جدید سبائی آپ کی ذات پر جو اعتراضات کرتے ہیں کہ انہوں نے مختلف لوگوں کو بیش قیمت عطیات سے نوازا، وہ عطیات آپ نے مسلمانوں کے بیت المال سے نہیں دیئے تھے بلکہ اپنے ذاتی مال سے دیئے تھے۔ جس کی تفصیل دوسرے مقام پر ذکر کر دی گئی ہے۔ آپ کے اسی ایثار کی وجہ سے آج تک انہیں ''غنی'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ کے ایثار کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ اپنے زمانہ خلافت میں ذاتی مصارف کے لیے بیت المال سے ایک پائی تک نہیں لی، اور اس طرح اپنا وظیفہ جس کے ہر لحاظ سے آپ مستحق تھے، عام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا۔ (طبری: ۴/ ۳۴۸، دارالمعارف)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے وظیفہ کے لحاظ سے یہ رقم ساٹھ ہزار درہم بنتی ہے۔ اتنی رقم کا چھوڑ دینا ایثار نفس کی ایک بہترین مثال ہے۔

دیانت داری اور امانت:

انسان کے اخلاق حسنہ میں دیانت داری اور امانت داری کو بہت دخل ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو کوئی خلاف حقیقت بات نہ ہوگی کہ وہ آدمی صحیح معنوں میں انسان کہلانے کے لائق ہی نہیں جس میں یہ دونوں اوصاف موجود نہ ہوں اور جس معاشرہ میں دیانتدار اور امانتدار لوگوں کا فقدان ہو یا کم یاب اور نایاب ہوں۔ وہ معاشرہ دنیا میں زیادہ دیر تک قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ اسلامی تعلیمات نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں جو اوصاف و اخلاق پیدا کیے ان میں دیانت و امانت سر فہرست ہیں۔

امانت اور دیانت اتنی اہم چیز ہے کہ اللہ کا وہ فرشتہ جو انبیاء کی طرف وحی لے کر آتا

تھا اور سید الملائکہ کہلاتا تھا اس کی ایک صفت ''الامین'' بھی قرآن حکیم نے ذکر کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿نزل به الروح الامين﴾

''اس پیغام کو لے کر روح الامین اترے۔'' (شعر)

اسی طرح مختلف پیغمبروں کو قرآن حکیم میں ''امین'' کے لفظ سے پکارا گیا ہے۔ خود پیغمبروں کی زبانی کہ انہوں نے اپنی اپنی امت کو کہا کہ ہم ''امین'' ہیں۔

﴿انی لكم رسول امين﴾

''میں تمہارے لیے امین رسول ہوں۔'' (شعراء)

خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اہل مکہ اور دوسرے عرب نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی ''امین'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے مخالف ہونے کے باوجود وہ اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے اور آپ ان کی ضرورت کے وقت وہ امانتیں جوں کی توں ان کو واپس کر دیتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیانت و امانت کا وصف ایک ایسا وصف ہے جو مخالف کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ نیک عمل مسلمانوں کی صفات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے:

﴿والذين هم لامانتهم وعهدهم راعون﴾

''اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کی رعایت کرتے ہیں۔'' (مومنون:)

مومنین کی انہی صفات کا اثر تھا کہ دنیا اس طرح ان کی طرف کھنچی چلی آ رہی تھی جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔ اسلام نے امانت و دیانت کو زندگی کے ہر شعبہ میں بڑی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ ایک عام حکم دیا:

﴿ان الله يامركم ان تودوا الامانات الى اهلها﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالہ کر دیا کرو۔'' (نساء:)

احادیث نبویہ میں بھی امانت و دیانت پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔'' (کنز العمال:۲/۱۵)

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں، جس کو عہد کا پاس نہ ہو اس میں دین نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کسی بندہ کا دین اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک اس کا دل درست نہ ہو...... اور جو کوئی مال کسی ناجائز طریقہ سے حاصل کرے گا اور پھر اس میں سے خرچ کرے گا تو اس کو اس میں برکت نہیں دی جائے گی اور اگر اس میں سے صدقہ اور خیرات کرے گا تو قبول نہ کیا جائے گا اور جو اس میں بچ رہے گا وہ اس کے لیے دوزخ کا توشہ ہوگا۔ (کنز العمال: ۲/۱۵)

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

''میری امت اس وقت تک فطرت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہ سمجھے گی۔'' (کنز العمال: ۲/۱۵)

ان اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی خلافت سے قبل بھی اور خلافت کے بعد بھی نہایت دیانت وامانت کے ساتھ گزاری۔ جب سے اسلام قبول کیا جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہے۔ حضور ﷺ کی دامادی کا شرف حاصل کیا اور اس رشتہ ازدواج کو نہایت دیانت وامانت کے ساتھ نبھایا۔ یہاں تک نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر اپنے ان دامادوں کی تعریف فرمائی جو بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

(ملاحظہ ہو: بخاری: ۱/ ۴۳۸، ۵۲۸)

ہم سمجھتے ہیں کہ دیانت وامانت کا یہ شعبہ جو آدمی کی معاشرتی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس شعبہ سے زیادہ اہم ہے جو اس کی معاشی اور اقتصادی زندگی سے متعلق ہے۔

خلافت کے بعد کی زندگی میں بھی آپ نے قومی بیت المال اور قومی ذمہ داریوں کی امانت میں بھی ذرہ برابر خیانت نہیں کی۔ اسلام کی رو سے جو کچھ حق تھا اس کو برملا کہا، اور اس پر بغیر کسی ملامت کرنے والے کے عمل کیا۔ باغیوں نے آپ کی معزولی کا مطالبہ کیا لیکن آپ ان کے اس مطالبہ کو اسلامی قانون کی رو سے غلط سمجھتے تھے۔ لہٰذا اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کردی لیکن انہوں نے اس ناجائز مطالبہ کو نہ مانا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے چند باغیوں کا یہ ناجائز مطالبہ نہ مانا۔ اگر وہ ان کے اس مطالبہ کے سامنے سر تسلیم کر دیتے تو ایک تو اپنے اس منصب میں خیانت

کے مرتکب ہوتے جو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے سپرد کیا تھا۔ دوسرے وہ اسلامی دستور میں یہ شق قائم فرما دیتے کہ جب بھی چند باغی مرکز خلافت سے معزولی کا مطالبہ کریں خلیفہ وقت معزول کر دیا جائے یا معزول ہو جائے۔ دستور اسلامی میں اس شق کا اضافہ (جو کہ قرآن وسنت کے خلاف ہے) قیامت تک اسلامی حکومت کے نظام کو غیر مستحکم اور متزلزل کر دیتا۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقعہ پر جس استقلال، امانت اور دیانت کا ثبوت پیش کیا، اسلامی حکومت کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور امت مسلمہ قیامت تک ان کے اس احسان کے باردوش سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

صبر وتحمل:

صبر وتحمل جس کو ہم استقامت کے لفظ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، قرآن وسنت میں اس کی بڑی اہمیت بتائی گئی ہے۔ صبر وتحمل کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کو حق سمجھا جائے اس پر قائم رہا جائے اور اگر اس پر قائم رہنے پر مشکلیں پیش آئیں، مخالفتیں ہوں، ستایا جائے یا اذیتیں دی جائیں تو ان کو صبر وسکون کے ساتھ برداشت کیا جائے اور زیادتی کرنے والوں اور اذیتیں دینے والوں کو کچھ نہ کہا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی صبر وتحمل کی ایک زندہ مثال ہے۔ اعلان نبوت کرنے کے بعد عرب کے ہر گوشہ سے آپ کی مخالفت کی آواز بلند ہوئی۔ اگر یوں کہیے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ عرب کا گرم ریگستان آپ کی مخالفت میں غیظ وغضب کا بھڑکتا ہوا تنور بن گیا۔ آپ سے جنگیں لڑی گئیں۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ اونٹ کی اوجھڑیاں آپ پر پھینکیں گئیں۔ غرض ہر طریقے سے آپ کو خاموش کرنے کی کوششیں کی گئیں، لیکن آپ نے نہایت صبر واستقامت کے ساتھ ان تمام تکالیف کو برداشت کیا لیکن جادہ حق سے ایک شمہ بھر بھی ادھر ادھر نہ ہوئے۔ اس صبر واستقامت کے بعد جب آپ کو اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوا تو چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ آپ نے ان سے انتقام لینے کے بجائے ان کی تمام خطاؤں کو قلم عفو سے یک قلم معاف فرما دیا۔

جو لوگ نبی اکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ حسنہ پر کاربند ہوتے ہیں، اللہ رب العزت ان کو یہ مژدہ جانفزاء سناتے ہیں:

﴿ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلا خوف علیهم ولاهم یحزنون﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے انہیں نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔'' (احقاف)

قرآن حکیم نے ایک مقام پر کچھ اللہ والوں کی ایک دعا نقل کی ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے صبر واستقامت کی دعا مانگتے ہیں:

﴿ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین﴾

''اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمارے پاؤں کو استقامت عطا فرما اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری امداد فرما۔'' (بقرہ)

ایک اور مقام پر اگلی امتوں کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا کہ:

﴿وکاین من نبی قتل معه ربیون کثیر، فما وهنوا لما اصابهم فی سبیل الله وماضعفوا وما استکانوا والله یحب الصابرین. وما کان قولهم الا ان قالوا ربنااغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین﴾

''اور کتنے ہی نبی ہیں کہ ان کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لوگ لڑے۔ ان کو اللہ کی راہ میں بہت تکالیف ہوئیں لیکن وہ ہمت نہ ہارے اور نہ ہی کمزور ہوئے اور نہ ہی دب گئے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور نہ تھا ان کا کہنا مگر یہ کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور ہم سے اپنے کام میں جو زیادتی ہوئی اس کو معاف فرما دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔''

(آل عمران)

سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مصائب اور تکالیف کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی۔ ہماری اس بے تابی کے اظہار پر سید

الاولین والاخرین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''تم سے پہلی امتوں میں ایسا شخص بھی ہوا ہے جس کو زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا اور آرہ سے چیر کر دو کر دیا جاتا تھا، مگر یہ ساری تکالیف اس کو جادہ حق سے روگرداں نہیں کرتی تھیں، اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کا گوشت نوچ کر تار تار کر دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ چیز بھی اس کو اس کے دین سے نہ ہٹاتی تھی۔'' (بخاری:۱/۵۱۰)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح صبر وتحمل کے کوہ گراں تھے۔ تمام مصائب ونوازل کو خندہ پیشانی سے قبول کیا لیکن کوئی حرف شکایت زباں پر نہ لائے۔ شہادت سے قبل قریباً 49 یا 40 روز تک قصر خلافت کا محاصرہ کیا گیا اور اس طویل مدت میں آب ودانہ تک بند کر دیا گیا۔ قصر خلافت پر تیروں کی بارش کی گئی لیکن آپ نے ان تمام مصائب کو نہایت ضبط، تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کیا اور کسی کان نے ان کی زبان سے اس بارے میں کوئی شکوہ وشکایت کا حرف نہ سنا۔

پھر سینکڑوں معاون وانصار اور وفا شعار غلام موجود تھے جو آپ کے ایک اشارہ ابرو پر اپنی جانیں نثار کرنے کے لیے تیار تھے لیکن آپ ان کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ سیدنا عبیداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں:

''آپ سب مسلمانوں کے امام ہیں اور اس محاصرے کے دوران آپ پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے ہیں ان سے آپ بخوبی آشنا ہیں اور ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے جس سے ہمیں گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔''

کوئی اور ہوتا تو سیدنا عبیداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ کو اور جذبات میں لاتا، لیکن صبر وتحمل کے اس پیکر نے ان کے جذبات کو ان الفاظ سے ٹھنڈا کیا، فرمایا:

''نماز لوگوں کے اعمال میں سب سے بہتر عمل ہے۔ جب لوگ کوئی بہتر کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ مل کر وہ اچھا اور بہتر کام کرو جب وہ برا کام کریں تو تم ان کی برائی سے اجتناب کرو۔'' (بخاری:۱/۹۶)

اس وقت محاصرہ کرنے والوں کی تعداد 900 کے لگ بھگ تھی، جن میں 600 مصری تھے۔ کوفہ سے آئے ہوئے باغیوں کی تعداد 200 اور بصرہ سے آئے ہوئے لوگوں کی تعداد ایک سو تھی لیکن بقول ابن سعد رضی اللہ عنہ:

وكانوا يداواحد في الشر.

''شر وفساد میں وہ ایک جان تھے۔'' (طبقات ابن سعد:۳/۷۱)

اس کے مقابلہ میں قصر خلافت میں جو لوگ جمع تھے ان کی تعداد 700 تھی۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کی کہ انصار قصر خلافت کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہم دوبارہ انصار بننے کے لیے حاضر ہیں، لیکن امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا:

''میرا سب سے بڑا معاون اور مددگار وہ شخص ہوگا جو اپنا ہاتھ اور ہتھیار روکے رکھے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے شرپسندوں کے مقابلے کی اجازت چاہی، جواب میں آپ نے فرمایا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم مجھے اور دوسرے سب لوگوں کو قتل کردو۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے پھر فرمایا اگر تم نے ایک آمی بھی قتل کر دیا تو گویا تم نے سب کو ہی قتل کر دیا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت مانگی لیکن اس صابر اعظم نے ان کو بھی صبر کی تلقین کی اور ان کے ہیجان اور جوش کو ٹھنڈا کیا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور نہایت زور دے کر کہا کہ آپ باغیوں سے جنگ کیوں نہیں کرتے۔ بخدا! اللہ نے آپ کے لیے ان لوگوں سے جنگ کرنا حلال کر دیا ہے، لیکن سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی صبر ہی کی تلقین فرمائی اور جنگ کرنے کی اجازت نہ دی۔ (طبقات ابن سعد:۳/۷۰)

مدینہ کے لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اجازت طلب کرتے ہیں کہ آپ ہمیں باغیوں سے نمٹنے دیں لیکن صبر وتحمل کے اس مجسمہ نے جو جواب دیا، تاریخ کے سینے میں وہ ابھی تک محفوظ ہے۔

وامر اهل المدينة بالرجوع واقسم عليهم فرجعوا.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو حکم دیا کہ وہ واپس چلے جائیں اور انہیں قسم دی، پس وہ واپس چلے گئے۔'' (ابن اثیر:۳/۸۶)

اہل مدینہ کے علاوہ آپ کے غلاموں کی ایک اچھی خاصی تعداد آپ کے پاس

موجود تھی جو اسلحہ لے کر آپ کے پاس آئے اور نہایت لجاجت کے ساتھ امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کرتے اور کہتے کہ ہم سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ شرپسند اور باغی اس طرح ہمارے آقا کو محصور کر لیں۔ ہماری تلواریں نیاموں میں تڑپ رہی ہیں لیکن آپ کی طرف سے یہ جواب ملتا:

''اگر تم لوگ میرا حق نمک ادا کرنا چاہتے ہو تو تمام ہتھیار اتار دو اور امن وسکون کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ اور باغیوں سے کوئی تعرض نہ کرو۔''

بلکہ یہاں تک فرمایا:

''تم میں سے جو کوئی ہتھیار اتار دے گا وہ آزاد ہے۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/۷۰، طبری: ۳/۴۲۱)

اس دوران آپ کے لبوں پر ایک ہی دعا تھی:

اللهم اياک اعبدو اياک ادعو واستعين واليک اشكر وبک اکتفی.

''اے اللہ! میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔ تجھی کو پکارتا ہوں اور تجھی سے مدد چاہتا ہوں اور تیرا ہی شکر ادا کرتا ہوں اور تو ہی مجھے کافی ہے۔'' (التمہید والبیان: ۱۳۲)

زہد واتقاء:

دنیا میں مشہور ہے کہ ہر گناہ اور برائی کا منبع دولت وثروت ہے۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ متمول اور صاحب دولت وثروت ہونے کے باوجود زمانہ اسلام اور زمانہ جاہلیت دونوں میں نہایت پاکیزہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کی کتاب زندگی میں فحشا، منکرات اور گناہ کا کوئی حرف نظر نہیں آتا۔ وہ دولت مند ضرور تھے لیکن دولت پرست نہ تھے، خوددار تھے، خودغرض نہ تھے۔ وہ دولت کو اپنے لیے نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا دست سخاوت اپنوں اور غیروں، یگانہ اور بیگانہ دونوں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

ان کی زندگی کی پاکیزگی کو اس بات سے بھی جانچا جاسکتا ہے کہ وہ عرب جن کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی اور جو ایک مجلس میں شراب کے خم کے خم انڈیل دیتے تھے ان میں رہتے ہوئے آپ نے زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب کے جام کو ہاتھ نہ لگایا۔ چنانچہ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ایام جاہلیت میں کبھی شراب نہیں پی

تھی۔“ (تاریخ الخلفاء:۳۲)

شراب تو بڑی چیز ہے، خود فرماتے ہیں کہ میں نے پوری زندگی نہ تو کبھی گانا سنا اور نہ ہی کسی قسم کے لہولعب کی کبھی خواہش کی۔ (تاریخ الخلفاء، البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۸۱)

جس قلب میں زمانہ جاہلیت میں بھی جب کہ ہر شخص کی زندگی لہو ولعب، عیاشی و فحاشی میں ڈوبی ہوئی تھی، کبھی لہو ولعب کی خواہش پیدا نہ ہوئی اس کا کوزہ دل کس قدر پاکیزہ اور زہد واتقاء کا مرقع ہوگا۔

یہ نہیں کہ یہ بات اپنے موافقوں ہی سے بیان کی بلکہ اپنے مخالفوں سے بھی جب وہ قصر خلافت کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور آپ کی ذات ستودہ صفات پر فرضی عیوب ومثالب کے زہر آلود تیر بارش کی طرح برسا رہے تھے۔ آپ نے چیلنج کے طور پر ان سے فرمایا:

”سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے دس فضیلتوں سے نوازا ہے۔“

① اسلام لانے میں میرا چوتھا نمبر ہے۔
② رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی میرے حبالہ عقد میں دی۔
③ اور اس کے فوت ہونے کے بعد دوسری صاحبزادی کا مجھ سے نکاح کر دیا۔
④ میں نے نہ تو زمانہ جاہلیت میں کبھی زناء اور چوری کی۔
⑤ اور نہ ہی کبھی اسلام لانے کے بعد مجھ سے یہ افعال بد سرزد ہوئے۔
⑥ میں نے کبھی گانا نہیں گایا۔
⑦ اور نہ ہی جب سے اسلام لے آیا ہوں کبھی کسی برائی کی خواہش کی ہے۔
⑧ جب سے میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہے کبھی اس سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔
⑨ میں نے عہد نبوی کے جمع شدہ قرآن کے نسخہ کی نقول کروا کر اسے مملکت کے مختلف گوشوں میں اشاعت کے لیے بھیجا۔
⑩ جب سے میں اسلام لایا ہوں ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتا ہوں اور اگر کبھی ایک جمعہ کو آزاد نہ کر سکا تو آئندہ جمعہ کو دو غلام آزاد کر دیے۔

(البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۸۱، تاریخ الخلفاء:۱۶۱)

ان میں سے کچھ باتیں طبری نے بھی نقل کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو طبری:۳/۴۲۱)

زہد وتقویٰ کی زندگی کو اسلام نے اور رنگ دیا تھا۔ قرآن حکیم سے خاص شغف تھا۔ مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ہر شب ایک رکعت میں قرآن ختم فرماتے تھے:

ان عثمان كان يحيى الليل فيختم القرآن في ركعة

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پوری رات جاگتے اور ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے۔''

(طبقات ابن سعد: ۷۵/۳)

ابن سعد نے اس بارے میں اور بھی بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''استیعاب'' میں بھی محمد بن سیرین اور سلیمان تیمی سے ایسی کئی روایات ذکر کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ایک رکعت میں قرآن حکیم ختم کیا کرتے تھے۔

رات کے بعد دن کو بھی نماز فجر کے بعد قرآن حکیم کھول کر پڑھنا شروع کر دیتے اور جب لوگ پوچھتے کہ اس میں کیا حکمت مضمر ہے کہ آپ رات بھر تلاوت قرآن میں گزارنے کے بعد دن کو پھر اس کو کھول کر بیٹھ جاتے ہیں؟ تو آپ کا جواب یہ ہوتا کہ......

''قرآن خداوند قدوس کا منشور ہے، جو میرے پاس بھیجا گیا ہے، اور کسی کے پاس کوئی منشور پہنچے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ہر روز کھول کر اس کا مطالعہ کرے۔ اس کے مندرجات پر غور وفکر کرے، اس کے مامورات پر عمل کرے اور منہیات سے دور رہے۔''

(روضۃ الاحباب: ۶۵)

اسی لیے فرمایا کرتے تھے کہ:

''مجھے یہ بات ہرگز گوارا نہیں کہ مجھے پر کوئی ایسا دن گزرے جس میں قرآن پاک کی تلاوت نہ کروں۔''

اسی کثرت تلاوت کی وجہ سے آپ کا قرآن پھٹ کر ریزہ ریزہ ہوگیا تھا۔ قرآن حکیم کی کثرت تلاوت ہی کا اثر تھا کہ جس وقت سبائیوں نے قصر خلافت کی عقبی دیوار پھاند کر آپ کو شہید کیا اس وقت بھی آپ قرآن حکیم کی تلاوت میں مشغول تھے، اور آپ کے مقدس خون سے قرآن پاک کے صفحات تربتر ہوگئے۔ آپ کی اس کثرت تلاوت کی وجہ سے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے بارے ایک مرثیہ میں لکھا:

ضحوا باشمط عنوان السجود به

يقطع الليل تسبيحاً و قرآناً

''انہوں نے ایک ایسی ہستی کو قتل کیا جس کی ذات سجدہ کی علامت تھی اور وہ تسبیح اور قرآن خوانی میں رات کاٹتی تھی۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۴)

تلاوت قرآن اور نماز کی کثرت کے علاوہ آپ روزے بھی نہایت کثرت سے رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ جس روز آپ کو شہید کیا گیا اس روز بھی آپ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱/۷۱، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۳)

جب سے اسلام لائے ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے اور اگر کبھی ایک جمعہ کو آزاد نہ کر سکے تو آئندہ جمعہ کو دو غلام آزاد کر دیے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۱)

لیکن جس روز آپ کو شہید کیا گیا، تاریخ کے رپوٹر بتاتے ہیں کہ اس روز آپ نے 20 غلام آزاد کیے۔

ان عثمان اعتق عشرین مملوکا.

''اس میں کوئی شک نہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے (جس روز وہ شہید ہوئے) بیس غلام آزاد کیے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۳)

مال و دولت سے محبت زہد کے منافی ہے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ساری زندگی کبھی مال و دولت سے محبت نہیں کی۔ مالدار البتہ ضرور تھے، مال پرست نہیں تھے۔ اسی وجہ سے پوری زندگی اپنے دونوں ہاتھوں سے اسلام اور اسلام کے نام لیواؤں کے لیے دولت صرف کی۔ آپ کا اپنا خاندان ایک بہت بڑا خاندان تھا جس میں خوش حال کم اور نادار اور قلاش زیادہ تھے۔ مختلف جنگوں میں ان کے خاندان کے کافی کمانے والے مارے گئے تھے، بہت سی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سب کے غم خوار تھے۔ سارے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کو انہوں نے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت اور کھانے پینے کے کل اخراجات کے وہ کفیل تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ ایسے ہی لوگوں میں سے تھے جن کی پرورش سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

آپ کی میزان مروت میں صرف ذوالقربیٰ ہی حق دار نہ تھے بلکہ وہ مشکلات اور دکھ درد دور کرنے کے لیے سب ہی پر خرچ کرتے، روٹھوں کو مناتے اور بگڑوں کی تالیف قلب کرتے...... اس کے علاوہ اگر کبھی اسلام کو ان کے مال و دولت کی ضرورت پڑ جاتی تو وہ روپیہ خرچ کرنا اپنے لیے باعث فخر اور باعث سعادت سمجھتے۔ جیش عسرت کی تیاری ہو یا مسجد نبوی کی

وسعت، بئر رومہ کی خریداری ہو یا مفلوک الحال لوگوں کی غم گساری، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مہر کی رقم کا مسئلہ ہو یا اہل بیت کی مالی خدمت کا کوئی معاملہ، ہر جگہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دولت ہی صرف ہوتی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلام کی خدمت میں جتنا مال و دولت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خرچ کیا سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر بھی اتنا روپیہ صرف نہیں کیا۔

اتنا مال و دولت ہونے کے باوجود اس کو اپنی ذات پر بہت کم صرف کیا بلکہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جمعہ کے روز منبر رسول پر خلیفۃ المسلمین اور ایک وسیع و عریض سلطنت کے فرمانروا ہونے کے باجود ایک موٹا تہ بند پہنے ہوئے تھے جس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہ تھی۔ (مستدرک: ۹۶/۳)

رہنے کے لیے کوئی اونچا اور وسیع و عریض محل نہیں بلکہ پوری زندگی اسی مکان میں گزری جو خلیفہ بننے سے پہلے آپ کے پاس تھا۔ بارہ سالہ دور خلافت میں ایک حبہ بھی قومی بیت المال سے نہیں لیا۔ مسجد میں تشریف لاتے تو وہیں سوجاتے۔ بلکہ حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہ تو یہاں تک بتاتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک چادر پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ (طبری: ۴۴۳/۳، ''طبقات ابن سعد'': ۹۶/۳)

زندگی تکلفات سے بالکل خالی تھی۔ رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو وضو کے لیے پانی خود لیتے۔ کسی نے کہا کہ آپ خادم کو کیوں آواز نہیں دیتے کہ پانی لائے، فرمایا: رات تو آرام کے لیے ہے، لہٰذا ان کو بھی آرام کرنا چاہیے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۲۱۵/۷، ''طبقات ابن سعد: ۴۱/۳)

جود وسخا:

اسلام میں جود وسخا کو بہت اہمیت حاصل ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ جود وسخا کے حقیقی معنی اپنے کسی حق کو خوشی اور مسرت کے ساتھ دوسرے کے حوالے کر دینے کے ہیں۔ اس کی علماء نے بہت سی صورتیں لکھی ہیں۔

① اپنا حق کسی دوسرے کو معاف کر دینا۔

② اپنا بچا ہوا مال کسی دوسرے کو دے دینا۔

③ اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال کر دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنا۔

④ اپنی ضرورت کا خیال کیے بغیر کسی دوسرے کو دینا۔
⑤ اپنے جسم و دماغ کی تمام قوتوں اور توانائیوں کو دوسروں کے لیے صرف کرنا۔
⑥ دوسروں کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا یا اپنی جان دے دینا۔

یہ ساری صورتیں علمائے اخلاق کے نزدیک اور شریعت اسلامیہ میں ''جود وسخا'' کے زمرے میں آتی ہیں۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے:

﴿ومما رزقنا هم ينفقون﴾

''اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔'' (البقرہ)

اس آیت میں کسی چیز کی تخصیص نہیں کی گئی، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ خواہ وہ سونا ہو یا چاندی، مویشی ہو یا فصل، مال ہو یا دولت ہر شئے میں سے کچھ اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں اور ان لوگوں کو دیتے ہیں جن کو نہیں ملا یا ضرورت سے کم ملا ہے۔

پھر ان لوگوں پر خرچ کرنے کو اتنا ضروری بتایا کہ ان کا حق ظاہر کیا، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وفی اموالھم حق للسائل والمحروم﴾

''اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔''

قرآن حکیم میں اور بھی بہت سی آیات میں اسلام نے جود وسخا کی تعلیم دی ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی بہت سی احادیث میں نہایت پر اثر انداز میں اس تعلیم کی تشریح وتفسیر کی ہے۔ایک حدیث میں فرمایا:

يقول ابن آدم مالي وهل لک من مالک الا ما تصدقت فامضيت اواكلت فافنيت اولبست فابليت.

''آدم علیہ السلام کے بیٹے کا یہ حال ہے کہ کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے صدقہ کیا ہے اور آگے بھیجا یا کھا لیا یا اس کو فنا کر دیا یا پہن لیا تو اس کو پرانا کر دیا۔'' (ترمذی:۲/۵۷، مسلم:۲/۴۰۷)

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ولاتوعي فيوعي الله عليک.

''تم باندھو نہیں وگرنہ تم پر باندھا جائے گا۔'' (صحیح مسلم: ۱/۳۳۱)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنی تھیلی کا منہ بند کرو گے اور ان لوگوں کو نہیں دو گے جن کے پاس نہیں یا اپنی ضرورت سے کم ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی تھیلی کا منہ تم پر بند کر دیں گے اور تم کو نہیں دیں گے۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آدمی کا مال تو وہی ہے جس کو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا، وہ تو اس کے وارثوں کا ہے۔'' (بخاری)

یہ کوئی جود وسخا نہیں کہ آدمی اپنا مال و دولت ساری عمر اپنے سینے سے لگائے رکھے اور جب موت کے فرشتے کو سامنے کھڑا دیکھے اور یہ یقین ہو جائے کہ اب یہ عمر بھر کا ساتھی مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ رہا ہے حالانکہ میں نے اس کو لوگوں پر ظلم و تشدد کر کے، رشوت لے کر، دوسروں کے حق مار کر اور دیگر حرام طریقوں سے کمایا تھا، تو اپنے اس مال کو راہ خدا میں خرچ کر دے۔ قرآن حکیم نے ایسی سخاوت کو بھی بے فائدہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

﴿وانفقوا من ما رزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب، فاصدق واکن من الصالحین﴾

''اور اس روزی (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو دی، اس سے قبل کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو کہے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا۔'' (منافقون)

اس بات کی تشریح میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ایک شخص آپ کی بارگاہ میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ! کون سا صدقہ اجر میں بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا:

ان تصدق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر وتامل الغنیٰ ولا تمہل حتیٰ اذا بلغت الحلقوم، قلت لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان لفلان.

''سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جس کو تو اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں دے،

تمہیں غریبی کا اندیشہ بھی ہو اور امیری کی امید بھی۔ یہاں تک انتظار نہ کر کہ تیری جان حلق تک آ جائے اور پھر تو کہے کہ یہ فلاں کا ہے اور یہ فلاں کا، وہ تو فلاں کا ہونا ہی ہے۔'' (بخاری:۱/۱۹۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کی روشنی میں اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کردار پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ جود و سخا میں جو مقام سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا وہ شاید ہی کسی اور صحابی کو میسر آیا ہو۔ آپ دولت مند تو شروع سے ہی تھے لیکن قدرت نے طبیعت بھی فیاض عطا فرمائی تھی۔ اس وجہ سے مال و دولت کو اسلام کی خاطر پانی کی طرح بہایا اور جب بھی کبھی موقع آیا آپ نے دریا دلی کے ساتھ اسلام اور اہل اسلام کی خدمت کی۔

بئر رومہ کی خریداری اور اہل اسلام کے لیے اس کا وقف، غزوہ تبوک میں ہزاروں دینار، 940 اونٹ، 60 گھوڑے اور دیگر سامان خورونوش جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرنا ان واقعات کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو: بخاری: ج۱)

ان واقعات کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے پوری زندگی اپنا مال و متاع اللہ کے راستہ میں بے دریغ خرچ کیا۔ جنگ تبوک میں ایک تو مدینہ طیبہ میں جیش نبوی کی امداد کی لیکن تبوک پہنچ کر جب لشکر اسلام کے پاس سامان خورد و نوش ختم ہو گیا، یہاں تک کہ ایک روز فاقہ کشی کی نوبت آ گئی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے لشکر کی یہ فاقہ کشی نہ دیکھی گئی۔ چنانچہ آپ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بہت سے اونٹ لے کر ارد گرد کے دیہات میں پہنچے اور قریباً چودہ اونٹ سامان خورونوش کے خریدے اور بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیے۔ جب یہ اونٹ لشکر اسلام میں آ رہے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ سامنے کی جانب کچھ تاریکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم لوگوں کے لیے بہتری آ گئی۔ اسی اثناء میں وہ اونٹ پہنچ گئے۔ اونٹوں سے سامان جب اتارا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی و مسرت سے تمتما اٹھا اور آپ نے بارگاہ خداوندی میں دونوں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا فرمائی۔

''اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو تین مرتبہ دہرایا پھر تمام موجود صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے خیر کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے خیر کی۔ (ازالۃ الخفاء)

نبی اکرم ﷺ کے مسجد کی تعمیر کے بعد آپ ﷺ نے محسوس کیا، مسجد تنگ ہو رہی ہے کیونکہ نمازیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ مسجد کے پڑوس میں ایک شخص کا مکان تھا۔ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ اس مکان کو خرید کر مسجد میں شامل کرلیا جائے۔ چنانچہ ایک روز آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دی اور جنت کا وعدہ فرمایا، جس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس یا پچیس ہزار درہم میں وہ مکان خرید لیا اور آپ کو اطلاع دی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی خوشخبری دی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۷۸)

29 ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں مزید توسیع فرمائی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہ مکان جس کا دروازہ جناب رسالت پناہ ﷺ نے مسجد نبوی میں آنے جانے کے لیے کھلا رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، خرید کر مسجد نبوی میں مزید توسیع فرمائی اور چونا اور منقوش پتھروں سے بڑے خوبصورت انداز میں اسے تعمیر کروایا۔ (ابن اثیر: ۳/ ۵۱، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۵۴)

ایک اور موقع پر شہد اور چھنے ہوئے آٹے سے ایک کھانا تیار کروایا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ جب وہ کھانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے دسترخوان پر رکھا تو آپ ﷺ نے پوچھا:

من بعث هذا.

''یہ کس نے بھیجا ہے؟''

بتایا گیا یارسول اللہ ﷺ! عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور فرمایا:

اللهم ان عثمان يترضاك فارض عنه.

''اے اللہ! عثمان رضی اللہ عنہ تیری رضا چاہتا ہے تو اس سے راضی ہو جا۔''

(البدایۃ والنہایۃ ۷، ۲۱۲)

فتح مکہ کے بعد عرب کے دور دراز علاقوں میں اسلامی پھریرا لہرانے لگا اور ہر جانب سے وفود بارگاہ رسالت میں آنے شروع ہو گئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ وفود کو مختلف قسم کے انعامات دیتے اور بعض دفعہ ان کے مصارف سفر بھی انہیں دیتے۔ غزوہ تبوک کے ایام میں آپ ﷺ کی خدمت گرامی قدر میں ہرقل روم کا قاصد آیا۔ رخصت کرنے کے وقت آپ نے وفد سے معذرت فرمائی کہ اس وقت چونکہ سفر میں ہوں لہذا کوئی انعام نہیں دے سکتا۔ اگر ممکن

ہوا تو مقیم ہونے کے بعد تم کو کچھ انعام واکرام بھیجوں گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ خدمت نبوی میں دوڑے ہوئے آئے اور عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے میں صلہ دوں گا۔ چنانچہ اسی وقت اپنے توشہ دان سے ایک صفوریہ حلہ نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قاصد کو دیا۔ (مسند احمد بن حنبل: ۴۴۲/۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد کو بڑی بڑی رقوم قرض دیتے تھے اور اکثر وہ قرض واپس نہ لیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو پچاس ہزار درہم قرض دیئے۔ کچھ عرصہ بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسجد تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ ملے اور کہا، عثمان رضی اللہ عنہ! آپ کی رقم کا انتظام ہوگیا ہے، آپ چل کر لے لیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ رقم واپس لینے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ:

''یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے۔'' (طبری: ۴۳۳/۳)

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہو رہی تھی تو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، ''تمہارے پاس مہر کے لیے کچھ رقم ہے۔''؟ عرض کی ''کچھ نہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس زرہ کو جو میں نے فلاں موقع پر تمہیں دی تھی، فروخت کرکے مہر ادا کردو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہ زرہ لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور زرہ بیچنے کی خواہش ظاہر کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے تو شادی کی مبارکباد دی۔ پھر 480 درہم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے وہ زرہ خرید لی، لیکن 480 درہم بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کردیئے اور زرہ بھی واپس کردی۔ جب جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کو عثمان رضی اللہ عنہ کی فیاضی کی خبر ملی تو بہت دعائیں دیں۔

(زرقانی علی المواہب: ۳/۲، کشف الغمہ: ۴۸۵/۱)

اس واقعہ کے علاوہ اور کئی مواقع پر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات کی اپنے مال سے بہت خدمت کی جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں پھر بھی ایک دو واقعے یہاں نقل کیے دیتا ہوں۔

عباس بن ربعیہ کے والد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے شریک تجارت ہوا کرتے تھے۔ ربیعہ 23ھ میں انتقال فرما چکے تھے۔ بعد میں ان کے بیٹے کی مالی حالت کچھ اچھی نہ رہی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک لاکھ درہم اور نہایت عمدہ مکان دے کر مرفہ الحال کردیا۔

(طبری: ۴۴۲/۳، فتوح البلدان:)

ابن سعید مخزومی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابھی بچہ ہی تھا کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں گیا دیکھا کہ وہاں ایک حسین وجمیل شخص سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سویا ہوا ہے۔ میں اس کے حسن وجمال کو دیکھ کر ابھی حیرت زدہ ہی تھا کہ اس بزرگ کی آنکھ کھل گئی، پوچھا: ''تم کون ہو؟'' میں نے اپنا اور اپنے باپ کا نام بتایا۔ اس بزرگ نے ایک لڑکے کو جو قریب ہی لیٹا ہوا تھا اپنے گھر سے کچھ لانے کے لیے کہا اور مجھ سے فرمایا: ''ذرا بیٹھ جاؤ۔'' لڑکا آپ کے گھر سے ایک حلہ اور ہزار درہم لے آیا، بزرگ نے وہ حلہ مجھے پہنا کر ہزار درہم میرے ہاتھ میں دے دیئے۔ میں نے گھر آ کر والد کو یہ سارا واقعہ سنایا۔ والد نے اس بزرگ کا نام پوچھا؟ میں نے کہا، میں ان کے نام سے تو واقف نہیں، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک نہایت حسین وجمیل بزرگ ہیں جن کا حلیہ یہ ہے، اور میں نے ان سے زیادہ حسین وجمیل کبھی نہیں دیکھا۔ میرے والد نے فرمایا کہ وہ:

''امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی جود وسخا کا ایک باب غلاموں کی آزادی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چونکہ ارشاد ہے کہ جو کوئی مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے گا۔ اسی فرمان کے پیش نظر آپ کا یہ معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد فرماتے اور اگر کسی جمعہ کو کوئی غلام نہ ملتا تو دوسرے جمعہ دو غلام آزاد کر دیتے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۸۱)

لوگوں کی خیر خواہی اور بھلائی کا ایک واقعہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے بارے میں نقل فرمایا ہے..... فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ میں قحط پڑ گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بتایا کہ کل شام تک اللہ تعالیٰ تمہاری یہ تکلیف دور فرما دیں گے۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی تو ایک شخص بارگاہ خلافت میں یہ مژدہ لے کر آیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر چند تاجروں نے دستک دی۔ آپ نے باہر نکل کر ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کے ایک ہزار اونٹ گیہوں اور غلے کے لدے ہوئے آئے ہیں۔ آپ یہ اناج ہمارے ہاتھ فروخت کر دیں تاکہ مدینہ کے فقراء کی مصیبت دور ہو جائے۔ آپ نے انہیں فرمایا، اندر تشریف لے آؤ۔ وہ جب اندر آ کر بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ غلہ بیچنے ہی کے لیے منگوایا ہے لہٰذا بتاؤ کہ تم اس پر کیا نفع دو گے؟ تاجروں نے کہا کہ بیس فیصد۔ انہوں نے فرمایا کہ دوسرے مجھے اس

سے زیادہ دیتے ہیں لہٰذا بتاؤ کہ تم اس پر اور کتنا دو گے؟ انہوں نے کہا کہ چالیس فیصد۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔'' انہوں نے کہا ''پچاس فیصد''...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں''...... انہوں نے کہا:

من زادک ونحن تجار المدینة؟

''اس سے زیادہ آپ کو کون دیتا ہے، مدینہ طیبہ میں غلہ کے بیوپاری تو ہم ہی ہیں؟'' آپ نے فرمایا:

''مجھے ایک کے دس ملتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ۔''

هل عند کم زیادة؟

''کیا تم اس سے زیادہ دے سکو گے؟''

انہوں نے کہا...... ''نہیں'' آپ نے فرمایا:

اشهد کم معشر التجار انها صدقة علی فقراء المدینة.

''اے تاجرو! میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں یہ سارا غلہ مدینہ طیبہ کے مساکین اور محتاجوں پر صدقہ کرتا ہوں۔'' (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عباس محمود عقاد: ۱۷)

آپ کے جود و سخا کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے 12 سالہ دور خلافت میں اپنے ذاتی مصارف کے لیے بیت المال سے ایک حبہ بھی نہیں لیا۔ آپ کے سابق خلیفہ سیدنا عمر بن الخطاب کے بارے میں احادیث و تواریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ سرکاری بیت المال سے وہ پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ لیتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اگر اتنا ہی بیت المال سے وصول کرتے تو وہ ساٹھ ہزار درہم بنتا۔ گویا ساٹھ ہزار درہم انہوں نے اہل اسلام کیلئے چھوڑ دیا، جو کہ ایثار و جود کی ایک روشن مثال ہے۔

صلہ رحمی:

اسلام نے صلہ رحمی پر بہت زور دیا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیز و اقارب کے ساتھ نیک سلوک اور ان کے حقوق کی نگہداشت کا خاص خیال فرمایا ہے بلکہ ان پر مال خرچ کرنے کا ثواب دگنا فرمایا۔ قرآن حکیم میں بھی جہاں مال کے خرچ کرنے کا ذکر ہے وہاں ''ذوی القربیٰ'' کو سب پر مقدم رکھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

واتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی و المساکین وابن السبیل والسائلین و فی الرقاب.

''اور اس کی محبت میں اپنے رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں پر اور گردن چھڑانے میں مال خرچ کرتا ہو۔''

اس آیت میں مال کو خرچ کرنے میں ''علی حبہ'' کی قید لگائی گئی ہے جس میں تین احتمال ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ ''حبہ'' کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس سے یہ معنی ہوا کہ اللہ کی محبت میں وہ ذوی القربیٰ اور دوسرے لوگوں پر مال خرچ کرتے ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع مال ہے جس سے آیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مال خرچ کرتے ہیں جو انہیں بہت محبوب و مرغوب ہوتا ہے، ردی اور بیکار مال خرچ کر کے اس پر صدقہ کا لیبل نہیں لگاتے۔

اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع ''اتی'' میں جو اسکا مصدر ''ایتاء'' مفہوم ہوتا ہے اس کی طرف راجع ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنے خرچ کرنے پر دل سے راضی ہو، یہ نہ ہو کہ خرچ تو کرر ہا ہے لیکن دل اندر سے جل رہا ہے۔

بہرحال اس آیت میں یہ تینوں مفہوم داخل ہوں یا ایک...... ایک مال دینے میں سب سے پہلا نمبر ''ذوی القربیٰ'' (عزیز و اقارب) کا بیان فرمایا۔ بتایا یہ کہ تمہاری مالی اعانت کے سب سے زیادہ مستحق تمہارے قریبی رشتہ دار ہیں کیونکہ اس سے صلہ رحمی بھی ہوتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی مختلف احادیث میں عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی اور ان کی اعانت پر زور دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا کہ:

''خویش و اقارب پر خرچ کرنے میں دوہرا ثواب ہے، ایک عزیز داری کا اور دوسرا صدقے کا۔'' (بخاری)

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

''اگر تم نے ایک دینار اللہ کے راستہ میں خرچ کیا اور ایک دینار غلام اور لونڈی کے آزاد کرنے میں خرچ کیا اور ایک دینار مسکین پر اور ایک دینار اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا اس دینار کا ثواب اعظم اور افضل ہے۔'' (مسلم)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی قرآن و سنت کی اس تعلیم پر عمل کیا اور جب بھی

موقع ملا اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کیا۔ اپنے تمام رشتہ داروں میں آپ دنیوی طور پر نہایت وجاہت اور شوکت کے حامل تھے۔ لیکن آپ نے اپنے مال کو اپنی ذات پر تو بہت کم البتہ اپنے عزیز و اقارب پر اور اسلام کے لیے بے دریغ خرچ کیا۔

اشعث ابن قیس رضی اللہ عنہ آذربائیجان کے فاتح تھے۔ نہایت باوقار شخصیت کے حامل اور عالی دماغ انسان تھے۔ آذربائیجان کی فتح کے بعد آپ نے انہیں آذربائیجان کا گورنر مقرر فرما دیا۔ اشعث رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ کی شادی ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ آپ کے سمدھی بھی ہوتے تھے۔ ان کی ایک صاحبزادی کی شادی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا زین العابدین سے ہوئی تھی، لہٰذا یہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے بھی سمدھی تھے۔ (''الاخبار الطوال'': ۱۶۶)

آپ نے اپنے چچا حکم بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم ان کے مفلوک الحال ہونے کی وجہ سے عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے تین دامادوں مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ، شوہر ام ابان بنت عثمان رضی اللہ عنہ، حارث بن الحکم رضی اللہ عنہ، شوہر عائشہ بن عثمان رضی اللہ عنہ اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہ شوہر ام عمرو بنت عثمان رضی اللہ عنہ کو پچاس ہزار اپنی جیب خاص سے دیئے۔
(تاریخ الخمیس: ۲/ ۲۶۸)

پھر اپنے ایک اور داماد عبداللہ بن خالد بن اسید کو ڈیڑھ لاکھ درہم دیئے۔
(تاریخ الخمیس: ۲/ ۲۶۷)

ایک مرتبہ آپ کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن اسید بن ابوالعاص مکہ مکرمہ آئے تو آپ نے اسے تین لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (تحفہ اثنا عشریہ: ۴۹۴)

اسی صلہ رحمی کے سلسلے میں ایک موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ:

''اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجیاں ہوں تو میں وہ بنو امیہ کے حوالے کر دوں تا کہ وہ اس کے دروازے کھول کر بہشت میں داخل ہو جائیں اور ان میں سے کوئی شخص اس سے باہر نہ رہے۔'' (مسند امام احمد بن حنبل: ۱/ ۶۲)

ایک مرتبہ آپ نے اپنا تمام مال اور اراضی اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم فرما دی جس میں آل حکم کے مردوں کو دس دس ہزار ملے اس طرح انہیں ایک لاکھ ملا۔ بنو عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اتنا ہی دیا اور بنو عیص اور بنو حرب وغیرہ جتنے خویش و اقارب تھے ان سب کو وافر مال دیا۔
(''طبری'' رحمہ اللہ ۳/ ۳۸۵)

جب بھی موقع ملا آپ نے خویش واقارب کی ہر طریقے سے امداد فرمائی۔ پھر یہ بھی تو غور کرنے کا مقام ہے کہ جو شخص اپنی زندگی میں بیسیوں دفعہ صرف اللہ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خاطر اسلام اور اہل اسلام کے لئے لاکھوں دینار صرف کر دیتا ہے اس کو اپنے خویش واقارب پر صرف کرنے میں کیا دریغ ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی اس صلہ رحمی کو ان کا ایک خاص طرہ امتیاز سمجھتے تھے...... چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا:

انه لا وصلهم للرحم و اتقاهم لرب.

''بے شک وہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے زیادہ اپنے رب سے ڈرنے والے تھے''۔ (''اصابہ:۲/۴۵۵)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی ایک موقع پر ایسا ہی فرمایا تھا کہ:

کان عثمان اوصلنا للرحم.

''عثمان رضی اللہ عنہ ہم میں سے سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے''۔

اپنے عزیز واقارب کو جو مال آپ نے مختلف مواقع پر بطور عطیات دیا وہ اپنے زائد مال سے دیا۔ (''البدایۃ والنہایۃ'':۷/۱۹۶)

بلکہ ایک موقع پر بعض معترضین کے جواب میں فرمایا:

''میں اپنے عزیز واقارب سے محبت رکھتا ہوں اور انہیں مال ومنال عطا کرتا ہوں لیکن ان کے ساتھ میری محبت مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کرتی اور میں اقرباء کو جو عطیات اور مال دیتا ہوں وہ اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ بیت المال کا مال نہ تو میں اپنی ذات کے لئے جائز سمجھتا ہوں اور نہ دوسروں کے لئے''۔ (''تاریخ الاسلام ذہبی:۲/۱۲۶)

ذاتی حالات

شکل وصورت:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی شکل وصورت کے لحاظ سے نہایت حسین وجمیل انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خدوخال ایسے عطا فرمائے تھے کہ جو ایک نظر دیکھ لیتا حسن وجمال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اور اگر کوئی شخص کہتا کہ میں نے آج ایک حسین وجمیل شخص کو دیکھا ہے تو سننے والا فوراً کہہ دیتا کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ابن سعید مخزومی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں ابھی بچہ ہی تھا کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں گیا، دیکھا کہ وہاں ایک حسین وجمیل شخص سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سویا ہوا ہے۔ میں اس بزرگ کے حسن وجمال کو دیکھ کر ابھی حیرت زدہ ہی تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے پوچھا: ''تم کون ہو''؟ میں نے اپنا اور اپنے باپ کا نام بتایا۔ اس بزرگ نے ایک لڑکے کو جو قریب ہی لیٹا ہوا تھا اپنے گھر سے کچھ لانے کے لیے کہا اور مجھ سے فرمایا: ''ذرا بیٹھ جاؤ۔'' وہ لڑکا آپ کے گھر سے ایک حلہ اور ایک ہزار درہم لے آیا۔ بزرگ نے وہ حلہ مجھے پہنا کر ایک ہزار درہم میرے ہاتھ میں دے دیے۔ میں نے گھر پر یہ سارا واقعہ اپنے والد سے بیان کیا۔ انہوں نے اس بزرگ کا نام پوچھا، میں نے کہا کہ نام سے تو میں واقف نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ اس قدر حسین وجمیل بزرگ ہیں کہ ان سے زیادہ خوبصورت آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ میرے والد نے فوراً کہا...... ''وہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۳)

اسی وجہ سے کتابوں میں ان کی شکل وصورت کے بارے میں یہ جملہ خاص طور پر لکھا ہوا ملتا ہے۔

کان عثمان بن عفان اجمل الناس.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت خوبصورت تھے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۲)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن حزم سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:
''میں نے ان سے زیادہ حسین وجمیل نہ کسی مرد کو دیکھا ہے اور نہ عورت کو۔''
(تاریخ الخلفاء:۱۵۰)

الاستاذ عباس محمود العقاد نے لکھا ہے کہ:

نقراء وصف عثمان على السنه معاصريه فنبراهم مجمعين على صفتين لم ينسهما احد منهم وهما الجمال والحياء

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اوصاف جو ہم ان کے معاصرین کی زبان سے پڑھتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان کی دو صفات پر ہم زبان ہیں اور ان میں سے کوئی ان دونوں صفات کے تذکرے کے بغیر نہیں رہتا...... ان میں سے ایک حسن و جمال ہے اور دوسری حیا۔'' (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:۶۴)

ان کا حلیہ بیان کرنے والے اس بات پر متفق ہیں اور کسی کو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نہ تو زیادہ پست قد تھے اور نہ زیادہ لمبے یعنی درمیانی قد، چاند جیسا کتابی چہرہ، نرم جلد، چہرہ پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ، گندمی رنگ، ستواں اور خم دار ناک، رخسار بھرے ہوئے، چوڑا اور کشادہ سینہ، گھنے بال، سفید ریش مبارک طویل اور گھنی زلفیں بازوؤں تک پہنچتی تھیں۔ پنڈلیاں پر گوشت تھا، ڈاڑھی کو زرد خضاب لگاتے، لیکن بعض روایات میں سفید داڑھی کا ذکر بھی ہے۔ (ابن سعد:۳/۵۹)

بعض روایات میں حنا سے خضاب لگانے کا ذکر بھی آیا ہے۔

(التمہید والبیان:۱۵۱،۱۵۲، طبری :۳/۴۴۳، البدایۃ والنہایۃ :۷/۲۱۳، طبقات ابن سعد:۳/۵۸،عثمان بن عفان:۶۴)

دانت نہایت خوبصورت اور چمک دار اور ان کو سونے کے تار سے بندھوا رکھا تھا۔

(طبقات ابن سعد:۳/۵۷)

لباس:

طبیعت میں چونکہ نفاست تھی، لہٰذا لباس بھی نفیس اور اجلا زیب تن فرماتے تھے۔ لباس اگرچہ بعض مرتبہ ذرا قیمتی بھی پہنا، لیکن ایسا نہیں جس سے طبیعت میں رعونت اور خود بینی

پیدا ہو۔ کبھی کبھی سو دو دو سو درہم کا حلہ اور یمنی چادر بھی اوڑھی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۸)

لیکن کم قیمت لباس اکثر پہنتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن شداد تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو جمعہ کا خطبہ دیتے وقت نہایت سادہ لباس میں دیکھا۔ آپ نے ایک موٹا تہبند باندھا ہوا تھا جس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہ تھی۔

نفط ایک رومی کپڑا ہوتا ہے جس کو عرب کے متمول حضرات زیب تن کیا کرتے تھے اس سے خود بینی اور تکبر کا کوئی پہلو نکلتا تھا لہٰذا آپ نے نہ تو خود اس کو کبھی زیب تن کیا اور نہ اپنی بیویوں کو کبھی پہننے دیا۔ (مستدرک: ۳/ ۹۶)

تمام عمر تہبند باندھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساری زندگی تہبند ہی باندھا تھا لیکن شہادت کے روز پاجامہ پہن لیا، چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا:

قلت، انما لبس السراويل رضى الله عنه فى هذا اليوم لئلاتبدو عورته اذا قتل فانه كان شديد الحياء كان تستحى منه ملائكة السماء كما نطق بذالك النبى صلى الله عليه وسلم.

''میں کہتا ہوں کہ آپ نے شہادت کے روز پاجامہ اس وجہ سے پہنا تھا کہ قتل کے بعد آپ کی شرم گاہ کھل نہ جائے، کیونکہ شرم وحیاء کے مجسمہ تھے اور جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آسمان کے فرشتے بھی آپ سے حیاء کرتے تھے۔''

(البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۸۳)

مزاج بھی اللہ تعالیٰ نے بڑا نفاست پسند بنایا تھا۔ چنانچہ اسلام لانے کے بعد جتنا عرصہ بھی اس دنیا میں رہے، روزانہ غسل فرماتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۲۱۰)

کچھ عرصہ سلسلہ البول کی شکایت رہی لیکن اس کے بعد ہر نماز کے لیے الگ وضو فرماتے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۸، التمہید والبیان: ۱۵۲)

جب بھی کبھی وضو فرماتے تو اس کے بعد تولیے سے اپنے آپ کو پونچھتے۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۵۹)

یہ بھی طبیعت کی نفاست کی وجہ سے تھا۔ جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی انگوٹھی بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنتے۔

(طبقات: ۳/ ۵۸، التمہید والبیان: ۱۵۳)

طبیعت میں نفاست کے ساتھ ساتھ سادگی بھی تھی۔ لہٰذا جیسا مل جاتا کھا لیتے اور جو لباس میسر ہو جاتا، وہ پہن لیتے۔ اگر چادر میسر ہوتی تو اس کو تکیہ بنا لیتے۔ (طبقات:۳/۶۰)
اور اگر کوئی اینٹ مل جاتی تو اس کو ہی اپنے سر کے نیچے رکھ کر سو جاتے۔
(البدایۃ والنہایۃ:۳/۲۱۰،طبری:۳/۴۲۱)

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عطر کا استعمال کثرت سے فرماتے تھے اس لیے آپ بھی کثرت سے عطر استعمال کرتے۔ (طبقات ابن سعد:۳/۵۹)

مکان:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ میں کیسا مکان تھا۔ اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا چونکہ امیر آدمی تھے۔ لہٰذا رہائش کا مکان بھی اچھا ہوگا۔ لیکن ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ طیبہ جب تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ (طبقات ابن سعد:۳/۳۸)

آپ کچھ عرصہ ان کے ہاں مقیم رہے، لیکن کتنی مدت؟ روایات میں اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کے زمانہ میں کہاں کہاں مقیم رہے، تاریخ کے اوراق اس بارے میں بھی خاموش ہیں۔ 28ھ میں مسجد نبوی کے قریب ''زوراء'' نام کا ایک نہایت عالی شان مکان تعمیر کروایا۔ یہ مکان عالی شان بھی تھا اور وسیع وعریض بھی اور اسی مکان کو گورنمنٹ ہاؤس کا درجہ بھی حاصل تھا، یہیں آپ کی شہادت بھی ہوئی، اسی چھت پر چڑھ کر موذن جمعہ کی اذان اول دیا کرتا تھا۔

ذرائع معاش:

آپ کا ذریعہ آمدنی زیادہ تر تجارت تھا۔ آپ کے والد عفان رضی اللہ عنہ کا بہت وسیع کاروبار تھا اور ان کے قافلے زیادہ تر شام جایا کرتے تھے جہاں بنو امیہ کے دوسرے تاجروں کے قافلے بھی جاتے۔ تجارت کے اسی ایک سفر میں آپ کے والد عفان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر جوانی اور بچپن کے درمیان تھی۔ علامہ بلاذری رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ان کے والد کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ عباس محمود:۶۱۔۶۲)

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے والد عفان رضی اللہ عنہ ایک تجارتی سفر پر گئے ہوئے تھے کہ راستہ میں طائف کے مقام پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ والد نے انتقال کے وقت کافی مال و دولت چھوڑی تھی، عفان رضی اللہ عنہ کے صرف تین بچے تھے۔

(کتاب المعارف لابن قتیبہ:۸۲)

اس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حصہ میں کافی روپیہ پیسہ آیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت مستعد اور باشعور آدمی تھے۔ لہٰذا تجارت کو نہایت فروغ دیا، نئے نئے ڈھنگوں اور طریقوں سے تجارت کیا کرتے، مضاربت کے اصول پر تجارت کرتے، غلاموں سے تجارت کراتے اور زر مخلصی لے کر آزاد کرتے۔ سستے داموں جائیدادیں خریدتے اور درآمد کی تجارت کرتے۔

عبداللہ بن دارہ رضی اللہ عنہ کہتے کہ:

کان عثمان رجلاتاجرافی الجاهليه و الاسلام و کان یدفع ماله قراضا.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جاہلیت اور اسلام میں ایک تاجر آدمی تھے۔''

(طبقات ابن سعد:۳/۶۰)

علاء بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ:

ان عثمان دفع اليه مالامضاربة على النصف.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آدھے نفع کی مضاربت پر انہیں مال دیتے تھے۔''

(طبقات ابن سعد:۳/۶۰)

دارالہجرت میں تجارت کے علاوہ زمینداری کے ذریعہ بھی کافی آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ آپ اپنی زمین بٹائی پر دیتے تھے اور پیداوار میں دو تہائی مزارع کو ملتا تھا اور ایک تہائی آپ کو...... چنانچہ اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ایک روایت ابو جعفر رحمہ اللہ سے نقل کی ہے کہ آپ نے خیبر کو نصف پیداوار کے عوض دیا تھا۔

فکان ابوبکر و عمر و عثمان رضی الله عنهم يعطون ارضهم بالثلث.

''اور ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اراضی ایک تہائی کے عوض دیتے تھے۔''

(کتاب الخراج:۹۰)

آپ کی زمین کتنی تھی اور مال و دولت کتنا تھا؟ اس کا صحیح اندازہ تو لگانا مشکل ہے۔

کیونکہ روایات میں اختلاف ہے لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ سے زیادہ کوئی امیر نہ تھا اور مختلف روایات سے جو آپ کی جائیداد کا پتہ چلتا ہے اس میں نقد روپیہ جو آپ کے پاس تھا وہ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تھا۔ فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک جاگیر بھی عطا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے ایک زمین سات لاکھ میں خریدی۔ (طبری:۳/۴۴۳)

مدینہ طیبہ میں بھی ایک نہایت وسیع قطعہ اراضی خریدا تھا جس کا کچھ حصہ بعد میں قبرستان کے لیے وقف کردیا۔ ''حش کوکب'' جس میں آپ کو دفن کیا گیا تھا اسی کا حصہ تھا اور بعد میں اس کو جنت البقیع کے قبرستان کے ساتھ ملحق کردیا گیا۔ ایک موقع پر جب کہ ایک شخص کو آپ نے اپنے ساتھ بٹھا کر خزیرا کھلایا تو فرمایا:

واللہ، ما آکلہ من مال المسلمین ولکنی آکلہ من مالی انت تعلم انی کنت اکثر قریش مالا واجدھم فی التجارۃ

''بخدا! میں نے (یہ خزیرا) مسلمانوں کے مال سے نہیں کھایا بلکہ میں نے اپنے مال سے کھایا ہے اور (اے مخاطب) تو جانتا ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال دار تھا اور میں ان سب سے زیادہ تجارت میں کامیاب تھا۔'' (طبری:۳/۴۱۹)

آپ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا زیادہ تر ذریعہ معاش تجارت تھا۔ بعض روایات سے ایسا بھی ثابت ہوتا ہے کہ سارا مال و دولت اور ساری اراضی آپ نے اسلام کے لیے وقف کی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں طبری نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

انی قد ولیت وانی اکثر العرب بعیرا وشاۃ فمالی الیوم شاۃ ولا بعیر غیر بعیرین لحجی.

''جب میں خلیفہ ہوا تو سارے عرب میں میرے پاس سب سے زیادہ اونٹ اور بکریاں تھیں، لیکن حالت یہ ہے کہ آج میرے پاس نہ کوئی بکری ہے اور نہ اونٹ سوائے ان دو اونٹوں کے جو حج بیت اللہ کے لیے میں نے رکھے ہیں۔''

(طبری:۳/۳۸۴)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت آپ پر وہ بھی آیا جب سارا مال آپ نے وقف اور صدقہ کردیا تھا اور اپنے لیے صرف دو اونٹ حج بیت اللہ کے لیے رکھے تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت اپنا سارا مال مکہ مکرمہ چھوڑ آئے تھے۔ مدینہ طیبہ میں آ کر اپنے وسیع تجارتی تجربے سے آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور دوسرے تجارت پیشہ مہاجرین کی طرف آپ نے بھی مدینہ کے بڑے بازار ''سوق بنی قینقاع'' میں کھجور کی اعلیٰ پیمانے پر تجارت شروع کی۔ (مسند احمد:۱/۶۲)

جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی اور وہ پھر رئیسان مدینہ میں شمار ہونے لگے۔

عبادت:

آپ کی فطرت باوجود متمول ہونے کے نہایت سلیم تھی اور سلیم الفطرت انسان کا دل عبادت الٰہی میں خوب لگتا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد ہی سے عبادت الٰہی اور قرآن حکیم کی تلاوت میں اکثر مشغول رہتے تھے جس کا تفصیلی تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ فرائض و واجبات کے علاوہ سنن و نوافل اور مندوبات کا بھی خاص اہتمام فرماتے تھے۔

ایک جاریہ رہیمہ کا بیان ہے کہ آپ صائم الدّہر تھے اور قائم اللیل تھے۔ (کنز العمال:۳/۲۹)

حافظ اور کاتب وحی بھی تھے اور قاری قرآن بھی، شاید اسی وجہ سے ہر روز ایک رکعت میں قرآن حکیم ختم کیا کرتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۱۴)

آپ کی عادت تھی کہ حج کے ایام میں حجر اسود کے پاس اذان فجر تک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم فرماتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۱۴)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کی اور وہ اس قدر طویل تھی کہ مجھے گمان ہوا کہ اب کون اس میں مجھ سے بڑھ جائے گا؟ اتنے مَیں ایک شخص آیا اور اس نے مجھے ٹھونگا مارا، میں نے کوئی پروا نہ کی، پھر جب اس نے دوبارہ ایسا کیا تو میں نے دیکھا اور وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ میں ادب کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے ایک ہی رکعت میں پورا قرآن حکیم پڑھ ڈالا اور پھر واپس چلے گئے۔

(طبقات ابن سعد:۳/۷۵-۷۶)

شہادت کے وقت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو مرثیہ لکھا اس کا ایک شعر بھی ان

کے عبادت گزار ہونے کی غمازی کرتا ہے۔

ضحوا باشمط عنوان سجرد به
يقطع الليل تسبيحاً و قرآناً

''ظالموں نے ایک ایسی بزرگ ہستی کو ذبح کر دیا جس پر سجدوں کے نشان تھے اور جو پوری رات تسبیح اور قرآن خوانی میں کاٹ دیتا تھا۔''

(البدایۃ والنہایۃ :۷/ ۲۱۵، التمہید والبیان: ۲۰۷)

آپ دن کے وقت بھی اکثر اوقات قرآن تلاوت کرتے رہتے تھے جس وقت آپ کو شہید کیا گیا اس وقت بھی قرآن حکیم آپ کے سامنے کھلا ہوا تھا۔ خود فرماتے تھے۔

لوان قلوبنا طهرت ماشبعنا من كلام ربنا واني لاكره ان ياتي على يوم لاانظر في المصحف.

''اگر ہمارے دل پاکیزہ اور مطہر ہوں تو ہم اپنے رب کے کلام سے کبھی بھی سیر نہ ہوں اور مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ مجھ پر کوئی ایسا دن آئے کہ میں قرآن حکیم کو دیکھ کر نہ پڑھوں۔ (البدایۃ والنہایۃ :۷/ ۲۱۴)

اکثر روزہ رکھتے بلکہ قریب رہنے والے لوگوں کا بیان ہے:

كان يصوم الدهر.

''آپ صائم الدہر (ہمیشہ روزہ رکھنے والے) تھے۔''

(اصابہ: ۲/ ۴۵۵، البدایۃ والنہایۃ :۷/ ۲۱۵)

جس روز شہید ہوئے اس دن بھی روزے سے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۷۷)

حج بیت اللہ کا بہت شوق تھا۔ منصب خلافت پر متمکن ہونے سے قبل بھی بہت حج کیے بلکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ ہر سال حج پر جاتے تھے لیکن مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد تو سوائے آخری سال کے ہر سال حج کرتے تھے۔ اس سال آپ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امیر الحج بنا کر بھیجا تھا۔ (طبری: ۳/ ۴۲۷)

صدقات و خیرات اور غلاموں کی آزادی کے بارے میں تفصیل سے گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ عبادت کے جس قدر شعبے ہیں، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔

ازواج واولاد

ازواج

① رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ نے روایات کے مطابق جیسا کہ عربوں کا دستور تھا کئی شادیاں کیں جن میں سے دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوئیں۔ اسی کی وجہ سے آپ ''ذوالنورین'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ آپ کی پہلی شادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی جس کے بارے میں استاذ عباس محمود عقاد نے محب طبری کی کتاب ''الریاض النضرہ'' کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے عورتوں سے بڑی رغبت تھی۔ ایک رات میں قریش کے کچھ لوگوں کے ساتھ خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کی نسبت ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کردی ہے۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بڑی خوبصورت تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں حسرت پیدا ہوئی کہ مجھ سے ان کی نسبت کیوں نہ ہوئی۔ مجھے اس بات کا بڑا قلق تھا۔ میں تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر آ گیا۔ وہاں میں نے اپنی خالہ سعدہ بنت کریز کو بیٹھے دیکھا، جو کہانت میں خاص دسترس رکھتی تھی۔ انہوں نے مجھے پژمردہ خاطر دیکھ کر کہا:

ابشر و حییت ثلاثا تترا

''اے عثمان رضی اللہ عنہ! تم کو خوش خبری ہو اور سلامتی ہو۔''

ثم ثلاثا و ثلاثا اخری

''تین دفعہ، تین دفعہ اور تین دفعہ۔''

ثم باخری کی تتم عشرا

''اور ایک دفعہ تا کہ پورے دس ہو جائیں۔''

اتاک خیر و وقیت شرا

''تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ رہا۔''

وانکحت واللہ حصانا زھرا

''بخدا! تو نے ایک نہایت پاکباز اور حسین عورت سے نکاح کیا۔''

وانت بکر و لقیت بکرا

''تو خود بھی کنوارہ ہے اور تیری شادی بھی دوشیزہ سے ہوگی۔''

وافیتھا بنت عظیم قدرا

بنیت امراء قدا شاد ذکرا

(عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:۶۴-۶۵)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی خالہ کے اس بیان پر سخت تعجب ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا میرے نکاح میں آئیں۔

(البدایۃ والنہایۃ:۷/۱۹۹، کنز العمال:۱۳،۶،۷-۷۷)

یہ نکاح روایات کے مطابق حق تعالیٰ کی وحی کی ہدایت پر ہوا۔ یہ نکاح مکہ معظمہ میں ہوا اور رخصتی بھی ساتھ ہی ہوگئی۔ (کنز العمال:۶/۳۷۵)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس نکاح سے بہت خوش تھے۔ خوشی کی دو وجوہات تھیں:

① ایک یہ کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین وجمیل تھیں اور ایک عورت کا حسن و جمال اس کے خاوند کے لیے مسرت وشادمانی کا باعث ہوتا ہے۔

② دوسرے یہ کہ وہ ایک نبی اور وہ بھی سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر اور نور نظر تھیں اور ایک پیغمبر سے دامادی کا رشتہ بڑے فخر و مباہات کی بات ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس جوڑے کے حسن و جمال اور اس کی بہترین معاشرتی زندگی کو دیکھ کر قریش کی عورتیں کہا کرتی تھیں۔

احسن شخصین رای انسان

رقیۃ و بعلھا عثمان

''انسان نے حسن و جمال میں جو بے مثال جوڑا دیکھا ہے وہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔''

(تفسیر قرطبی: تحت آیت قل لازواجک وبناتک: ۱۴، ۲۴۲، البدایۃ والنہایۃ: /۱۹۹)

اس سلسلہ میں محمد بن یحییٰ الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جوڑا حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھا۔ چنانچہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والحیات نے مجھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف ایک پلیٹ میں کچھ گوشت دے کر بھیجا تاکہ میں یہ گوشت انہیں دے آؤں۔ جب میں ان کے ہاں گیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان سے زیادہ خوبصورت جوڑا اور کوئی نہیں دیکھا۔ میں کبھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتا اور کبھی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی طرف۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا تو آپ نے مجھ سے پوچھا کیا تم وہاں گئے تھے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے ان سے زیادہ حسین وجمیل جوڑا دیکھا ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں...... میں تو کبھی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف۔ (التمہید والبیان: ۱۵۵ تاریخ الخلفاء ۱۵۰)

اس کے علاوہ اور بے شمار روایات کتابوں میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حسن وخوبی میں یہ جوڑا تمام قریش میں ضرب المثل تھا اور لوگ ان پر رشک کیا کرتے تھے۔

نبی اکریم علیہ الصلوۃ والسلام کے اعلان نبوت کے بعد جن جن لوگوں نے آپ کی صدائے توحید پر لبیک کہا تھا ان کے لیے مکہ کی پوری سرزمین اس دعوت ربانی کی مخالفت اور اس کے داعی و حامی کی دشمنی کے نعروں سے گونج اٹھی۔ بااثر حضرات اور غلاموں اور عورتوں سب کے لیے قریش مکہ نے عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت ہنستے مسکراتے ان مصائب کو برداشت کر رہی تھی لیکن قلب رسالت نہایت محزون و مغموم تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کی ترغیب دی، اس لیے کہ وہاں کا حکمران کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا، خواہ وہ باہر سے آئے ہوں یا اس کی اپنی رعایا ہوں اچھا سلوک کرتا تھا۔ آپ کچھ عرصہ یہاں امن و عافیت کی زندگی گزار لیں۔ اس عرصہ میں حق تعالیٰ شانہ ان کے لیے کوئی آسانی کی راہ نکال دیں گے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ آپ کے اس فرمانے پر

مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

فکانت اول هجرة كانت في الاسلام فكان اول من خرج من المسلمين عثمان بن عفان وزوجته رقية بنت رسول اللهﷺ.

''یہ اسلام میں سب سے پہلی ہجرت تھی اور مسلمانوں میں سے جن حضرات نے سب سے پہلے ہجرت کی وہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ:۳/۶۶،تاریخ الخلفاء:۱۵۰)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ جب حبشہ ہجرت فرما گئے تو کافی دنوں تک رسول اللہ ﷺ کو ان کی خیر وعافیت کی کوئی خبر نہ آئی۔ ایک روز قریش کی ایک عورت حبشہ سے مکہ مکرمہ آئی۔ اس نے بتایا کہ میں نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو اپنی اہلیہ کو ایک سواری پر سوار کیے ہوئے لے جا رہے تھے اور خود سواری کو پیچھے سے چلا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس عورت کے منہ سے یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

صحبهما الله ان عثمان اول من هاجر باهله بعد لوط عليه السلام.

''حق تعالیٰ ان دونوں کا ساتھی ہو، عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوط علیہ السلام کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی۔''

(کنز العمال:۳/۶۲،البدایۃ والنہایۃ:۳/۶۶،اسد الغابہ:۵/۴۵۷،عثمان بن عفان:۱۰۱)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور دیگر مہاجرین نے حبشہ میں کچھ عرصہ گزارا پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مکہ تشریف لائے۔ اسی دوران نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ ابن حجر نے لکھا ہے:

ثم هاجر باهله الى المدينة.

''پھر آپ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔''

(الاصابہ:۴/تحت ذکر رقیہ رضی اللہ عنہا)

نبی اکرم ﷺ کو اپنی اس بیٹی سے بہت محبت تھی، چنانچہ آپ نے انہیں ایک خادمہ ام عیاش نامی عطا فرمائی تاکہ وہ گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ (اسد الغابہ:۵/۶۰۷)

۲ھ میں غزوہ بدر پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر کے لیے روانہ ہوئے اس وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ میں بھی جنگ بدر میں شامل ہوں کیونکہ وہ کفر و اسلام کی سب سے پہلی جنگ تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنگ میں نہ جانے دیا اور ان کی تیمارداری پر مامور فرمایا...... اور تسلی خاطر کے لیے فرمایا:

ان لک اجر رجل ممن شھد بدرا و سھمہ

"بے شک تمہارے لیے جنگ میں حصہ لینے والے کے برابر اجر ہے اور غنیمت میں بھی اس کے برابر حصہ ہے۔" (بخاری: ۴۴۲/۱، ۵۲۳، ۵۸۲/۲)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی یہ ایک بہت بڑی فضیلت و منقبت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو صرف تیمارداری پر اس اجر کا وعدہ فرمایا جو میدان بدر میں جان قربان کرنے والوں کو حاصل ہوا۔

عین اس روز جب سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اسلام کی فتح اور مشرکین کی شکست کی خوشخبری لے کر مدینہ وارد ہوئے، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت کی وجہ سے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تکفین و تدفین میں مصروف تھے تو یکایک، تکبیر کی آواز سنائی دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا اسامہ رضی اللہ عنہ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ پر سوار ہیں اور مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری لے کر آئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر سے واپس تشریف لائے تو آپ جنت البقیع میں اپنی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی وجہ سے کچھ عورتیں بھی جمع ہو گئیں اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پر رونے لگیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رونے سے منع فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سختی کرنے سے روکا اور عورتوں سے ارشاد فرمایا:

ایاکن ونعیق الشیطان فانہ مھما یکون من العین والقلب فمن الرحمۃ ومایکون من اللسان والید فمن الشیطان.

شیطانی آواز سے بچو، جو رونا آنکھ اور دل سے ہو وہ رحمت ہوتا ہے اور جو زبان اور ہاتھ سے ہو، وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔"

(مسند ابوداؤد الطیالسی: ۳۵۱، طبقات: ۲۴/۸)

اپنی اس بیٹی کی وفات کا رسول اللہ ﷺ کو انتہائی غم تھا اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی چھوٹی بہن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنی بہن کے غم میں نہایت مغموم و محزون تھیں۔ چنانچہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی پیاری بیٹی کی قبر پر کھڑے ہوئے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اپنی ہمشیرہ کے غم میں قبر کے کنارے پر بیٹھ کر رونے لگیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اپنی اس بیٹی کو روتے دیکھا تو از راہ شفقت و محبت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چہرے سے اپنے کپڑے اور ہاتھوں سے آنسو صاف فرمانے لگے اور اسے تسلی دی۔ (السنن الکبریٰ بیہقی: ۴/ ۷۱، طبقات ابن سعد: ۸/ ۲۴)

کتابوں میں آتا ہے کہ جب آپ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک پر تشریف لے گئے تو آپ نے اپنی اس پیاری بیٹی کے لیے بہت دعا فرمائی اور فرمایا:

الحقي بسلفنا عثمان بن مظعون.

''اے رقیہ رضی اللہ عنہا! تم ہمارے سلف صالح عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہو۔''

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۲۵، الاصابہ: ۴/ ۲۹۷، فروع کافی: ۱/ ۱۳۳، منتہی الامال: ۱/ ۱۰۸)

انتقال کے وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال تھی۔

② سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ:

سرکار دوعالم ﷺ کی دامادی کا شرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ایک نعمت عظمیٰ تھی، لیکن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے انہیں سخت صدمہ ہوا۔ وہ ہر وقت اسی غم میں ڈوبے رہتے تھے کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے...... میرا رشتہ مصاہرت منقطع ہو گیا ہے۔ چنانچہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس طرح غمزدہ دیکھا تو فرمایا:

مالي اراك مهموما؟

''عثمان رضی اللہ عنہ میں تمہیں کیوں غمزدہ دیکھ رہا ہوں؟

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! مصیبت کا جو پہاڑ مجھ پر ٹوٹا ہے وہ کسی اور پر نہیں ٹوٹا۔ یارسول اللہ ﷺ! میں مغموم کیوں نہ ہوں؟''

ماتت ابنة رسول الله التي كانت عندي وانقطع ظهري وانقطع الصهر بيني و بينك.

''رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی جو میرے نکاح میں تھی، انتقال فرما گئیں جس سے

میری کمر ٹوٹ گئی اور وہ رشتہ مصاہرت بھی ختم ہو گیا جو میرے اور آپ کے درمیان تھا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے رشتہ ازدواج میں دے دی۔ (عثمان بن عفان:۱۰۲، اسد الغابہ:۶۱۲/۵)

ایک روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

والذی نفسی بیده لو ان عندی مائة بنت تموت واحدة بعد واحدة زوجتک اخری حتی لایبقی من المائه شی.

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے فوت ہو جاتیں تو میں ایک کے بعد دوسری کو تم سے بیاہ دیتا یہاں تک کہ سو کے بعد میرے پاس ایک بھی نہ رہتی۔'' (عثمان بن عفان:۱۰۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ربیع الاول 3 ھ میں ہوئی اور جمادی الاخریٰ 3 ھ میں رخصتی ہوئی۔ (اسد الغابہ:۶۱۲/۵، طبقات ابن سعد:۲۵/۸)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا خاوند فوت ہو گیا اور ادھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے لیے پیش کش کی...... لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پیش کش کو فی الحال قبول کرنے سے معذرت چاہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

یتزوج حفصة من هو خیر من عثمان ویتزوج عثمان من هی خیر من حفصه.

''حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ شخص نکاح کریگا جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ اس سے نکاح کرے گا جو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہے۔'' (الاصابہ:۲۶۴/۴، نسب قریش:۳۵۲)

چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا آ گئیں۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا یہ نکاح بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ حق تعالیٰ کی وحی کے تحت کیا تھا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما زوجت ام کلثوم من عثمان الابوحی من السماء

''سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح آسمانی وحی کے تحت ہوا۔''

(التاریخ الکبیر:۲/۲۸۱،اسد الغابہ:۵/۲۱۳،مجمع الزوائد:۹/۸۳)

حاکم نے بھی اس بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما انا ازوج بناتی ولکن اللہ تعالی یزوجھن.

''میں اپنی بیٹیوں کا نکاح کسی سے اپنی مرضی سے نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے تحت وہ نکاح ہوتے ہیں۔'' (المستدرک:۴/۴۹)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اس زوجہ محترمہ کی بہت دلداری فرماتے اور اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس صاحبزادی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی طبعی طور پر بڑی خوش لباس تھیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی انہیں اچھے سے اچھا لباس مہیا فرماتے۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انہ رای علی ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برد حریر سیراء.

''کہ انہوں نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ پر ایک گراں قیمت ریشمی چادر دیکھی۔'' (بخاری:۲/ ۸۶۸،طبقات ابن سعد:۸/ ۲۵،الاصابہ:۴/۴۶۶)

شعبان 9 ھ میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو داغ مفارقت دے کر عدم ہستی نماسے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئیں۔ (البدایۃ والنہایۃ:۵/ ۳۹،طبقات ابن سعد:۸/ ۲۵)

اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک بار پھر غموں کے سمندر میں ڈوب گئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو غسل سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اور سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے دیا۔ بعض روایتوں میں لیلیٰ بنت قانف رضی اللہ عنہا اور ام عطیہ انصاریہ کے نام بھی آتے ہیں کہ انہوں نے بھی غسل ام کلثوم میں تعاون کیا تھا۔ ام عطیہ

انصاریہ رضی اللہ عنہا ویسے بھی عورتوں کو غسل دیا کرتی تھیں۔(الاستیعاب: ترجمہ ام عطیہ انصاریہ)

چنانچہ سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل میں بھی یہ موجود تھیں۔

''نماز جنازہ خود سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتحیات نے پڑھائی۔''

(طبقات ابن سعد:۸/۲۶)

نماز جنازہ کے بعد دفن کے لیے جنت البقیع میں لایا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابو طلحہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے قبر میں اتارا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت موجود تھے۔

و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس علی القبر فرایت عینیہ تدمعان.

''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔''

(بخاری:۱/۱۷۳، اصابہ:۴/۴۶۶، طبقات ابن سعد:۸/۲۶)

روایات کے مطابق آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

''بخاری'' تدفین ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک حدیث آتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

ھل منکم رجل لم یقارف اللیلہ فقال ابو طلحہ انا قال فانزل فنزل فی قبرھا.

''کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے رات 'اقراف'' نہ کیا ہو؟ سیدنا ابو طلحہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ہوں آپ نے اس سے فرمایا کہ تم قبر میں اترو چنانچہ وہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی قبر میں اترے۔''(بخاری:۱/۱۷۱)

حدیث کے الفاظ ''اقراف'' کا ترجمہ شارحین بخاری نے عموماً یہ کیا ہے کہ:''کیا تم

میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے رات اپنی اہلیہ سے ہم بستری نہ کی ہو۔'' علامہ عینی رحمہ اللہ نے خطابی کا قول نقل کیا ہے کہ ''لم یقارف'' کے معنی ہیں کہ کوئی گناہ نہ کیا ہو، اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اپنی بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ۷۶/۸)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس لفظ کا معنی یہی ہے تو کیا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس وقت تدفین میں موجود تھے، سب نے رات اپنی بیویوں سے ہم بستری کی تھی اور صرف ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسے شخص تھے جنہوں نے رات اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کی تھی۔ یہ بات صاف طور پر غلط نظر آتی ہے۔ (عمدۃ القاری: ۷۶/۸)

اس سلسلہ میں قریباً تمام شارحین حدیث نے یہ نقل کیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس رات اپنی لونڈی سے مباشرت کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا۔ آپ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ بات پسند نہ آئی کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا موت کے کنارے پر ہو اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لونڈی سے مباشرت کرتے پھریں۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سرزنش کرنے کے لیے یہ بات فرمائی تاکہ عثمان رضی اللہ عنہ قبر میں نہ اتریں۔

(عمدۃ القاری: ۷۶/۸، فتح الباری: ۱۲۳/۳، مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۸/۴، اشعۃ اللمعات: ۷۴۲/۱، ارشاد الساری: ۴۰۲/۲)

علامہ عینی رحمہ اللہ ہی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ:

استاذن ابو طلحة ان ينزل في قبرها فاذن له.

''سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ رضی اللہ عنہا کی قبر میں اترنے کی اجازت طلب کی تھی جو انہیں دے دی گئی۔'' (عمدۃ القاری: ۷۶/۸)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے کچھ نہیں پوچھا تھا بلکہ سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر میں اترنے کی اجازت مانگی تھی۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ روایت میں یہ الفاظ کسی راوی نے گھسیڑے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا تھا اور ان الفاظ کے ذریعہ جس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر طنز کیا ہے وہ ذہنی طور پر کوئی رافضی اور سبائی ہے جس کو دلی طور پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض اور عناد ہے۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارنے کے لیے سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ قبر میں نہیں اترے تھے بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اترے تھے۔ چنانچہ امام ابوعبداللہ القرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں صاف طور پر لکھا ہے:

ونزل فی حضرتها علی والفضل واسامة

''سیدہ رضی اللہ عنہا کی قبر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا فضل رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اترے تھے۔'' (تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۴۳)

امام قرطبی رحمہ اللہ کے ذہن میں بھی بخاری کی یہ حدیث تھی لیکن انہوں نے اس کو صحیح نہ مانتے ہوئے اپنی تفسیر میں تین صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام لیا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی قبر میں وہ اترے تھے، سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نہیں اترے تھے۔

بخاری کی اس حدیث کے رجال پر اگر غور کیا جائے اور علمائے جرح و تعدیل کی کتابوں کی اگر ورق گردانی کی جائے تو اس حدیث کے ایک راوی ''فلیح بن سلیمان'' پر ان حضرات نے سخت جرح کی ہے۔ صرف ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب ''میزان الاعتدال فی نقد الرجال'' ہی اٹھا کر دیکھ لیں کہ کتنے کتنے جید علمائے رجال نے اس پر جرح کی ہے۔

امام یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ، امام ابوحاتم، اور امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے: لیس بالقوی ''قوی نہیں ہے۔'' امام ابوحاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے سنا کہ فلیح بن سلیمان نہ تو خود ثقہ ہے اور نہ اس کا بیٹا۔ عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا کہ تین اشخاص کی روایت سے بچنا چاہیے۔ محمد بن طلحہ بن مصرف، ایوب بن عتبہ اور فلیح بن سلیمان۔

''معاویہ بن صالح نے یحییٰ سے روایت کیا ہے کہ فلیح ضعیف ہے۔''

''ساجی کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ سچا ہے لیکن اسے وہم ہوتا تھا۔''

''یحییٰ بن معین نے ابوکامل سے نقل کیا ہے کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتا تھا۔''

(میزان الاعتدال ذہبی: ۳/۳۶۵)

اس حدیث کی سند میں فلیح بن سلیمان جیسے راوی کی وجہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور یہ صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کی وجہ سے گھڑی گئی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات بخاری کی اس روایت کو غلط کہنے کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوں لیکن وہ یہ یاد رکھ لیں کہ ایک طرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسری طرف بخاری۔ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں۔

یہ جو ہمارے شارحین حدیث نے لونڈی سے مباشرت والا قصہ لکھ دیا ہے وہ اس لحاظ سے بھی سراسر غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی موجودگی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لونڈی رکھی ہوئی تھی جس سے وہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی علالت میں مباشرت کرتے تھے، چونکہ یہ خصائص نبوت میں سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے نکاح کے ساتھ کسی دوسری عورت کو ان کے نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

لایبعد ان یکون من خصائصه صلی الله علیه وسلم منع التزوج علی بناته.

''یہ بات کچھ بعید نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہو کہ ان کی بیٹیوں کی موجودگی میں کسی دوسری عورت کو ان کے نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔''

(الخصائص الکبریٰ:۲/۲۵۵، فتح الباری:۹/۲۷۰)

جب شریعت کی رو سے نبی کی بیٹیوں کی موجودگی میں کوئی دوسری عورت ان کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کیسے لونڈی رکھ کر نبی کی بیٹی کی موجودگی میں اس سے مباشرت کرسکتے تھے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمادیا تھا۔

(ملاحظہ ہو: بخاری:۱/۴۳۸، ۲/۷۸۷)

③ فاختہ بنت غزوان:

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاختہ بنت غزوان رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۱۸)

ان سے ایک لڑکا عبداللہ الاصغر پیدا ہوا، لیکن بچپن ہی میں وہ انتقال کرگیا۔

④ ام عمرو بنت جندب دوسیہ رضی اللہ عنہا:

آپ نے ایک نکاح ام عمرو بنت جندب دوسیہ رضی اللہ عنہا سے بھی کیا جس سے آپ کی پانچ اولادیں ہوئیں۔ (1) عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ (2) خالد بن عثمان رضی اللہ عنہ (3) ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ (4) عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ اور (5) مریم بنت عثمان رضی اللہ عنہ۔

⑤ فاطمہ بنت ولید المخزومیہ:

آپ نے سیدنا خالد بن ولید کی ہمشیرہ سے بھی شادی کی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہ پہلے حارث بن ہشام کی بیوی تھیں اس کے مرنے کے بعد انہوں نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی زوجیت سے مشرف فرمایا، ان سے دو لڑکے ولید اور سعید اور ایک لڑکی ام سعید پیدا ہوئی۔

⑥ ام النبیین بنت عنینیہ فزاریہ:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ام النبیین بنت عنینیہ کو بھی اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمایا اور ان سے ایک لڑکا عبدالملک پیدا ہوا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔

⑦ رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ:

ایک شادی آپ نے رملہ بنت شیبہ سے بھی کی۔ رملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہندہ بنت عتبہ کی سگی چچا زاد بہن تھیں۔ شیبہ اور عتبہ دونوں سگے بھائی تھے اور مکہ کے رؤسا میں شمار ہوتے تھے۔ عتبہ جنگ بدر میں قریش کے لشکر کے سپہ سالار تھے۔ اور میدان جنگ میں مسلمانوں کے خلاف سب سے پہلے جو تین آدمی نکلے تے ان میں سے ایک عتبہ تھا دوسرا شیبہ اور تیسرا عتبہ کا بیٹا ولید۔ یہ تینوں سیدنا حمزہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئے۔ اللہ کی قدرت ان سرداران کفر کی اولاد میں اسلام کے جلیل القدر فرزند پیدا ہوئے۔

جنگ بدر کے تھوڑا عرصہ بعد سیدہ رملہ رضی اللہ عنہا مشرف باسلام ہوئیں۔ ہجرت کی اور صحابیات میں داخل ہوئیں اور اور اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت کا

شرف عطا فرمایا۔ ان سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے نام عائشہ، ام ابان اور ام عمرو تھے۔

⑧ نائلہ بنت فراضہ کلبیہ:

ان کا تعلق بنو کلب سے تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت یہ موجود تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر جب شہادت کے وقت ایک شقی نے تلوار کا وار کیا تو سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے جو پاس بیٹھی تھیں اس وار کو ہاتھ پر روکا، جس سے سیدہ رضی اللہ عنہا کی تین انگلیاں کٹ گئیں لیکن اس وار سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شمع حیات بجھ گئی۔

سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی سیدہ مریم بنت عثمان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئیں۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد:

علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حبشہ کے قیام کے دوران سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک ناتمام بچہ پیدا ہوا۔ پھر اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے انہیں ایک اور بچہ عطا فرمایا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا جو بعد میں ''عبداللہ الاکبر'' کے نام سے مشہور ہوا اور اسی کی نسبت سے آپ نے اپنی کنیت ابوعبداللہ رکھی۔

(اسد الغابہ:۵/۴۵۶، تفسیر القرطبی:۱۴/۲۴۲، طبقات ابن سعد:۸/۲۴، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۹، البدایۃ والنہایۃ:۵/ ۳۰۸، طبری:۳/۴۴۴، الاستیعاب:۳/۷۰، ۴/۴۰۰، الاصابہ:۴/۳۰۴، التمہید والبیان:۳)

اس عبداللہ الاکبر کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ چھ برس کی عمر میں ایک روز ایک مرغ نے ان کو ٹھونگ ماری جس سے زخم ہو گیا اور ان کا چہرہ متورم ہو گیا۔ پھر اسی مرض میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا انتقال جمادی الاولیٰ 4 ھ میں ہوا۔ اس کے بعد سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

روایت کا یہ حصہ سبائی ذہن نے ایک خاص سازش کے تحت بنایا ہے تا کہ یہ پتہ چلے کہ صرف سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کوئی نواسہ زندہ نہیں

رہا، لہٰذا سادات کا سلسلہ (اگر بیٹی کی طرف سے چلتا ہے) صرف اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی میں رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اور بیٹی کی اولاد سادات میں شمار نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس روایت کو کہ سیدنا عبداللہ چھ سال کی عمر میں 4 ھ میں انتقال کر گئے۔ ہر سنّی مؤرخ نے بھی نقل کیا ہے اور ایک نے دوسرے کے لکھے پر مکھی ماری ہے اور یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ جب سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال 4 ھ میں ہوا تو ان کی عمر چھ سال کیسے بنتی ہے؟ اس پر سب مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سیدنا عبداللہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وہاں ہجرت کر گئے تھے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

تزوج عثمان رقية وهاجربها الى الجشة فولدت له عبدالله هناک.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور ان کے ساتھ ہی حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہیں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں عبداللہ پیدا ہوئے۔''

(الاصابہ:۴/۳۰۴،الاستیعاب:۴/۲۹۹)

تمام اہل سیر کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ہجرت حبشہ 5 ھ نبوی میں ہوئی۔

(ملاحظہ ہو:سیرۃ النبی:۱/)

اس لحاظ سے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً 12 سال بنتی ہے نہ کہ 6 سال۔ معلوم نہیں کہ ان مؤرخین نے ان کی عمر 6 سال کیسے لکھ دی؟ شاید تاریخ جاننے والا حساب میں کمزور ہوتا ہے اور زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عبداللہ کا 4 ھ میں چھ سال کی عمر میں انتقال کر جانا تمام سنی مؤرخین اور اہل سیر نے لکھا ہے جن میں ابن حجر رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے محققین بھی شامل ہیں۔ عام مؤرخین نے تو پھر بھی چھ سال کی عمر میں ان کا انتقال کرنا لکھا لیکن ابن حزم نے چار سال کی عمر میں آن کا وفات پا جانا لکھ دیا جو اور زیادہ تعجب کی بات ہے۔ (ملاحظہ ہو: جوامع السیرۃ:۳۸)

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جب عبداللہ بن رقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر 12 سال ثابت ہوتی ہے تو بارہ سال کی عمر کے لڑکے کو مرغ نے کیسے ٹھونگا مار کر ہلاک کر دیا۔ بارہ سال کا عربی لڑکا اور وہ بھی نواسہ رسول تو جوان ہوتا ہے، مرغوں کے ٹھونگے کھانے والا بچہ نہیں ہوتا۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ شاید تاریخ عالم کا پہلا واقعہ ہے کہ ایک مرغ نے ٹھونگا مار کر ایک جوان بچے کو زخمی کر دیا جو بعد میں اسی زخم کی تاب نہ لا کر اس جہان فانی سے

انتقال کر گیا۔

ابن قتیبہ الدینوری نے تو اپنی تحقیق کے اور ہی گل کھلا دیئے۔ انہوں نے اولاد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

فولد عثمان بن عفان عبدالله الاكبر امه فاختة بنت غزوان و عبدالله الاصغر امه رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم.

''سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ الاکبر رضی اللہ عنہ ان کی والدہ کا نام فاختہ بنت غزوان تھا۔ عبداللہ الاصغر رضی اللہ عنہ ان کی والدہ کا نام سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔'' (المعارف:۸۵)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے پہلی شادی سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور سب سے پہلا لڑکا جو آپ کے ہاں ہوا وہ عبداللہ بن رقیہ رضی اللہ عنہا تھا اس لیے ہر لحاظ سے عبداللہ الاکبر وہ لڑکا ہوا نہ کہ وہ لڑکا جو بعد میں آپ کی زوجہ محترمہ فاختہ بنت غزوان کے ہاں ہوا۔ یہ بات دنیا کی کسی تاریخ اور لغت میں نہیں ہے کہ بڑے کو ''الاصغر'' کہا جائے اور چھوٹے کو ''الاکبر'' کہا جائے۔ یہ صرف اس لیے کیا گیا کہ بعض کتابوں میں آتا ہے کہ ''عبداللہ الاصغر'' بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔ لہٰذا صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کوئی نواسہ نہیں...... اس ''عبداللہ الاصغر'' کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ لکھ دیا۔ یہ ہے تاریخی بزرجمہروں کا کارنامہ۔

یہ سنی اہل سیر کی روایت ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کی کوئی نسل نہیں چلی اور 4 ھ میں چھ سال کی عمر میں مرغ کے ٹھونگے سے انتقال کر گئے تھے لیکن اب ایک شیعہ مؤرخ مسعودی کا بیان سنئے، وہ لکھتا ہے:

وكان له من الولد عبدالله الاكبر عبدالله الاصغر، امهما رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم.

''اور آپ کی اولاد میں سے ایک عبداللہ الاکبر اور دوسرے عبداللہ الاصغر تھے، ان دونوں کی والدہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔''

(مروج الذہب:۲/۳۴۱،مصر)

ان عبداللہ اکبر بن رقیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مسعودی نے لکھا ہے:

وكان عبدالله الاكبر يلقب بالمطرف بجماله و حسنه وكان كثير التزوج، كثير الطلاق.

''اور عبداللہ الاکبر کا لقب اس کے حسن و جمال کی وجہ سے مطرف تھا اور انہوں نے بہت شادیاں کی تھیں اور بہت عورتوں کو طلاق دی تھی۔'' (مروج الذہب: ۲/۳۴۱)

مسعودی کے ذہن میں یہ بھی تھا کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عبداللہ مرغ کے ٹھونگے سے انتقال کر گئے تھے اور ایسا کہنا ضروری ہے لہٰذا اس نے لکھ دیا۔

وبلغ عبدالله الاصغرمن السن ستاً وسبعين عاماً، فنقره ديک فی عينه فکان ذالک سبب موته.

''عبداللہ الاصغر جب 76 سال کے ہوئے تو ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگا مارا جوان کی موت کا سبب بنا۔ (مروج الذہب: ۲/۳۴۱)

مسعودی کے اس بیان سے یہ تو صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عبداللہ الاکبر چھ سال کی عمر میں انتقال نہیں کر گئے تھے بلکہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے، بہت شادیاں کیں اور بہت سی بیویوں کو طلاق بھی دی۔ جب شادیاں بہت زیادہ کیں تو یقینی بات ہے کہ اولاد بھی ہوئی ہوگی اور تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کی نسل بھی چلی اور آج تک موجود ہے، لیکن ہمارے اہل سیر نے سبائی سازش سے مات کھا کر ان کو بچپن ہی میں فوت کر دیا تا کہ اس نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کو ختم کر دیا جائے۔

یہ وہی عبداللہ بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جن کی شاگردی کا شرف سیدنا علی بن الحسین رضی اللہ عنہ (سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ) کو بھی حاصل تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''لیکن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین) کبار تابعین اور علم و دین کے لحاظ سے اہم شخصیتوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا مسور بن المخرمہ رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین اور سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام سیدنا ذکوان رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا تھا۔'' (منہاج السنۃ: ۲/۱۲۳)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا اور کب کیا گیا؟ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ اس لیے کیا گیا تا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس بیٹی کی نسل کو ختم کر دیا جائے۔ پہلے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماسوا دوسری تین بیٹیوں کو رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں ماننے سے ہی انکار کیا گیا لیکن جب ان کے بڑوں نے اپنی کتابوں میں اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں تھیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو چھ سال کی عمر میں راہی ملک عدم بنا دیا اور ان کی بیماری تو ذہن میں نہ آئی یہ لکھ دیا کہ مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگا مار دیا تھا جس سے ان کا چہرہ متورم ہو گیا اور وہ انتقال کر گئے حالانکہ یہ ایک ایسا وقوعہ بنایا گیا جو دنیا میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ پھر ان کی عمر بعض نے چار سال اور اکثر نے چھ سال بتائی حالانکہ حساب سے ان کی عمر 12 بنتی ہے لیکن اس قسم کی روایت وضع کرنے والوں کو خیال تھا کہ 12 سال کی عمر کے بچے کی اس طرح کی موت کو کوئی سلیم العقل قبول نہیں کرے گا لہٰذا اس کی عمر صرف چھ سال بتا دی جو کہ اس روایت کے غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے بلکہ مسعودی شیعہ نے تو اور بھی عقل کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اس نے عبداللہ الاکبر کو جوان اور شادی شدہ تسلیم کر لیا لیکن عبداللہ الاصغر کو چھ سال کی عمر میں نہیں بلکہ 76 سال کی عمر تک پہنچا کر پھر مرغ کی ٹھونگ سے ان کا انتقال کرنا لکھ دیا جس کو موٹی سے موٹی عقل والا بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

- دوسرا سوال یہ کہ ایسا کب کیا گیا؟ سیرت اور رجال کی کتابوں کی اگر ورق گردانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بات سب سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ صغیر میں لکھی اور سبائی سازش کا وہ سب سے پہلے شکار ہوئے۔ انہوں نے ابن شہاب زہری کے حوالہ سے یہ بات نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے سیدنا عبداللہ الاکبر بن رقیہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اس روایت میں مرغ کے ٹھونگے والی بات درج نہیں ہے۔ تاریخ صغیر سے پہلے یہ روایت کسی اور کتاب میں درج نہیں ہوئی اور نہ کسی کتاب میں اس کا کوئی اتہ پتہ ملتا ہے۔

پھر تعجب یہ ہے کہ ''صحیح بخاری'' کا مؤلف اتنے اہم معاملہ کے بارے میں ایک منقطع روایت نقل کرتا ہے۔ منقطع اس لحاظ سے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری کو دیکھا تک نہیں، ان سے یہ روایت انہوں نے کیسے سن لی؟ کیونکہ امام ابن شہاب زہری کا سن وفات 124ھ ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا سن پیدائش 194ھ اور سن وفات 656ھ ہے۔ اس

کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت ابن شہاب زہری کی وفات ہوئی تھی اس وقت امام بخاری رحمہ اللہ ابھی رحم مادر میں بھی نہیں آئے تھے، لہٰذا انہوں نے زہری سے یہ روایت کیسے سن لی؟ معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں کوئی راوی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے چھوڑ دیا ہے اور کسی مصلحت سے ان کا نام نہیں لے رہے لہٰذا یہ روایت انقطاع کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ زہری جو اس روایت کا راوی ہے اس کا خود اپنا حدود اربعہ کیا ہے؟ علمائے رجال کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ذہنی اور فکری لحاظ سے اس کا تعلق کس گروہ سے ہے؟ کیا وہ تقیہ باز تو نہیں؟ ان باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

عملائے جرح وتعدیل کی کتابوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ محمد بن مسلم المعروف با بن شہاب الزہری اندر سے رافضی تھا اور حدیث اور تاریخ کی ہر وہ روایت جس کا تعلق بنو امیہ یا بنو ہاشم سے ہے، اس میں اس حضرت نے اپنے رفض کے جوہر دکھائے ہیں چنانچہ وہ روایت جس میں مرقوم ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور دونوں نے فدک کی زمین میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہماری وراثت نہیں ہوتی ہم انبیاء جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے کھا سکتی ہے (حصہ نہیں لے سکتی) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا جو کچھ اس مال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے میں بھی وہی کروں گا۔ ابن شہاب زہری نے کہا پس سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہو گئیں اور انہوں نے ان کے انتقال تک ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی کلام نہ کیا۔

(بخاری: ۲، ۹۹۶، ''السنن الکبریٰ بیہقی: ۶/ ۹۹۶، السنن الکبریٰ بیہقی: ۶/ ۳۰۰، مصنف عبدالرزاق: ۵/ ۴۷۲)

اس سلسلہ میں جس قدر روایات حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں منقول ہیں جن میں یہ لفظ ہیں کہ ''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں اور پھر انتقال تک انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کلام نہیں کیا۔'' وہ الفاظ ابن شہاب الزہری کے ہیں اور ان الفاظ کے ساتھ انہوں نے اہل سنت کی کتابوں میں شیعیت داخل کر دی ہے۔ ایسے ہی اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں واقعہ فدک اور حواب کے کتوں کا جہاں بھی ذکر آتا ہے وہاں روایت کے راویوں میں ابن شہاب زہری آپ کو چھپا ہوا نظر آئے گا۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں ہر محدث نے اگر چہ ان کے علم کی تعریف کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ ان کی اکثر روایات مرسل ہیں۔ یہ تدلیس بہت کرتا ہے۔ گویا کہ ابن شہاب زہری ارسال وتدلیس کے امام تھے۔

(ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب: ۱۱/ ۳۲۷، تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۰۹، میزان الاعتدال: ۴/ ۴۰)

مرسل اور مدلس احادیث کو محدثین نے ضعیف احادیث کی اقسام میں شمار کیا ہے اور صحیح حدیث کی تعریف یہ ہے:

مالم یجتمع فیه صفات الصحیح ولاصفات الحسن

''ضعیف حدیث وہ ہے جس میں حدیث صحیح اور حسن کی صفات نہ پائی جائیں۔''

(التدریب: ۵۹)

معلوم ہوا کہ مرسل حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اس کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اتصال نہیں ہوتا۔ حدیث مرسل دین میں حجت نہیں ہوتی۔ محدثین کی آخری اور حتمی رائے یہی ہے۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے مقدمہ میں فرمایا:

''ہمارے اور محدثین کے قول کے مطابق مرسل حجت نہیں ہے۔'' (مقدمہ صحیح مسلم:)

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ مراسیل صحابہ ضعیف نہیں ہیں۔ اس لیے کہ جو صحابی روایت کرتا ہے اس نے وہ حدیث براہ راست نبی اکرم ﷺ سے نہیں سنی بلکہ کسی اور صحابی سے سنی اور اس صحابی نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے سنی۔ اس وجہ سے سند حدیث سے ایک صحابی کے ساقط ہو جانے سے حدیث کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا جس طرح صحابی کے مجہول الحال ہونے سے حدیث کی صحت بدستور قائم رہتی ہے، اس لیے صحابی ہونے کے اعتبار سے جو شرف و عظمت اس کو حاصل ہے وہ اس کی تعدیل کے لیے کافی ہے۔ (التدریب: ۷۱)

مثال کے طور پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اکثر روایات مرسل ہیں کیونکہ عہد نبوت میں وہ بچے تھے اور نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی عمر 13 سال سے زیادہ نہ تھی۔ (توضیح: ۱/ ۲۹۱)

جب مرسل احادیث محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہیں (مقدمہ مسلم) تو مدلس تو بدرجہ اولیٰ حجت نہ ہوں گی، اس لیے کہ تدلیس ارسال سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اسی وجہ سے امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زنا کاری کو ترجیح دیتا ہوں۔''

(التوضیح:۱/۳۶۶)

مزید فرمایا:

''تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے۔'' (الباعث الحثیث:۵۸)

اسی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ ہر اس راوی کی حدیث رد کر دیتے تھے جو ایک دفعہ بھی تدلیس کا مرتکب ہوتا۔ (اختصار علوم الحدیث:۴۸)

علمائے احادیث کے نزدیک تدلیس کئی قسم کی ہے مثلاً تدلیس الاسناد، تدلیس الشیوخ تدلیس نزدیک وہ نہایت بری چیز ہے۔ اسی وجہ سے محدثین کرام نے محمد بن اسحاق کو اگرچہ وہ تاریخ و مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے لیکن 95 فیصد ائمہ جرح و تعدیل حدیث میں اس کی روایت کو حجت نہیں سمجھتے۔

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب:۹/۴۱،۴۵،۴۴،۲،۳۰۶، تذکرۃ الحفاظ:۱/۱۶۳، زاد المعاد:۱/۱۴۳، فتح المغیث:۱۲۰، کتاب الاسماء والصفات:۲۹۷)

ابن شہاب زہری میں تدلیس و ارسال کے علاوہ ایک خرابی یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات روایات کی وضاحت کیلئے از خود تفسیر کر دیتے ہیں اس طریقہ سے روایت کے اصل الفاظ اور تفسیری الفاظ میں فرق نہیں ہو سکتا بلکہ نفس الامر میں اختلاط ہو جاتا ہے۔

(اس کی مثال کے لیے ملاحظہ ہو، بخاری:۲/۹۹۶ کی روایات لانورث ماترکنا صدقہ)

چنانچہ امام ربیعہ ابن عبدالرحمٰن زہری کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب آپ لوگ کوئی روایت بیان کریں تو اپنی رائے اور روایت میں فرق رکھا کریں...... تاکہ لوگوں کو آپ کی رائے اور روایت میں فرق معلوم ہو سکے۔ (ملاحظہ ہو: تاریخ الاسلام ذہبی:۵/۲۴۸)

ابن شہاب زہری کے بارے میں پیر قمر الدین سیالوی مرحوم اپنی ایک کتاب میں فرماتے ہیں:

''اہل السنّت والجماعت پر اعتراض کرنے ـ... پہلے اہل السنّت والجماعت کے مذہب کے متعلق واقفیت ضروری ہے۔ ذاکرین اہل تشیع جب اپنے اصول مذہب سے ناواقف ہیں تو اہل سنت والجماعت کے اصول کیونکر سمجھ سکتے ہیں۔ میاں! اہل السنّت والجماعت کے مذہب کا اصل الاصول یہ ہے کہ حدیث کی صحت یا ضعف

راوی کی صحت یا ضعف پر موقوف ہے۔ اگر حدیث کا راوی صحیح العقیدہ، سچا صحیح حافظہ والا ہے تو اس روایت کو صحیح مانا جائے گا ورنہ وہ روایت ضعیف کہلائے گی۔ اب فدک والی روایات میں ایک شخص محمد بن مسلم جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں۔ صرف یہ راوی یہ روایت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرا کوئی شاید نہیں اور یہ ابن شہاب زہری اہل تشیع کی ''اصول کافی'' میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور اور معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنّت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر وفکر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنّت کے لیے قابل توجہ ہوتیں تو پھر ''بخاری'' ہو یا ''کافی کلینی'' اس میں کیا فرق تھا؟ (مذہب شیعہ:۹۳، لاہور)

یہ تھا مختصر تذکرہ ابن شہاب زہری کا۔ اسی زہری نے سب سے پہلے یہ روایت گھڑی کہ عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ جو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ بچپن میں انتقال کر گئے اور اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اپنی تاریخ صغیر میں نقل کر دیا۔ (تاریخ صغیر:۳۲)

لیکن زہری کی اس روایت میں مرغ کے ٹھونگے کا ذکر نہیں تھا۔ یہ روایت ویسے تو زہری کی وجہ ہی سے قابل قبول اور قابل حجت نہیں ہے پھر زہری نے یہ روایتیں کس سے لیں اور اس کا بھی سند میں کوئی ذکر نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ بخاری نے زہری سے یہ روایت کس راوی کے ذریعہ سنی اس کا بھی روایت کی سند میں کوئی ذکر نہیں۔ بخاری نے خود تو زہری سے یہ روایت نہیں سنی کیونکہ زہری کی وفات کے 70 سال بعد امام بخاری رحمہ اللہ پیدا ہوئے، لہٰذا ان دونوں کے درمیان کوئی شخص واسطہ ہے جس نے امام بخاری رحمہ اللہ کو زہری کی یہ روایت بتائی لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس شخص کا نام نہیں لیا۔ اس وجہ سے یہ روایت بالکل کذب پر مبنی ہے۔

ابن شہاب زہری کی روایت امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ صغیر کی وجہ سے شہرت حاصل کر گئی۔ اب اس روایت پر ایک اور رافضی ابن قتیبہ نے گرہ لگائی اور جو کمی زہری سے رہ گئی تھی اس کو اس نے پورا کر دیا یعنی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عبداللہ کی وفات کے وقت عمر کا تعین کہ وہ اس وقت چھ سال کے تھے اور دوسرا ان کے انتقال کا سبب کہ ان کی وفات مرغ کے ٹھونگ سے ہوئی۔ چنانچہ ابن قتیبہ نے اس بات کو اپنی کتاب ''المعارف'' میں دو مقامات پر نقل

کیا ہے کہ عبداللہ بن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ سے انتقال کر گئے لیکن شاید عبداللہ الاصغر رضی اللہ عنہ بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ''عبداللہ الاصغر رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا لکھ دیا اور ''عبداللہ الاکبر رضی اللہ عنہ'' کو سیدہ فاختہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا بیٹا بنا دیا حالانکہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے ہوا تھا اور ان کا بیٹا عبداللہ الاکبر رضی اللہ عنہ تھا نہ کہ عبداللہ اصغر رضی اللہ عنہ جو کہ بعد میں پیدا ہوا اور بقول بعض مؤرخین وہ فاختہ بنت غزوان رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا۔ چنانچہ ابن قتیبہ لکھتا ہے۔

ولد عثمان بن عفان عبدالله الاكبر امه فاخة بنت غزوان وعبدالله الاصغر امه رقية بنت رسول صلى الله عليه وسلم.

''سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ الاکبر رضی اللہ عنہ تھے جن کی والدہ فاختہ بنت غزوان تھیں اور عبداللہ الاصغر رضی اللہ عنہ تھے جن کی والدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔'' (المعارف: ۸۵، کراچی)

ابن قتیبہ نے یہ نہیں بتایا کہ اس سے یہ روایت کس نے کی کہ عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ یعنی عبداللہ الاصغر بن رقیہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی عمر میں مرغ کے ٹھونگ سے انتقال کر گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی پولٹری فارم سے لے سکتا ہے۔

ابن قتیبہ رافضی کے بعد ابن جریر طبری رحمہ اللہ آیا جو 220ھ میں پیدا ہوا اور 310ھ میں اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ یہ بھی شیعہ تھا (جیسا کہ ہم نے جلد اول کی ابتداء میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے) اس نے ابن شہاب زہری کے شاگرد واقدی جو کہ ایک مسلمہ کذاب تھا، کے حوالے سے عبداللہ بن رقیہ رضی اللہ عنہا کے بارے وہی نظریہ پیش کیا جو اس سے قبل ابن قتیبہ پیش کر چکا تھا۔ چنانچہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے محمد بن عمر (الواقدی) کے حوالہ سے جو روایت نقل کی اس کے الفاظ ہیں:

فبلغ عبدالله ست سنين فنقره ديک علی عينه فمرض فمات في جمادی الاولی سنه من الهجره فصلی عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ونزل في حضرته عثمان.

''پس عبداللہ رضی اللہ عنہ جب چھ سال کے ہوئے تو ایک مرغ نے ان کی آنکھ پر ٹھونگا مارا جس سے وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری سے 4ھ میں انتقال کر گئے۔ نماز جنازہ رسول

اللہ ﷺ نے پڑھائی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں قبر میں اتارا۔'' (طبری: ۳/۴۴۴)

طبری کے بعداب قریباً ہر شخص نے اسی بات کو نقل کرنا شروع کر دیا کہ عبداللہ چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ لگنے سے انتقال کر گئے، لیکن جس جس نے بھی اس روایت کو نقل کیا اس کی سند میں یا تو ابن شہاب زہری ہے یا الواقدی ہے یا ان جیسا کوئی اور کذاب ہے اس روایت کے اس قدر مشہور ہونے کے باوجود کچھ مؤرخین اور محدثین ایسے بھی تھے جنہوں نے عبداللہ بن رقیہ رضی اللہ عنہا کے چھ سال کی عمر میں انتقال کرنے کی روایت کو قبول نہ کرتے ہوئے اس کو اپنی کتابوں میں نقل نہ کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبداللہ کی صغرسنی کی وفات کے قائل نہ تھے۔ ان مؤرخین اور محدثین میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تزوج رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فولد له منها عبدالله و به كان يكنى وبعد ما كان يكنى في الجاهلية بابي عمرو.

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ سے نکاح کیا جن کے بطن سے ان کا صاحبزادہ عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوا، اسی کے نام سے آپ نے اپنی کنیت ابوعبداللہ رکھی جبکہ جاہلیت میں ان کی کنیت ''ابوعمرو'' تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۱۹)

مختصر یہ کہ یہ روایت کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عبداللہ چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ لگنے سے انتقال کر گئے تھے، سبائی ذہن کی پیداوار ہے۔ اس میں کوئی صداقت نہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ جوان ہوئے، شادیاں کیں، ان کے ہاں اولاد ہوئی اور ان کی نسل آج تک چل رہی ہے۔

اولاد:

ان سب بیویوں سے آپ کی سولہ اولادیں ہوئیں۔ نو لڑکے اور سات لڑکیاں نو لڑکوں میں سے پانچ لڑکے اپنی خصوصی صفات اور علم و فضل کی وجہ سے نامور اور مشہور ہوئے جن کے نام یہ ہیں: (1) عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ، (2) عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ، (3) ابان ابن عثمان رضی اللہ عنہ، (4) عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ، (5) سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ۔

ان کے مختصر حالات زندگی اجمالی طور پر حسب ذیل ہیں:

عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ:

ان کے حالات زندگی پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

(۲) عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ:

عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سب سے بڑے اور سب سے شرف و بزرگی میں بلند مرتبہ تھے۔ یہ علمی لحاظ سے نہایت جلیل القدر تھے۔ ابن سعد نے انہیں طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے اور انہیں ثقہ بتایا ہے۔ انہوں نے خود تو اپنے والد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے استفادہ کیا، لیکن ان سے جن لوگوں نے استفادہ کیا اور حدیث روایت کی ہے ان میں ان کے بیٹے عبداللہ، علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہ (زین العابدین رحمہ اللہ) سعید بن المسیب رحمہ اللہ اور ابوالزناد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی صاحبزادی رملہ بنت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجیت میں دیا۔ (کتاب المحبر :۵۷)

ان کی ایک اور بیوی سیدنا عبداللہ بن عمر الخطاب کی صاحبزادی حفصہ رحمہ اللہ تھیں۔
(کتاب المعارف:۸۵)

اس لحاظ سے یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔

رملہ بنت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے دو صاحبزادے عثمان الاکبر اور خالد تھے اور حفصہ بنت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے ایک صاحبزادے عبداللہ الاکبر تھے جن کے بارے میں قتیبہ نے لکھا ہے:

فاما عبدالله الاكبر فكان من اجمل الناس ولقب المطرف لجماله.

''اور عبدالاکبر (اس وقت کے) لوگوں میں سب سے حسین وجمیل تھے اور ان کے حسن وجمال کی وجہ سے ان کا لقب ''المطرف'' تھا۔ (کتاب المعارف:۸۵)

آپ کے ایک ام الولد سے پانچ لڑکے عمر، مغیرہ، ابوبکر، عبداللہ الاصغر اور ولید تھے اسی طرح دو لڑکیاں عائشہ اور ام سعید ایک اور ام الولد سے تھیں۔

ان کی وفات منیٰ میں ہوئی۔ آپ سیاہ خضاب استعمال فرماتے تھے۔ چنانچہ سعید

المقبری کہتے ہیں کہ میں نے جن ابناء صحابہ کو سیاہ خضاب استعمال کرتے دیکھا ان میں ایک عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ نہایت صاحب عمل بزرگ تھے اور اپنے زمانے کے ان صاحب علم و فضل لوگوں میں سے تھے جو مرجع انام سمجھے جاتے تھے۔ حدیث نبوی اور کتاب اللہ کا علم انہوں نے اپنے والد عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ، اپنے نانا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا تھا اور ان سے ان کے صاحبزادے محمد رحمۃ اللہ علیہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ امام ابوبکر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ہشام بن سعد وغیرہم نے خوشہ چینی کی تھی۔

ان کی ثقاہت اور عدالت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے نہایت شریف النفس اور سخی صفت تھے۔ راہ خدا میں اپنے دادا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زندہ مثال تھے۔

عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ، جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں اور سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے رشتہ ازدواج سے منسلک تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ان کے چچا زاد بھائی حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا ان کے بطن سے ان کی جو اولاد پیدا ہوئی ان کے نام محمد الاصغر، قاسم، رقیہ ہیں۔ (کتاب المعارف: ۹۶،۸۶)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کے گھر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ خود ان فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہ کی والدہ ام اسحاق عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور خود سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ (کتاب المعارف: ۸۶)

③ عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ:

عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی ام عمرو بنت جندب تھیں۔ اس لحاظ سے یہ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے۔ نہایت نیک انسان تھے، علم حدیث میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ان کے خرمن علم کے خوشہ چین تھے۔

ان کے دو صاحبزادے زید اور عاصم اور ایک صاحبزادی ام ایوب تھیں۔ ام ایوب

امیر المومنین عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں اور آپ کے صاحبزادے زید رحمۃ اللہ علیہ کے حبالہ عقد میں سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہ تھیں۔

(کتاب المعارف:۸۷)

عاصم بن عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بہت بخیل تھے۔

(کتاب المعارف:۸۷)

لیکن یہ روایت کسی سبائی کی ہے کیونکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پوتا بخیل نہیں ہوسکتا۔

④ سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ:

سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ فاطمہ بنت ولید المخز ومیہ کے بطن سے تھے اور فاطمہ بن ولید سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیف اللہ کی بہن تھیں۔ اس لحاظ سے سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔ فاطمہ بنت ولید کی ماں ابوجہل (عمرو بن ہشام) کی بیٹی تھی۔

سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نہایت بہادر، دلیر اور جنگجو آدمی تھے۔ 54 ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خراسان کا گورنر مقرر فرمایا۔ سمرقند کی فتح کا سہرا انہی کے سر ہے۔ سمرقند کی لڑائی اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی سمرقند میں ہوئی۔ سمرقند کی فتح کے بعد ترمذ کو فتح کیا اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ (فتوح البلدان:)

⑤ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ:

یہ عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے اور دونوں کی والدہ ام عمرو بنت جندب دوسیہ تھیں۔ یہ بھی علم و فضل میں مرجع خلائق تھے اور فقہائے مدینہ میں شمار ہوتے تھے۔ عمرو بن شعیب فرماتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حدیث اور فقہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ یہ کبار تابعین میں سے تھے اور نہایت ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب: تذکرہ ابان رضی اللہ عنہ)

انہوں نے حدیث نبوی کا علم اپنے والد محترم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا اور ان سے ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ، ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ اور بنیہ بن وہب وغیرہم

نے استفادہ کیا۔

ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ عبدالملک مروان کی جانب سے قریباً سات سال تک مدینہ طیبہ کے گورنر رہے۔ ان کی گورنری کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ آپ نے ان سب کی نماز جنازہ پڑھائی۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھا ہے:

وصلی علیه ابان بن عثمان بن عفان وهو یومئذٍ امیر المدینه.

''ان کی نماز جنازہ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے پڑھائی اور وہ اس زمانے میں (عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ کی طرف سے) مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔''

(اسد الغابہ: ۳/۱۳۵، استیعاب: ۲۶۷)

ابن سعد نے ''طبقات'' میں لکھا ہے کہ ۸۱ھ میں جب سیدنا محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا اور ان کا جنازہ لایا گیا تو سیدنا محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں نے سیدنا ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کو کہا:

نحن نعلم ان الامام اولی بالصلوه ولولا ذالک ماقدمناک.

''ہم جانتے ہیں کہ امام وقت نماز کی امامت کا زیادہ حق دار ہوتا ہے۔ اگر یہ ایسا (شرعی دستور) نہ ہوتا تو ہم آپ کو آگے کھڑا نہ کرتے۔''

ابن سعد ہی نے لکھا ہے:

فتقدم فصلی علیه.

''پھر ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔''

(طبقات ابن سعد: ۵/۸۶)

سیدنا ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کا ساتھ دیا۔ کیونکہ یہ امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث ہونے کی وجہ سے مطالبہ قصاص کر رہے تھے......

بعض جاہل لوگ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قصاص کا مطالبہ کرنے کا کیا حق تھا۔ شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس مطالبہ قصاص میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

(ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار)

سیدنا ابان رضی اللہ عنہ نے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں یادگار چھوڑیں، لیکن ان سب میں ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ سب سے لائق اور صاحب علم تھے۔ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ام سعید بنت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام تھیں۔ ابان رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور نکاح سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز کی صاحبزادی سے ہوا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی سیدہ ام کلثوم بنت زینب علی رضی اللہ عنہ ان کے حبالہ عقد میں تھیں۔ یہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نواسی اور سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔ چنانچہ ابن قتیبہ الدینوری نے لکھا ہے:

و كانت عنده ام كلثوم بنت عبدالله بن جعفر.

سیدنا ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں سیدہ ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ تھیں۔'' (المعارف الابن قتیبہ:۸۶)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان سے پہلے قاسم بن محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں پھر ان کا نکاح حجاج بن یوسف ثقفی سے ہوا لیکن پھر علیحدگی ہوگئی۔ ان کا تیسرا نکاح ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو''المعارف:۹۰، جمہرۃ الانساب:۱۱۴، کتاب المجر'' وغیرہ)

ابان بن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بنوامیہ کے زمانہ میں بہت اعزاز حاصل کیا۔

عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ

خلیفہ سوم کی جامع، مدلل اور مستند سوانح حیات

حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔اے